حیاتِ خلیلؒ

یعنی

حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری نور اللہ مرقدہٗ

کی مفصّل سوانح حیات

● خاندان اور وطن ● علمی و سیاسی ماحول ● مشہور شخصیتیں اور خانوادے ● تعلیمی، تدریسی اور تنظیمی سرگرمیاں ● صفات و کمالات ● علمی و دینی خدمات ● تزکیۂ نفوس ● ارشادات و ملفوظات ● تصنیفات و تالیفات ● ہمعصر علماء و مشائخ کی رائیں ● خلفاء و مجازین کا تذکرہ اور مظاہر علوم کی مختصر تاریخ۔

حصّہ اوّل

(ولادت سے وفات تک)

حسب ایماء

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی دامت برکاتہم

مرتّبہ

محمد ثانی حسنی ندوی، مظاہری

ملنے کے پتے { مکتبۂ اسلام گوئن روڈ، لکھنؤ
کتب خانہ یحیوی مظاہر علوم سہارنپور

www.abulhasanalinadwi.org

نام کتاب: .. .. حیاتِ خلیلؒ

مرتب: .. .. محمد ثانی حسنی

بار اوّل: .. .. چار ہزار

کتابت: .. .. جلال الدین بستوی، دلشاد احمد پرتاپگڈھی

مطبوعہ: .. .. تنویر پریس باغ گونگے نواب لکھنؤ

جلد: .. .. اوّل

صفحات: .. .. (۴۲+۸ ۳۲)

قیمت: .. .. دس روپئے صرف

باہتمام: حافظ ہارون رشید صدیقی ایم۔اے

www.abulhasanalinadwi.org

أَلَآ إِنَّ أَوْلِيَآءَ اللّٰهِ
لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۞
اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ؕ لَهُمُ
الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي
الْاٰخِرَةِ ؕ لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ؕ
ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۞

(سورۂ یونس ۶۲ تا ۶۴)

www.abulhasanalinadwi.org

"یاد رکھو جو لوگ اللہ کے دوست ہیں،
نہ ڈر ہے اُن پر اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔
جو لوگ کہ ایمان لائے اور ڈرتے رہے،
اُن کے لئے ہے خوشخبری دنیا کی زندگانی
میں اور آخرت میں، بدلتی نہیں اللہ کی
باتیں۔ یہی ہے بڑی کامیابی۔"

(ترجمہ از: شیخ الہند مولانا محمود الحسن قدس سرہٗ)

www.abulhasanalinadwi.org

مکتوب گرامی

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب

کاندھلوی دامت برکاتہم ومتعنا اللہ بفیوضہم

عزیزم الحاج مولوی محمد ثانی سلّمہ،

بعد سلام مسنون۔ تمہاری تالیف "حیات خلیل" کا مسودہ مدینہ پاک میں پہونچکر موجب مسرات ہوا تھا، میں اس کو سُن سُنکر وہاں سے ہی واپس کرتا رہا۔

اللہ تعالیٰ تمہاری اس محنت کو قبول فرماکر دارین کی ترقیات کا ذریعہ بنائے۔ ماشاء اللہ تم نے بڑی محنت وکاوش سے حالات تحقیق کے بعد جمع کردئے، بالخصوص تصانیف کے متعلق تم نے جو مواد جمع کردیا وہ بہت اچھا ہوگیا کہ یہ چیز عام ذہنوں سے نکل گئی تھی۔

اس ناکارہ کے متعلق جو کچھ لکھا گیا وہ اگر نہ لکھتے تو زیادہ اچھا ہوتا، کتاب

www.abulhasanalinadwi.org

کے بقیہ مضامین بھی ماشاءاللہ بہتر طریقہ پہ لکھ دیے گئے، مجھے تقریظ وغیرہ لکھنی نہیں آتی جیساکہ تم کو بھی معلوم ہے، لیکن تمہارے لئے اور تمہاری کتاب کی قبولیت کے لئے بے اختیار دِل سے دُعا نکلی۔

اللہ تعالیٰ تمہاری اس کتاب کو اور دیگر کتب کو قبول فرمائے، زیادہ سے زیادہ لوگوں کو انتفاع میسر فرمائے، بجز دعا کے اور کیا لکھوں۔ فقط

محمد زکریا کاندھلوی
(حضرت شیخ زاد مجدہ)
بقلم محمد شاہد غفرلہ،
۲۱ رجب المرجب ۱۳۹۶ھ
سہارنپور

www.abulhasanalinadwi.org

فہرست ابواب حصّہ اوّل وثانی

حصّہ اوّل

۱۔ مکتوب گرامی حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی مدظلہ العالی
۲۔ مقدّمہ ، مولانا سیّد ابوالحسن علی ندوی
۳۔ پہلا باب۔ خاندان اور وطن
۴۔ دوسرا باب۔ ماحول، شخصیتیں اور خانوادے
۵۔ تیسرا باب۔ ولادت سے تکمیل علوم تک
۶۔ چوتھا باب۔ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کے قدموں میں
۷۔ پانچواں باب۔ درس و تدریس کا مشغلہ اور مختلف مدرسوں میں ملازمت
۸۔ چھٹا باب۔ مدرسہ مظاہر علوم کی صدر مدرسی سے سرپرستی تک
۹۔ ساتواں باب۔ طرز تعلیم، معمولات درس، انتظام مدرسہ
۱۰۔ آٹھواں باب۔ آخری حج اور زیارت مدینہ
۱۱۔ نواں باب۔ مدینہ منورہ کا قیام اور ہجرت کی نیّت
۱۲۔ دسواں باب۔ علالت اور وفات

حصّہ دوم

۱۳۔ گیارہواں باب۔ اوصاف و کمالات اور امتیازات وخصوصیات
۱۴۔ بارہواں باب۔ معمولات و نظام الاوقات

۱۵۔ تیرہواں باب۔ بیعت وارشاد، تربیت وسلوک۔
۱۶۔ چودہواں باب۔ افکار وخیالات اور دینی امور میں مسلک ومشرب۔
۱۷۔ پندرہواں باب۔ ارشادات وملفوظات۔
۱۸۔ سولہواں باب۔ ہمعصر علماء ومشائخ سے تعلق اور باہمی ربط وضبط۔
۱۹۔ سترہواں باب۔ تصنیفات وتالیفات
۲۰۔ اٹھارہواں باب۔ ممتاز خلفاء ومجازین

www.abulhasanalinadwi.org

فہرست مضامین

حصّہ اوّل

مقدمہ — مولانا سیّد ابوالحسن علی ندوی — ۱ تا ۱۶

پہلا باب

خاندان اور وطن
شیخ الاسلام ابو اسماعیل عبداللہ الانصاری — ۲۰
شیخ الاسلام کے اخلاف — ۲۲
علمائے فرنگی محل — ۲۳
سہارنپور اور اس کے اطراف — ۲۴
حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی اور آپ کا خاندان — ۲۵
حضرت مولانا خلیل احمد صاحب کے اسلاف اور ان کا وطن — ۲۸
شاہ ابوالمعالی کے خاندان سے رشتہ اور پیرزادگی — ۲۹
شاہ قطب علی — ۳۰
شاہ احمد علی اور ان کی اولاد — ۳۰
مولانا انصار علی — ۳۱
مولانا عبداللہ انصاری — ۳۲
مولانا صدیق احمد — ۳۲
شاہ مجید علی — ۳۴

www.abulhasanalinadwi.org

ننھیالی سلسلہ اور اس کی مشہور ممتاز شخصیتیں ۳۵
مولانا محمد مظہر صاحبؒ نانوتوی اور ان کے بھائی ۳۶
حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ ۳۷
حضرت مولانا مملوک علی صاحب نانوتوی ۳۸
مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی ۴۰
والدہ ماجدہ ۴۱
حضرت مولانا کا آبائی سلسلۂ نسب ۴۲
ننھیالی سلسلۂ نسب ۴۳
مردم خیز وطن ۴۴

دوسرا باب

ماحول، شخصیتیں اور خانوادے

تحریک جہاد اور اس کے اثرات و نتائج ۵۰
اٹھارہ سو ستاون عیسوی کا انقلاب ۵۳
دو اسلامی قلعے ۵۴
ممتاز علمی و دینی شخصیتیں ۵۵
علمی و دینی خاندان و خانوادے ۵۷
خاندان نانوتہ ۵۷
خاندان کاندھلہ ۵۸
خاندان ولی اللّٰہی ۶۱
سلسلہ چشتیہ صابریہ ۶۴

www.abulhasanalinadwi.org

سلسلہ مجددیہ نقشبندیہ ۶۵

تیسرا باب

ولادت سے تکمیل علوم تک

مختلف نام ۷۲
ابتدائی زمانہ ۷۲
آپ کی مکتبی تعلیم ۷۳
ذکاوتِ حس و موجودہ تعلیم سے بے اطمینانی ۷۳
گوالیار میں ۷۴
عربی کی تعلیم ۷۵
وطن میں دوبارہ تعلیم ۷۶
دارالعلوم دیوبند ۷۸
انگریزی چھوڑنے اور دینی تعلیم حاصل کرنے کی کوشش ۷۹
دیوبند سے سہارن پور ۸۰
آپ کے اساتذہ ۸۱
تحصیل علم حدیث ۸۱
دورۂ حدیث ۸۲
حضرت مولانا سعادت علی کا انتقال ۸۲
صحاح کی تعلیم ۸۳
اسناد حدیث ۸۳
نقشہ اسناد ۸۷

www.abulhasanalinadwi.org

دورۂ حدیث کے بعد ۸۹
آخری سال ۹۰
تکمیلِ علوم کی خوشی میں ۹۰
معین المدرسی ۹۰
ادب عربی کی تحصیل ۹۱
قاموس کا ترجمہ اور مسوری میں قیام ۹۲
حفظِ قرآن ۹۳
نکاح ۹۵
آپ کے صاحبزادے محمد ابراہیم ۹۵

چوتھا باب

حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ کے قدموں میں
سب سے پہلی توجّہ ۹۹
گنگوہ کی حاضری ۱۰۰
میلانِ طبع ۱۰۱
بیعت و ارادت ۱۰۲
مجاہدات و حالات ۱۰۵
مکمّل سپردگی ۱۰۷
اجازت و خلافت ۱۰۷
حسنِ ادب و کمالِ محبّت ۱۰۸
شیخ سے تعلّق اور علو مرتبت ۱۰۹

www.abulhasanalinadwi.org

حضرت مولانا کا مکتوب گرامی ۱۱۱
حضرت گنگوہیؒ کا جواب ۱۱۲

پانچواں باب

درس و تدریس کا مشغلہ اور مختلف مدرسوں میں ملازمت
منگلور میں ۱۱۷
مولانا قاضی محمد اسماعیل کی مجلس میں ۱۱۷
بھوپال میں ۱۱۸
مفتی عبدالقیوم بڑھانوی سے سند حدیث ۱۱۹
وطن واپسی کی خواہش اور حضرت گنگوہیؒ سے استفسار ۱۲۱
پہلا حج ۱۲۳
ایک غیبی مدد ۱۲۴
حضرت حاجی امداد اللہ صاحب کی خدمت میں ۱۲۶
حضرت حاجی صاحب کا استفسار اور آپ کا شوق زیارت ۱۲۶
مدینہ منوّرہ میں ۱۲۷
علماء کی خدمت میں ۱۲۸
حضرت شاہ عبدالغنی کی سند حدیث ۱۲۸
سکندر آباد میں ۱۲۹
اہلِ بدعت کی ایذ رسانی ۱۳۰
حضرت مولانا گنگوہیؒ کا مکتوب گرامی ۱۳۰
دوبارہ ہنگامہ اور وطن واپسی ۱۳۱

www.abulhasanalinadwi.org

ایک ناکام مُبارک آرزو ۱۳۱

بھاولپور سے ایک مدرس کی خواہش اور آپ کا انتخاب ۱۳۲

بھاولپور میں ۱۳۳

مولوی شمس الدین کے سوالات و آپ کے جوابات ۱۳۳

صدر مدرس سے افسر مدارس دینیات ۱۳۴

اہلیہ محترمہ کا انتقال ۱۳۵

حضرت مولانا کا عقد ثانی ۱۳۶

دوسرا حج ۱۳۶

حضرت گنگوہیؒ کا حضرت حاجی صاحب کو سلام اور حاضر نہ ہونے کی معذرت۔ ۱۳۸

حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ کی خدمت میں ۱۳۹

اجازت و خلافت ۱۳۹

سید چراغ علی شاہ کی ایذا رسانی اور آپ کا کلمۂ حق و استغنا۔ ۱۳۹

دِل خراش حادثے ۱۴۰

محبوبیت و مقبولیت ۱۴۱

ہنگامہ خیز دَور ۱۴۳

مناظرہ ۱۴۵

حضرت مولانا کی طلاقت لسانی اور فتح مبین ۱۴۶

مولانا کا استعفا ۱۴۶

مخالفین کا جذبۂ انتقام گرفتاری کا حکم اور آپ کی وطن واپسی ۱۴۷

www.abulhasanalinadwi.org

بریلی	۱۴۷
مدرسہ مصباح التہذیب	۱۴۹
مدرسہ مصباح العلوم اور حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری	۱۵۱
آپ کے معمولات	۱۵۲
طلباء کی استعداد سے حضرت مولانا کا عدم اطمینان	۱۵۳
اہلِ بدعت کا آپ کے خلاف ہنگامہ	۱۵۳
حافظ محمد جعفر خاں اور ان کے گھرانہ کو مولانا سے قلبی تعلق	۱۵۵
بریلی سے دیوبند	۱۵۶
دارالعلوم دیوبند کے مدرس دوم	۱۵۷
آپ کا درس اور معمول	۱۵۸
شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی حلقۂ درس میں	۱۵۹
ایک شورش اور حضرت گنگوہیؒ کا مکتوب	۱۶۰
مدرسہ میں انتظامی تبدیلی	۱۶۳
تحریک ندوۃ العلماء کی تائید اور اس کے پہلے جلسہ میں شرکت۔	۱۶۵
آپ کے زمانہ درس کے ارباب شوریٰ طلباء اور اساتذہ۔	۱۶۶
مدرسہ کے مہتمم اور ارباب شوریٰ	۱۶۸
انتظام و انصرام	۱۶۹

www.abulhasanalinadwi.org

حافظ احمد صاحب کا اہتمام مدرسہ اور حضرت مولانا کی کوشش۔ ۱۶۹

چھٹا باب

مدرسہ مظاہر علوم کی صدر مدرسی سے سرپرستی تک
حضرت گنگوہیؒ کی سرپرستی مدرسہ ۱۷۳
حضرت مولانا صدر مدرسی کے عہدہ پر ۱۷۴
مدرسہ مظاہر علوم ایک بابرکت دور میں ۱۷۶
مدرسہ کا سالانہ جلسہ اور آپ کی رپورٹ ۱۷۶
مولانا کے اسباق اور طلباء کی تعداد ۱۷۹
آپ کے دور صدر مدرسی کے جلسے اور حضرت مولانا تھانویؒ سے تعلق۔ ۱۸۱
۱۳۱۸ھ کے سالانہ جلسے میں حضرت مولانا کی اہم تقریر۔ ۱۸۲
حضرت گنگوہیؒ کا سرپرستی سے استعفاء ۱۸۴
حضرت مولانا کی سرپرستی سے جبراً سبکدوشی ۱۸۶
ہنگامہ و بغاوت کا خاتمہ اور غیبی مدد ۱۸۸
حضرت مولانا کی صدر مدرسی پر بحالی اور تین نئے سرپرستان مدرسہ۔ ۱۸۹
نئے سرپرستوں کا احساس ذمہ داری اور فرائض کی انجام دہی۔ ۱۹۱

www.abulhasanalinadwi.org

سرپرستوں کی تجویز اور حضرت مولانا کا تورع	۱۹۱
ایک نیا ہنگامہ اور اس کا خاتمہ	۱۹۲
مبارک سالانہ جلسہ	۱۹۳
مولانا ذوالفقار علی صاحب دیوبندی کا انتقال اور شیخ الہند کا انتخاب	۱۹۴
سب سے بڑا حادثہ	۱۹۶
ایک بدعتی کی شرارت اور حضرت مولانا کی فراست	۱۹۷
حضرت کے بعد آپ کا حال اور اظہار تأثر	۱۹۸
تیسرا حج	۱۹۸
حرم شریف میں آپ کا درس	۲۰۰
ایک شرانگیز فتنہ	۲۰۱
کتب خانہ کی تعمیر	۲۰۲
علالت و رخصت و مولانا محمد یحیٰی کاندھلوی کی آمد	۲۰۳
دیوبند کا جلسۂ دستاربندی اور آپ کی شرکت۔	۲۰۵
حجاج کا مبارک قافلہ اور آپ کی ہمرکابی (چوتھا حج)	۲۰۶
حضرت مولانا کے صاحبزادے حافظ ابراہیم کا انتقال	۲۰۸
مسجد کی تعمیر اور آپ کا ذوق وانہماک	۲۰۹
كلمة حق عند سلطان جائر	۲۱۰
ہجرت کا ارادہ اور ایک طویل مشورہ	۲۱۰

www.abulhasanalinadwi.org

پانچواں حج	۲۱۲
ایک کرامت	۲۱۳
آپ کی محبوبیت کا اہل مدرسہ پر اثر	۲۱۴
مدرسہ کا سالانہ جلسہ اور آپ کی منقبت میں ایک نظم	۲۱۵
مدینہ منورہ میں قیام اور انور پاشا سے ملاقات	۲۱۷
حجاز سے واپسی	۲۱۸
آپ کی واپسی پر استقبال کی تیاری اور مولانا محمد یحییٰ کاندھلوی کا انتقال	۲۲۰
گرفتاری اور نینی تال روانگی	۲۲۱
رہائی اور دارالعلوم دیوبند میں تشریف آوری	۲۲۲
سہارنپور میں استقبال کرنے والوں کا ہجوم	۲۲۳
تنخواہ لینے سے انکار	۲۲۴
ثبات قدمی اور صبر و قناعت	۲۲۵
کارِ نظامت	۲۲۶
ایک نیا اور مبارک تقرّر	۲۲۶
آپ کا مولانا محمد زکریا صاحب سے تعلق اور کاندھلہ کا سفر	۲۲۷
دارالحدیث کی تکمیل اور درس حدیث کا افتتاح	۲۲۸
راندیر کا سفر اور مدرسہ کے لئے سعی مشکور	۲۲۹

www.abulhasanalinadwi.org

حضرت مولانا کی علالت اور رُخصت	۲۲۹
مدرسہ کی سرپرستی	۲۳۰
حضرت مولانا کا ایک خواب اور حضرت رائے پوری کا انتقال	۲۳۲
حضرت مولانا محمود حسن صاحب کی مالٹا سے واپسی اور مُلاقات	۲۳۳
چھٹا حج	۲۳۴
امروہہ میں شیعہ سُنّی مناظرہ اور شیخ الہندؒ کی وفات	۲۳۸
ارتداد کا فتنہ اور حضرت مولانا کی فکرو پریشانی	۲۳۹
مدرسہ مظاہر علوم میں بعض تبدیلیاں اور مُبارک اضافہ	۲۴۰
بذل المجہود جلد اوّل کی طباعت	۲۴۲
رنگون کا سفر	۲۴۲
جلسہ سالانہ اور حضرت مولانا عبدالقادر صاحب کی آمد	۲۴۳
مولانا صدیق احمد کی وفات اور آپ کا تأثر	۲۴۵
مدرسہ کے نئے سرپرست	۲۴۷
مدرسہ کا انتظام	۲۴۸

www.abulhasanalinadwi.org

ساتواں باب

طرز تعلیم، معمولات درس، انتظام مدرسہ

ابتدائی استعداد کی فکر ۲۵۲
قرأت و تجوید کو اولیت ۲۵۲
تعلیمی امور میں سختی ۲۵۳
طلباء سے تعلق و محبّت ۲۵۴
اساتذہ کا احترام ۲۵۵
درس و تدریس میں آپ کا نظریہ اور معمول ۲۵۶
اسباق کی نگرانی ۲۵۹
پڑھانے کا انداز اور تقریر ۲۶۰
درس کے لئے تشریف لے جانا ۲۶۰
سند فراغت ۲۶۱
مسلسلات کی سند ۲۶۱
چند مشہور تلامذہ ۲۶۳
امتحان لینے کا طریقہ ۲۶۵
حضرت مولانا کی خدمات اور مدرسہ کی ترقی و عروج کا زمانہ ۲۶۶
آپ کے دم قدم سے مدرسہ کو ترقی ہوئی ۲۶۹

www.abulhasanalinadwi.org

آٹھواں باب

آخری حج اور زیارتِ مدینہ

ساتواں اور آخری حج	۲۷۴
اعزاز و احباب سے رخصتی ملاقات	۲۷۴
روانگی سے پہلے	۲۷۵
شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کی رفاقت و ہمسرکابی	۲۷۶
حیدرآباد میں	۲۷۸
حیدرآباد سے بمبئی	۲۷۹
بمبئی سے مکہ مکرمہ	۲۸۰
مکّہ سے عرفات تک	۲۸۱
بیت اللہ شریف میں	۲۸۱
مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ	۲۸۲
جذب و شوق اور کیف و مستی	۲۸۵
آستانۂ نبوی پر	۲۸۶

نواں باب

مدینہ منورہ کا قیام اور ہجرت کی نیت

قیامگاہ	۲۹۱

www.abulhasanalinadwi.org

مدرسہ مظاہر علوم کی ذمہ داریوں سے استعفا	۲۹۱
اطمینان وسکون اور فرحت وانبساط۔	۲۹۲
ہجرت کی نیّت	۲۹۳
عزیز ترین مشغلہ	۲۹۳
مدینہ منورہ میں شب وروز کے معمولات	۲۹۴
معمولات رمضان	۲۹۵
حرم نبوی میں نماز کا اہتمام	۲۹۶
ایک غلط العوام عقیدہ کی تردید	۲۹۸
قاضی القضاۃ ابن بلیہد سے ایک مکالمہ	۲۹۹
سلطان ابن سعود کا اعتراف و حسن عقیدت	۳۰۱
آپ کے قیام سے چند اصلاحات	۳۰۱

دسواں باب

علالت ووفات

زندگی کا آخری رمضان اور اس کی تیاری	۳۰۷
علالت کی ابتداء	۳۰۸

www.abulhasanalinadwi.org

رمضان کی آمد اور آپ کی محنت و عزیمت	۳۰۹
ایک خواب اور اس کی تعبیر	۳۰۹
فالج کا اثر	۳۱۰
مرض سے افاقہ	۳۱۱
حضرت شیخ کو رخصت کرنا اور خلافت و اجازت سے نوازنا	۳۱۱
سوز و گداز اور موت کا استحضار و یقین۔	۳۱۳
اہلیہ صاحبہ کے ساتھ حُسن معاملہ اور صبر کی تلقین	۳۱۴
حج ۱۳۴۵ھ میں عدم شرکت	۳۱۵
زندگی کا آخری مکتوب	۳۱۷
مرض الوفات کی ابتداء	۳۱۷
شدّتِ مرض	۳۱۸
بیہوشی	۳۱۹
انتقال	۳۱۹
تجہیز و تکفین	۳۲۰
نماز جنازہ	۳۲۱
جنّت البقیع	۳۲۱

www.abulhasanalinadwi.org

اولاد ۳۲۵
باقیات الصالحات ۳۲۶
واقعاتِ زندگی ایک نظر میں ۳۲۷

www.abulhasanalinadwi.org

مقدمہ

از

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

www.abulhasanalinadwi.org

www.abulhasanalinadwi.org

مقدمہ

الحمد للّٰہ وکفیٰ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ

صحیح حدیث میں آتا ہے کہ العلماء ورثۃ الانبیاء والانبیاء لم یورثوا دینارًا ولا درھمًا ولکن ورثوا ھذا العلم فمن اخذہ اخذ بحظ وافر[1] (علماء انبیاء کے وارث ہیں اور انبیاء کی میراث درہم و دینار نہیں ہوتے بلکہ ان کا ترکہ یہ علم ہی ہوتا ہے تو اسے جس نے حاصل کیا اس نے بڑا حصہ پایا۔)

سب جانتے ہیں کہ ہر "میراث" کے الگ الگ لوازم اور مطالبات ہوتے ہیں، اور ایک سچے وارث کو ان لوازم و مطالبات کا پورا کرنا ضروری ہوتا ہے، سلطنت کی میراث کے لوازم و مطالبات اور ہیں، فقر و درویشی کی میراث کے لوازم و مطالبات اور، مسند علم و تدریس کے ورثہ کے لوازم و مطالبات اور، سپہ گری و شہزوری کی وراثت کے لوازم و مطالبات اور، انبیاء اور کتاب الٰہی کی وراثت کے لئے علم و فہم حفظ و حفاظت، زہد و تقویٰ، عبادت و انابت اور اس کی حفاظت کے لئے غیرت و شجاعت کی ضرورت ہے، اور ان سب صفات عالیہ سے اس کے وارث کا متصف ہونا ضروری ہے۔

بیہقی کی روایت ہے کہ یحمل ھذا العلم من کل خلف عدولہ ینفون عنہ تحریف الغالین وانتحال المبطلین وتاویل الجاھلین[2] (اس علم کے ہر نسل میں ایسے عادل اور متقی حامل و وارث ہوں گے جو اس دین سے غلو پسند لوگوں کی تحریف، اہل باطل کے غلط انتساب و دعوے، اور جاہلوں کی دور از کار تاویلات کو دور کرتے رہیں گے)

اس حکیمانہ ارشاد میں علماء حق کے کام کی نوعیت، اور ان کی ذمہ داریوں کا پورا خاکہ اور ان کی زندگی کا دستور العمل آگیا ہے، اسلام کی پوری تاریخ تجدید و اصلاح

---

[1] صحیح بخاری [2] مشکوٰۃ ص ۳۶ فصل ثانی

www.abulhasanalinadwi.org

اسی اجمال کی تفصیل اور انھیں فرائض سہ گانہ کی تکمیل (اسلام کو تحریف، غلط انتساب اور جاہلانہ تاویلات سے محفوظ رکھنے کی کوشش) کی تاریخ ہے۔

یہ سلسلہ زمانی حیثیت سے وفات نبویؐ کے بعد سے ہماری صدی تک، اور مکانی حیثیت سے عالم اسلام کے مشرقی گوشہ سے لے کر مغربی گوشہ اور شمالی سرحد سے لے کر جنوبی سرحد تک برابر جاری رہا، لیکن مختلف تاریخی اسباب کی بنا پر جن کی تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں، آٹھویں صدی ہجری سے یہ تحتی برِّعظیم (ہند) ان تجدیدی و اصلاحی کوششوں کا ایک بڑا مرکز بن گیا۔ یہ کوشش یہاں پہلے اشاعت اسلام، تزکیہ نفوس، درجۂ احسان کے پیدا کرنے اور تصفیۂ باطن کی شکل میں شروع ہوئی جس کے بڑے مرکز خانقاہیں، اور جس کے بڑے داعی و مبلغ، مشائخ روحانی اور علماء ربانی تھے، پھر جب یہ کام دسویں صدی ہجری کے آخر تک بقدر ضرورت پایۂ تکمیل کو پہنچ گیا اور یہ محسوس ہونے لگا کہ اسلام کی اشاعت، اور قلوب وارواح کی لطافت و حرارت کے ساتھ ہندوستان کے قدیم مذاہب و تہذیبوں اور ہمسایہ اقوام کے خیالات و عادات اور رسوم و توہمات بھی مسلمانوں کی زندگی اور معاشرت میں داخل اور ان سے انکے عقائد و عبادات بھی متاثر ہونے لگے ہیں، تو اس تجدیدی و اصلاحی خدمت کا رخ حفاظتِ دین، احیاء سنت، تطہیر عقائد، رد بدعات اور اصلاح رسوم کی طرف پھر گیا اور یہاں کے مشائخ و علماء نے دین صحیح کی تبلیغ، علوم نبوت کی اشاعت اور خاص طور پر علم حدیث کی ترویج و تعلیم اور کتب حدیث کے درس و تدریس اور ان کی تشریح و تحقیق پر اپنی توجہ مرکوز کر دی۔

کسی نے یونانی الحاد و زندقہ، ویدانت کے ملحدانہ فلسفہ، وحدۃ الوجود کے غالی اور بے باک داعیوں کی دعوت و دعوے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع و توسط کے بغیر وصول الی اللہ اور قرب عند اللہ کے مدعیوں، اور طریقت کو شریعت پر اور حقیقت کو کتاب و سنت پر ترجیح دینے والوں کے خلاف جہاد

www.abulhasanalinadwi.org

شروع کیا، اس گروہ کے امام و قائد امام ربانی حضرت مجدد الف ثانیؒ تھے

کسی جماعت نے یہ محسوس کرتے ہوئے کہ ان خرابیوں اور کمزوریوں کی اصل جڑ ہندوستان جیسے ملک میں کتاب و سنت سے براہ راست ناواقفیت اور علم حدیث سے بے گانگی اور دوری ہے اور جب تک اس ملک میں اس علم شریف کو عام نہیں کیا جائے گا عوام و خواص تک قرآن مجید کی تعلیمات سے واقفیت پیدا نہیں ہوگی اور ان میں اس کو سمجھ کر پڑھنے اور اس میں تفکر و تدبر کا ذوق نہیں پیدا ہوگا علماء و اہل مدارس کتب حدیث بالخصوص صحاح ستہ سے اشتغال نہیں کریں گے اور ان کو اپنی تعلیم و درس کا جز نہیں بنائیں گے، اس وقت تک دین کا صحیح شعور، سنت کا شوق، بدعات سے نفرت اور ہندوانہ رسوم و عادات سے گلوخلاصی نہیں ہوگی، اس جماعت کے پیشوا اور سرگروہ حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ انکا خاندان اور ان کے تلامذہ اور تربیت یافتہ حضرات ہوئے جنھوں نے قرآن مجید کے ترجمے کئے، صحاح ستہ کے درس کو رواج دیا، اور مسلمانوں کا کتاب و سنت سے ٹوٹا ہوا یا کمزور رشتہ دوبارہ استوار کیا۔

ایک گروہ وہ تھا جس کو قرآن کے عمیق مطالعہ، کتاب و سنت کے صحیح علم اور مسلمانوں کی زندگی کے وسیع تجربے نے اس نتیجہ تک پہنچایا تھا، کہ علم دین سے ناواقفیت، قرآن و حدیث سے بُعد، غیر قوموں کے اختلاط، اور دنیا دار علماء کی غفلت و مداہنت کے نتیجہ میں ہندوستانی مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد اسلام کی بنیادی تعلیمات سے بے خبر، توحید سے ناآشنا اور شرک جلی میں گرفتار ہے انہیں مشرکانہ عقائد، توہمات، ہندوانہ رسوم، اور کھلی ہوئی بدعات بکثرت پھیلی ہوئی ہیں، ہندوستان کی مشرکانہ تہذیب اور علم الاصنام (دیو مالا) نے ایک بڑے طبقہ کو متاثر کیا ہے، ایسی صورت میں کہ جب بنیادی عقیدہ متزلزل اور نفس ایمان ہی خطرہ میں ہے، کوئی تکمیلی کوشش اور خارجی علاج مفید نہیں ہو سکتا، وقت

www.abulhasanalinadwi.org

کی سب سے بڑی ضرورت اور مسلمانوں کا سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ ان کے عقائد کی اصلاح کی جائے اور "الا للہ الدین الخالص" اور "فاعبد اللہ مخلصا لہ الدین" کی کھلی ہوئی دعوت دی جائے۔ توحید و شرک کا فرق اور بدعت و سنت کا امتیاز واضح طریقہ پر بیان کیا جائے اور اس میں کوئی لگی لپٹی نہ رکھی جائے کہ یہ مسلمانوں کے ساتھ سب سے بڑی خیر خواہی ہے، اس گروہ نے اردو میں جو اس وقت مسلمانوں کی زبان بن چکی تھی، ایسے عام فہم رسائل اور کتابیں تصنیف کیں جنھوں نے دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ کر دیا، اور خود اپنے تبلیغی دوروں اور عوامی وعظوں کے ذریعہ بھی توحید و شرک کی حقیقت واضح کی اور بدعات و رسوم کا پردہ چاک کیا، پھر اس کو کافی نہ سمجھتے ہوئے عام فضا کو بدلنے، زندگی کو جاہلیت، نفس پرستی اور رسم و رواج کے شکنجہ سے نکالنے، احکام شرعی کو مسلمانوں کی زندگی میں نافذ اور حدود شرعیہ کو جاری کرنے کے لئے وہ طاقت پیدا کرنے کی کوشش کی جس سے وہ تھوڑے وقت میں مسلمانوں کی زندگی میں انقلاب لا سکیں اور "حتی لا تکون فتنۃ ویکون الدین کلہ للہ (یہاں تک کہ فتنہ (کفر کا فساد) باقی نہ رہے اور دین سب خدا ہی کا ہو جائے۔)" کا ظہور ہو، اس کے لئے اس گروہ نے سر دھڑ کی بازی لگائی اور مسلمانوں میں جانبازی اور سرفروشی کی ایک ایسی روح پھونک دی جس نے قرون اولیٰ کی یاد تازہ کر دی، اس گروہ کے بانی و داعی حضرت شاہ ولی اللہؒ اور شاہ عبد العزیزؒ کے "مدرسہ و خانقاہ" ہی کے تیار کئے ہوئے افراد تھے، جن میں حضرت سید احمد شہیدؒ اور حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ سب سے زیادہ نمایاں تھے، حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ کی "تقویۃ الایمان" نے لاکھوں دلوں کو نور توحید سے منور اور ہزاروں بستیوں اور گھروں کو شرک و بدعت سے پاک کر دیا، ہندوستان کی علمی و اصلاحی تاریخ میں ہم کو کسی ایسی کتاب کا علم نہیں جس نے مسلمانوں کی زندگی کو اتنا متاثر کیا ہو، اور شرک و بدعت کی بنیادوں پر ایسی کاری ضرب لگائی ہو۔ جزاہم اللہ عن الاسلام والمسلمین خیر الجزاء

www.abulhasanalinadwi.org

کچھ حضرات نے یہ محسوس کیا کہ ہندوستان جیسے وسیع اور طویل و عریض ملک اور اس کثیر آبادی میں عربی زبان سے بیگانگی اور مرکز اسلام سے دوری کی وجہ سے مسلمان اس ملک میں غفلت وجہالت کا شکار اور دنیا پرست و دین فروش مدعیان علم و درویشی کی دجل و تلبیس کا آلۂ کار بن گئے ہیں۔ جو

ان کثیرا من الاحبار والرهبان لیاکلون اموال الناس بالباطل ویصدون عن سبیل اللہ[1]	بہت سے عالم اور مشائخ لوگوں کا مال ناحق کھاتے اور (ان کو) راہ خدا سے روکتے ہیں۔

کے صحیح مصداق ہیں۔ اس لئے اس ملک کی سب سے بڑی ضرورت مدارس دینیہ کا قیام و علوم دینیہ کی اشاعت اور ایسے علماء تیار کرنا ہیں جو صحیح طریقہ پر درس و تدریس وعظ وارشاد، امامت وخطابت اور افتاء کی خدمت انجام دے سکیں، مسلمانوں میں دینی روح، تعلق مع اللہ، اسلامی غیرت وحمیت قائم رکھیں اور اسلامی شعائر و تہذیب کی حفاظت کریں، یہ ضرورت اس وقت اور بڑھ گئی جب اس ملک میں مسلمانوں کی کو مستقل اقتدار کا ٹمٹماتا ہوا چراغ آخری طور پر گل ہو گیا اور یہ ملک کلیتہً سلطنت انگریزی کے قبضہ و انتظام میں آ گیا جو نہ صرف اس ملک کا نظم و نسق ہی نہیں سنبھالا تھا بلکہ وہ ایک تہذیب، فلسفۂ حیات، نظام تعلیم بلکہ عیسائیت کی بھی مبلغ و داعی تھی، اس گروہ نے بڑے پیمانہ پر دینی مدارس کے قیام کو وقت کا سب سے بڑا فریضہ اور مرض کا سب سے بڑا علاج سمجھا۔ اس گروہ کے رہنما و قائد حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی تھے اسی نورانی فہرست میں مولانا سعادت علی صاحب بانی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، مولانا عبدالوہاب صاحب ویلوری بانی مدرسۃ الباقیات الصالحات ویلور، مولانا سید محمد علی صاحب مونگیری بانی ندوۃ العلماء لکھنؤ، مولانا انوار اللہ خاں صاحب حیدرآبادی بانی

---

[1] [illegible]

جامعہ نظامیہ حیدرآباد اور مولانا ابو محمد ابراہیم صاحب آروی بانی مدرسہ احمدیہ آرہ کا نام آتا ہے جزاھم اللہ عن الاسلام والمسلمین خیرالجزاء

یہ چاروں گروہ ہندوستان کے مختلف شہروں میں اپنی کوششوں میں مصروف تھے، وہ کہیں دہلی میں سرگرم کار نظر آتے ہیں، کہیں ضلع سہارنپور اور مظفرنگر کے دینی مرکزوں میں، کہیں رامپور اور لکھنؤ میں اور کہیں پٹنہ، کلکتہ، امرتسر اور لاہور میں، کوئی علم حدیث کی تدریس کا بڑا مرکز تھا، کوئی احیاء سنت ورد بدعت کا علمبردار کسی پر رد باطل کا رنگ غالب تھا اور کہیں اعلاء کلمۃ اللہ اور جہاد کا جذبہ زیادہ نمایاں، اللہ تعالیٰ ان سب خادمان دین و وارثان رسول امین کو بہترین جزا عطا فرمائے، کہ انھوں نے دین کی حفاظت، کتاب وسنت کی اشاعت اور زمانہ کے فتنوں کا مقابلہ کرنے میں کوئی کمی نہیں کی ۔ من المومنین رجالٌ صدقوا ما عاھدوا اللہ علیہ فمنھم من قضیٰ نحبہ ومنھم من ینتظر وما بدّلوا تبدیلا ہ (مومنوں میں کتنے ہی ایسے شخص ہیں کہ جو اقرار انھوں نے خدا سے کیا تھا اس کو سچ کر دکھایا تو ان میں بعض ایسے ہیں جو اپنی نذر سے فارغ ہو گئے اور بعض ایسے ہیں جو انتظار کر رہے ہیں اور انھوں نے اپنے قول کو ذرا بھی نہیں بدلا۔)

چودھویں صدی ہجری کے اوائل میں حفاظت دین، اشاعت علم، دعوۃ الی اللہ اور رد شرک وبدعت کا ایک بڑا مرکز وہ علاقہ بن گیا جس میں حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ سے علمی ومعنوی انتساب رکھنے والے بزرگوں اور ان کے سلسلۂ درس سے تیار ہونے والے فضلاء، اور حضرت سید احمد شہیدؒ قدس سرہٗ اور ان کی جماعت کا مسلک رکھنے والے مشائخ وعلماء نے جابجا دینی مدرسے اور خانقاہیں قائم کی تھیں، کچھ عرصہ بعد اس پورے سلسلہ کی قیادت وسرپرستی، اسی سلسلہ کے ایک عالم ربانی،

www.abulhasanalinadwi.org

شیخ کامل، محدث جلیل حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ کے حصہ میں آئی، جنکو ان چاروں گروہوں کی (جن کا اوپر ذکر آیا) وراثت سے حصۂ وافر ملا تھا۔ اور ان چاروں کے ذوق و رجحان ان کی ذات میں آکر جمع ہو گئے تھے، وہ ایک طرف شریعت و طریقت کے مجمع البحرین، محدث و فقیہ، ناشر سنت، ماحی بدعت، حدیث کے بلند پایہ مدرس و شارح، تصوف و سلوک میں مجتہدانہ مقام پر فائز، اعلاء کلمۃ اللہ اور جہاد کے جذبہ سے سرشار، دو عظیم مدرسوں (دارالعلوم دیوبند، مظاہر علوم سہارنپور) کے سرپرست استاذ الاساتذہ اور شیخ الشیوخ تھے ایک طرف وہ تربیت و سلوک کی تعلیم دیتے اور اس سلسلہ میں مشائخ چشت سے (جن سے وہ نسبت باطنی رکھتے تھے) ذوق اور درد و محبت کی دولت سے ان کو بہرہ وافر ملا تھا، دوسری طرف وہ مشائخ نقشبندیہ مجددیہ (جن سے ان کو حضرت سید احمد شہیدؒ کے ذریعہ سے انتساب حاصل تھا) کی تمکین و وقار، استقامت علی الشریعۃ اور اتباع سنت کی دولت سے مالامال تھے ایک طرف وہ اپنے زمانہ کے مسلّم فقیہ تھے جو عام طور پر فقہ حنفی کے مطابق فتویٰ دیتے دوسری طرف حدیث کی تدریس میں ان کا وہ مقام تھا اور اس میں ان کا شغف اتنا بڑھا ہوا تھا کہ گنگوہ طالبان علم حدیث اور فضلاء مدارس کا ملجا و ماویٰ بن گیا تھا، جہاں تک عقائد و مسلک کا تعلق تھا وہ حضرت شاہ ولی اللہؒ صاحب اور حضرت مولانا شاہ اسماعیل شہیدؒ کے پورے متبع ان کی ولایت و مقبولیت کے قائل و معتقد اور "تقویۃ الایمان" کے لئے سینہ سپر تھے، یہ گوناگوں اور بظاہر متضاد رنگ ان کی ذات میں پہلو بہ پہلو نظر آتے ہیں، طبیعت کی یکسوئی اور گوشہ گیری کے باوجود وہ مسلمانوں اور اسلام کی فکر سے خالی اور ان مفید کاموں اور اداروں کی معاونت و سرپرستی سے بے تعلق نہیں تھے جو ان کے مخلص دوستوں، رفقاء کار یا شاگردوں نے علم دین کی اشاعت اور تبلیغ و دعوت کے لئے قائم کئے وہ بیک وقت دارالعلوم دیوبند مظاہر علوم سہارنپور کے سرپرست بھی ہیں اور ان کے اخلاقی و روحانی نگراں اور

www.abulhasanalinadwi.org

مربی بھی۔

حضرت مولانا رشید احمد صاحبؒ کو اللہ تعالیٰ نے جیسے مخلص وجاں نثار، مطیع و معتقد، صاحب علم وفضل اور باکمال مریدین وخلفاء عطا فرمائے، ویسے (ہمارے ناقص علم میں اور کم سے کم اس دور میں) کم کسی شیخ طریقت اور مربی روحانی کو ملے ہوں گے ان ممتاز ترین مریدین وخلفاء میں جس کے حالات سنئے، یا تذکرہ پڑھئے، معلوم ہوتا ہے کہ بس یہی فرد فرید اور مرید رشید تھا، اللہ تعالیٰ نے ان حضرات کی ذات سے اس پر آشوب دور میں کہ الحاد، بے دینی کے بادل امنڈ رہے تھے اور فتنے پانی کی طرح برس رہے تھے ہزاروں، لاکھوں مسلمانوں کے قلوب کو زندہ، دماغوں کو صیقل اور اخلاق کو آراستہ کیا، کسی نے علم حدیث کی نشر واشاعت اور اساتذہ کی تعلیم وتربیت کا وسیع پیمانہ پر کام کیا، کسی نے تطہیر عقائد اور اصلاح رسوم کا فرض انجام دیا، کسی نے قلوب کو عشق الٰہی اور حب نبویؐ سے نرم گرم کیا اور ان کے ذریعہ سے ہزاروں بندگان خدا درجۂ احسان کو پہنچے، کسی نے جہاد حریت کا صور پھونکا، اور اعلاء کلمۃ اللہ کی کوشش کی، کسی نے تصنیف وتالیف کے ذریعہ دین وعلم کی خدمت کی ان میں سے ہر ایک اپنے رنگ میں کامل اور ہمارے پورے احترام وتوقیر کا مستحق ہے۔

لیکن کسی کی ادنیٰ تنقیص واعتراض کے بغیر یہ کہا جا سکتا ہے کہ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری کو اپنے شیخ ومرشد سے خاص نسبت تھی جس کو "مناسبت تامہ" "اعتماد کامل" اور آخری درجہ میں فنائیت فی الشیخ کے الفاظ سے عام طور پر ادا کیا جاتا ہے۔

اس کا نتیجہ ہے کہ آپ کو اپنے شیخ کی جامعیت وہمہ رنگی کا، بلکہ ایک درجہ میں محبوبیت کا شرف ملا جس کا کسی قدر اندازہ ان الفاظ سے کیا جا سکتا ہے جو حضرت گنگوہیؒ نے اپنے بعض مکاتیب میں آپ کے لئے استعمال کئے ہیں، ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں۔

www.abulhasanalinadwi.org

آب التفات بندہ کا آپ کی طرف سائلانہ ہے، نہ معطیانہ"
من دق باب الکریم انفتح[1]"

ایک دوسرے مکتوب میں فرماتے ہیں۔
"تم کو اپنا فخر و باعث نجات جانتا ہوں، کچھ نہیں ہوں مگر اچھوں سے مربوط ہوں"[2]

ایک جگہ آپ کا ذکر ان الفاظ میں کرتے ہیں، کہ
"پس یہ نسبت (یادداشت و احسان) کرشمہ اس کا میرے سعید ازلی قرۃ العینین خلیل احمد کو نصیب ہوئی جس پر ہزار فخر و ناز یہ بندۂ ناساز کر کے اپنا وسیلہ قرار دیئے مطمئن بیٹھا ہے"[3]

آپ کی اس جامعیت کا (جس میں آپ اپنے شیخ کے پورے جانشین نظر آتے ہیں) ہلکا سا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ ایک طرف آپ کی قوت نسبت باطنی، سلوک کے دقائق سے آگاہی، اور اس راہ کے نشیب و فراز سے واقفیت حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے خلفاء میں مسلم ہے، یہاں تک کہ شیخ المشائخ حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب رائپوری جیسے مبصر اور شیخ کامل نے اپنے جانشین حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائپوری سے وفات کے وقت یہ فرمایا تھا کہ "سیاسیات میں جو کچھ مراجعت کرنی ہو حضرت شیخ الہند کی طرف کی جائے، مگر سلوک میں حضرت سہارنپوری کی طرف، میں نے حضرت کو اس لائن میں بہت اونچا پایا ہے"[4] اور اس کا ایک ثبوت یہ ہے کہ داعی الی اللہ حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ اور شیخ وقت شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب جیسے شیوخ کاملین جن کی ذات سے لاکھوں انسانوں کو فائدہ پہنچا ہے، آپ کے حلقہ گوش اور تربیت یافتہ ہیں اور جس کا کچھ اندازہ ان مکاتیب سے کیا جا سکتا ہے جو آپ نے اپنے خلفاء و مریدین کے نام سلوک و تصوف کے مسائل، مقامات و مشکلات کے

---

[1] مکاتیب رشیدیہ ص ۱۴ [2] ایضاً ص ۴۳ [3] ایضاً ص ۴۵ [4] سوانح حضرت مولانا عبدالقادر رائپوری ص

www.abulhasanalinadwi.org

سلسلہ میں لکھے ہیں، دوسری طرف ان کو حدیث کی خدمت کا شغف و انہماک حضرت گنگوہی کی وراثت و خلافت میں ملا، ساری عمر حدیث کا درس دیا اور "بذل المجہود" جیسی بلند پایہ کتاب یادگار چھوڑی، جس نے ان کی محدثیت، وسعت نظر، و رسوخ فی العلم کا سکہ قائم کر دیا، سلسلۂ چشتیہ صابریہ میں اس اونچے مقام پر فائز ہونے کے بعد جس کا اعتراف شیخ العرب والعجم حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے ان الفاظ میں کیا تھا کہ "تم میرے سلسلہ کے فخر ہو، مجھے تم سے بہت خوشی اور مسرت ہے"[1] دوسری طرف وہ اپنے شیخ کی طرح اس مسلک اور راستہ پر پوری مضبوطی کے ساتھ قائم اور اس کی حقانیت و مقبولیت کے قائل تھے جس کی راہ کم سے کم ہندوستان میں حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی نے اپنی تصنیفات اور حضرت سید احمد شہید نے اپنی کتاب "صراط مستقیم" اور حضرت شاہ اسماعیل شہید نے "تقویۃ الایمان" کے ذریعہ ہموار کی تھی، اسی حمایت اور حمیت نے آپ کے قلم سے "انوار ساطعہ" کے جواب میں "براہین قاطعہ" لکھوائی جس کی وجہ سے آپ مخالفین و معترضین کا سب سے بڑھ کر ہدف بن گئے اور آج تک بنے ہوئے ہیں، جس کا کچھ اندازہ "حسام الحرمین" اور ان درجنوں بلکہ بیسیوں رسائل و تحریرات سے ہو سکتا ہے جو آپ کی مخالفت و تردید میں لکھی گئی ہیں لیکن آپ تادم واپسیں اسی مسلک پر قائم اور اسی پر مطمئن و منشرح رہے، اسی جذبہ نے آپ کے قلم سے فرقۂ اثنا عشریہ کی تردید میں "ہدایات الرشید" لکھوائی، یہی جذبہ آپ کو ان مناظروں میں شریک ہونے اور اہل سنت اور مسلک صحیح کی طرف سے مدافعت اور احقاق حق پر آمادہ کرتا تھا جن سے آپ کی یکسوئی، عزلت پسند اور علمی ذوق رکھنے والی طبیعت کو بظاہر کوئی مناسبت نہ تھی۔

اس باطنی مشغولیت، خلوت پسندی، یکسوئی کے ساتھ (جو آپ کے شیخ

---

[1] تذکرۃ الخلیل ص ۳۵۲

www.abulhasanalinadwi.org

کی خاص نسبت ہے) آپ مسلمانوں کے اجتماعی وملی نفع کے لئے اجتماعی کاموں میں شریک ہوتے تھے، مدرسہ مظاہر علوم کی صدارت تدریس کی مسند کو زینت بخشی، پھر اس کی سرپرستی قبول فرمائی جو آخر دم تک جاری رہی، اسلام کی سربلندی، مقامات مقدسہ اور ممالک اسلامیہ کی آزادی اور ہندوستان اور ہندوستان کے مسلمانوں کے مفاد کے لئے اپنے محب اور محبوب دوست اور برادر طریقت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحبؒ کی کوششوں میں شریک، ان کے مشیر اور ان کے سچے ہمدرد اور قدر داں رہے اور جہاں تک ہوسکا ان کی تقویت وتائید سے دریغ نہ کیا، یہ سب اسی جامعیت کا پرتو تھا جو آپ کو اپنے شیخ کامل سے وراثت ونیابت میں ملی تھی۔

پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایک اور یگانہ خصوصیت سے نوازا، وہ یہ کہ آپ کے اور آپ کے چند ممتاز خلفاء وتربیت یافتہ حضرات کے ذریعہ نہ صرف سلسلہ چشتیہ صابریہ کا چراغ روشن رکھا، بلکہ اس وقت سلوک وتصوف کی جو کچھ رونق اور گرم بازاری نظر آرہی ہے وہ زیادہ تر آپ ہی کے دو چیدہ اور برگزیدہ خلفاء کی مخلصانہ کوششوں اور مقبولیت کا نتیجہ ہے، میری مراد حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کاندھلوی اور حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب سے ہے، اول الذکر نے اپنی عہد آفریں اور عالمگیر دعوتی اور تبلیغی تحریک وجدوجہد سے جو مراکش سے لے کر انڈونیشیا تک اور ایشیا وافریقہ سے لے کر یورپ وامریکہ تک پہنچ چکی ہے اور آخر الذکر نے اپنی تصنیفات، درس حدیث اور بیعت وارشاد کے ذریعہ اس طریق اور سلسلہ کے فیوض اس طرح عام کئے ہیں کہ اس سے پہلے اس کی نظیر آسانی سے تلاش نہیں کی جاسکتی۔

ضرورت تھی کہ حضرت کی سوانح حیات جدید طرز کے مطابق اس طرح مرتب کی جاتی کہ آپ کا ماحول، عہد، روحانی، تعلیمی، فکری اور خاندانی سلسلہ تاریخی حوالوں اور دستاویزی ثبوت کے ساتھ روشنی میں آجاتا، آپ کا ذہنی، فکری، علمی وروحانی ارتقاء اس کے اسباب ومحرکات، اور آپ کے کاموں کا تاریخی پس منظر سامنے آتا، آپ کی

www.abulhasanalinadwi.org

تربیت اور مدارج کمال تک پہونچنے میں جن جن ہستیوں، خاندانوں اور مکاتب خیال کا حصہ رہا ہے وہ سب سامنے آتے، آپ کا اپنے معاصرین کے ساتھ اور معاصرین کا آپ کے ساتھ تعلق واضح ہوتا اور لوگوں کو معلوم ہوتا کہ آپ کے مشائخ اور آپ کے نامور معاصرین کی آپ کے متعلق کیا رائے تھی اور وہ آپ کو کس نظر سے دیکھتے تھے، آپ کی تصنیفات پر تبصرہ اور ان کا مفصل تعارف ہوتا۔ آپ کے ممتاز تربیت یافتہ حضرات (خلفاء) کا ضروری تعارف ہوتا اور آپ کے مختلف النوع علمی، دینی، اصلاحی، تربیتی کوششوں اور ان کے نتائج کا جائزہ لیا جاتا غرض یہ کہ آپ کی سوانح اس انداز سے مرتب کی جاتی کہ آپ محض ایک شیخ طریقت ہی کی حیثیت سے نہیں، بلکہ ایک بلند پایہ عالم، مصنف، مصلح مربی باطنی اور مبلغ و داعی کی حیثیت سے سامنے آتے اور ایک ہی ذوق کے نہیں، ہر ذوق کے آدمی کو اس سوانح میں عبرت و موعظت اور اصلاح و تربیت کا سامان ملتا۔

خواہر زادہ عزیز مولوی محمد ثانی حسنی سلمہٗ کی یہ بڑی خوش نصیبی ہے کہ حضرت شیخ الحدیث مدظلہٗ نے یہ نازک اور اہم خدمت ان کے سپرد کی۔ ان کو خود عرصہ سے اس کا شوق تھا کہ وہ یہ تذکرہ مرتب کریں۔ انھوں نے اس سے پہلے ۸۴۳ صفحات میں داعی الی اللہ مولانا محمد یوسف صاحب کاندھلویؒ کی سوانح مرتب کی، جو بڑی مقبول ہوئی، اس کے کئی ایڈیشن نکلے، اس کے ذریعہ سے ایک اہم اور بیش قیمت تاریخ جو نہ صرف ہندوستانی مسلمانوں کے لئے باعث فخر، بلکہ اس عہد اور پوری ملت کے لئے باعث نازش و افتخار ہے۔ ضائع ہونے سے بچ گئی۔

اس حلقہ اور نسل پر جو اس سلسلہ سے عقیدت و محبت رکھتی ہے۔ مولانا عاشق الٰہی صاحب میرٹھی کا بہت بڑا احسان ہے کہ انھوں نے "تذکرۃ الرشید" اور "تذکرۃ الخلیل" لکھ کر واقعات و حالات کا بہت بڑا سرمایہ اور معلومات کا بہت بڑا ذخیرہ محفوظ کر دیا، تقریباً نصف صدی سے اہل تعلق و عقیدت ان دونوں کتابوں سے فائدہ اٹھا رہے ہیں ہزاروں بندگان خدا نے ان کے ذریعہ ایمان کی حلاوت اور روح کی بالیدگی حاصل کی

www.abulhasanalinadwi.org

اللہ تعالیٰ مولانا مرحوم کو بہترین جزا عطا فرمائے اور ان کے درجات بلند کرے لیکن کسی کام کو بھی مختتم اور حرف آخر نہیں کہا جا سکتا۔ ابھی اس میں اضافہ اور تکمیل کی گنجائش باقی تھی۔ بڑی خوش قسمتی کی بات یہ ہے کہ ابھی حضرت شیخ الحدیث دامت برکاتہ رہنمائی، امداد اور نشاندہی کے لئے موجود ہیں ان سے زیادہ نہ کسی کو اس سلسلہ میں معلومات ہیں اور نہ ان سے زیادہ کسی کو اس کام کی تکمیل سے مسرت اور فرحت ہو سکتی ہے انھوں نے عزیز موصوف کو نہ صرف اس کام پر مامور فرمایا بلکہ ان کی پوری سرپرستی کی جس وقت سے یہ کام شروع کیا گیا ان کی ساری توجہ اس پر مرکوز ہو گئی اور ان کو اس کی تکمیل کا ایسا انتظار و اشتیاق رہنے لگا جیسے کسی عاشق کو کسی محبوب کی آمد کا انتظار ہوتا ہے، اس سے ان کے اس قلبی تعلق کا کچھ اندازہ ہوتا ہے جو ان کو اپنے شیخ سے ہے اور جسکی مثال اس زمانہ میں ملنی مشکل ہے، کتاب کے مسودہ کو انھوں نے حرف بحرف سنا، مدینہ طیبہ کے مبارک ماحول میں اور مسجد نبوی کے زیر سایہ انھوں نے اپنی انتہائی مصروفیت میں اس کے لئے وقت نکالا، فروگذاشتوں کی تصحیح کی، مآخذ کی نشاندہی فرمائی، جہاں تفصیل کی ضرورت سمجھی تفصیل اور جہاں توضیح کی ضرورت سمجھی وہاں توضیح سے کام لیا۔ پھر جب کتاب کا کچھ حصہ چھپ کر تیار ہوا، تو ۱۳۹۶ھ کے رمضان المبارک کے اخیر عشرہ میں سہارنپور میں سیکڑوں معتکفین کی موجودگی میں دن رات کی مبارک ساعتوں میں اس کو بڑے ذوق و شوق کے ساتھ پڑھوا کر سنا۔ ان مجالس کا کیف حاضرین کو عرصہ دراز تک نہ بھولے گا۔ اور ان صفحات کے ختم ہو جانے پر جو قلق حضرت کو اور حاضرین کو ہوا وہ بھی عرصہ تک یاد رہے گا۔

ادھر مصنف عزیز کا انہماک و استغراق بھی دیکھنے کے قابل تھا اور قرب و یکجائی کی وجہ سے ان سطور کے راقم کو اس کا پورا موقعہ ملا، انھوں نے یہ کام ایک وظیفہ سمجھ کر شروع کیا اور انجام دیا، بلا مبالغہ کہا جا سکتا ہے (اور یہ واقعہ بھی ہے) کہ سونے میں بھی ان کو اسی کے خواب نظر آتے تھے اور اس کے مضامین، ترمیمات اور اضافہ کا القاء ہوتا

www.abulhasanalinadwi.org

تھا، مجھے بار بار اس کا اندیشہ پیدا ہوا کہ اس انہماک کا اثر ان کی صحت، قلم سے مگر نظر پر جو بہت کمزور ہو گئی ہے کہیں نہ پڑے، لیکن ان کو اس کی طرف بالکل توجہ نہ تھی، کسی تصنیفی کام کے متعلق یہ کہنا مشکل ہے کہ وہ یکسر عیوب اور خامیوں سے خالی ہے اور اس کتاب کی تالیف وطباعت میں تو اس خیال سے بڑی عجلت سے کام لیا گیا۔ کہ وہ جلد سے جلد حضرت شیخ کے ہاتھوں میں پہونچ جائے اور اس کا معتد بہ حصہ چھپ کر ہندوستان سے تشریف لے جانے سے پہلے پہلے اُن کو مل جائے، اس بنا پر طباعت و تصحیح کا شایان شان انتظام نہ ہو سکا، پھر ڈن ڈائک کی طباعت نے جس کا پہلی بار تجربہ کیا گیا پوری تصحیح سے باز رکھا، اور طباعت خاطر خواہ نہ ہو سکی، پھر بھی یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ کتاب اپنے مواد و معلومات، ترتیب، تحریر کی شگفتگی و تاثیر اور اسلوب نگارش کے اعتبار سے ہر طرح قابل قدر اور لائق استفادہ ہے، اور ایک مفید و مبارک کام بہت تھوڑے وقت میں اچھے طریقہ پر انجام پا گیا، اللہ تعالیٰ اس سے قارئین و ناظرین کو زیادہ سے زیادہ فیض پہنچائے، جہاں تک مصنف عزیز کا تعلق ہے، انھوں نے جس جذبہ و نیت سے یہ کتاب لکھی ہے وہ اس شعر کے پڑھنے کے حقدار ہیں۔ ؎

تیری رحمت سے الٰہی پائیں یہ رنگ قبول
پھول کچھ میں نے چنے ہیں انکے دامن کیلئے

ابوالحسن علی

۱۶ شوال المکرم ۱۳۹۶ھ
۱۱ اکتوبر ۱۹۷۶ء
دوشنبہ
مہمان خانہ
دارالعلوم ندوۃ العلما لکھنؤ

www.abulhasanalinadwi.org

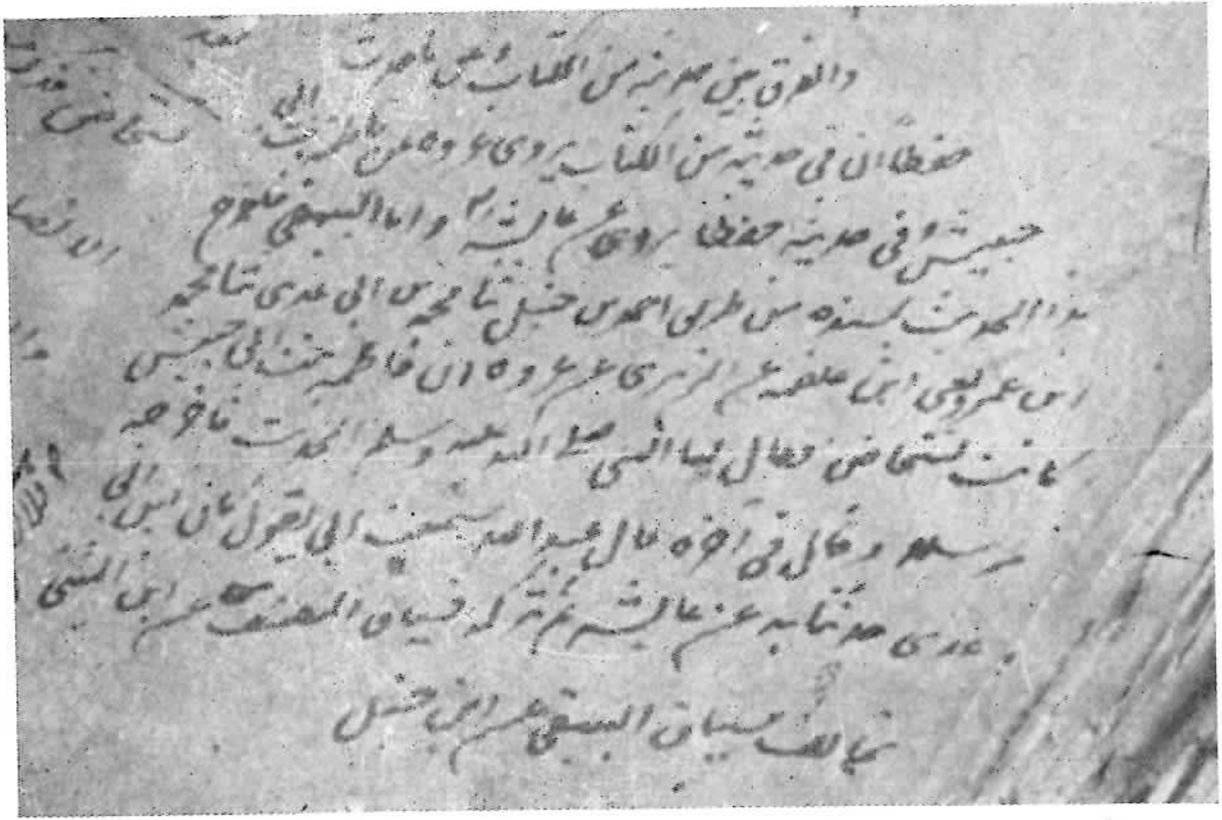

، عکس تحریر حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری نور اللہ مرقدہ، جو بذل المجہود کے حاشیے پر مندرج ہے۔

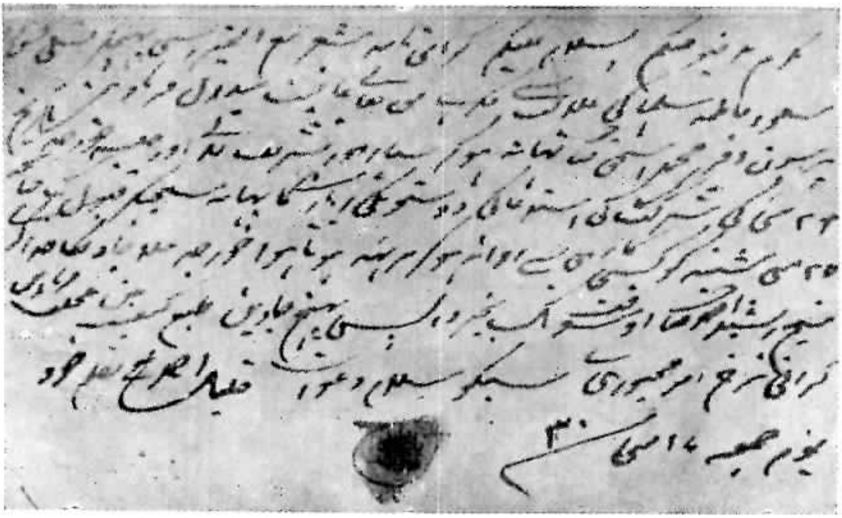

عکس مکتوب گرامی حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری نور اللہ مرقدہٗ

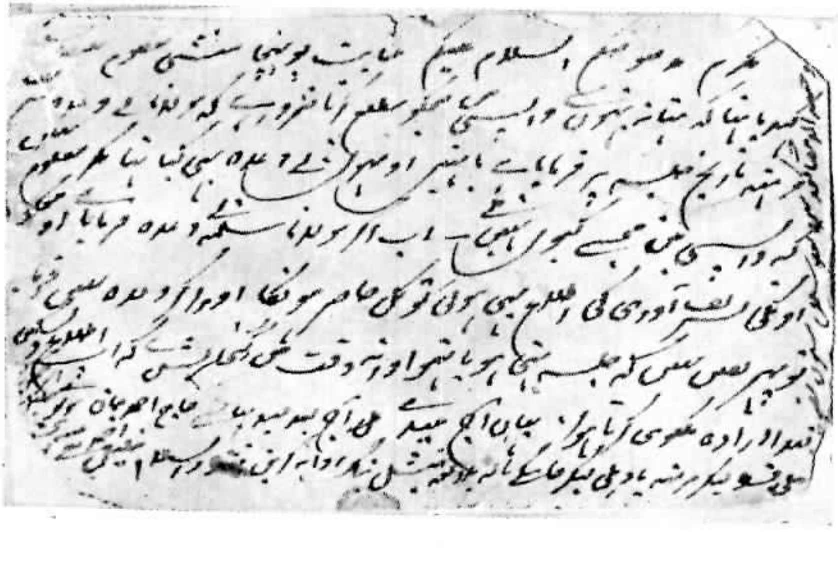

www.abulhasanalinadwi.org

پہلا باب

خاندان اور وطن

أُولٰئِكَ آبَائِي فَجِئْنِي بِمِثْلِهِمْ
إِذَا جَمَعَتْنَا يَا جَرِيرُ الْمَجَامِعُ

www.abulhasanalinadwi.org

www.abulhasanalinadwi.org

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پہلا باب

خاندان اور وطن

كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ أَصْلُهَا ثَابِتٌ وَفَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ

حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری نور اللہ مرقدہٗ والد ماجد کی طرف سے انصاری ایوبی اور والدہ ماجدہ کی طرف سے صدیقی تھے، آپ کا پدری سلسلۂ نسب حضرت ابوایوب انصاری خزرجی پر منتہی ہوتا ہے حضرت ابوایوب انصاریؓ کو انصار صحابہ میں یہ شرف حاصل تھا کہ وہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ منورہ تشریف آوری پر سات مہینے تک میزبان رہے دوران کا گھر آپ کی مبارک قیام گاہ بنا رہا اس لئے ان کو میزبانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے معزز لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ رضی اللہ عنہ وارضاہ۔

حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ کا نام نامی خالد تھا ان کا نسبی تعلق قبیلۂ خزرج کی شاخ بنی النجار سے تھا جس کو یہ شرف حاصل ہے کہ جد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عبدالمطلب ابن ہاشم کی والدہ اسی شاخ سے تعلق رکھتی تھیں، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت فرمائی اور مدینہ منورہ پہونچے تو اسی خاندان کی لڑکیوں نے آپ کی تشریف آوری کی خوشی میں یہ شعر بھی پڑھا اور اپنے خاندانی تعلق کا اظہار کیا [۱]

نحن جوار من بنی النجار
یا حبذا محمدًا من جار

---

[۱] ابن کثیر

www.abulhasanalinadwi.org

حضرت ابوایوب انصاریؓ کا نسب اس طرح ہے، خالد بن زید بن کلیب بن ثعلبہ بن عبد عوف بن غنم بن مالک بن النجار الخزرجی۔ حضرت ابوایوب صرف میزبانِ رسول ہی نہیں بنے بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمرکابی میں بدر، احد، خندق، حدیبیہ اور تمام غزوات میں شرکت کی، ایک سو پچاس حدیثیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہیں، آپ سے سات صحابہ نے حدیث سُنی ہے، حضرت علیؓ کے ساتھ لڑائیوں میں شریک رہے، ۵۲ھ میں جب کہ وہ مسلمانوں کے ایک لشکر میں شریک تھے اثنائے راہ وفات پائی۔ یزید بن معاویہ نے جس نے آپ کو برکت کے طور پر لڑائی میں ساتھ رکھا تھا، وفات کے بعد قسطنطنیہ کی فصیل کے نیچے سپردِ خاک کرایا[1]۔

اللہ تعالیٰ نے اُن کے اور اُن کی اولاد کے دلوں میں جہاد فی سبیل اللہ کا ذوق اور راہِ خدا میں شہادت کا شوق ودیعت فرمایا تھا، اسی ذوق وشوق کی بنا پر انکے صاحبزادے حضرت ابومنصور نے اپنے والد ماجد کی وفات کے بعد سفر جہاد کیا اور ہرات (افغانستان) میں پہونچ کر پڑاؤ ڈالا اور وہیں کی سکونت اختیار کر لی۔

حضرت ابوایوب انصاریؓ کی اولاد میں اللہ تعالیٰ نے ایسی خیر وبرکت عطا فرمائی کہ مسلسل اولیاء اللہ اور اہلِ فضل وکمال گذرتے رہے ہیں جن کے تفصیلی ذکر کے لئے ایک دفتر درکار ہے۔

شیخ الاسلام ابو اسماعیل عبد اللہ الانصاری

غازی ابومنصور ابن ابی ایوب انصاری کی چھٹی پُشت میں

شیخ الاسلام ابو اسماعیل عبد اللہ انصاری ایک عظیم علمی اور روحانی شخصیت کے مالک گذرے ہیں جنھوں نے علم وعمل، معرفت وسلوک، زہد وتقویٰ اور توحید وسنّت کی شمعیں روشن کیں اور ہزاروں بندگانِ خدا کی ہدایت کا ذریعہ بنے وہ مدتوں شیخ الاسلام کے منصب پر فائز رہے، ہمعصر علماء اور مشائخ ان کے علم وفضل، زہد وتقویٰ، جرأت وبیباکی،

---

[1] ابن کثیر، استیعاب وغیرہ

www.abulhasanalinadwi.org

اظہارِ حق، استغنا، و قناعت پر متفق تھے۔ امام ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں ان کے فضل و کمال کا دل کھول کر اعتراف کیا ہے اور مختلف علما اور محدثین کے حوالوں سے ان کے حالات درج کئے ہیں۔

شیخ الاسلام اظہارِ حق پر کئی بار آزمائشوں اور حکومت کی سختیوں اور دار و رسن کی گھاٹیوں سے گذرے ہیں، وہ خود فرمایا کرتے تھے:۔

"مجھ کو پانچ بار قتل کئے جانے کا حکم ہوا، اور یہ اس لئے نہیں کہ مجھ سے کہا جاتا کہ اپنے مسلک و مذہب سے پھر جاؤ، بلکہ بات اتنی تھی کہ مجھ سے یہ کہا جاتا تھا کہ اپنے مخالفین کے خلاف اظہارِ حق میں زبان نہ کھولو، تو میں جواب دیتا کہ یہ مجھ سے نہ ہوگا، میری زبان اظہارِ حق کے وقت خاموش نہیں رہ سکتی۔"[1]

شیخ الاسلام ابو اسماعیل عبداللہ ہروی ہرات میں پیدا ہوئے، علوم ادبیہ حاصل کرنے کے بعد حدیث، تاریخ اور علم الانساب میں کمال پیدا کیا، فقہ و تفسیر اور سلوک و تصوف کے امام بنے، حکام اور اہلِ دنیا کی صحبت سے احتراز فرماتے، سال میں ایک بار مجلس وعظ منعقد فرماتے آپ کے مریدین و معتقدین جو کچھ آپ کی نذر کرتے وہ تقسیم فرما دیا کرتے۔

آپ کی تصانیف میں بے شمار کتابیں ہیں اُن میں (۱) ذم الکلام واهله توحید پر۔ (۲) الاربعین سنت پر (۳) کتاب الفروق (۴) منازل السائرین (۵) سیرۃ الامام احمد بن حنبل دو جلدوں میں اور مناجات مشہور ہیں۔

منازل السائرین کی بے مثل شرح حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر کی ہے۔ امام ابن تیمیہؒ بھی آپ کے بہت مداح تھے جیسا کہ علامہ تاج سبکی نے طبقات کبریٰ میں ذکر کیا ہے[2]

شیخ الاسلام کے متعلق زرکلی "الاعلام" میں لکھتے ہیں:۔

---

[1] تذکرۃ الحفاظ (ترجمہ) [2] تذکرہ علما زرکلی مکمل صد

www.abulhasanalinadwi.org

كان بارعًا في اللغة حافظًا للحديث — لغت میں دستگاہ رکھتے تھے، حدیث کے

عارفًا بالتاريخ والانساب مظهرًا — حافظ تھے، تاریخ وانساب سے بخوبی واقف تھے

للسنة داعيًا اليها[۱] — سنّت کے مبلغ وداعی تھے۔

شیخ الاسلام بڑے صاف گو اور اظہارِ حق میں جری اور بیباک تھے اور اقبال کے اس شعر کے مصداق تھے ؎

آئینِ جواں مرداں حق گوئی و بیباکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

شیخ الاسلام مذہبًا حنبلی تھے اور اس پر ان کو بڑا فخر تھا اور اس کے اختیار کرنے کی برملا دعوت[۲] دیا کرتے تھے۔ امام ذہبی تذکرۃ الحفاظ میں لکھتے ہیں کہ وہ سرِ منبر یہ شعر پڑھا کرتے تھے ؎

انا حنبلي ما حييت وإن امت
فوصيتي للناس أن يتحنبلوا

شیخ الاسلام کے اخلاف

شیخ الاسلام ابو اسماعیل عبداللہ انصاری کے اخلاف میں مختلف زمانوں میں مختلف لوگوں نے عرب وعجم کے ممالک میں سکونت اختیار کی اور سیف وقلم، تلقین وارشاد سے خلقِ خدا کی خدمت کی۔ آپ کے اخلاف میں ایک شاخ ہندوستان منتقل ہوئی، یہ زمانہ وہ تھا جب کہ علماء ومشائخ مجاہدینِ اسلام کے ساتھ ہندوستان کا سفر کر رہے تھے اور اس زرخیز ملک میں بود وباش اختیار کر رہے تھے اور ہندوستان کے مغرب ومشرق میں طرحِ اقامت ڈال رہے تھے، جن میں مہاز پور،

---

[۱] الاعلام ص۲۶۷ جلد ۴ [۲] اس وقت مذہب حنبلی صحت عقائد اور سنّت کے لئے ان دیار میں ایک شعار بن گیا تھا معتزلہ سے صف آرائی نے اس کو حمایتِ حق اور مقابلۂ باطل کی حیثیت سے نمایاں اور ممیز کر دیا تھا۔

www.abulhasanalinadwi.org

سنبھل دہلی اور اودھ کے علاقے قابل ذکر ہیں۔

خواجہ جلال الدین جو شیخ الاسلام کے پرپوتے تھے ہندوستان تشریف لائے، ان کی اولاد میں مخدوم بدرالدین نے دہلی کو اپنا وطن بنایا اور قطب مینار کے قریب مدرسہ قائم کیا اور درس و تدریس کا مشغلہ جاری کیا، ان کی اولاد سنبھل اور پانی پت منتقل ہوئی۔

علماء فرنگی محل علماء فرنگی محل (لکھنؤ) بھی اس خانوادۂ ایوبی سے تعلق رکھتے ہیں اور شیخ الاسلام ابو اسماعیل عبداللہ ہروی کے اخلاف میں ہیں، ان کے مورث اعلیٰ جو سب سے پہلے سہالی ضلع بارہ بنکی (یوپی) میں منتقل ہوئے وہ ملّا نظام الدین ابن علاء الدین ہیں، انہی کی اولاد میں ملّا قطب الدین شہید سہالوی گذرے ہیں، ملا قطب الدین سہالی میں پیدا ہوئے اور زندگی بھر درس و تدریس کا مشغلہ جاری رکھا اور ۱۱۰۵ھ میں شہید ہوئے، ان کی شہادت کے بعد ان کے فرزند رشید ملا نظام الدین چودہ پندرہ سال کی عمر میں اپنے گھر کے لٹے پٹے قافلے کو لے کر لکھنؤ پہونچے اور فرنگی محل میں قیام کیا، یہ ملّا نظام الدین وہ ہیں جن کو علمی دنیا بانیٔ درس نظامی استاذ الہند ملّا نظام الدین محمد فرنگی محلی کے نام کے ساتھ عقیدت و احترام سے یاد کرتی ہے۔

ملّا نظام الدین کے اخلاف میں مسلسل ایسے اہل علم اور اصحاب قلم حضرات گذرے ہیں جن سے ہندوستان کیا عرب ممالک کے اصحاب فضل و کمال نے بھی استفادہ کیا اور آج بھی ان حضرات کی تصنیفات سے اہل علم مستغنی نہیں ہیں۔

ملا نظام الدین کے بلند پایہ صاحبزادے اور خلف ارشید ملک العلماء مولانا عبدالعلی بحر العلوم کا نام لینا ہی کافی ہے، آخر میں اس خاندان کے چشم و چراغ فخر المتاخرین مولانا عبدالحی فرنگی محلی م ۱۳۰۴ھ تھے ان کی تصنیفات کی تعداد ایک سو دس ہے جن میں چھیاسی کتابیں عربی میں ہیں، ان میں السعایہ فی شرح شرح الوقایہ، مصباح الدجیٰ، التعلیق الممجد، ظفر الامانی، الفوائد البہیہ، جو علماء احناف کے حالات کا بہترین ماخذ ہے اہم تصنیفات

www.abulhasanalinadwi.org

ہیں، مولانا عبدالحی فرنگی محلی کے علاوہ مولانا عبدالحق، مولانا انوار الحق، مولانا عبدالوالی، مولانا عبدالرزاق، مولانا اظہار الحق، ملا حسن، ملا مبین، مفتی ظہور اللہ، مفتی محمد یوسف مولانا ولی اللہ، مولانا جمال الدین جنہوں نے مدراس میں درس تدریس کا فریضہ انجام دیا، ان کے علاوہ مولانا محمد نعیم اور آخر میں مولانا عبدالباری نے جو مولانا عبدالوہاب بن مولانا عبدالرزاق کے صاحبزادے تھے، زندگی بھر درس تدریس کا مشغلہ رکھا۔ مدرسہ نظامیہ فرنگی محل کی بنیاد رکھی، علمی، سیاسی اور دینی کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، خلافت کی تحریک کو فروغ دیا اور انجمن خدام الکعبہ نیز جمعیۃ علماء ہند کی تاسیس کی، ان کے علم وفضل ذہانت و ذکاوت شوق عبادت کے ہم عصر علماء معترف ہیں۔[۱]

سہارنپور اور اس کے اطراف

شیخ الاسلام ابو اسماعیل عبداللہ انصاری کے اخلاف میں ایک شاخ سہارن پور اور اس کے اطراف میں جاگزیں ہوئی، ان اطراف میں گنگوہ، نانوتہ، انبٹھہ، رام پور منیہاران قابلِ ذکر ہیں۔ ماضی قریب میں سہارنپور کے انصاری خاندان کے چشم و چراغ مولانا محمد بن عبدالرحمٰن انصاری تھے جن کو صاحب نزہۃ الخواطر نے "الشیخ المحدث" کے نام سے یاد کیا ہے اور ان کا بڑا اچھا تذکرہ کیا ہے۔ مولانا محمد بن عبدالرحمٰن حضرت سید احمد شہیدؒ کی جماعت مجاہدین کے سربراہ و امیر مولانا نصیر الدین کے دامنِ تربیت میں مدتوں رہے اور جہاد میں حصہ لیا، حضرت شاہ اسحٰق صاحب محدث دہلوی اور شاہ محمد یعقوب صاحب سے تعلیم حاصل کی۔ مکہ مکرمہ جا کر

۱؎ سطور بالا میں چند مشہور شخصیتوں کا نام لیا گیا ہے، ورنہ استاذ الہند ملا نظام الدین (م ۱۱۶۱ھ) کے دور بابرکت سے لے کر عہد حاضر تک اس خاندان میں مسلسل علماء، اہل فتاویٰ، اصحابِ درس اور اہلِ قلم پیدا ہوتے رہے ہیں اور اس وقت بھی معتدبہ تعداد میں اس خاندان فرنگی محل کے اہلِ علم و قلم علمی، دینی اور صحافتی زندگی گزار رہے ہیں۔

www.abulhasanalinadwi.org

شیخ عبداللہ سراج حنفی سے صحیح بخاری پڑھی اور نجد، عسیر، یمن، شام کا پاپیادہ سفر کیا اور مکہ مکرمہ میں ہی ۱۳۰۰ھ میں انتقال کیا۔

اسی طرح انبہٹہ کے مولانا مشتاق احمد بن مخدوم بخش انصاری جو ۱۲۷۳ھ میں پیدا ہوئے اور مولانا سعادت علی صاحب سہارنپوری بانی مدرسہ مظاہر العلوم اور مولانا سدید الدین دہلوی، مولانا فیض الحسن سہارنپوری سے تعلیم حاصل کی اور قاری عبدالرحمٰن پانی پتی سے علم حدیث حاصل کیا، کئی تصانیف کے مالک تھے، ۱۳۶۰ھ میں انتقال کیا۔

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی اور آپ کا خاندان

سہارنپور کے انصاری خانوادے کے چشم و چراغ شیخ المشائخ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی تھے جن کا دادھیال اور ننھیال، دونوں حضرت ابوایوب انصاری پر منتہی ہوتے ہیں۔ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کے اسلاف دراصل قصبہ رامپور ضلع سہارنپور کے رہنے والے تھے، آپ کے دادا حاجی پیر بخش، دلیری، شجاعت، جرأت و ہمت کے پیکر تھے اور کئی قصبوں میں اپنے ان اوصاف کی بنا پر مشہور تھے، وہ کسی موقع پر گنگوہ منتقل ہوئے اور وہیں مستقل بود و باش اختیار کرلی۔

حاجی پیر بخش کے صاحبزادے مولانا ہدایت احمد تھے جو اپنے زمانے میں اہل فضل و کمال میں شمار کئے جاتے تھے حضرت شاہ غلام علی صاحب مجددی نقشبندی کے خلیفہ اور مجاز تھے، انہوں نے ۱۲۵۲ھ میں ۳۵ سال کی عمر میں انتقال کیا۔ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی ان ہی کے صاحبزادے تھے۔

آپ کی ولادت ۱۲۴۴ھ میں ہوئی۔ سات سال کے تھے کہ والد ماجد کا انتقال ہوگیا۔ کچھ عرصہ بعد دہلی جاکر استاذ العلماء حضرت مولانا مملوک علی صاحب نانوتوی کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا، اور مفتی صدرالدین آزردہ سے بھی کچھ کتابیں پڑھیں، شاہ عبدالغنی دہلوی سے علم حدیث حاصل کیا اور گنگوہ میں درس و تدریس کا مشغلہ جاری کیا

www.abulhasanalinadwi.org

حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی سے اجازت و خلافت حاصل کر کے مسند ارشاد پر متمکن ہوئے۔ مولانا سید عبد الحی صاحب[1] نزہۃ الخواطر میں لکھتے ہیں:

احد العلماء المحققین والفضلاء — وہ علم و تحقیق کے ماہر علماء میں تھے، اور

المدققین لم یکن مثلہ فی زمانہ — ایسے فضلاء میں تھے کہ جن کو بحث و تحقیق کا

---

[1] مولانا حکیم سید عبد الحی رحمۃ اللہ علیہ کے تعارف میں یہ چند سطریں اس خیال سے پیش کی جا رہی ہیں کہ ان کا حوالہ اس کتاب میں جا بجا آیا ہے، مولانا مرحوم اپنے تاریخی مذاق، ہندوستان کے علماء و مشائخ اور مشاہیر رجال سے واقفیت اور مرتبہ شناسی میں ابن خلکان الہند کہے جا سکتے ہیں، ان کی مشہور اور نادرۂ روزگار تصنیف جو "نزہۃ الخواطر" کے نام سے آٹھ ضخیم جلدوں میں دائرۃ المعارف العثمانیہ حیدر آباد سے طبع ہوئی ہے، ساڑھے چار ہزار سے زائد علماء و اعیان کے تذکرہ پر مشتمل ہے، اسی طرح تاریخ ہند پر ان کی کتاب "الہند فی العہد الاسلامی" حیدر آباد سے اور علوم و فنون کی تاریخ پر ان کی بلند پایہ تصنیف اور علمی تحفہ "الثقافۃ الاسلامیۃ فی الہند" دمشق کی علمی اکیڈمی (المجمع العلمی العربی) کی طرف سے شائع ہو چکی ہیں، اس سلسلہ میں حدیث کا ایک منتخب اور دل آویز مجموعہ "تہذیب الاخلاق" کے نام سے دمشق سے شائع ہوا ہے۔ دوسری کتاب "منتہی الافکار" جو اس کی شرح میں ہے۔ مسئلہ غنا پر بھی ان کی ایک محققانہ کتاب ہے۔ تعلیقات علی السنن ابی داؤد کے نام سے بھی ایک تصنیف ہے، جو غیر مطبوعہ ہے، اسکے علاوہ "گل رعنا" شعراء کے حالات پر اور یاد ایام (تاریخ گجرات) دوسری تصنیفات ہیں۔

مولانا مرحوم مولانا فخر الدین خیالی رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے تھے ۱۳۴۱ھ (۱۹۲۳ء) میں انتقال کیا، اپنی یادگار میں دو فرزند چھوڑے، ایک ڈاکٹر حکیم مولوی سید عبد العلی م ۱۳۸۱ھ، دوسرے مولانا سید ابو الحسن علی ندوی مدظلہ العالی اور دو صاحبزادیاں، ایک سیدہ امۃ العزیز صاحبہ والدہ راقم سطور محمد ثانی، محمد رابع، محمد واضح سلمہا، دوسری سیدہ امۃ اللہ تسنیم م محرم ۱۳۹۶ھ مطابق جنوری ۱۹۷۶ء مصنفہ زاد سفر (ترجمہ ریاض الصالحین) مجموعہ احادیث وغیرہ

www.abulhasanalinadwi.org

في الصدق والعفاف والتوكل والفقه والتهامة، والاقدام في المخاطر والصلابة في الدين والشدة في المذهب، وكان آية باهرة ونعمة ظاهرة في التقوى واتباع السنة النبوية والعمل بالعزيمة والاستقامة على الشريعة ورفض البدع ومحدثات الأمور ومحاربتها بكل طريق والحرص على نشر السنة وإعلاء شعائر الإسلام والصدع بالحق وبيان حكم الشرع انتهت إليه الإمامة في العلم والعمل ورياسة تربية المريدين وتزكية النفوس والدعاء إلى الله وإحياء السنة وإماتة البدع[1]

ذوق تھا، ان کے زمانے میں ان جیسا عالم جو صدق اور پاکبازی توکل اور فہم دین بلند کردار خطرہ کی پرواہ نہ کرنے والا دین میں پختگی کا ثبوت دینے والا اور مسلک میں مضبوط کوئی دوسرا شخص نظر نہیں آتا، وہ ایک روشن نشانی تھے، اور اللہ تعالیٰ کا کھلا ہوا انعام تھے، تقویٰ ہو یا اتباعِ سنت، عزیمت پر عمل ہو یا شریعت پر استقامت، ترک بدعات ہو یا ان کا مقابلہ سنت کی نشر و اشاعت کی کوشش ہو، اور شعائرِ اسلام کی بلندی کی فکر، حق کا اعلان ہو یا حکم شرعی کی وضاحت — ان کی ذات وہ ذات تھی کہ جن میں ہر علم و عمل قیادت و امامت اور مریدین اور سالکین کی تربیت کا آخری مرتبہ نظر آتا ہے، انہیں دعوۃ الی اللہ اور احیائے سنت اور محو بدعت بدرجہ اتم موجود تھی۔

مولانا سید عبدالحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سنہ ۱۳۱۲ھ کو علمی مراکز کے دورہ میں جب کہ ان کی عمر چھبیس (۲۶) سال کی تھی حضرت گنگوہی کی خدمت میں بھی حاضر ہوئے تھے، آپ نے جو دیکھا اور حضرت کی شخصیت سے جس طرح متاثر ہوئے وہ انھیں کے الفاظ میں پڑھیے وہ لکھتے ہیں:

"اس میں شک نہیں کہ مولوی صاحب بقیۃ السلف ہیں، ان کا وجود مغتنمات میں سے

[1] نزہۃ الخواطر جلد ۸ ص ۱۵۰-۱۵۱

www.abulhasanalinadwi.org

ہے، اس تورع واستقامت کا دوسرا شیخ ان کے سوا اس زمانہ معالم آشوب میں نظر نہیں آتا، علم الٰہی میں جو کوئی ہو اس کی خبر نہیں، مولوی صاحب کے اوصاف میں سب سے بڑا وصف تورع ہے جو تمام اوصاف کو شامل ہے، کف لسان اور صدق گفتار میں مولوی صاحب ضرب المثل ہیں، اللہ تعالیٰ ان بزرگوں کے صدقہ میں اس روسیاہ کے حال پر رحم فرمائے، اس کے دل کی تاریکی دور ہو اور کسی قدر چاشنی احسان کی عطا فرمائی جائے۔

الٰہی عبدک العاصی اتاک مقرا بالذنوب وقد دعاک

ربنا ظلمنا انفسنا وان لم تغفرلنا وترحمنا لنکونن من الخاسرین۔

شاہا ز کرم برمن درویش نگر بر حال من خستہ و دل ریش نگر
ہر چند نیم لائق بخشائش تو برمن منگر بر کرم خویش نگر[1]

آپ کی تصنیفات میں امداد السلوک، ہدایۃ الشیعۃ، زبدۃ المناسک، ہدایۃ المعتدی، سبیل الرشاد، فتاویٰ رشیدیہ مشہور ہیں۔ آپ کے شاگرد رشید مولانا محمد یحییٰ صاحب کاندھلوی نے آپ کی ترمذی اور بخاری کی تقریروں کو جمع کیا اور انکے صاحبزادے حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب نے علی الترتیب الکوکب الدری اور اللامع الدراری کے نام سے شائع کیں۔

آپ کے خلفاء میں حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری، مولانا صدیق احمد صاحب انبیٹھوی مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوریؒ، شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحبؒ، شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ قابل ذکر ہیں۔ حضرت مولانا گنگوہی کی وفات ۱۳۲۳ھ میں ہوئی۔

حضرت مولانا خلیل احمد صاحب کے اسلاف اور ان کا وطن

ایوبی سلسلہ کی جو شاخ سہارنپور اور اطراف سہارنپور میں قیام پذیر ہوئی اس میں ایک بزرگ محمد فضیل نامی تھے جو گنگوہ میں مقیم تھے، وہ کسی خانہ جنگی میں شہید ہو گئے تو ان کی بیوی اپنے صاحبزادے

---

[1] دہلی اور اس کے اطراف ص۳۰

www.abulhasanalinadwi.org

عبدالرشید کو لے کر اپنے میکے سہارنپور آگئیں اور یہیں کی بود و باش اختیار کر لی، یہی عبدالرشید حضرت مولانا خلیل احمد صاحب نور اللہ مرقدہٗ کے جدّ ثامن ہیں، حضرت مولانا اپنے آباء و اجداد کے وطن اور وطن سے منتقلی پھر انبہٹہ کو مستقل وطن بنائے جانے کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:۔

"اس نواح (ضلع سہارنپور) کے انصاری خواجہ ابوایوبؓ کی اولاد میں شمار کئے جاتے ہیں، ان کے اجداد اصل گنگوہ کے رہنے والے ہیں جو انبہٹہ سے پانچ کوس ہے، اجداد میں سے۔۔۔ شیخ عبدالرشید کے والد (محمد فضیل) ایک خانہ جنگی میں مقتول ہوئے، اس لئے ان کی والدہ ان کو اپنے میکے سہارنپور میں لے آئیں اور ایک عرصہ تک سہارنپور رہیں، اس کے بعد ان کی اولاد میں سے شیخ غلام محمد کی شادی سید شاہ ابوالمعالی کے خاندان میں ہوئی، اس کے بعد ان کی اولاد کا قیام انبہٹہ میں رہا۔"[1]

شاہ ابوالمعالی کے خاندان سے رشتہ اور پیرزادگی

شیخ غلام محمدؒ ایوبی کی شادی شاہ ابوالمعالی کے پوتے شاہ نظام الدین کی صاحبزادی سے ہوئی، شاہ ابوالمعالی نسبًا حسینی سید تھے، خاندان چشتیہ کے ایک نامور شیخ تھے، جن سے بندگانِ خدا کی بڑی اصلاح ہوئی۔

محمد شاہ بادشاہ کے وزیر روشن الدولہ نے جو شاہ ابوالمعالی کے خلیفہ شاہ بھیک کا بڑا معتقد تھا، اپنے شیخ کے شیخ شاہ ابوالمعالی کے پوتے شاہ نظام الدین کو صوبے دار بنا دیا اس کے ساتھ معافی دوام شاہی علیہ شاہ ابوالمعالی کی اولاد کے نام وقف کی، جس کی آمدنی چھ ہزار تھی۔

شاہ ابوالمعالی کے پوتے شاہ نظام الدین کی دختری اولاد ہونے کی وجہ سے شیخ غلام محمد کے صاحبزادے شیخ قطب علی ایوبی اور ان کے اخلاف پیرزادے کہلانے لگے اور اس خاندان کے بعض افراد اپنے کو سید لکھنے اور کہنے لگے، اس لئے کہ ننھیالی رشتے کی بنا پر

---

[1] تذکرۃ الخلیل صـ ۱۲

وہ حسینی سید تھے۔ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب نور اللہ مرقدہ لکھتے ہیں :۔

"جب سے خادم کے خاندان کا تعلق حضرت سید شاہ ابوالمعالی انبہٹوی قدس سرہٗ کے ساتھ وابستہ ہوا، اس وقت سے ہم لوگ پیرزادہ کہلانے لگے اور بعض بنی اجداد بوجہ ناواقفیت سیادت کے مدّعی بن بیٹھے اور رسوم و بدعات جو پیرزادوں میں مروج ہوتی ہیں، ہمارے خاندان میں بھی مروّج ہوگئیں، ایام عرس میں ڈھولک و مزامیر پر وجد و حال تصوّف کا کمال تھا، گو خاص میرے سلسلے میں بھی پیرزادگی کا اثر تھا مگر بحمد اللہ بوجوہ میرے سلسلے میں اس کا اثر زیادہ مضمحل رہا اور علم و علماء کی قدر و قیمت رہی۔" [1]

شاہ قطب علی شیخ غلام محمد کے صاحبزادے شاہ قطب علی پدری لحاظ سے انصاری ایوبی اور مادری لحاظ سے حسینی سید تھے، آپ ایک صاحب نسبت و اجازت بزرگ اور سلسلۂ چشتیہ صابریہ کے شیخ تھے۔ دوسری طرف آپ کی بیوی حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت تھیں اور آپ کی وجہ سے اس پورے گھرانے میں توحید و سنّت کا چرچا اور شرک و بدعت سے نفرت پائی جاتی تھی، حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری نور اللہ مرقدہٗ تحریر فرماتے ہیں :۔

"میرے دادا شاہ احمد علی صاحب کے والد ماجد حضرت شاہ قطب علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ معمولی پیرزادہ ہی نہ تھے بلکہ خاندان چشتیہ صابریہ میں ایک مقدّس بزرگ صاحب مراتب تھے۔ میرے دادا صاحب کی والدہ جناب مجدد وقت سید احمد شہید صاحب بریلوی رحمۃ اللہ کے سلسلۂ بیعت کے ساتھ مشرف ہوئیں۔"

شاہ احمد علی اور انکی اولاد شاہ قطب علی کے صرف ایک صاحبزادے ہوئے، ان کا نام احمد علی تھا مگر صاحبزادیاں کئی تھیں، اُن کی شادیاں خاندانِ پیرزادگان میں ہوئیں، شاہ احمد علی نے ایسے باپ کی آغوش میں تربیت پائی تھی جو بڑے ذاکر و

[1] تذکرۃ الخلیل

www.abulhasanalinadwi.org

شاغل اور شب زندہ دار تھے، اسی طرح ایسی ماں کی پاکیزہ گود میں آنکھیں کھولیں اور پلے بڑھے جو مجدد وقت امام ہمام حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت و ارادت کا تعلق رکھتی تھیں اس لئے فطری طور پر شاہ احمد علی نے اپنے والدین کے ورثہ میں حسن عقیدہ اور علم و عمل کی دولت پائی تھی اسی طرح اللہ تعالیٰ نے دنیاوی لحاظ سے بھی انکو نوازا تھا چھ بیٹے عطا فرمائے تھے (۱) شاہ محمد علی (۲) شاہ محمد نواز (۳) شاہ احمد حسن (۴) مولانا انصار علی (۵) شاہ مجید علی (۶) شاہ حبیب محمد۔

شاہ محمد علی کے تین صاحبزادے ہوئے۔ جن میں ایک بیٹے محمد نقی کے صاحبزادے مولوی محمد ایوب کو حضرت مولانا خلیل احمد صاحب کے داماد ہونے کا شرف حاصل تھا۔

مولانا انصار علی

شاہ احمد علی کے صاحبزادوں میں سب سے زیادہ اور باقاعدہ علم دین حاصل کرنے والے مولانا انصار علی تھے جنھوں نے اپنے پورے خاندان میں علم و فضل میں امتیاز پیدا کیا۔ مولانا عاشق الٰہی صاحب میرٹھی لکھتے ہیں:۔

"ایوبی خاندان میں گیا ہوا علم سب سے پہلے مولانا انصار علی صاحب کے ذریعہ آیا جن کے تین صاحبزادوں میں مولوی عبد اللہ صاحب ناظم دینیات علی گڑھ کالج زیادہ مشہور ہیں[1]"

حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری نے اپنے انھیں چچا مولانا انصار علی کی خدمت میں رہ کر ابتدائی علم حاصل کیا اور انھیں کی تربیت میں عمر کا ابتدائی زمانہ گذارا۔ وہ اپنے چچا کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:۔

"میرے چچا مولوی انصار علی نے دہلی حضرت مولانا مملوک علی صاحب رح کی خدمت میں حاضر ہو کر علم حاصل کیا اور عالم ہوئے بلکہ اسی عالی خاندان سے ہمارے خاندان میں علم آیا اور میں نے اور میرے بنی الاعمام نے مدرسہ دیوبند و سہارنپور

---

[1] تذکرۃ الخلیل

www.abulhasanalinadwi.org

میں تحصیل علم کیا۔[1]

مولانا عبداللہ انصاری

مولانا انصار علی کے فرزندوں میں ایک لائق اور صاحب علم صاحبزادے تھے جن کا نام مولوی عبداللہ تھا، ان کی والدہ ماجدہ استاذ الکل مولانا مملوک علی صاحب کی صاحبزادی اور مولانا محمد یعقوب صاحب صدر مدرس دارالعلوم دیوبند کی ہمشیرہ تھیں، مولوی عبداللہ صاحب نے اپنے ماموں مولانا محمد یعقوب اور مولانا محمد قاسم نانوتوی سے علم حاصل کیا۔ ۱۲۸۷ھ میں دارالعلوم دیوبند سے فارغ ہوئے اور مولانا احمد علی محدث سہارنپوری اور مولانا عالم علی نگینوی، قاری عبدالرحمن پانی پتی سے حدیث کی تکمیل کی، تکمیل علوم کے بعد علی گڈھ یونیورسٹی میں ناظم دینیات کا عہدہ سنبھالا اور عزت و وقار کے ساتھ زندگی گذاری، حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی کے داماد ہوئے اور ۱۳۱۱ھ میں انتقال کیا اور اپنے پیچھے اپنے نامور صاحبزادے کو یادگار چھوڑا جن کا نام محمد میاں منصور تھا غازی کے لقب سے مشہور تھے۔

محمد میاں منصور غازی حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب کے تربیت یافتہ اور شاگرد رشید تھے۔ شیخ الہند کی تحریک جہاد حریت میں شامل تھے انہوں نے آزادی وطن کی راہ میں بڑے دشوار گذار سفر کئے اور ان سفروں کے دوران انتہائی مشقتیں اور صعوبتیں جھیلیں، ریشمی خطوط کی تحریک میں اہم کردار ادا کیا۔ ترکی، افغانستان، روس کا سفر کیا، ہندوستان سے کابل ہجرت کی۔ ۱۲ جنوری ۱۹۴۶ء کو شہید کر دیئے گئے، منصور میاں غازی نے اپنی یادگار میں ایک صاحبزادے کو چھوڑا جن کا نام مولانا حامد الانصاری غازی ہے[2]۔

مولانا اصدیق احمد صاحب

شاہ احمد علی کے چھوٹے صاحبزادے شاہ حبیب محمد کے بلند پایہ فرزند رشید مولانا اصدیق احمد صاحب تھے۔ آپ

---

[1] تذکرۃ الخلیل [2] مولوی حامد الانصاری غازی دارالعلوم دیوبند کے فارغ اور مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند کے رکن ہیں، اور مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند کے داماد، اس وقت بمبئی میں مقیم ہیں، اور قومی خدمت و صحافت میں مشغول ہیں۔

www.abulhasanalinadwi.org

حضرت مولانا خلیل احمد صاحب کے چچا زاد بھائی تھے، آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے چچا مولانا انصار علی صاحب کی خدمت میں رہ کر حاصل کی، اس کے بعد حضرت مولانا خلیل احمد صاحب کے ساتھ تعلیم دین میں مشغول ہوئے، اور انہیں کے ساتھ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی سے بیعت ہوئے اور اجازت وخلافت سے سرفراز ہوئے۔

مولانا صدیق احمد صاحب کی والدہ ماجدہ بی امۃ اللہ بنت سید حسن عسکری شہید[۱] تھیں، جنکو حیا و پاکدامنی غیرت وحمیت اور دینداری اپنے والد سے ورثہ میں ملی تھی۔

مولانا صدیق احمد صاحب دیوبند سے فراغت کے بعد اسی مدرسے میں مدرس ہو گئے اس کے بعد مالیر کوٹلے میں مفتی کے عہدے پر سرفراز کئے گئے، حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی کو آپ سے بہت تعلق اور محبت تھی، آپ کے نام ایسے خطوط تحریر فرمائے جن کے پڑھنے سے آپ کے مرتبے کی بلندی اور معرفت وسلوک میں آپ کے درجے کا علم ہوتا ہے، ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"آپ کا خط آیا موجب فرحت وسرور ہوا، الحمد للہ علی احسانہ کہ آپ کو اس ذات پاک نے اپنا بنایا اور اپنی نسبت عطا فرمائی ظاہر باخلق باطن باحق کیا، کجا خود شکر این نعمت گذارم۔ یہ سب عنایات پاک پروردگار

---

[۱] سید حسن عسکری کا وطن قصبہ رام پور منہیاران ضلع سہارنپور تھا، ان کی شادی انبہٹہ میں انصاری خاندان میں ہوئی تھی مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفر ان کے بڑے معتقد تھے، وہ بادشاہ کے پیر کی حیثیت رکھتے تھے ۱۸۵۷ء میں بغاوت کے الزام میں انگریزوں کا ان پر بھی عتاب ہوا، وہ دہلی سے انبہٹہ آکر روپوش ہوئے، ان کے داماد شاہ حبیب محمد جو مولانا صدیق احمد صاحب کے والد تھے اور ان کے سارے بھائیوں نے وفاداری کا ثبوت دیا، جب پولیس آئی تو سارے بھائی گرفتار ہو گئے اور پناہ گیر شاہ حسن عسکری کی موجودگی کی خبر تک نہ کی۔ شاہ حسن عسکری نے یہ حال دیکھا تو خود حاضر عدالت ہو گئے اور اپنے کو سپرد کر دیا، انگریزوں نے ان کو پھانسی دیدی۔

www.abulhasanalinadwi.org

تعالیٰ شانہ، کی ہیں۔ آپ کا حال حضرت سلمہٗ (حاجی امداد اللہ مہاجر مکی) کی خدمت میں عرض کیا تھا، وہاں سے حکم آیا کہ اجازت اخذ بیعت وتلقین دینا چاہیئے[1] اس طرح کے تقریباً پچیس[25] خطوط ہیں جو مکاتیب رشیدیہ میں مندرج ہیں، مولانا صدیق احمد صاحب کو اللہ تعالیٰ نے دین و دنیا کی نعمتوں سے پوری طرح نوازا تھا، سخاوت و فیاضی، صلہ رحمی کا بڑا جذبہ عطا ہوا تھا، باوجود کثیر العیال ہونے کے اپنے خاندان اور وطن کے نادار لوگوں اور یتیموں کی ہمیشہ مدد کرتے رہے ۱۳۴۴ھ مطابق ۱۹۲۵ء میں انتقال ہوا، انتقال سے پہلے زبان پر ذکر جاری تھا۔

مولانا صدیق احمد صاحب نے اپنی یادگار میں جو اولاد چھوڑی، ان میں مولانا فاروق احمد زیادہ مشہور تھے، ریاست بھاولپور میں شیخ الحدیث رہے، ان کے علاوہ مولوی شفیق احمد اور مولوی جمیل احمد دو اور صاحبزادے تھے، ایک صاحبزادی تھیں جو حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری کی بہو تھیں، اولاد کے علاوہ تین بھائی تھے (۱) منیر احمد (۲) سلطان احمد (۳) مولانا [illegible]ار احمد۔

شاہ مجید علی

شاہ احمد علی کے صاحبزادے اور حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری کے والد ماجد تھے، خود صاحب علم اور صحیح العقیدہ تھے۔ حضرت مولانا[2] مظفر حسین صاحب کاندھلوی سے بیعت تھے، اکثر کاندھلہ جاتے، ایک بار اپنے صاحبزادے

---

۱ مکاتیب رشیدیہ ص ۲۷ ۲ مولانا شیخ الاسلام کاندھلوی کے پوتے، مولانا محمود بخش کے صاحبزادے اور مفتی الٰہی بخش کے بلند پایہ اور صاحب دل برادرزادہ تھے، ابتدائی تعلیم اپنے فاضل چچا مفتی صاحب سے حاصل کی، جب مفتی صاحب کا انتقال ہوگیا تو حضرت شاہ اسحٰق صاحب دہلوی سے تکمیل علوم کی، حضرت شاہ محمد یعقوب صاحب سے بیعت ہوئے اور انہیں سے اجازت وخلافت حاصل کی، زہد وتقویٰ، سادگی، دنیا اور ارباب دنیا سے نفرت اپنے والد سے ورثہ میں پائی تھی، تواضع واستقامت، عبادت وریاضت میں ہم عصر علماء سے ممتاز تھے، آپ کی صحبت اتنی کیمیا اثر تھی کہ جو بھی آپ کا مرید ہوگیا یا صحبت میں بیٹھا اس کی پھر کبھی تہجد کی نماز قضا نہیں ہونے پائی، آپ نے چھ حج پیدل کئے، آخری حج ۱۲۸۱ھ کے بعد جب مدینہ منورہ پہونچے تو ۱۰ محرم ۱۲۸۲ھ کو انتقال ہوگیا اور بقیع میں مدفون ہوئے۔

www.abulhasanalinadwi.org

حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری کو جو اس وقت خُرد سال تھے اپنے ساتھ لے گئے اور حضرت مولانا مظفر حسین صاحب کی زیارت کرائی اور محض برکت کے لئے بیعت کرایا۔

شاہ مجید علی کی عمر کا اکثر حصہ ریاستوں کی ملازمت میں وطن سے باہر ہی گذرتا تھا آخر عمر میں اپنے وطن واپس آگئے اور انبہٹہ میں مستقل قیام اختیار کر لیا، دین و تعلیم دین سے اتنا شغف تھا کہ جب ان کے صاحبزادے حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری نے مظاہر علوم سے فراغت حاصل کی تو شاہ صاحب نے اس خوشی میں تمام برادری کو اس طرح مدعو کیا جیسے تقریبات شادی و نکاح میں کیا جاتا ہے اور بڑی فراخدلی و حوصلہ مندی سے غریب و امیر سب کو کھانا کھلایا۔ ۲۲ ربیع الاول ۱۳۰۱ھ میں انتقال کیا، انتقال کے وقت پانچ فرزند یادگار چھوڑے (۱) مولوی رشید احمد (۲) حنیف احمد (۳) لطیف احمد (۴) مولوی نذیر احمد (۵) حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری اور صاحبزادی مسماۃ محمود النساء۔

ننھیالی سلسلہ اور اسکی مشہور و ممتاز شخصیتیں

حضرت مولانا خلیل احمد صاحب کا ننھیالی خاندان قصبہ نانوتہ ضلع سہارنپور کا مشہور و ممتاز صدیقی خاندان تھا، جس کا سلسلۂ نسب حضرت قاسم بن محمد بن ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہ پر منتہی ہوتا ہے۔ اس خاندان کے مورث شیخ محمد ہاشم صدیقی نے قصبہ نانوتہ ضلع سہارنپور کو اپنا وطن بنایا۔ صدیقیوں کا یہ خانوادہ جو نانوتہ میں قیام پذیر ہوا درحقیقت علمی اور دینی شخصیتوں کا خانوادہ تھا، آخر دور میں استاذ العلماء مولانا مملوک علی صاحب جو حضرت مولانا خلیل احمد صاحب کے حقیقی نانا تھے اور مولانا محمد یعقوب صاحب جو آپ کے حقیقی ماموں تھے نیز مولانا محمد مظہر صاحب نانوتوی، مولانا محمد منیر صاحب نانوتوی، مولانا محمد احسن صاحب نانوتوی، مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی اسی خانوادۂ صدیقی

www.abulhasanalinadwi.org

کے چشم و چراغ تھے، ان میں کا ہر ایک میدان علم و عمل کا شہسوار اور کاروان فضل و کمال کا امیر تھا، گویا حضرت مولانا خلیل احمد صاحب کا پورا ننھیال علم و عمل کا کہکشاں اور سلوک و معرفت کا بحر رواں تھا۔ ان میں سے کوئی مدرسۂ دارالعلوم دیوبند کا بانی بنا اور کوئی مدرسہ مظاہر العلوم کا، ہر ایک نے مسند علم وارشاد بچھائی اور بزم معرفت و سلوک سجائی، اس خاندان کے بزرگوں نے علمی و دینی خدمات کے ساتھ ساتھ ہندوستان کی آزادی اور راہ حق میں ایثار و قربانی کی ایسی مثالیں قائم کیں جو آنے والی نسلوں کے لئے مشعلِ راہ کا کام دیتی ہیں ؎

این سلسلہ طلائے ناب است
این خانہ تمام آفتاب است

مولانا محمد مظہر صاحب نانوتوی اور انکے بھائی

حافظ لطف علی صاحب کے صاحبزادے تھے،

انہوں نے مولانا مملوک علی صاحب اور مولانا احمد علی صاحب محدث سہارنپوری، مولانا شاہ عبدالغنی صاحب مجددی سے علوم متداولہ کی تکمیل کی اور بخاری شریف دہلی تشریف لیجا کر حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کے نواسے حضرت شاہ اسحاق صاحب سے پڑھی اور آگرہ اور دہلی میں ملازم رہے ۱۸۵۷ء کی تحریک آزادی میں شریک رہے اور شاملی کے میدان میں زخم کھائے پھر روپوشی کی زندگی بسر کی جب انتشار و پراگندگی کا دور ختم ہوا اور امن قائم ہوا تو آپ سہارنپور تشریف لائے اور مولانا سعادت علی صاحب کے قائم کئے ہوئے مدرسہ مظاہر العلوم میں درس و تدریس کا مشغلہ جاری کیا، درحقیقت مظاہر العلوم کی ترقی اور تعمیر جدید میں آپ ہی کا ہاتھ نمایاں تھا اور آپ ہی کے نام پر اس مدرسہ عربیہ کا مظاہر العلوم نام رکھا گیا، اللہ نے آپ کو سادگی و متانت، تواضع وانکسار، احتیاط و ورع، عبادت و ریاضت کیساتھ ساتھ ذہانت و ذکاوت، حسن انتظام، علم و فضل اور متعدد علوم میں لیاقت و کمال کی دولتوں سے پوری

www.abulhasanalinadwi.org

طرح نوازا تھا، حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی سے اگرچہ عمر میں بڑے تھے لیکن انھیں سے بیعت ہوئے، بیعت کیا ہوئے ان کی محبت و عشق میں ڈوب گئے، حضرت گنگوہی بھی آپ کی بڑی عزت فرماتے، اجازت و خلافت سے بھی آپ کو مشرف کیا، ۱۳۰۲ھ مطابق ۱۸۸۶ء میں انتقال کیا۔

آپ کے چھوٹے بھائی مولانا محمد احسن نے دہلی کالج سے عربی کی تکمیل کی، اور تحریک آزادی میں حصہ لیا۔ مولوی محمد حسین صاحب مرادآبادی اپنی کتاب "انوار العارفین" میں لکھتے ہیں:۔

"مولوی محمد احسن حافظ قرآن و واعظ خوش بیان عالم فروع و اصول دانند براہین و دلائل معقول و مدرس علم معانی و کلام و درس کنندہ بفصاحت و بلاغت تام مفسر کلام اللہ و محدث حدیث رسول اللہ و جامع جمیع علوم مترجم احیاء العلوم و متصف با اخلاق حسن ہستند"

مولانا محمد احسن نانوتوی نے مختلف مقامات پر قیام کر کے درس و تدریس نشر و اشاعت اور خدمت خلق کا مبارک کام انجام دیا، اور اپنے بھائی مولانا محمد مظہر صاحب کے انتقال کے دس سال بعد ۱۳۱۲ھ مطابق ۱۸۹۵ء میں انتقال کیا۔

آپ کے ایک بھائی اور تھے جن کا نام مولانا محمد منیر تھا، ۱۲۴۷ھ میں نانوتہ میں پیدا ہوئے، شاملی کے میدان میں تحریک آزادی کی جنگ لڑی اور اس کے بعد بریلی میں ملازمت اختیار کی، دو سال تک دارالعلوم دیوبند کے مہتمم رہے۔

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی

خانوادۂ صدیقی کے چشم و چراغ اور کاروانِ علم و عمل کے قافلہ سالار قاسم العلوم والخیرات حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی کی ذات گرامی کسی تعارف کی محتاج نہیں آپ مولانا مملوک علی صاحب کے شاگرد رشید حضرت مولانا رشید احمد صاحب

www.abulhasanalinadwi.org

گنگوہی کے رفیق خاص تھے۔ علم ولیاقت، ذہانت وذکاوت، نکتہ رسی ونکتہ آفرینی، خوش گفتاری وخوش بیانی، فضل وکمال، حسن اخلاق، سادگی ومتانت، زہد وعبادت میں اپنے ہم عمروں میں ممتاز تھے ۱۲۴۸ھ میں نانوتہ میں پیدا ہوئے، ابتدا عمر ہی میں سہارنپور گئے اور پھر دہلی جاکر مولانا مملوک علی صاحب سے ساری درسی کتابیں پڑھیں، حدیث شاہ عبدالغنی صاحب سے حاصل کی اور ان کی خدمت میں عرصہ تک رہے۔ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب سے بیعت کی اور اجازت وخلافت سے ممتاز ہوئے، حضرت حاجی صاحب آپ کے زہد و تقوٰی اور علم و قابلیت کے بہت قائل تھے ۱۲۸۵ھ میں حج وزیارت سے مشرف ہوئے، دارالعلوم دیوبند کی تاسیس میں آپ کا بڑا دخل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے نام کو وہ عزت بخشی کہ دارالعلوم سے فارغ ہونے والے ہزاروں علماء اپنے کو آپ ہی کے نام سے منسوب کرکے قاسمی لکھتے ہیں، آپ نے بہت کم عمر پائی اور ۴۹ سال کی عمر میں ۱۲۹۷ھ میں انتقال فرمایا۔ دارالعلوم اور اس کی توسیع وترقی آپ کا بڑا کارنامہ ہے ؎

آسماں اس کی لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

حضرت مولانا مملوک علی صاحب نانوتوی

قصبہ نانوتہ کے صدیقی شیوخ میں سب سے ممتاز ومشہور اور صاحب علم شخصیت استاذ الکل حضرت مولانا مملوک علی صاحب کی تھی جن کو یہ شرف حاصل تھا کہ اس زمانہ کے اہل علم اور صاحب دل علماء ومشائخ نے آپ کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا، اور آپ ہی سے درسیات کی تکمیل کی۔

مولانا مملوک علی صاحب حضرت مولانا خلیل احمد صاحب کے حقیقی نانا تھے۔ آپ کے درس وتدریس سے ہندوستان کے علماء نے جو فائدہ اٹھایا وہ کم کسی کے حصہ میں آیا۔ مولانا سید عبدالحی صاحب "نزھۃ الخواطر" میں آپ کے متعلق حسب ذیل

www.abulhasanalinadwi.org

الفاظ لکھے:۔

قد درس و افاد مدة عمره و	انہوں نے تمام عمر درس و تدریس و افادۂ علمی کی
افنی قواه فی ذلک حتی ظهر	خدمت انجام دی اپنے قوی اسی میں کمزور کئے
تقدمه فی العلماء اخذ عنه خلق	حتی کہ علماء کے درمیان ان کا تفوق و برتری ظاہر
کثیر لا یحصون بعد و عد[۱]	ہوئی ان سے ایک لاتعداد مخلوق نے استفادہ کیا

سرسید احمد خاں آپ کی قوت حافظہ اور علم و فضل کے متعلق رقمطراز ہیں:

آپ کے علم معقول و منقول میں استعداد کامل اور کتب درسیہ کا ایسا استحضار ہے کہ اگر فرض کرو کہ ان کتابوں سے گنجینۂ عالم خالی ہو جائے تو ان کے لوح حافظہ سے پھر ان کی نقل ممکن ہے[۲]"

مولانا مملوک علی صاحب کو اللہ تعالیٰ نے جہاد اور راہ حق میں قربانی دینے کا جذبہ بھی عطا فرمایا تھا۔ حضرت سید احمد شہیدؒ کی شہادت کے بعد صادقین صادق پور کی کوشش اور مولانا سید نصیر الدین دہلوی کے جہاد و ہجرت پھر انگریزوں کے خلاف علماء حق کی کوششوں میں آپ کی شرکت اور اس تحریک جہاد کی رہنمائی آپ کا امتیازی وصف تھا، انگریزوں سے آپ کو اس درجہ نفرت تھی کہ ملنا تک پسند نہ فرماتے۔

سرکاری درسگاہ میں سالہا سال ملازم رہنے کے باوجود انگریز سے نفرت کا یہ عالم تھا کہ ریزیڈنٹ بہادر مدرسہ کے معائنہ کو آئے تو آپ کے علم و رتبہ کے خیال سے ہاتھ ملایا، جب تک صاحب بہادر رہے تو مولانا نے ہاتھ کو جسم سے اس طرح الگ رکھا جیسے کوئی نجس چیز کو دور رکھتا ہے، صاحب کے جاتے ہی بہت احتیاط سے ہاتھ کئی بار دھویا۔[۳]

مولانا مملوک علی صاحب کا انتقال ۱۱ ذی الحجہ ۱۲۶۷ھ کو بیر تان کے مرض میں ہوا اور مہندیوں میں جہاں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور آپ کے خاندان کے مزارات

---

[۱] نزہۃ الخواطر جلد ۷ [۲] آثار الصنادید [۳] دہلی کی آخری شمع

www.abulhasanalinadwi.org

ہیں سپردِ خاک کئے گئے۔ برد اللہ مضجعہ۔

مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی

آپ استاذ الکل حضرت مولانا مملوک علی صاحب کے صاحبزادہ تھے اور علم و فضل اور جامعیت میں اپنے والد کے قدم بقدم بایں صفت آپ باہمہ اور بے ہمہ وارفتہ مزاج تقویٰ وطہارت اور تزکیۂ باطن میں اپنے ہمعصروں میں ممتاز تھے جس طرح آپ فقیہ و محدث تھے اسی طرح سلوک و معرفت اور طریقت میں آپ کا پایہ بھی بلند تھا۔ ۱۳ صفر ۱۲۴۹ھ کو نانوتہ میں پیدا ہوئے، قرآن شریف حفظ کیا، فارسی پڑھ کر واجد ماجد کے ہمراہ دہلی تشریف لے گئے اور وہیں اپنے والد ماجد سے درسیات کی تکمیل کی، دہلی اور اجمیر میں درس و تدریس کا کام انجام دیا ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ میں اپنے وطن نانوتہ میں خانہ نشین رہے ۱۲۷۷ھ میں حج و زیارت سے مشرف ہوئے، حج سے واپسی پر ۱۲۸۱ھ میں جب کہ دارالعلوم دیوبند کی بنیاد رکھی گئی آپ کو اس کا پہلا صدر منتخب کیا گیا، حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی سے بیعت تھے۔ زہد و تقویٰ، سحر خیزی، کشف و کرامت، جذب و حال میں حضرت حاجی صاحب کے نقش قدم پر تھے۔

مولانا سید عبدالحی صاحب نزھۃ الخواطر میں آپ کے علم و فضل کا بایں الفاظ میں اعتراف کرتے ہیں، وہ لکھتے ہیں:

کان من کبار الاساتذۃ ظھر تقدمہ فی فنون من الفقہ والاصول والحدیث والادب[1]	وہ بڑے اساتذہ میں سے تھے ان کی مہارت و کمال فقہ و اصول فقہ اور حدیث اور ادب میں ظاہر اور باہر ہے۔

مولانا محمد یعقوب صاحب حضرت مولانا خلیل احمد صاحب کے حقیقی ماموں، مربی، اور سرپرست تھے، آپ ہی کے حکم و اشارہ پر حضرت مولانا نے دینی تعلیم حاصل کی اور

---

[1] نزہۃ الخواطر ج ۸ ص ۵۲۴

مختلف مقامات کا سفر کیا۔ حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی سے تعلق قائم کیا، اسی لئے حضرت مولانا خلیل احمد صاحب کو آپ سے حد درجہ تعلق تھا اور آپ کو اپنے والد و نانا کی جگہ سمجھتے تھے۔

۱۲۸۳ھ سے لے کر ۱۳۰۲ھ تک پورے انیس سال آپ دارالعلوم دیوبند میں صدر مدرس رہے، ۲۷ صفر ۱۳۰۲ھ میں انتقال کیا۔ آپ کے شاگردوں میں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی خاص طور پر قابل ذکر ہیں جو آپ کی محبّت و عقیدت میں سرشار نظر آتے ہیں، اور اپنی تصنیفات و ملفوظات میں آپ کا کثرت سے ذکر کرتے ہیں۔

والدۂ ماجدہ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب کی والدہ ماجدہ، ایک صاحب دل اور پاکیزہ خاتون تھیں، حضرت مولانا مملوک علی صاحب کی صاجزادی اور حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب کی ہمشیرہ تھیں، آپ کا مبارک نام مبارک النساء تھا، اپنے والد صاحب سے تعلیم و تربیت حاصل کی اور دینداری غیرت و حمیت، صبر و شکر، زہد و قناعت میں اپنے والد اور بھائی کے نقش قدم پر تھیں فطری طور پر اپنے صاجزادے حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سے انتہائی محبّت رکھتی تھیں اور کسی وقت اپنے سے جدا کرنا پسند نہیں کرتی تھیں لیکن دین اور علم دین کا اتنا شوق اور اپنے بیٹے کو عالم باعمل دیکھنے کی اتنی آرزو اور تمنّا تھی کہ تعلیم دین کی خاطر بیٹے کو مختلف جگہوں پر بھیجنے اور نرم و گرم سہنے کو بخوشی گوارہ کیا اور جب تک حیات رہیں ان کے لئے دعائیں کرتی رہیں۔

www.abulhasanalinadwi.org

حضرت مولانا کا آبائی سلسلۂ نسب

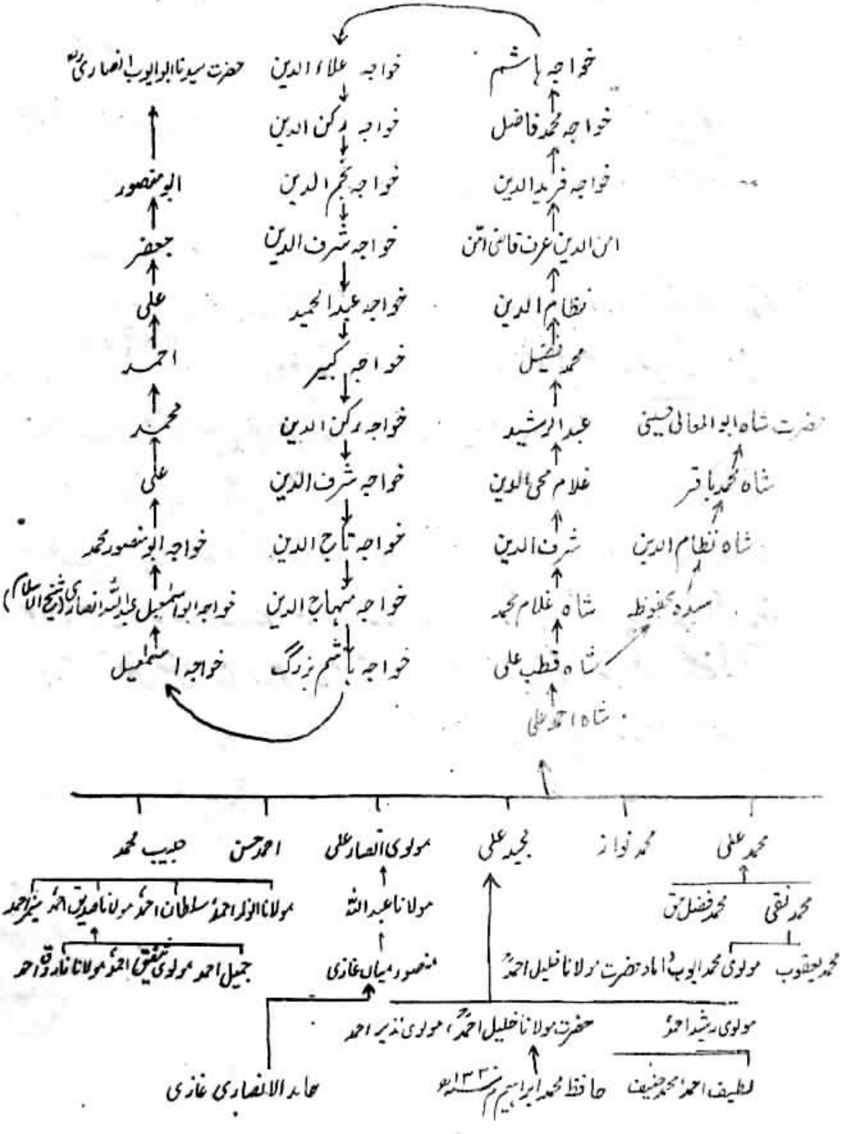

www.abulhasanalinadwi.org

نانھیالی سِلسلۂ نسب

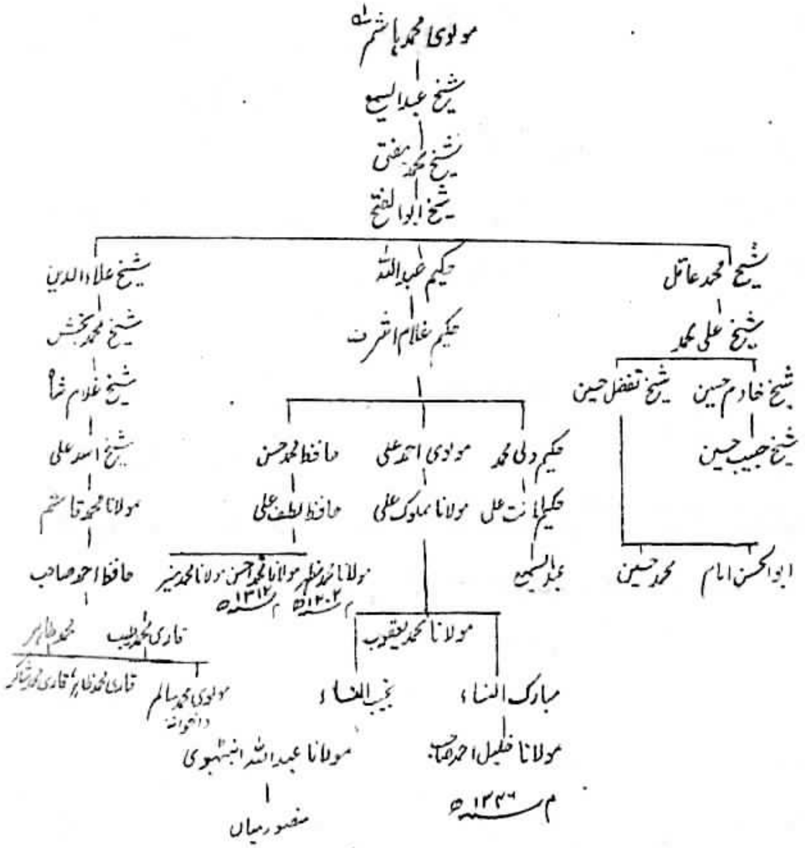

؎ مولوی محمد ہاشم سے حضرت صدیق اکبر سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ تک مکمل سلسلہ مکتوبات مولانا محمد یعقوب میں مندرج ہے۔ جن کو تفصیلی طور پر دیکھنا ہو وہ مذکورۃ الصدر کتاب میں ملاحظہ فرمالیں۔

www.abulhasanalinadwi.org

مردم خیز وطن

حضرت مولانا خلیل احمد صاحب نور اللہ مرقدہٗ کا دادھیالی وطن انبہٹہ ضلع سہارنپور تھا کہ یہیں آپ کے آباء واجداد نے بود وباش اختیار کر رکھی تھی اور ننھیالی وطن نانوتہ ضلع سہارنپور تھا کہ آپ کے جدّ مادری کا مسکن اور آبائی وطن تھا، آخر میں آپ نے اپنی زندگی سہارنپور شہر میں گذاری اور یہی سہارنپوری کی نسبت انبہٹوی اور نانوتوی کی نسبت پر غالب رہی، آپ کی رشتہ داریاں سہارنپور اور اس کے مواضعات، مظفر نگر اور اس کے قصبات وگاؤں میں پھیلی ہوئی تھیں، یہ دونوں ضلع اور ان کے قصبات و دیہات بڑے مردم خیز رہے ہیں، صدیوں سے ان علاقوں میں علماء ومشائخ رہتے اور بستے آئے ہیں، دینداری ایسی عام تھی کہ ہندوستان کے کسی علاقہ میں ایسی دینداری نہ تھی۔ سہارنپور اور پھر ضلع مظفر نگر علماء ومشائخ اہل دین وسیاست کے مرکز رہے ہیں، حضرت سید احمد شہید رحؒ نے ان دونوں ضلعوں کا دورہ کیا اور گاؤں گاؤں بکثرت مردوں اور عورتوں، خواص اور عوام نے آپ سے بیعت کی اور آپ کے عشق ومحبّت سے اپنے سوتے ہوتے دلوں کو زندہ وتابندہ کیا مولانا سید عبد الحی صاحب حسنیؒ لکھتے ہیں:۔

"اس وقت تک سہارنپور کے جسقدر قصبوں میں جانے کا اتفاق ہوا ہے وہاں ہر فرد بشر کو سید صاحب کا دم بھرتے پایا ہے، جو ہے ان کی محبت میں چور ہے"۔ . . . میں نے اپنی عمر میں سید صاحب کا اتنا چرچا کہیں نہیں دیکھا[1]"

حضرت سید صاحب انبہٹہ بھی گئے نانوتہ بھی تشریف لے گئے اور سہارنپور میں بھی قیام، ان کے علاوہ کاندھلہ اور دوسرے علاقوں میں بھی آپ کے قدم پڑے اور ان علاقوں کے علماء ومشائخ نے آپ سے بیعت کی اور استفادہ کیا، اس کے علاوہ مقامی طور پر بھی ان علاقوں میں علماء ومشائخ بکثرت ہوتے رہے، حضرت شاہ ابو المعالی قصبہ انبہٹہ کے ایک نامور شیخ تھے، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور ان کے فرزندان گرامی اور حضرت مولانا

محمد عاشق پھلتی، پھلت ضلع مظفر نگر کے رہنے والے تھے، شیخ الاسلام مولانا عبدالحی اور ان کے بلند پایہ صاحبزادہ مفتی عبدالقیوم صاحب وطن بڑھانہ ضلع مظفر نگر تھا حضرت شاہ محمد اسحٰق اور حضرت شاہ محمد یعقوب جو ہندوستان کے مشہور و ممتاز ترین علماء و مشائخ اور اہل علم وفضل کے استاذ تھے، اسی علاقہ کے باشندے تھے، مولانا مملوک علی صاحب نانوتوی، مولانا محمد قاسم صاحب اور مولانا محمد مظہر صاحب نانوتوی، نانوتہ کے حضرت حاجی امداد اللہ صاحب تھانوی، حافظ ضامن صاحب شہید تھانوی، حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی، مفتی الٰہی بخش صاحب کاندھلوی، مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانوی، مولانا محمد ساجد صاحب جھنجھانوی، حضرت شاہ عبدالرزاق صاحب جھنجھانوی، مولانا مظفر حسین صاحب کاندھلوی، شیخ محمد صاحب تھانوی، میاں جی نور محمد صاحب جھنجھانوی، مولانا عبدالرحیم صاحب ولایتی سہارنپوری، شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب دیوبندی وغیرہ ان ہی ضلعوں کی زینت اور ان کے قصبات و دیہات کے سرمایۂ فخر و عزّت رہے ہیں۔ ان ضلعوں کے قصبات تھانہ بھون، کیرانہ، کاندھلہ، شاملی، پھلت، کھتولی، جانسٹھ، انبہٹہ، نانوتہ گنگوہ، جھنجھانہ، بڑھانہ، دیوبند، منگلور، رائے پور، رام پور منہیاران ایسے مردم خیز اور ایسے سرسبز و شاداب اور علم و دینداری کے ایسے مرکز رہے ہیں جن کی مثال اور کہیں نہیں ملتی، ان میں سے کوئی قصبہ ایسا نہ تھا جہاں مسلسل علماء و مشائخ نہ پیدا ہوئے ہوں، حضرت مولانا خلیل احمد صاحب کی ولادت سے پہلے اور بعد تک ان قصبات میں اہل علم اور اصحاب فضل و کمال کا جمگھٹا رہا ہے اور اب تک ان مقامات میں علم و عمل، دینداری اور تعلق مع اللہ کے سوتے جاری ہیں، اور اب تک یہ علاقے مردم خیز ہیں۔

www.abulhasanalinadwi.org

www.abulhasanalinadwi.org

www.abulhasanalinadwi.org

www.abulhasanalinadwi.org

دوسرا باب

ماحول، شخصیتیں، اور خانوادے

عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝

حضرت مولانا خلیل احمد صاحب نور اللہ مرقدہٗ ایک علمی و دینی گھرانے میں پیدا ہوئے اور ان کا نشو و نما پاکیزہ ماحول میں ہوا، دادھیالی سلسلہ میں اہم اور ممتاز شخصیتیں گذریں، اور موجود تھیں، اسی طرح ننھیالی خاندان اور اس سے متعلق گھرانوں[1] میں علماء و مشائخ، اساتذۂ علم و فن اور گوناگوں کمالات کے حامل اشخاص پیدا ہوئے، مزید برآں اطراف و جوانب میں مدارسِ دینیہ کا جال بچھا ہوا تھا اور دو اہم دینی درسگاہیں اور مختلف سلسلوں کے مشائخ کی خانقاہیں قائم اور آباد تھیں۔

تحریکِ جہاد اور اس کے اثرات و نتائج

آپ کی ولادت سے ۴۰ سال پہلے ہندوستان کے شمالی علاقہ میں جہاں اور دینی و علمی خانوادے اور خانقاہیں، علمی اور اصلاح باطن کا کام کر رہی تھیں اور آباد و معمور تھیں، وہیں

[1] نانوتہ کے صدیقی خانوادہ سے جس سے حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری کا ننھیالی تعلق تھا، بے شمار شاخیں ہوئی ہیں اور ان شاخوں میں معتد بہ تعداد میں علماء پیدا ہوئے نیز اس صدیقی خانوادہ کا دوسرے فاروقی اور عثمانی خانوادوں سے رشتہ داری کا تعلق برابر جڑا رہا ہے اور اس میں دوسرے خاندانوں کے ممتاز افراد رشتہ کرتے رہے ہیں مثال کے طور پر حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی کا ننھیال اسی خاندان میں تھا عزیزانہ دواجی تعلق بھی اسی خاندان میں ہوا، اس کے علاوہ دیوبند کا عثمانی خاندان کا بھی گاہے گاہے تعلق اس سے رہا ہے:

www.abulhasanalinadwi.org

ضلع رائے بریلی کے ایک دیہات دائرہ شاہ علم اللہؒ[1] میں ایک علمی و دینی خانوادہ آباد تھا، اسی خانوادہ کے ایک سرمایۂ فخر چشم و چراغ حضرت سیّد احمد شہیدؒ تھے، آپ نے ہجرت و جہاد کی ایک تحریک چلائی، ہندوستان کے علاقوں کے دورے کئے، آپ کے انفاس قدسیہ سے پورے ہندوستان میں دینی زندگی بیدار ہو گئی، اور سوتی ہوئی بستی جاگ اٹھی ؎

شورشِ عندلیب نے روح چمن میں پھونک دی
ورنہ یہاں کلی کلی مست تھی خواب ناز میں

حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اپنا تأثر اس طرح ظاہر فرماتے ہیں:۔

"مجھ کو حضرت سید صاحب کے ساتھ محبت و عقیدت اعلیٰ درجہ کی ہے میں یہ جانتا ہوں کہ وہ اپنے پیر شاہ عبد العزیز صاحب سے بڑھ کر ہیں، باقی خدا جانے کون بڑھ کر ہے، لیکن میرے دل میں ہمیشہ یہی آتا ہے میں اپنے قلب کا مختار نہیں یہ سب کچھ خدا کی طرف سے ہے، پھر میں کہتا ہوں اللہ تو ہی جانے میں مجبور ہوں ـــ شاہ صاحب کے پہلے سے اس خاندان میں اتباع سنّت تھا مگر حضرت نے نہایت درجہ کو اتباع کیا، ہندوستان میں نور پھیلا دیا، علماء کہتے ہیں کہ وہی کتابیں پہلے تھیں وہی اب بھی ہیں، لیکن اب خدا جانے کیا بات ہو گئی جو ان کی صحبت میں ایک گھڑی بیٹھا، اس میں وہی رنگ آ گیا، جس میں زیادہ اتباع ہو وہی ولی کامل ہے میرا تو عقیدہ یہی ہے کہ سید صاحب اپنے پیر سے بڑھ کر ہیں، ان کے دیکھنے والوں میں سے بہت کم لوگوں سے ملا ہوں، لیکن امبہٹہ میں ایک حاجی صاحب تھے، تھے تو کم سواد

---

[1] یہ بستی، شہر سے غربی جانب ڈیڑھ میل کے فاصلہ پر واقع ہے، جس کو حضرت سید شاہ علم اللہ نصیر آبادی نے جو حضرت آدم بنوری خلیفہ اجل حضرت مجدد الف ثانی کے مجاز تھے ۱۰۷۰ھ میں بسایا اور کعبہ کی شکل کی ایک مسجد تعمیر کی جو سب دریائے سئی ہے، یہ بستی ایک زمانہ تک ایک دینی مدرسہ ایک آباد اور معمور خانقاہ رہی ہے اس خانوادے میں مسلسل علماء و مشائخ پیدا ہوتے رہے۔

www.abulhasanalinadwi.org

لیکن ان کی عجیب حالت تھی ان کی صحبت میں بہت رہا ہوں، میرے دادا پیر میاں جی نور محمد صاحب حضرت کے مرید تھے اور ان کے پیر حضرت حاجی عبدالرحیم بھی سید صاحب کے مرید تھے، یہ دو طریقے حضرت کے سلسلہ کے ہیں، مجھ کو سب سے زیادہ حضرت سے محبّت و عقیدت ہے میں اپنے قلب سے مجبور ہوں یہ اللہ ہی کی طرف سے کوئی بات ہے[1]"

اس تحریکِ جہاد کی ابتداء اس مختصر سی بستی سے ہوئی اور پورے ہندوستان میں اس کا غلغلہ بلند ہوا، اور انتہا بالاکوٹ ضلع "ہزارا" کے اس مشہور معرکہ پر ہوئی جس کا ذکر مولانا سیّد ابوالحسن علی ندوی نے اپنی کتاب "سیرت سید احمد شہیدؒ" میں ان الفاظ کے ساتھ کیا ہے:۔

"اس معرکہ میں وہ پاک نفوس شہید ہوئے جو عالمِ انسانیت کے لئے رونق و زینت اور مسلمانوں کے شرف و عزت اور خیر و برکت کا باعث تھے مردانگی و جوانمردی پاکیزگی و پاکبازی، تقدس و تقویٰ، اتباعِ سنّت و شریعت اور دینی حمیت و شجاعت کا وہ عطر جو خدا جانے کتنے باغوں کے پھولوں سے کھینچا گیا تھا اور انسانیت اور اسلام کے باغ کا جیسا عطرِ مجموعہ "صدیوں سے تیار نہیں ہوا تھا، اور جو ساری دنیا کو معطر کرنے کے لئے کافی تھا۔ ۲۴ ذوالقعدہ ۱۲۴۶ھ کو بالاکوٹ کی مٹی میں مل کر رہ گیا، مسلمانوں کی نئی تاریخ بنتے بنتے رہ گئی، حکومت شرعی ایک عرصہ تک کے لئے خوابِ بے تعبیر ہو گئی بالاکوٹ کی زمین اس پاک خون سے لالہ زار، اور گنجِ شہیداں سے گلزار بنی، جس کے اخلاص و للہیت، جس کی بلند ہمتی و استقامت، جس کی جرأت و ہمت اور جس کے جذبۂ جہاد و شوقِ شہادت کی نظیر پچھلی صدیوں میں ملنی مشکل ہے، بالاکوٹ کی سنگلاخ و ناہموار زمین پر چلنے والے

---

[1] دہلی اور اس کے اطراف ص ۱۳۵

www.abulhasanalinadwi.org

بے خبر مسافر کو کیا خبر کہ یہ سرزمین کن عشاق کا مدفن اور اسلامیت کی کس متاع گراں مایہ کا مخزن ہے ؎

یہ بلبلوں کا صبا مشہد مقدس ہے
قدم سنبھال کے رکھیو یہ تیرا باغ نہیں

اللہ کے کچھ مخلص بندوں نے ایک مخلص بندے کے ہاتھ پر اپنے مالک سے اس کی رضا، اس کے نام کی بلندی اور اس کے دین کی فتح مندی کے لئے آخری سانس تک کوشش کرنے اور اس راہ میں اپنا سب کچھ مٹا دینے کا عہد کیا تھا، جب تک ان کے دم میں دم رہا اس راہ میں سرگرم رہے بالآخر اپنے خون شہادت سے اس پیمانۂ وفا پر آخری مہر لگا دی، یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ ۲۴ ذوالقعدہ کا دن گذار کر جو رات آئی وہ پہلی رات تھی، اس رات کو وہ سبکدوش و سبک سر ہو کر میٹھی نیند سوئے"[1]

ان سبک سر ہونے والوں میں جہاں پورے ہندوستان کے خوش قسمت مردانِ خدا تھے وہیں ضلع سہارنپور و مظفرنگر کے وہ بلند بخت حضرات بھی تھے جنہوں نے فداکاری اور جاں نثاری کا پورا ثبوت دیا اور اپنے سر کٹا کر راہِ خدا میں شہادت کا درجہ حاصل کیا ؎

جو تجھ بن نہ جینے کو کہتے تھے ہم
سو اس عہد کو ہم وفا کر چلے

پھر اس واقعۂ شہادت کے بعد اس جہاد کے عَلَم کو "علماءِ صادق پور" نے سنبھالا، اور اس تحریکِ جہاد کو مولانا سید نصیر الدین دہلوی نے تیز سے تیز تر کیا اور مولانا شاہ محمد اسحٰق اور مولانا شاہ محمد یعقوب نے اس کی قیادت کی اور اخیر میں حضرت مولانا خلیل احمد صاحب کے جدِّ مادری "استاذ العلماء" مولانا مملوک علی صاحب نے اس کو اپنے ہاتھ میں لیا اور اپنے رفقاء اور تلامذہ کے ساتھ اس کو زندہ و تابندہ رکھا۔

---

[1] سیرت سید احمد شہید جلد دوم ص ۴۵۹

www.abulhasanalinadwi.org

۱۸۵۷ء کا انقلاب حضرت مولانا خلیل احمد صاحب کی عمر تقریباً چار سال کی تھی کہ ۱۸۵۷ء میں ہندوستان کے سارے باشندوں کی طرف سے انگریزوں کے خلاف بغاوت ہوئی، اس بغاوت کی قیادت علماء ہی کر رہے تھے، یہ بغاوت ناکام ہوئی تو انگریزوں نے عام باشندوں اور اس سے زیادہ مسلمانوں اور سب سے بڑھ کر علماء سے انتقام لینا شروع کیا، اور ایسی ہلاکت خیزی اور تباہی مچائی جس نے چنگیز و ہلاکو کی یاد تازہ کر دی، فوجوں کو تین روز تک دہلی کو لوٹنے کی اجازت دے دی گئی، مسلمان خاص طور پر اس کا نشانہ بنے، اس لئے کہ انگریز سمجھتے تھے کہ یہ اسلامی جہاد تھا، پھانسی کا سلسلہ شروع ہوا تو شاہراہوں اور سڑکوں پر تختے لگائے گئے اور علماء اور ذی اثر حضرات کو پھانسیاں دی جانے لگیں۔

اس خونی انتقام سے مسلمانوں کے دل و دماغ کی دنیا بدل گئی اور علماء اپنے مدرسوں سے نکل کر، مشائخ اپنی خانقاہوں سے باہر آکر مختلف طریقوں سے انگریزوں کے خلاف سر دھڑ کی بازی لگانے لگے، کچھ لوگوں نے اپنی جان جان آفریں کے سپرد کی، اور کچھ لوگوں نے جد و جہد میں اپنی عمر گذار دی۔

۱۸۵۷ء کے "غدر" کے بعد جہاں انگریز فاتحین اپنے ظلم و بربریت کے ساتھ دہلی اور اس کے اطراف کو لوٹتے پھونکتے رہے، وہاں ان کے مبلغ اور مشنریاں زخم خوردہ اور افسردہ و دلگیر مسلمانوں میں عیسائیت کی تبلیغ و اشاعت میں لگ گئیں، تازہ دم، جابر و ظالم حکومت اپنے مبلغوں اور مشنریوں کو مادی قوت پہونچانے لگی، جس کا یہ اثر ہوا کہ مغربی تہذیب و تمدن عوام میں غیر معمولی تیزی کے ساتھ پھیلنے لگا، اور مسلمانوں کے عقائد و اخلاق تہذیب و معاشرت میں اس کے اثرات داخل ہونے لگے تو غیور علماء ان اثرات کے زائل کرنے کی فکر میں لگ گئے، انہوں نے ضروری سمجھا کہ اسلام کے قلعے تعمیر کئے جائیں، اور ان میں اسلام کے داعی اور مبلغ تیار کئے جائیں اور عیسائیت کا علمی طور پر جواب دیا جائے اور اسلامی تہذیب و معاشرت

www.abulhasanalinadwi.org

کی حفاظت کی جائے اور اسلامی اقدار کے رہے سہے آثار کو باقی رکھا جائے، ان علماء نے ایک عظیم اصلاحی اور تعلیمی تحریک چلائی۔

دو اسلامی قلعے

علماء کرام اور اسلام کا درد رکھنے والے حضرات نے ۱۸۵۷ء مطابق ۱۲۷۴ھ کے نو، دس سال بعد دو عظیم اسلامی مدرسوں کی بنیاد رکھی، پہلا مدرسہ دارالعلوم دیوبند کا تھا، جو حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی کے ہاتھوں وجود میں آیا، اور اس کے سب سے پہلے صدر مدرس حضرت مولانا خلیل احمد صاحب کے حقیقی ماموں مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی ہوئے، اس کے چھ ماہ بعد ہی دوسرا مدرسہ سہارنپور میں کھولا گیا، جس کی بنیاد حضرت سید احمد شہید کی جماعت کے ایک رکن رکین مولانا سعادت علی صاحب سہارنپوری نے رکھی، اور اس کا صدر مدرس مولانا محمد مظہر صاحب نانوتوی کو بنایا، جو حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری کے رشتے کے ماموں تھے، اور اس کا نام "مظاہر العلوم" رکھا گیا، ان مدرسوں نے ایسے ایسے علماء و مشائخ پیدا کئے، جنہوں نے اسلام اور مسلمانوں کا سر اونچا کیا، ان مدرسوں سے فارغ ہونے والے علماء نے نہ صرف ہندوستان میں بلکہ "از مراکش تا بخاک کاشغر" علم دین کا علم اونچا رکھا اور اسلام کے عظیم قلعے تعمیر کئے اور اسلامی اقدار اور تہذیب و تمدن کی نہ صرف یہ کہ حفاظت کی بلکہ ان کو بلند و بالا کیا[1]

---

[1] دارالعلوم دیوبند اور اس کی افادیت اور اس بارہ میں حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی کے کارناموں کے متعلق قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند لکھتے ہیں:۔

"۱۸۵۷ء کے بعد مسلمانان ہند کی قومیت کی تخریب کے لئے جو سیلاب تعلیمی رنگ سے میکالے کے روپ میں اور ان کی مذہبی تخریب کے لئے جو دھارا پادریوں کی منظم تبلیغ یا آریوں کے منظم پرچار کی صورت میں بہا، اس پر بند لگانے کا کام صرف اس تعلیمی تحریک نے کیا جو حضرت نانوتوی قدس سرہ کے روپ میں نمودار ہوئی اور جس کو آپ نے شخصی رکھنے کے بجائے جمہوری اصول پر چلا کر ہمہ گیر بنایا اور دین کے سپاہی بنانے کی ایک مشین (دارالعلوم) تیار کر دی کہ فلسفہ و سیاست اگر سو برس تک بھی (بقیہ صفحہ آئندہ پر)

www.abulhasanalinadwi.org

ممتاز علمی و دینی شخصیتیں ہنگامۂ ۱۸۵۷ء سے پہلے مرہٹوں کی زور آزمائی جاری تھی، کبھی بجلی بن کر دکن پر کوندتے اور کبھی بنگال میں گرجتے، کبھی دہلی اور اس کے اطراف میں ظلم و بربریت کا مظاہرہ کرتے۔ راتوں کی نیند اڑ چکی تھی، بارہویں صدی کے آغاز سے یہی صورت حال تھی جس سے سارا دوآبہ کا علاقہ زیر و زبر ہو رہا تھا۔ اس سارے انتشار و پراگندگی اور لوٹ مار کے باوجود ملک کے مختلف گوشوں اور علاقوں میں علماء و مشائخ ہر چیز سے بے پرواہ ہو کر اسلام اور مسلمانوں کی گرتی ہوئی ساکھ کو قائم کرنے کی کوشش کر رہے تھے، مختلف علوم و فنون میں مہارت رکھنے والے اہل علم و فضل اپنی اپنی مسندیں بچھائے ملّتِ اسلامیہ کو زوال سے بچانے کی کوشش کر رہے تھے۔

ان علماء و مشائخ اور اصحاب فضل و کمال کی کوششوں نے تیرہویں صدی کے آخر اور چودہویں صدی کے شروع کو گذشتہ عہدوں کی طرح مردم خیز اور زرّیں بنا رکھا تھا۔ ان کوششوں نے ممتاز و باکمال شخصیتیں ایک ہی علم و فن میں نہیں بلکہ ہر علم و فن میں پیدا کیں، زہد و تقویٰ میں مولانا مظفر حسین کاندھلوی (م ۱۲۸۳ھ) خواجہ احمد نصیر آبادی (م ۱۲۸۹ھ) مولانا عبداللہ غزنوی (م ۱۲۹۸ھ) مولانا شاہ فضل رحمٰن گنج مرادآبادی (م ۱۳۱۳ھ) حاجی امداد اللہ مہاجر مکی (م ۱۳۱۷ھ)۔

علوم دینیہ اور کتاب و سنّت کے وسیع علم میں سارے اہل علم کے استاذ حضرت شاہ محمد اسحٰق محدث دہلوی (م ۱۲۶۲ھ) حضرت شاہ محمد یعقوب صاحب محدث دہلوی (م ۱۲۸۲ھ) مولانا عبدالحق بنارسی (م ۱۲۷۶ھ) مولانا شاہ عبدالغنی محدث دہلوی (م ۱۲۹۶ھ)، مولانا احمد علی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) نئے نئے روپ میں سامنا کرتے رہے تو اس تعلیمی نظام کے کل پرزے اسے ہر رنگ میں پہچانتے اور دفع کرتے رہیں گے ؎

بہر رنگے کہ خواہی جامہ می پوش | من انداز قدت را می شناسم

(سوانح قاسمی جلد اول ص ۶)

www.abulhasanalinadwi.org

محدث سہارنپوری (م ۱۲۹۶ھ) مولانا عبدالقیوم بڑھانوی (م ۱۲۹۹ھ) مولانا محمد مظہر صاحب نانوتوی (م ۱۳۰۲ھ) مولانا حسن شاہ رامپوری (م ۱۳۱۲ھ) قاری عبدالرحمان پانی پتی (م ۱۳۱۴ھ) مولانا نذیر حسین دہلوی (م ۱۳۲۰ھ) قاضی محمد مچھلی شہری (م ۱۳۲۰ھ) مولانا محمد بشیر سہسوانی (م ۱۳۲۳ھ) شیخ حسین ابن محسن انصاری یمانی (م ۱۳۲۷ھ) ______ اسلام کے لئے جد وجہد میں مولانا ولایت علی عظیم آبادی (م ۱۲۶۹ھ) مولانا عنایت علی غازی (م ۱۲۷۴ھ) مولانا نصیر الدین دہلوی (م ۱۲۵۶ھ) مولانا یحییٰ علی عظیم آبادی (م ۱۲۸۲ھ) حافظ ضامن شہید (م ۱۲۷۵ھ) درس و تدریس میں استاذ العلماء مولانا مملوک علی نانوتوی (م ۱۲۶۷ھ) مولانا ولی اللہ فرنگی محلی (م ۱۲۷۰ھ) مولانا حیدر علی رامپوری (م ۱۲۷۳ھ) مولانا سخاوت علی جونپوری (م ۱۲۷۴ھ) مفتی عنایت احمد کاکوروی بانی مدرسہ فیض عام کانپور (م ۱۲۷۹ھ) ملا حیدر فرنگی محلی (م ۱۲۰۰ھ) مفتی محمد یوسف فرنگی محلی (م ۱۲۸۶ھ) مفتی الٰہی بخش کاندھلوی (م ۱۲۴۵ھ) مولانا محمد قاسم نانوتوی (م ۱۲۹۷ھ) مولانا حیدر علی فیض آبادی (م ۱۲۹۷ھ) مولانا شمس الحق عظیم آبادی (م ۱۳۲۹ھ) مولانا فضل حق خیرآبادی (م ۱۲۷۸ھ) مولانا محمد یعقوب بن مولانا مملوک علی (م ۱۳۰۲ھ) مولانا عبدالحق خیرآبادی (م ۱۳۱۸ھ) مولانا محمد نعیم فرنگی محلی (م ۱۳۱۸ھ) مولانا محمد حسن کانپوری (م ۱۳۲۲ھ) مولانا محمد فاروق چریاکوٹی (م ۱۳۲۷ھ)،

مناظرہ اور اسلام کی حقانیت کو ثابت کرنے میں مولانا رحمت اللہ کیرانوی (م ۱۳۰۸ھ) مولانا محمد علی مونگیری بانی دارالعلوم ندوۃ العلماء (م ۱۳۴۶ھ) علوم ریاضیہ میں نواب فخرالدین حیدرآبادی (م ۱۲۷۹ھ) نحوی تحقیقات میں مولانا عبدالرحیم صفی پوری (م ۱۲۶۷ھ) کا امتیاز ناقابل فراموش ہے، ان کے علاوہ دوسرے علوم وفنون میں ماہر بہت سے علماء و اہل سخن ہندوستان کے ہر خطہ اور گوشہ میں آپ کو ملیں گے۔

ہر طرف علمی مجلسیں گرم تھیں چھوٹی بڑی درسگاہیں قائم تھیں، علم دین کا شوق دلوں میں موجزن تھا، فقہاء، محدثین، واعظین، اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنیوالی شخصیتیں موجود تھیں،

www.abulhasanalinadwi.org

معرفت وسلوک کی بزمیں سجی ہوئی تھیں اور مشائخ طرق اپنے اپنے انفاس قدسیہ سے عوام و خواص کو مستفید کر رہے تھے۔

علمی و دینی خاندان اور خانوادے

جس دیار میں حضرت مولانا خلیل احمد صاحب کا آبائی اور نانیھالی وطن تھا اور جہاں آپ کی پیدائش ہوئی، نشو و نما ہوا اور تعلیم و تربیت ہوئی اس پورے دیار میں کئی علمی خانوادے تھے، اس جگہ چند علمی خانوادوں کا ذکر کرنا بے محل نہ ہوگا۔

خاندان نانوتہ

(۱) پہلا خانوادہ اور خاندان حضرت مولانا خلیل احمد صاحب کا نانیھال تھا جس میں مدتوں سے اہل علم و اہل درس پیدا ہوتے چلے آرہے تھے، اس کے مورثِ اعلیٰ مولانا محمد ہاشم صدیقی تھے، جنہوں نے نانوتہ میں شاہ جہاں کے دور میں سکونت اختیار کی اور انکے علم و فضل کی وجہ سے شاہ جہاں نے ان کو جاگیر عطا کی۔ مولانا محمد ہاشم کی اولاد بہت پھلی پھولی اور دینی و دنیاوی لحاظ سے اس میں مشہور و ممتاز ہستیاں پیدا ہوئیں، افسوس ہے کہ مولوی محمد ہاشم کی اولاد میں ایک شاخ نے شیعیت اختیار کر لی اور وہ دوسری شاخوں سے کٹ گئی، لیکن دو شاخیں ہر اعتبار سے ممتاز تھیں اور علم و حکمت کی دولت سے مالا مال تھیں، ان میں حکیم عبد اللہ، ان کے بیٹے حکیم غلام اشرف اور ان کے تینوں بیٹے مولوی احمد علی، حکیم ولی محمد اور حافظ محمد حسن بڑے خوش نصیب اور با اقبال تھے، مولوی احمد علی استاذ العلماء حضرت مولانا مملوک علی صاحب کے والد ماجد تھے۔

حافظ محمد حسن کے بیٹے حافظ لطف علی اور ان کے تین باکمال صاحبزادے مولانا محمد احسن نانوتوی، مولانا محمد مظہر نانوتوی، مولانا محمد منیر نانوتوی تھے، اسی طرح شیخ علاء الدین کی اولاد میں جو مولوی محمد ہاشم ہی کے اخلاف میں سے تھے مولانا محمد قاسم نانوتوی کی ایسی ذاتِ بابرکات پیدا ہوئی جس نے اس پورے خاندان کو شرف و امتیاز عطا کیا، غرض کہ یہ پورا خاندان علم و عمل اور ذہانت و ذکاوت میں اپنی مثال آپ تھا، پروفیسر ایوب قادری صاحب اپنی کتاب

www.abulhasanalinadwi.org

"مولانا محمد احسن نانوتوی" میں لکھتے ہیں کہ:۔

"اس خانوادۂ صدیقی کے اراکین علم و امارت کے ساتھ ساتھ دینداری، اتباعِ سنّت اور پابندیِ شرع جیسے صفات حسنہ سے بھی متصف تھے، حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی صاحبؒ جو تحریک ولی اللٰہی کے ایک سرگرم کارکن اور مشہور صاحبِ نسبت بزرگ تھے کی ننھیال بھی اسی صدیقی خاندان میں تھی، اس خاندان کے ممتاز فرد فرید مولانا مملوک علی صاحب کی وجہ سے علم کی بڑی اشاعت ہوئی اور کوئی ایسا بڑا عالم نہیں تھا جس نے آپ سے تعلیم حاصل نہ کی ہو۔"

۲ خاندان کاندھلہ

دوسرا خاندان جس میں مسلسل علماء اور اہل درس و تدریس پیدا ہوئے وہ جھنجھانہ اور کاندھلہ کا خاندان ہے جو شاہجہانی عہد کے ایک بڑے بزرگ کی اولاد میں ہونے کا شرف رکھتا ہے، مولانا حکیم محمد اشرف ایک عالی مرتبت عالم، حاذق حکیم، عالی نسب اور صاحب دل بزرگ تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کو گوناگوں کمالات عطا فرمائے تھے۔

حکیم محمد اشرف کی اولاد میں بے شمار علماء، مشائخ طریقت، بلند پایہ مفتی اور فقیہ، قادر الکلام شاعر، اور حاذق اطباء گذرے ہیں، آپ کی اولاد میں مفتی الٰہی بخش جیسے عالم و فاضل شخص گذرے ہیں جو مرجع خلائق تھے، وہ مولانا شیخ الاسلام کے صاحبزادے تھے، اور حضرت شاہ عبد العزیز دہلوی کے ممتاز ترین شاگرد، کامل طبیب، صاحب فتویٰ اور صاحب درس تھے، حضرت سید احمد شہیدؒ کے مرید تھے، ان کے صاحبزادہ مولانا ابو الحسن ظاہری علوم اور باطنی کمالات میں اپنے والد کے قدم بہ قدم تھے، مولانا کا ۱۲۶۹ھ کو انتقال ہوا، یہی سال حضرت مولانا خلیل احمد صاحب نور اللہ مرقدہٗ کی پیدائش کا ہے۔

مولانا ابو الحسن کے بلند پایہ صاحبزادہ مولانا نور الحسن حضرت شاہ محمد اسحٰق محدث دہلوی کے شاگرد تھے۔ سر سید احمد خاں کو ان سے خصوصی تلمذ کا شرف حاصل تھا۔

www.abulhasanalinadwi.org

مولانا نورالحسن کے صاحبزادوں اور اخلاف میں اس وقت تک مسلسل اہل علم اور باکمال حضرات پیدا ہوتے رہے ہیں۔

مفتی الٰہی بخش کے نامور بھتیجے حضرت مولانا مظفر حسین کاندھلوی (م ۱۲۸۲ھ) اپنے وقت کے بڑے بزرگوں میں تھے، انہی سے حضرت مولانا خلیل احمد صاحب کے والد ماجد بیعت تھے۔

اسی خاندانِ عالی مقام کی ایک شاخ وہ ممتاز شاخ ہے جس میں مولانا محمد مصطفیٰ جھنجھانوی اور مولانا محمد صابر جھنجھانوی تھے جنہوں نے حضرت سید احمد شہیدؒ کے ساتھ جہاد میں شرکت کی اور مولانا محمد مصطفیٰ شہید ہوئے، اسی خاندان کے نایہ ناز فردِ فرید مولانا محمد اسمٰعیل[1] (م ۱۳۱۵ھ) پھر ان کے تینوں صاحبزادے حضرت مولانا محمد کاندھلوی، حضرت مولانا محمد یحییٰ اور مولانا محمد الیاس صاحب، پھر ان کے صاحبزادے حضرت مولانا محمد یوسفؒ سے کون ایسا شخص ہے جو ناواقف اور ان بزرگوں کی دینی جدوجہد اور اس کے نتائج وثمرات سے بے خبر ہوگا۔

حضرت مولانا محمد زکریا صاحب شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یحییٰ کے خلف الرشید ہیں، جن کے حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سے تعلق، وابستگی کا حال آپ اس کتاب میں جا بجا پڑھیں گے۔ مختصراً مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کا تاثر پڑھتے چلیے،

"شیخ کی زندگی اپنے علمی انہماک، خدمت خلق، یکسوئی اور شدید معروفیت کے اعتبار

---

[1] مولانا محمد اسمٰعیل نے کاندھلہ سے دہلی کا سفر کیا اور بستی حضرت نظام الدین میں بنگلہ والی مسجد میں قیام کیا اور ایک مدرسہ کی بنیاد رکھی، میوات کے بچے اس میں پڑھتے تھے، اور اسی ذریعے سے میوات سے تعلق پیدا ہوا، اور بعد میں چل کر یہ پورا علاقہ مولانا محمد اسمٰعیل ان کے صاحبزادے مولانا محمد اور پھر مولانا محمد الیاس کی کوششوں سے دعوت وتبلیغ کا مرکز بن گیا، اور لاکھوں کی یہ آبادی مبلغ و داعی بن گئی، اور چند سالوں میں ایسا دینی انقلاب آیا جس کی مثال نہیں ملتی۔

www.abulhasanalinadwi.org

سے اس بیسویں صدی میں ان علمائے سلف کی زندہ یادگار ہے جن کا ایک ایک لمحہ عبادت وخدمت اور علم کی نشر واشاعت کے لئے وقف تھا اور جن کے کارنامے دیکھ کر انکے اوقات کی برکت، انکی جفاکشی اور بلند ہمتی اور ان کی جامعیت کے سامنے آدمی تصویر حیرت بن کے رہ جاتا ہے اور ان کی روحانیت تائید الٰہی کے سوا اس کی کوئی توجیہ نہیں ہوسکتی[1]

کاندھلہ کے اس گھرانہ کے مرد تو علم وفضل میں یکتائے روزگار تھے ہی، عورتیں تک علم وعمل اور زہد وتقویٰ میں ممتاز درجہ رکھتی تھیں۔

اسی گھرانہ کی ایک شمع فروزاں مولانا محمد ادریس کی ذات تھی جو نہایت متبحر عالم اور محدّث تھے۔

غرض کہ کاندھلہ کا یہ خاندان وہ خاندان تھا اور ہے جس سے حضرت مولانا خلیل احمد صاحب نوراللہ مرقدہ کے گہرے روابط تھے اور محبّت کا تعلق تھا اور اسی تعلق اور روابط کی بنا پر حضرت مولانا کاندھلہ برابر آتے جاتے تھے، یہی وہ خاندان ہے جس کے متعلق اس شعر کا پڑھنا مبالغہ نہ ہوگا ؎

این سلسلۂ طلائے ناب است
این خانہ ہمہ آفتاب است

ایسے ہی پاکیزہ صفات حضرات کو دیکھ کر کسی نے خوب کہا ہے ؎

خدا یاد آئے جنکو دیکھ کر وہ نور کے پتلے
نبوت کے یہ وارث ہیں یہی ہیں ظل رحمانی
یہی ہیں جنکے سونے کو فضیلت ہے عبادت پر
انہیں کے اتقا پر ناز کرتی ہے مسلمانی
انہیں کی شان کو زیبا نبوت کی وراثت ہے
انہیں کا کام ہے دینی مراسم کی نگہبانی
رہیں دنیا میں اور دنیا سے بالکل بےتعلق ہوں
پھریں دریا میں اور ہرگز نہ کپڑوں کو لگے پانی

---

[1] سوانح مولانا محمد یوسف ص ۱۰۷

www.abulhasanalinadwi.org

اگر خلوت میں بیٹھے ہوں تو جلوت کا مزہ آئے
اور آئیں اپنی جلوت میں تو ساکت ہو سخندانی

(۳) خاندان ولی اللّٰہی

دہلی کا مشہور علمی خانوادہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا مشہور خانوادہ تھا، حضرت شاہ صاحب کی تصنیفات سے پورا ہندوستان مستفید ہوا اور ہو رہا ہے، نہ صرف ہندوستان بلکہ عالم اسلام آپ کا شاگرد اور شاگردوں کا شاگرد ہے، آپ نے اور آپ کے صاحبزادوں نے، آپ کے خاندان والوں نے علم حدیث کی جو اشاعت کی وہ کسی سے مخفی نہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ کے خاندان کو جو علمی تبحر اور تعلق مع اللہ کی دولت عطا فرمائی تھی وہ کم کسی خاندان یا خانوادہ کو ملی۔ حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی (م ۱۰۳۴ھ) نے ہندوستان میں جو تجدیدی کارنامہ انجام دیا اور آپ کے خلفا و اخلاف نے جو دینی خدمت اور تصوف وسلوک کی راہ سے اسلام کی جو خدمت کی اسکو حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (م ۱۱۷۶ھ) نے نہ صرف یہ کہ زندہ کیا بلکہ اس کو دو بالا کیا۔ مولانا سید سلیمان ندوی حضرت مجدد الف ثانی کے تجدیدی کارناموں کا ذکر کرتے ہوئے حضرت شاہ ولی اللہ کے متعلق اور آپ کے خاندان فاروقی کی بابت یہ الفاظ استعمال کرتے ہیں:۔

> "سرہند کے اس فاروقی مجدد کی آواز نے دلی کے ایک اور فاروقی خاندان کو گرما دیا، یہ شاہ عبدالرحیم دہلوی تھے جو عالمگیر کے معاصر تھے۔ ان کے صاحبزادے شاہ ولی اللہ ہوئے جن کو ملت نے "حکیم الامت" کا خطاب دیا، یہ اس دوسرے دور کے مجدد ہوئے۔ اس دور میں جس کو ملا، ان سے ملا، اور جس نے پایا ان سے پایا۔ شاہ صاحب ۱۱۱۴ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۱۷۶ھ میں وفات پائی۔ شاہ صاحب کے اخلاف نے پوری ایک صدی تک اس چراغ ہدایت کو جس کو

www.abulhasanalinadwi.org

ان کے پدر بزرگوار نے جلایا تھا روشن رکھا۔"[1]

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے دادا شاہ وجیہ الدین فاروقی تھے جو رہتک کے رہنے والے تھے اور عالمگیر کے زمانے میں بڑے صاحب علم، وجیہہ اور صاحب عزت تھے، وہ دہلی تشریف لائے اور قیام فرمایا۔

ان کے بلند پایہ صاحبزادے شاہ عبدالرحیم (م ۱۱۳۱ھ) جو فضیلت علمی اور نسبت باطنی، اور اوصاف و کمالات میں اپنے والد کے قدم بہ قدم بلکہ بعض حیثیتوں سے ان سے بڑھ گئے تھے، وہ دہلی دروازے کے باہر مہندیون میں جہاں اب انکے اور ان کے اخلاف کے مزارات ہیں رہتے تھے اور ایک مدرسہ اور مسجد کی تعمیر کی تھی، انہوں نے پھلت ضلع مظفر نگر میں جو شادی کی تھی وہ وہاں کے مشہور صدیقی خاندان میں کی تھی، جن سے دو عالی مرتبت اہل علم صاحبزادے پیدا ہوئے، (۱) شاہ اہل اللہ جنکو علم دین کے ساتھ ساتھ طب میں ید طولیٰ حاصل تھا، (۲) حکیم الامت حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، شاہ اہل اللہ ہمیشہ پھلت میں رہے اور اپنے علم اور خدمت خلق سے اہل پھلت کو فائدہ پہونچاتے رہے اور حضرت شاہ ولی اللہ نے دہلی کے کلاں محل میں جو جیلی قبر سے آگے ہے ایک مدرسہ کی بنیاد رکھی، وہ مدرسہ کیا تھا ایک دارالعلوم تھا جس میں ہندوستان کے کونے کونے سے اہل علم آکر علم حدیث حاصل کرتے اور اپنے اپنے علاقوں میں جاکر علم دین کی خدمت کرتے تھے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے صاحبزادے مولوی محمد کے علاوہ چار اور بلند پایہ صاحبزادے تھے جو بقول مولانا سید عبدالحی صاحب "نزھۃ الخواطر" کے "دین کے چار ارکان یا جسد علم کے اربع عناصر" تھے۔" ان میں سب سے بڑے صاحبزادے حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ تھے، جن کے علم و فضل زہد و تقویٰ اور

---

[1] سیرت سید احمد شہیدؒ

www.abulhasanalinadwi.org

صبر و عزیمت میں کوئی ثانی نہ تھا۔ ہندوستان کے بڑے بڑے علماء اور اساتذہ آپ ہی کے شاگرد تھے۔ مولانا رشید الدین نواب قطب الدین حضرت شاہ اسحٰق صاحب، حضرت شاہ یعقوب صاحب مفتی صدر الدین اور ان کے علاوہ بہت سے علماء اور اساتذہ جن سے ایک عالم نے علم حاصل کیا آپ ہی کے شاگرد تھے، حضرت سید احمد شہیدؒ آپ ہی سے مرید اور صاحب اجازت تھے، حضرت مولانا اسمٰعیل شہیدؒ آپ کے بھتیجے اور مولانا عبدالحی بڑھانوی داماد تھے۔ حضرت مولانا فضل رحمٰن گنج مراد آبادی کو آپ ہی سے شرف تلمذ حاصل تھا۔

آپ کے دوسرے بھائی ۔ ۔ ۔ ۔ حضرت شاہ عبدالقادر م ۱۲۳۰ھ، حضرت شاہ رفیع الدین م ۱۲۳۳ھ، شاہ عبدالغنی م ۱۲۲۷ھ علم و عمل کے آفتاب اور زہد و تقویٰ میں باکمال تھے، شاہ عبدالقادر کا ترجمۂ قرآن مشہور و معروف ہے اور آپ ترجمان القرآن کے نام سے متعارف ہوئے۔

شاہ رفیع الدین صاحب بھی اپنے بھائیوں کی طرح صاحب علم اور باکمال تھے، آپ کے صاحبزادے شاہ مخصوص اللہ ۱۲۷۳ھ بھی اپنے والد کے قدم بہ قدم تھے آپ کی صاحبزادی بی بی امۃ اللہ جو اپنے بھائی مولوی مخصوص اللہ کے ہم مثل تھیں، انکے دو صاحبزادے ہوئے۔ مولوی سید ناصر الدین اور مولوی سید نصیر الدین، مولوی سید نصیر الدین نے جہاد کا مبارک کام انجام دیا اور حضرت سید احمد شہید کی جماعت مجاہدین میں رہے۔

حضرت شاہ عبدالغنی جو حضرت شاہ ولی اللہ کے سب سے چھوٹے صاحبزادے تھے، ان کے لئے یہ کیا کم فخر و امتیاز کی بات تھی کہ ان کے صاحبزادے مولانا اسمٰعیل شہید ہوئے، جن کے علم و فضل، دعوت و عزیمت اور راہ خدا میں شہادت سے سب ہی واقف ہیں۔ مولانا اسمٰعیل شہیدؒ کے ایک صاحبزادے مولانا محمد عمر ہوئے جن کا مقام علم و فضل کے ساتھ ساتھ جذب و حال میں بہت بلند تھا۔

www.abulhasanalinadwi.org

حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے کوئی اولاد نہ تھی صرف دو عالم وفاضل صاحبزادیاں تھیں جن میں ایک مولانا عبدالحی صاحب بڑھانوی (م ۱۲۴۳ھ) کو بیاہی تھیں، جو حضرت سید احمد شہیدؒ کے ترجمان خاص اور علم وعمل، فضل وکمال میں یکتائے روزگار تھے، ان کے صاحبزادے مفتی عبدالقیوم صاحب (م ۱۲۹۹ھ) ریاست بھوپال میں مفتی رہے اور بڑے بڑے علماء کے استاذ ہوئے۔

حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کی دوسری صاحبزادی پھلت کے شاہ محمد افضل کو بیاہی تھیں، جن سے دو مایۂ ناز اور اہل فخر و امتیاز اور بلند پایہ صاحبزادے ہوئے، جن کے علمی احسانات سے کوئی عالم بھی سبکدوش نہ ہوسکا، ان میں سے ایک شاہ محمد اسحٰق محدث دہلوی کی ذات گرامی ہے، جن کا انتقال ۱۲۶۲ھ میں ہوا، دوسرے شاہ محمد یعقوب کی ذات عالی ہے، جن کا وصال ۱۲۸۲ھ میں ہوا۔ اس پورے خاندان کا ذکر خاص طور سے اس لئے کیا گیا ہے کہ ہندوستان کے اہل حق اور صحیح العقیدہ علماء اور مشائخ جن سے ایک عالم کو علم اور تصوّف وسلوک کی روشنی ملی ہے وہ اسی خاندان کے خوشہ چیں اور شرمندۂ احسان ہیں۔

سلسلۂ چشتیہ صابریہ

اس باب کی تکمیل پر دو اور خانوادوں کا ذکر کرنا مناسب ہوگا کہ ان میں سے ایک سلسلۂ چشتیہ صابریہ سے تعلق رکھتا ہے، اور دوسرا مجددیہ نقشبندیہ سے، ان دونوں خانوادوں سے اللہ تعالیٰ نے دین کی بڑی خدمت لی، اور انہوں نے علم کے ساتھ ساتھ تصوف وسلوک کے سلسلے میں بڑا کام انجام دیا، اور انکے ذریعہ عوام وخواص کی بڑی اصلاح ہوئی، ان دونوں میں اول الذکر خانوادہ سے حضرت مولانا خلیل احمد صاحب نور اللہ مرقدہٗ کا روحانی تعلق ہے۔ اور اس سلسلہ کے آپ ایک روحانی پیشوا تھے، اس سلسلۂ عالیہ کو ترقی دینے میں حضرت شاہ عبدالرحیم ولایتی کا نام سرفہرست ہے جو پہلے حضرت شاہ عبدالباری کے صابری سلسلے

www.abulhasanalinadwi.org

میں خلیفہ و مجاز تھے، لیکن حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کی سہارنپور میں تشریف بری پر ان کے خود بھی مرید ہوئے اور اجازت و خلافت حاصل کی اور اپنے مریدوں کو بھی مرید کرایا، ان میں آپ کے خلیفہ و مجاز اور آپ کے بعد آپ کے جانشین میاں جی نور محمد جھنجھانوی بھی۔ حضرت شہید کے سلسلے میں داخل ہوئے اور آپ کے ہمراہ بغرض جہاد سرحد پار گئے اور پھر واپس ہوئے اور روحانی تربیت اور تعلیم سلوک کا کام انجام دیا، میاں جی نور محمد رحمۃ اللہ علیہ کے خلفاء میں حافظ ضامن شہید، شیخ محمد تھانوی اور شیخ العرب والعجم حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کے اسمائے گرامی قابل ذکر ہیں۔

ان سب ہی کا تعلق حضرت مولانا خلیل احمد صاحب اور ان کے خاندان اور اکابر سے رہا ہے خصوصاً حضرت حاجی امداد اللہ صاحب سے گھر کا سا تعلق تھا اور خاندانی اکابر کی محبت و تعلق کی شان ظاہر ہوتی تھی اس لئے کہ حضرت حاجی صاحبؒ کی نانیھال اور آپ کی نانیھال ایک تھی، ایک تو محبت و تعلق کی وجہ یہ تھی دوسرے حضرت مولانا خلیل احمد صاحب براہ راست حضرت حاجی صاحب کے مجاز تھے اور بعد میں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کے مجاز ہوئے، جو حضرت حاجی صاحب کے اجل خلفاء میں تھے، بلکہ آپ کے بڑے جانشینوں میں تھے۔

ان سارے اکابر اور حضرت حاجی صاحب کے خلفاء سے روحانی تربیت، باطنی اصلاح اور معرفت و سلوک کے کام کی جو اشاعت ہوئی اور لاکھوں انسانوں نے اس سلسلے سے وابستہ ہو کر انابت الی اللہ، تعلق مع اللہ اور زہد و ورع کی جو دولت پائی وہ کم کسی سلسلے کے حصے میں آئی۔ حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی بھی حضرت حاجی امداد اللہ صاحب کے خلیفہ تھے جنہوں نے تصوف و سلوک کے سلسلے میں تجدیدی کارنامے انجام دئے اور آپ کے اور آپ کے خلفاء کے ذریعہ جو اصلاح عام کا کام ہوا اس کی مثال نہیں ملتی، یہ سارے اکابر اسی سہارنپور اور دہلی کے درمیانی قصبات اور علاقوں کے رہنے والے تھے۔

سلسلۂ مجددیہ نقشبندیہ دوسرا خانوادہ جس سے حضرت مولانا خلیل احمد صاحب اور انکے

www.abulhasanalinadwi.org

خاندان کا تعلق رہا ہے وہ مجددی نقشبندی خانوادہ ہے جس کے مورثِ اعلیٰ حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی تھے، جنہوں نے اکبر کے زمانے سے لے کر جہانگیر کے دور تک اسلام کی خدمت کی اور الحاد و بے دینی کے خلاف فاروقی شان سے ظاہر ہوئے، جہانگیر کے طوق و سلاسل نے بڑھ کر ان کے قدم لیے اور انہوں نے اسیر زنداں ہوتے ہوئے توحید کا نعرہ لگایا، سوتے ہوئے دلوں کو جگایا، زنداں کے باہر آئے اپنے ارشادات اپنی دعوت و عزیمت، جرأت و ہمت اور مکاتیب کے ذریعہ امیر سے لے کر غریب تک جھونپڑوں سے لے کر شاہی محل تک عوام سے لے کر وزراء تک حق کی آواز پہونچائی اور دینی انقلاب پیدا کر دیا۔

آپ کے بعد آپ کے بلند پایہ صاحبزادوں اور ان کے اخلاف، خاندانی بزرگوں اور خلفاء نے اپنی اپنی جگہ پر دینی اصلاح کا کام کیا، اس مبارک خانوادے نے مرزا مظہر جانجاناں شہید اور شاہ غلام علی صاحب جن کے ایک خلیفہ اور مجاز حضرت مولانا خلیل احمد صاحب کے خاندان کے ایک بزرگ بھی تھے۔ شاہ غلام علی صاحب کے بعد شاہ ابوسعید صاحب (م ۱۲۵۰ھ) ان کے صاحبزادے شاہ احمد سعید صاحب (م ۱۲۷۷ھ) اور شاہ عبدالغنی صاحب (م ۱۲۹۶ھ) جو بلند پایہ شیخ و عالم تھے پیدا کیے، ان دونوں کے بے شمار خلفاء اور شاگرد گذرے ہیں۔

شاہ احمد سعید صاحب کے شاگردوں میں مفتی عبدالقیوم صاحب بڑھانوی، مولانا احمد علی صاحب سہارنپوری محدث، مولانا فیض الحسن صاحب سہارنپوری بلند درجہ رکھتے تھے اور ان تینوں سے مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری نے استفادہ کیا اور فیض اٹھایا۔[1]

شاہ عبدالغنی رحمۃ اللہ علیہ جن سے حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری نے مدینہ منورہ میں سندِ حدیث حاصل کی تھی اور جن سے آپ کے خاندان اور ہم مسلک دوسرے اکابر نے فیض اٹھایا اور شاگرد ہوئے وہ اتباعِ سنت اور علم و فضل میں عالی مرتبہ

---

[1] مقامات خیر بحوالہ سیر الکاملین ص ۹۴

www.abulhasanalinadwi.org

تھے۔ مولانا سید عبدالحی صاحب "نزھۃ الخواطر" میں حضرت شاہ عبدالغنی صاحب کا ذکر ان الفاظ میں کرتے ہیں:۔

قد انتہت الیہ الامامۃ فی العلم	جن خوبیوں میں ان کو امام کا درجہ حاصل
والعمل والزھد والحلم	تھا وہ ہیں علم و عمل، زہد اور بردباری
والاناۃ مع الصدق والامانۃ	و وقار، سچائی، امانت داری، پاکبازی
والعفۃ والصیانۃ وحسن القصد	اور احتیاط، حسن اعتدال اور اخلاص
والاخلاص والابتہال الی اللہ	اللہ تعالیٰ کے سامنے رقت و دعا، اور
سبحانہ وشدۃ الخوف منہ	خوف و مراقبہ، سنت پر عمل، دعوت
ودوام المراقبۃ لہ والتمسک	الی اللہ کا التزام، حسن اخلاق، بندگان
بالاثر والدعاء الی اللہ تعالیٰ	خدا کو فائدہ پہونچانے کا جذبہ، اور
وحسن الاخلاق ونفع الخلق	ان کے ساتھ حسن سلوک دنیا کے معاملات
والاحسان الیھم والتقلل	میں زہد اور اس کی چیزوں سے بے تعلقی
فی الدنیا والتجرد عن اسبابھا	ان کی مجلسوں، ان کی دعاؤں کی برکتوں،
انتفع بمجلسہ وبرکۃ دعائہ	ان کی پاک نفسی اور خلوص سے کتنے ہی
وطھارۃ انفاسہ وصدق نیتہ	علماء و مشائخ نے فائدہ اٹھایا اور
خلق کثیر من العلماء والمشائخ	عرب و عجم کے لوگوں نے انکی ولایت
واتفق الناس من اھل الھند	اور جلالت شان پر اتفاق کیا۔
والعرب علی ولایتہ وجلالتہ[1]	

مندرجہ بالا صفحات میں علمی شخصیتوں اور گذشتہ دور کے حالات اور ماحول دینی و سیاسی اور علمی پس منظر، روحانی علمی خانوادوں کا ذکر اس لئے کیا گیا ہے

---

[1] نزہۃ الخواطر جلد ۷ صفحہ ۳۰۹

www.abulhasanalinadwi.org

کہ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سے پہلے اور پیدا ہونے کے وقت، اور نشو و نما کے دور کا پورا نقشہ سامنے آجائے اور ان کی سیرت و کردار کی تعمیر جس طرح ہوئی اور جس ماحول میں ہوئی، اس کے سمجھنے میں کوئی دشواری محسوس نہ ہو۔

ایک سوانح نگار کے لئے ان سب کا تذکرہ کرنا ضروری ہے اور اس کے فریضے میں یہ داخل ہے۔ اب ہم حضرت مولانا خلیل احمد صاحب کے حالات اور سوانح پیش کرتے ہیں ؎

گر شوی در دین مہمانِ خلیل
جا بجا نوشی ازیں خوانِ خلیل

www.abulhasanalinadwi.org

تیسرا باب

ولادت سے تکمیلِ علوم تک

سالہا باید کہ تا یک سنگ اصلی ز آفتاب
لعل گردد، در بدخشاں یا عقیق اندر یمن

ساعت بسیار می باید کشیدن انتظار
تا کہ در جوفِ صدف باراں شود درِّ عدن

www.abulhasanalinadwi.org

www.abulhasanalinadwi.org

تیسرا باب

ولادت سے تکمیلِ علوم تک

از ۱۲۶۹ھ تا ۱۲۸۸ھ ۱۹ سال

حضرت مولانا خلیل احمد صاحب شاہ مجید علی صاحب انصاری ایوبی انبہٹوی کے صاحبزادے تھے، اواخر صفر ۱۲۶۹ھ مطابق اوائل دسمبر ۱۸۵۲ء میں انقلاب ۱۸۵۷ء سے پانچ سال پہلے اپنے ننھیال قصبہ نانوتہ ضلع سہارنپور میں پیدا ہوئے۔ آپ کی والدہ ماجدہ مبارک النساء بی بی اس زمانے میں جب کہ ان کے شوہر شاہ مجید علی اپنے وطن میں موجود نہ تھے، اپنے والد ماجد حضرت مولانا مملوک علی صاحب کے مکان پر قیام پذیر تھیں۔

حضرت مولانا اپنی والدہ محترمہ کے بطن سے توأم پیدا ہوئے، آپ کے پیدا ہونے سے تھوڑی ہی دیر پہلے آپ کے ایک بھائی تولد ہوئے تھے۔ جو بہت صحتمند اور خوبصورت تھے اور فطری طور پر گھر والوں کی نگاہیں اُن پر جمی ہوئی تھیں آپ پیدا ہوئے تو بہت کمزور، لاغر اور کم رو تھے اس لئے گھر والوں کی توجہ آپ کی طرف مبذول نہیں ہوئی اور تھوڑی دیر پہلے پیدا ہونے والے بھائی کی دیکھ ریکھ اور نگہداشت کرتے رہے آپ کی طرف سے گھر کے لوگوں نے جو تغافل برتا اس کے متعلق مولانا عاشق الٰہی صاحب میرٹھی تحریر کرتے ہیں:۔

> "آپ کو دایہ نے غسل بھی نہیں دیا اور ململ کے ایک سفید کپڑے میں لپیٹ کر علیحدہ کھٹولے پر ڈال دیا مگر قدرت کو منظور تھا اس بچہ پر کہ جس کی طرف ماں کی

www.abulhasanalinadwi.org

نگاہِ توجہ بھی نہیں اٹھتی ہے کسی وقت دنیا کی نظریں پڑیں اور نورانی چہرہ تماشہ گاہ عالم بنے' اس لئے تنومند بھائی کو دنیا سے اٹھا لیا اور اس طرح پر ماں کی آغوش آپ کے لئے خالی ہوگئی کہ اب سارے کنبے کی محبت و پیار کی نظریں خالص آپ پر پڑنے لگیں۔[1]"

مختلف نام | ولادت سے ساتویں دن آپ کا عقیقہ ہوا، چونکہ آپ کے نانا حضرت مولانا مملوک علی صاحب کا دو سال پہلے ۱۲۶۷ھ میں انتقال ہوچکا تھا، اس لئے اس وقت اس گھر کے بڑوں میں آپ کے ماموں حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب تشریف فرما تھے، آپ کے مختلف نام رکھے گئے ایک نام ظہیر الدین تھا، دوسرا نام خلیل احمد رکھا گیا اور یہی وہ مبارک نام ہے جو سارے ناموں پر غالب آیا اور آپ اسی نام سے مشہور ہوئے۔

چونکہ آپ کا تنومند اور خوبصورت بھائی انتقال کرچکا تھا، اس لئے گھر کی خواتین اور بیبیاں تفاؤل کے طور پر آپ کو اللہ رکھا کے نام سے بھی پکارنے لگیں، بعض محبت کرنے والے گھر کے مرد اور عورتیں آپ کو موتی بھی کہتے تھے، لیکن یہ سارے نام وقتی اور عارضی ثابت ہوئے اور خلیل احمد نام معروف و مشہور ہوا اور لوگ دوسرے ناموں کو گویا بھول گئے۔

ابتدائی زمانہ | والد ماجد اکثر ملازمت کے سلسلے میں باہر رہتے تھے اور وطن سے دور دراز ریاستوں میں ان کا قیام رہتا تھا، وطن آنا بہت کم ہوتا تھا، اس لئے آپ کے ابتدائی زمانے میں آپ کے سرپرست اور مربی آپ کے ماموں تھے، رضاعت اور ابتدائی نشو و نما کا زمانہ ماموں کی سرپرستی اور زیر سایہ گذرا، جب والدہ ماجدہ اپنی سسرال انبہٹہ جاتیں تو آپ کو بھی ساتھ لے جاتیں، اور کافی دنوں

---

[1] تذکرۃ الخلیل

www.abulhasanalinadwi.org

تک قیام کرتیں، کبھی نانوتہ میں اور کبھی انبہٹہ میں آپ کے دن گذرتے، اس طرح دونوں جگہ آتے جاتے، رہتے سہتے چار سال گذر گئے۔

آپ کی مکتبی تعلیم

آپ کی عمر جب پانچ سال کی ہوگئی یعنی ۱۲۷۴ھ مطابق ۱۸۵۷ء کا سال آیا، تو دہلی اور میرٹھ کے علاقوں میں ایک ہنگامہ برپا تھا، اور مسلمانوں کی دنیا زیر و زبر ہو رہی تھی، انتشار و بے چینی اور پراگندگی کا دور دورہ تھا، لوگ اپنے اپنے شہروں اور وطنوں میں خانہ نشین ہو رہے تھے، اس ہنگامہ خیز دور میں آپ کی مکتبی تعلیم شروع ہوئی اور شرفاء کے دستور کے مطابق آپ کی تسمیہ خوانی ہوئی اور اس کے بعد قاعدہ، قرآن شریف، ناظرہ پھر ابتدائی کتب اردو و فارسی کی تعلیم ہوئی، آپ اپنی والدہ کے ساتھ کبھی انبہٹہ رہتے اور کبھی نانوتہ تشریف لے جاتے، اس لئے ایک عرصہ تک دلجمعی کے ساتھ آپ نے تعلیم نہیں حاصل کی جتنے دن جہاں رہتے وہاں کے مکتب میں داخل کر دئیے جاتے اور آپ تعلیم حاصل کرتے۔

ذکاوتِ حس اور موجودہ تعلیم سے بے اطمینانی

باوجود اس کے کہ آپ بہت کم عمر تھے اور سنِ شعور کو نہیں پہونچے تھے، لیکن اللہ تعالیٰ نے دوسرے ہم عمر بچوں کے برخلاف آپ کو ذکاوت، ذہانت اور عقل و تمیز کا وافر حصہ عطا فرمایا تھا کہ آپ کو سات، آٹھ سال کی عمر ہی سے اپنی بے ترتیب تعلیم سے بے اطمینانی پیدا ہونے لگی تھی۔

۱۸۵۷ء کے ہنگامے کے نتیجے میں اس دیار کے ہر قصبے کے شرفاء و علماء پریشانی میں پڑے ہوئے تھے اور گرفتاریوں، روپوشیوں کا زمانہ تھا۔ آپ کے ایک رشتہ دار جو آپ کے چچا شاہ حبیب محمد صاحب کے خسر تھے اور مولانا صدیق احمد صاحب کے نانا یعنی شاہ حسن عسکری اس دار و گیر سے بچنے کے لئے آپ کے والد اور چچا کے گھر میں روپوش ہوئے، پورا گھرانے کا گھرانہ پریشانی اور مصیبت کا شکار ہوا، آپ کے والد ماجد

www.abulhasanalinadwi.org

شاہ مجید علی اور ان کے سارے بھائی گرفتار ہو گئے، اس گرفتاری کا اثر آپکے معصوم دل و دماغ پر جو پڑا، اس نے آپ کو اور زیادہ ذکی الحس بنا دیا اور علم کی طلب آپ کو اور زیادہ ستانے لگی، آپ نے اپنی اس بے چینی کا اظہار دبی زبان سے اپنے سرپرستوں اور گھر کے بزرگوں سے کیا۔ آپ کے والد اور چچا صاحبان گرفتاری سے آزاد ہوئے اور سکون کے دن میسر آئے تو آپ نے اس خیال کا اظہار کیا کہ آپ کو باقاعدہ تعلیم دلائی جائے۔

گوالیار میں

حضرت مولانا نے اپنے وطن انبہٹہ اور نانوتہ میں رہ کر اردو کی کئی کتابیں پڑھیں اور قرآن شریف ختم کر لیا۔ چند دنوں کے بعد کسی موقع پر آپ کے چچا مولانا انصار علی صاحب جو ریاست گوالیار میں صدر الصدور تھے اپنے وطن تشریف لائے تھے ان کو اپنے بھتیجے سے باپ کی طرح محبت اور تعلق تھا جب انہوں نے آپ کی بے ترتیب تعلیم اور وطن کا لاحاصل قیام، آپ کا شوق علم اور قاعدے سے تعلیم نہ ہونے کی وجہ سے آپ کی بے اطمینانی و اضطراب دیکھا تو آپ کی والدہ ماجدہ سے اپنے ساتھ گوالیار لے جانے کی اجازت چاہی، آپ کی والدہ کو آپ سے بے انتہا محبت تھی۔ ایک دن کے لئے بھی آنکھوں سے اوجھل ہونا پسند نہ کرتی تھیں لیکن یہ دیکھ کر کہ آپ کا وقت ضائع ہو رہا ہے چار و ناچار چچا کے ساتھ جانے کی اجازت دیدی۔ آپ اپنی والدہ سے کس طرح جدا ہوئے، وطن کو کس طرح چھوڑا، اور تعلیم کے شوق میں اس کم عمری میں اتنے دور دراز مقام کا کس کیفیت کے ساتھ سفر کیا وہ خود آپ کی زبانی سنئے فرماتے ہیں:-

”جس وقت میں اپنے چچا کے ساتھ بہل میں سوار ہو کر بقصد گوالیار چلا ہوں تو میری عجیب کیفیت تھی، کبھی وطن کا چھوٹنا والدہ کا فراق اور اقرباء و ہمجولیوں سے جدا ہونا اپنا اثر ڈالتا اور مجھ کو پریشان بنا دیتا تھا اور کبھی وطن میں تعلیم کی

www.abulhasanalinadwi.org

بدنظمی اور حصول علم میں اپنی ناکامی ونقصان کا تصوّر ہو کر گوالیار میں یکسوئی کے ساتھ پڑھنے لکھنے میں مشغولیت اور چچا کی شفقت اور حسنِ تعلیم کا رنگ غالب آتا تو مجھے باغ باغ کئے دیتا تھا۔ آخر اسی کشاکش میں یہاں روانہ ہو گئی اور میں وطن سے باہر نکلا، اس سفر میں کچھ ایسی دلچسپیاں تھیں کہ تھوڑا ہی سفر طے کرنے کے بعد وطن اور اہلِ وطن کا خیال نسیًا منسیًا ہو گیا اور سفر میں ہر نئی چیز کو دیکھ کر چچا سے اس کے متعلق پوچھتا اور تحقیق کرتا ہوا خوش خوش گوالیار پہونچ گیا۔[1]"

حضرت مولانا جب گوالیار تشریف لے گئے تو اس وقت آپ کی عمر گیارہ سال کی تھی، آپ کے چچا مولانا انصار علی کا گھر کیا تھا ایک مدرسہ تھا اور ایک مہمان خانہ، گوالیار پہونچکر آپ نے چچا کی زیرِ تربیت تعلیم شروع کر دی، مشفق چچا کی محبت اور شفقت نے ماں باپ کی محبّت کو بھلا دیا، اسی طرح چچا کے طرزِ تعلیم اور اندازِ تربیت نے آپ کے شوقِ علم کو دوچند کر دیا، چچا کی نظرِ کرم اور توجہ اور محبت و شفقت کے ساتھ تعلیم میں لگانے اور باپ سے بڑھ کر محبّت کے ساتھ پیش آنے کا نقش آپ کے دل و دماغ پر ایسا ثبت ہوا کہ اپنے گھر اور وطن کو بھول گئے، آپ اپنے چچا کی محبّت کا تذکرہ محبّت آمیز الفاظ میں اس طرح کرتے ہیں :۔

"گوالیار میں کوئی یہ نہ سمجھتا تھا کہ خلیل احمد ان کا بیٹا نہیں ہے۔ میرے چچا زاد بھائی مولوی عبد اللہ بھی چچا صاحب کے پاس تھے اور جن کو اتنا معلوم نہ تھا کہ ان میں ایک حضرت مولانا کا بیٹا ہے اور ایک برادر زادہ وہ مولوی عبد اللہ کو برادر زادہ خیال کرتے تھے حالانکہ واقعہ برعکس تھا کہ وہ بیٹے تھے اور میں بھتیجا۔"

عربی کی تعلیم حضرت مولانا کے والد ماجد شاہ مجید علی صاحب گوالیار میں ملازم تھے اور آپ کے چچا مولانا انصار علی بھی یہ پتہ نہیں کہ دونوں بھائی ایک

---

[1] تذکرۃ الخلیل صد ۲۱

ہی جگہ مقیم تھے یا الگ الگ، اتنا ضرور تھا کہ حضرت مولانا اپنے چچا کے ساتھ رہے اور انہیں کے سایۂ عاطفت میں تعلیم حاصل کی، سب سے پہلے چچا صاحب نے عربی شروع کرائی اور میزان الصرف کی تعلیم دی "اس وقت آپ بوستاں پڑھتے تھے، میزان الصرف کے بعد آگے بڑھایا اور صرف میر اور پنج گنج پڑھائی۔

آپ اس کے آگے تعلیم حاصل نہیں کر پائے تھے کہ آپ کے والد ماجد شاہ مجید علی صاحب کی مدت ملازمت پوری ہوگئی اور انہوں نے وطن واپسی کا قصد کیا اور اپنے صاحبزادے کو مستقلاً اپنے پاس رکھ کر تعلیم دینا پسند کیا اور اپنے بھائی مولانا انصار علی صاحب کو راضی کر کے صاحبزادے کو اپنے ساتھ وطن لے آئے۔

وطن میں دوبارہ تعلیم آپ اپنے والد کے ہمراہ بادل ناخواستہ پھر وطن پہونچے لیکن ایک نئے عزم اور ولولہ کے ساتھ اور پختہ ارادہ کر کے وطن آئے کہ اب دلجمعی کے ساتھ دینی تعلیم حاصل کریں گے، وطن پہونچکر اپنے والد ماجد کے حکم پر انبہٹہ کے ایک محترم اور ممتاز عالم مولانا سخاوت علی صاحب انبہٹوی کی خدمت میں دینی تعلیم حاصل کرنی شروع کر دی، آپ نے مولانا سخاوت علی سے کافیہ اور شرح جامی تک تعلیم حاصل کی "اس وقت آپ کی عمر تیرہ یا چودہ سال کی تھی، حضرت مولانا اپنی اس تعلیم کا ذکر اس طرح فرماتے ہیں:۔

"انبہٹہ میں کوئی خاص تعلیم کا انتظام و مدرسہ وغیرہ نہیں تھا مگر یہیں ہشتم نہم کافیہ، شرح جامی تک پڑھا تھا کہ مدرسہ دیوبند کی بنیاد پڑی[۵]"

ایک سوال کے جواب میں آپ نے مزید فرمایا:۔

"انبہٹہ میں مولانا سخاوت علی صاحب ایک بزرگ تھے، بڑے متبع سنت، اتباع سنت میں نہایت متشدد اور بڑے سخت، میں نے مدرسہ دیوبند کے قیام

---

[۵] مقدمہ اکمال الشیم ص۲۲

سے قبل کچھ کتابیں بھی ابتدائی ان سے پڑھی تھیں۔[1]

اللہ تعالیٰ نے آپ کو علم دین کے حاصل کرنے کے شوق کے ساتھ سطاقۂ فطرت سلیم اور قلب سلیم بھی عطا فرمایا تھا، ۱۸۵۷ء کا انقلاب علماء و مشائخ پر ظلم و ستم اور انگریزوں کے جبر و تشدد شاہ حسن عسکری کو پھانسی دیئے جانے اور اپنے والد اور چچاؤں کی گرفتاری حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر کی کی روپوشی حضرت مولانا رشید احمد صاحب کی گرفتاری حافظ ضامن صاحب تھانوی کی شہادت اور مختلف طریقوں سے اہل علم اور شرفاء کو پریشان کئے جانے کی وجہ سے آپ کے معصوم دل و دماغ میں انگریزوں اور انکی زبان اور ان کے طور طریقوں سے نفرت بیٹھ گئی تھی۔

آپ نے جب ہوش سنبھالا تو ظلم و ستم کے یہ مناظر دیکھے اس لئے غیرت و حمیت، جہاد فی سبیل اللہ کا جذبہ خالص دینی تعلیم حاصل کرنے کا شوق اور اپنی قوم و ملت کی خدمت کرنے کی تمنا اور آرزو کروٹیں لینے لگی۔

آپ کے عزیزوں میں بعض ایسے حضرات تھے جن کے دل ماضی قریب کے انقلاب کی وجہ سے برداشتہ خاطر ہو گئے تھے اور ان کی آنکھوں کے سامنے ایک اندھیرا سا چھا گیا تھا اور یہ بات دل میں بیٹھ گئی تھی کہ بغیر انگریزی تعلیم حاصل کئے اور حکام وقت کی خوشنودی کے بغیر دنیا میں عزت کا مقام حاصل نہیں ہو سکتا، ان کے نزدیک یہ قول صحیح تھا۔

چلو تم ادھر کو ہوا ہو جدھر کی

انہوں نے آپ کے والد ماجد کو دنیاوی تعلیم کی قدر و قیمت بتائی اور اس پر آمادہ کیا کہ اس ذہین اور ذکی لڑکے کو بجائے عربی تعلیم میں لگانے کے انگریزی تعلیم میں لگایا جائے تاکہ یہ بڑا ہو کر عزت کا مقام حاصل کرے اور زمانہ کے مطابق خوشحالی کی زندگی گذار سکے۔

---

[1] مقدمہ الکمال الشیم ص ۱۲۷

حضرت مولانا اگرچہ تیرہ چودہ سال کے صاحبزادے تھے لیکن سلامت روی اور عقل و خرد کا وافر حصہ پایا تھا، آپ کو جب عزیزوں کے اس ارادے اور والد ماجد کی آمادگی کا علم ہوا تو بے چینی و اضطراب میں اور زیادتی ہوئی اور آپ کی وہ آرزو و خواہش جو پہلے سے دل و دماغ میں جاگزیں تھی ختم ہوتی نظر آئی لیکن آپ نے اپنے اکابر اور والد ماجد کی خواہش اور آمادگی کے خلاف اپنی رائے دینا خلاف ادب سمجھا اور صبر و تحمّل کو کام میں لاکر سرِ تسلیم خم کر دیا، خاندان کے اکابر نے آپ کو اور آپ کے چچا زاد بھائی مولانا صدیق احمد کو انگریزی اسکول میں جدید تعلیم کی خاطر داخل کر دیا، آپ نے انگریزی اسکول میں اپنی ذہانت و ذکاوت سے بہت جلد انگریزی سیکھنی شروع کر دی اور حروف پہچان کر جملے بنانے لگے، آپ کا انگریزی ماسٹر ہندو تھا اس نے آپ کی اتنی جلد انگریزی میں قابلیت پیدا کر لینے پر بڑی حیرت کا اظہار کیا۔

اس ساری ذکاوت اور انگریزی میں مہارت کے باوجود طبیعت کسی طرح بھی انگریزی زبان سے مانوس نہ ہو سکی خدا کو آپ سے دین کا بڑا کام لینا منظور تھا، اور لاکھوں آدمیوں کی اصلاح باطن آپ کو کرنی تھی، اس لئے آپ کی طبیعت انگریزی سے اور جدید علوم سے اچاٹ ہوتی گئی اور توحش اتنا بڑھ گیا کہ اس کو چھوڑنے کی ترکیب سوچنے لگے۔ مولانا عاشق الٰہی میرٹھی لکھتے ہیں:۔

> "گو آپ نے بڑوں کی تعمیل حکم میں انگریزی شروع کر دی تھی مگر دل اچاٹ تھا، اور وہ قلب جو علوم عربیہ کا لذت آشنا ہو چکا تھا اس کا خواہشمند تھا کہ کاش علوم دین کی تعلیم کا کوئی بہترین انتظام ہو جائے اور یہاں سے چھٹکارہ نصیب ہو"[1]

دار العلوم دیوبند میں حضرت مولانا کو اپنی انگریزی تعلیم پر جو اضطراب اور

---

[1] تذکرۃ الخلیل صفحہ ۲۲

www.abulhasanalinadwi.org

بے چینی تھی اس کی وجہ سے اپنے بڑوں اور بزرگوں کو اشارۃً کنایۃً اپنی بے چینی اور اضطراب سے مطلع کرتے رہتے اور دوبارہ عربی پڑھنے اور دینی تعلیم حاصل کرنے کی خواہش کا اظہار کرتے رہتے تھے مگر عربی و دینی تعلیم حاصل کرنے کے کسی معقول انتظام نہ ہونے کی وجہ سے اصرار نہیں کرتے تھے مگر اللہ تعالیٰ کا کرنا کہ محرم ۱۲۸۳ھ کو دیوبند ضلع سہارنپور میں دارالعلوم کی بنیاد پڑی اور آپ کو اس کی خبر ملی تو عربی کا شوق فزوں سے فزوں تر ہوا اور جب یہ معلوم ہوا کہ اس مدرسہ کے صدر مدرس آپ کے ہی حقیقی ماموں، مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی مقرر ہوئے ہیں تو ارادہ عزم میں بدل گیا اور اپنے والدین کی خدمت میں اپنی خواہش اور دارالعلوم دیوبند میں اپنے ماموں کی آغوشِ تربیت میں رہ کر پڑھنے کا اظہار کیا اور اجازت طلب کی۔ والدین نے اس خیال سے کہ یہ مدرسہ عربی کا مستند مدرسہ ہے اور اس کے صدر مدرس مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی ہیں جو صاحبزادے کے حقیقی ماموں ہیں وہاں پڑھنے سے دینی تعلیم بھی حاصل ہوگی اور ماموں کی آغوشِ محبت میں رہ کر گھر کی سی راحت بھی ملے گی۔ بخوشی اجازت دیدی اور آپ اپنے شفیق ماموں کی خدمت میں پہونچ گئے۔ حضرت مولانا اپنے دیوبند جانے اور تعلیم حاصل کرنے کے متعلق خود بیان کرتے ہیں:۔

> میں اور برادر مولوی عبداللہؒ و برادر مولوی صدیق احمد مدرسہ دیوبند میں داخل ہوئے، شرح جامی تک پڑھ چکے تھے مگر مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے کافیہ تجویز فرماکر اس میں داخل فرمالیا۔"

انگریزی چھوڑنے اور دینی تعلیم حاصل کرنے کی خوشی

دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوکر حضرت مولانا نے بڑی دلجمعی، توجہ اور انہماک سے دینی تعلیم حاصل کرنی شروع کی اور اس نعمتِ عظمیٰ کے حاصل ہونے پر ان کے قلب و دماغ کو بڑا سکون ملا اور وہ سراپا شکر و امتنان بن گئے، آپ

www.abulhasanalinadwi.org

کو انگریزی چھوڑنے اور عربی تعلیم حاصل کرنے اور بجائے ہندو انگریزی ماسٹر کی صحبت میں رہنے کے ایک شفیق مربی اور بزرگ خدا رسیدہ صاحب دل ماموں کی خدمت بابرکت میں وقت گذارنے کی اتنی خوشی تھی کہ جیسے ایک فقیر بے نوا کو ایک بڑی سلطنت مل گئی ہو، اور قید بامشقت سے نجات پانے اور آزاد فضا میں سانس لینے کا موقع ملا ہو۔

آپ کا یہ حال ہوگیا کہ ہمہ تن علم دین کے حصول اور اس کے مبارک اشغال میں مشغول ہو گئے اور اس کی کوشش کرتے رہے کہ جو کچھ انگریزی پڑھی لکھی ہے وہ ذہن و دماغ سے نکل جائے اور اس کے نقوش و اثرات لوح دل سے بالکل ہٹ جائیں، آپ اکثر فرمایا کرتے تھے:۔

"الحمد للہ حق تعالیٰ شانہ، نے انگریزی سے نجات دی اور علم دین نصیب فرمایا۔"

دیوبند سے سہارنپور

حضرت مولانا دار العلوم دیوبند میں تقریباً چھ ماہ تک پوری توجّہ و انہماک سے تعلیم حاصل کرتے رہے اور اپنے حقیقی ماموں کی محبت و شفقت اور تربیت سے مستفید ہوتے رہے۔ یکم رجب ۱۲۸۳ھ میں شہر سہارنپور میں حضرت مولانا سعادت علی صاحب سہارنپوری نے جو ایک بلند پایہ عالم فقیہ و محدث تھے اور جن کا تعلق حضرت سیّد احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کی جماعت سے تھا ایک عربی مدرسہ کی بنیاد رکھی اور مولانا محمد مظہر صاحب نانوتوی کو جو آپ کے رشتے کے ماموں تھے صدر مدرسی کے عہدے پر فائز کیا، اس مدرسہ کا شروع میں کوئی خاص نام نہ تھا بلکہ مدرسہ عربی کے نام سے یاد کیا جاتا تھا اور وہ چوک کی مسجد میں قائم ہوا تھا اور پھر جلد مسجد کے قریب ایک کرائے کے مکان میں منتقل ہوا، مولانا سعادت علی صاحب نے خود ہی اس کا اہتمام اور انتظام اپنے ہاتھ میں لیا۔ اس کے ایک عرصہ کے بعد اس مدرسہ کو دوسری جگہ منتقل کیا گیا۔ اس کی پختہ عمارت بنی اور اس کا نام مظاہر العلوم رکھا گیا۔

www.abulhasanalinadwi.org

اس مدرسہ کے کھلنے کے بعد آپ کے دل میں سہارنپور آکر اس مدرسہ میں تعلیم حاصل کرنے کا شوق ہوا اور دارالعلوم دیوبند سے مظاہر العلوم میں مولانا محمد مظہر صاحب نانوتوی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس مدرسہ میں داخل ہو گئے، آپ نے اپنے حقیقی ماموں کی صحبت اور شفقت و محبت پھر ان کی وجہ سے دارالعلوم دیوبند میں ہر طرح کا آرام و آسائش کیوں چھوڑی اور مظاہر العلوم سہارنپور میں تعلیم کو کیوں ترجیح دی، یہ آپ ہی کے الفاظ میں پڑھیئے:-

"دیوبند میں آب و ہوا موافق نہیں آئی تو مظاہر العلوم میں آکر داخل ہو گیا مولانا محمد مظہر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی برکت و شفقت تھی کہ مولانا نے فرمایا کہ شرح جامی کا کوئی سبق مدرسہ میں نہیں اس لئے مختصر المعانی میں داخل ہو جاؤ۔"[1]

حضرت مولانا مظاہر العلوم کے قائم ہونے کے پہلے ہی سال مختصر المعانی کے سبق میں شریک ہوئے اس سال مدرسہ میں صرف اڑسٹھ (۶۸) طلباء تھے جن میں اٹھارہ (۱۸) طلباء عربی کے درجات میں تھے بقیہ دوسرے درجات میں جب سالانہ امتحان ہوا تو کامیاب طلبہ کو انعام ملا، ان انعام یافتہ طلباء میں حضرت مولانا بھی تھے، آپ کو انعام میں اصول الشاشی ملی۔

آپ کے اساتذہ آپ جب مظاہر العلوم میں داخل ہوئے تو پہلے ہی سال آپ کو مولانا سعادت علی صاحب فقیہ سہارنپوری، مولانا سخاوت علی صاحب انبہٹوی (جنھوں نے آپ کو وطن میں بھی پڑھایا تھا) حضرت مولانا محمد مظہر صاحب نانوتوی اور مولانا سعادت حسین صاحب بہاری نے آپ کو انتہائی شفقت اور محبت کے ساتھ پڑھایا اور آپ کی تعلیم و تربیت کا انتظام کیا۔

تحصیل علم حدیث دوسرے سال ہی آپ نے حدیث شریف شروع کر دی، حدیث میں آپ کے استاذ حضرت مولانا محمد مظہر صاحب نانوتوی تھے۔

---

[1] مقدمہ اکمال الشیم ص ۱۲۵

آپ نے سب سے پہلے اپنے مشفق استاذ سے مشکوٰۃ شریف پڑھی یہ ۱۲۸۴ھ تھا اس وقت آپ کی عمر پندرہ سال تھی، آپ نے حدیث کی تقریبًا پوری تعلیم حضرت مولانا محمد مظہر صاحب ہی سے حاصل کی اور باقی علوم وفنون (جیسے منطق فلسفہ، ہیئت، ریاضی، فقہ وتفسیر) دوسرے استاذوں سے پڑھے، جس سال آپ نے مشکوٰۃ شریف پڑھی اس سال آپ کے ساتھیوں میں مولانا عنایت الٰہی صاحب بھی تھے جو بعد میں اسی مدرسہ کے ناظم اور مہتمم بنے اس سال حضرت مولانا سالانہ امتحان میں اول نمبر سے پاس ہوئے، آپ کو انعام میں مختصر المعانی اور شرح عقائد ملی۔

اس سال مدرسہ میں ۷۶ طلباء تھے جن میں ۲۵ طلباءِ عربی کو انعام ملا۔

دورۂ حدیث

مدرسہ کے تیسرے سال یعنی ۱۲۸۵ھ میں پہلی بار دورۂ حدیث ہوا اور بخاری شریف پڑھائی گئی، حضرت مولانا نے بھی اسی سال دورۂ حدیث پڑھا اور بخاری شریف اور ہدایہ اخیرین کا امتحان دیا اور جامع ترمذی انعام میں پائی، یہ سال مدرسہ کے لئے اور طلباء کے لئے بہت سخت تھا، قحط عام ہو رہا تھا، طلباء کا یہ حال ہو رہا تھا کہ فاقے کرکے اسباق پڑھتے تھے لیکن کسی کے چہرے پر پریشانی کا کوئی اثر ظاہر نہیں تھا اور سارے طلباء انبساط اور انشراح کیساتھ تعلیم حاصل کر رہے تھے۔

حضرت مولانا سعادت علی کا انتقال

اسی سال مدرسہ کے لئے ایک بڑا حادثہ رونما ہوا، حضرت مولانا سعادت علی صاحب سہارنپوری کا جنھوں نے اس مدرسہ کی بنیاد رکھی، مولانا محمد مظہر صاحب کو بلا کر مدرسہ کا صدر مدرس بنایا اور دن رات ایک کرکے اس مدرسہ کو ترقی دی، . . . اس سال وصال ہوگیا اس حادثہ سے پورے مدرسہ پر اندھیرا چھا گیا اور اس مدرسہ کا مستقبل تاریک نظر آنے لگا، لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت مولانا محمد مظہر صاحب کو اس مدرسہ کی سرپرستی کی قوت عطا فرمائی اور آپنے حضرت مولانا سعادت علی صاحب کی جگہ لیکر

www.abulhasanalinadwi.org

اس مدرسہ کو نئی زندگی بخشی اور ترقی کی راہ پر لگایا۔
آپ کے ساتھ دورۂ حدیث میں مولانا جمعیت علی صاحب[1] ساکن پور قاضی بھی تھے۔

صحاح کی تعلیم حضرت مولانا خلیل احمد صاحب نے صحاح کی اکثر کتابیں مولانا محمد مظہر صاحب سے پڑھیں، صرف ابوداؤد بعد میں اپنے انہی استاذ مکرّم سے پڑھی، اور وہ بھی متفرق اوقات میں، حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کے ایک استفسار پر آپ نے خود ارشاد فرمایا:۔

"میں نے ابوداؤد شریف دورہ کے ساتھ نہیں پڑھی بلکہ اپنی ملازمت کے زمانے میں پڑھی ہے، میں خود بھی جہاں ملازمت پر ہوتا رمضان میں مکان پر چلا آتا اور حضرت استاذ بھی رمضان المبارک ان ایام میں اپنی سسرال قصبہ لکھنوتی میں گذارا کرتے۔ ایک سال میں نے بھی رمضان وہیں گذارا اور ابوداؤد شریف پڑھی، سال کی تعیین تو یاد نہیں مگر میں تعلیم سے فارغ ہو ہوا کر ملازم ہو چکا تھا۔"[2]

اسنادِ حدیث ۱۲۸۵ھ/۱۲۸۶ھ میں حضرت مولانا دورۂ حدیث سے فارغ ہو گئے تھے، اس کے بعد تکمیل علوم میں دو سال اور لگے، حدیث کی تعلیم

---

[1] مدرسہ مظاہر العلوم کے فارغ تھے۔ شعبان ۱۳۱۲ھ میں جب حضرت مولانا خلیل احمد صاحب لاہور تشریف لے گئے تو یہ معین المدرس ہوئے۔ شوال ۱۳۱۶ھ میں لمشاہرہ مبلغ ۳۰ بہاولپور مدرس ہو کر چلے گئے، لیکن آخر عمر تک مظاہر علوم سے تعلق رکھا اور علمی و عملی سرپرستی فرماتے رہے، ان کے صاحبزادے مولانا عبد اللطیف صاحب تھے جو بعد میں مدرسہ مظاہر علوم کے استاذ اور ناظم مقرر ہوئے اور آخر عمر تک اس عہدہ پر برقرار رہے۔

[2] تذکرۃ الخلیل ص ۱۲۵

کے ذکر کے دوران یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مولانا محمد مظہر صاحب نانوتوی سے
جو سند حدیث اور اس کی اجازت آپ کو ملی اس کے واسطوں کا بھی ذکر کر دیا جائے
نیز اسی مناسبت سے دوسرے علماء اور محدثین سے مختلف اوقات اور مختلف مقامات پر جو
اجازت حدیث حاصل ہوئی، ان کی سند کا بھی ذکر کر دیا جائے۔

(۱) سب سے پہلی سند اور اجازت مدرسہ مظاہر العلوم میں دورۂ حدیث سے فارغ
ہوتے وقت ۱۲۸۸ھ میں ملی، اس وقت آپ کی عمر سترہ سال کی تھی، آپ کے استاذ حضرت
مولانا محمد مظہر صاحب نانوتوی ہیں، انہوں نے استاذ الکل مولانا مملوک علی نانوتوی سے حدیث
پڑھی، اور انہوں نے مولانا رشید الدین خاں دہلوی سے، وہ حضرت مولانا شاہ عبد العزیز
دہلوی کے شاگرد ہیں اور شاہ صاحب نے اپنے والد ماجد حضرت شاہ ولی اللہ صاحب
محدث دہلوی سے علم حدیث حاصل کیا اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا اسناد مشہور و
معروف ہے۔

(۲) حضرت مولانا خلیل احمد صاحب کا دوسرا سلسلہ بھی اپنے استاذ مولانا محمد مظہر
نانوتوی سے شروع ہوتا ہے۔ مولانا محمد مظہر نانوتوی نے حضرت شاہ اسحاق صاحب مہاجر
مکی سے، اور انہوں نے اپنے نانا شاہ عبد العزیز صاحب سے اور حضرت شاہ صاحب نے
اپنے والد ماجد حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی سے علم حاصل کیا۔ پہلے سلسلۂ اسناد
میں ایک واسطہ کی زیادتی ہے، یہ دوسرا سلسلہ صرف تین واسطوں سے حضرت شاہ ولی اللہؒ
تک پہونچ جاتا ہے۔

(۳) حضرت مولانا نے اپنے بھوپال کے قیام میں مولانا عبد القیوم بڑھانوی سے
جو اس وقت بھوپال کے مفتی تھے، اور مولانا عبد الحی صاحب بڑھانوی کے صاحبزادے
تھے اور حضرت شاہ اسحٰق صاحب کے شاگرد ہونے کے ساتھ ساتھ ان کے داماد ہونے
کا شرف بھی رکھتے تھے۔ بخاری شریف، شمائل ترمذی اور کچھ حصہ مسلم شریف کا نیز مسلسلات

www.abulhasanalinadwi.org

و نوادر ادر دستین پڑھ کر جملہ احادیث کی سند اور اجازت حاصل کی۔

حضرت مولانا "مجموعة المسلسلات و نعمة الثمین والنوادر" میں اپنے اسانید کے بیان میں خود تحریر فرماتے ہیں:۔

اما بعد: فیقول المفتقر
الیٰ رحمة الله تعالیٰ و کرمه
خلیل احمد بن الشاه مجید علی
بن الشاه احمد علی الانبهٹوی
وفقه الله تعالیٰ للتزود لغد
انی لما حصل لی الفراغ من
العلوم الآلیة قرأت کتب
الصحاح الستة علیٰ استاذی
ومولائی الشیخ محمد مظهر
النانوتوی رحمه الله تعالیٰ
بعضها قرأة علیه وبعضها
سماعًا منه وبعضها
سماعًا علیه حین کان
رحمه الله صدر المدرسین
فی المدرسة المسماة بمظاهر
علوم الواقعة فی سهارنپور
صانها الله تعالیٰ عن الفتن
والشرور وهو قرأ شیئًا
منها علیٰ استاذ الآفاق

خدا تعالیٰ کی رحمت و کرم کا محتاج
بندہ عاجز خلیل احمد بن شاہ مجید علی بن شاہ
احمد علی عرض کرتا ہے۔ اللہ اس کو آخرت
کے زاد راہ حاصل کرنے کی توفیق دے۔
جب مجھے علوم آلیہ سے فراغت ہوئی، تو
میں نے اپنے استاذ مولائی مولانا محمد مظہر
نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ سے صحاح پڑھیں،
کبھی خود قرارت کی، کبھی ان کی قرارت
کی سماعت کی، اور کسی طالب نے
پڑھا اور میں سننے والوں میں شریک
رہا، ہم نے ان سے اس وقت پڑھا
جب کہ مدرسہ مظاہر علوم (سہارنپور)
میں صدر مدرس تھے۔ صانہا اللہ عن
الفتن والشرور (اللہ اس مدرسہ
کو شرور و فتن سے محفوظ رکھے) اور
ہمارے استاذ مکرم نے صحاح کا
کچھ حصہ استاذ آفاق مولانا محمد
اسحاق دہلوی مہاجر مکی سے پڑھا۔
اس کے بعد جب تقدیر مجھے شہر بھوپال

www.abulhasanalinadwi.org

مولانا الشیخ محمد اسحاق الدهلوی ثم المهاجر المکی ثم لما ساقنی المقدور الی بلدة بهوفال وتشرفت بحضرة مولانا الشیخ عبد القیوم بن مولانا الشیخ عبد الحی البرهانوی رحمهما الله تعالیٰ اغتنمته وقرأت علیه صحیح البخاری والشمائل الترمذی والمسلسلات للشاه ولی الله المحدث الدهلوی ومسند الجن المسمی بالنوادر والدر الثمین له وأجازنی بکل ما کان یجوز له روایته وکتب لی الاجازة [1]

لے گئی، اور حضرت مولانا عبد القیوم صاحب بن مولانا شیخ عبد الحی بڑھانوی سے شرف زیارت حاصل ہوا، تو میں نے ان کو غنیمت سمجھا اور ان سے صحیح بخاری، شمائل ترمذی، مسلسلات شاہ ولی اللہ دہلوی اور حضرت شاہ صاحب کی مسند الجن معروف بہ النوادر اور الدر الثمین ان سے پڑھیں۔ انہوں نے مجھے ان تمام کتابوں کی روایت کی اجازت دی، جن کی اجازت ان کو حاصل تھی، اور اجازت لکھدی۔ .. ..

(۴) جب آپ پہلے حج میں حرمین شریفین تشریف لے گئے تو مکہ مکرمہ میں شیخ احمد دحلان مفتی شافعیہ سے روایت و اجازت حاصل کی۔

(۵) مدینہ منورہ کے قیام کے دوران محدث دار الہجرۃ استاذ الکل حضرت مولانا شاہ عبد الغنی صاحب مہاجر مجددی نقشبندی کو جملہ کتب حدیث کے اوائل سنا کر بالاجمال اور قبولیت دعا عند الملتزم کی بالتفصیل اجازت حاصل کی۔

---

[1] اسانید الشیخ ابی ابراہیم خلیل احمد نور اللہ مرقدہ ص۳

www.abulhasanalinadwi.org

(۶) ۱۳۲۳ھ میں حضرت مولانا جب تیسری بار حرمین شریفین گئے تو مدینہ منورہ میں حضرت مولانا سید احمد برزنجی مفتی شافعیہ نے آپ کو جملہ کتب حدیث اور تمام فنون معقول و منقول اور فروع و اصول کی اجازت دی اور اجازت نامہ تحریر فرماکر عطا کیا۔[1]

نقشۂ اسناد

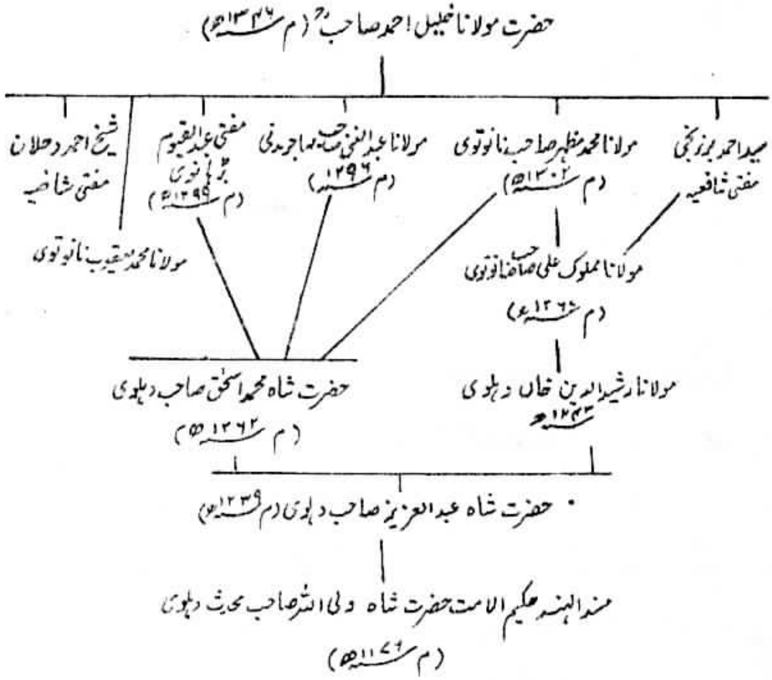

---

[1] ان علماء و مشائخ نے حضرت مولانا کو اپنے قلم سے سند اجازت بھی مرحمت فرمائی تھی جو اپنے اپنے موقع پر بالفاظہم پیش کی جائیں گی۔

www.abulhasanalinadwi.org

حضرت مولانا اپنے اسانید کے سلسلہ میں تحریر فرماتے ہیں:-

" وفقني الله تعالى للسفر لبيته الحرام فاجازني بها شيخ العلماء ومفتي الشافعية بمكة المحمية مولانا الشيخ احمد دحلان له ...... ثم بعد اداء العمرة والحج وقضاء النسك من الحج والنحر حضرت العتبة الشريفة لسيد العالمين واكتحلت عيني بغبارها واقمت عند سيدي ومولائي حضرة مولانا الحافظ الحاج الشيخ عبد الغني المجددي الدهلوي رحمهم الله تعالى وقرأت عليه اوائل الكتب الستة والحديث المسلسل باجابة الدعاء عند الملتزم واستجزته فاجازني بما وبما كان له اجازة .. ۲ھ .. ثم قادني قائد التوفيق الى زيارة حرم الله وحرم رسوله صلى الله عليه وسلم

اللہ تعالیٰ نے مجھے بیت اللہ کے سفر کی توفیق عطا فرمائی، اور وہاں مجھے شیخ العلماء اور مکہ کے مفتی الشافعیۃ مولانا شیخ احمد دحلان نے اجازت عطا فرمائی۔ پھر حج و عمرہ کی ادائیگی اور مناسک حج کے ادا کر لینے کے بعد سید العالمین کے آستانہ عالی مرتبت پر حاضر ہوا اور اس کی مٹی کو آنکھوں کا سرمہ بنایا، اور آقائی و مولائی حضرت مولانا حافظ الحاج شیخ عبد الغنی مجددی دہلوی۔ رحمۃ اللہ علیہ کے پاس قیام کیا، اور صحاح ستہ کے ابتدائی حصے کی ان کے سامنے قراءت کی، ملتزم پر قبولیت دعا کی مسلسل حدیث پڑھی اور ان سے اجازت دینے کی درخواست کی، تو انہوں نے ان تمام روایتوں کی اجازت دیدی، جن کی اجازت ان کو حاصل تھی۔

پھر توفیق الٰہی نے ۱۳۲۳ھ میں

www.abulhasanalinadwi.org

رسوله صلی اللہ علیه وسلم
مرة ثالثة سنة ثلث وعشرين
بعد الف وثلث مائة وحضرت
حضرة الشيخ الاوحد الامجد
حضرة الشيخ مفتي الشافعية
بالمدينة المنورة السيد احمد
البرزنجي رحمه الله تعالى
رحمة واسعة فاستجزته
فاجازني مشافهةً ومكاتبةً۔

حرم الٰہی اور حرم رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم تک پہونچادیا، اور میں
اپنے وقت کے ممتاز و یگانۂ روزگار حضرت
شیخ سید احمد برزنجی مفتی شافعیہ
مدینہ منورہ، رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت
میں حاضر ہوا، ان سے اجازت کی
درخواست کی، تو انہوں نے زبانی
اور تحریری اجازت نامہ عطا
فرمایا —

دورۂ حدیث کے بعد آپ نے ۱۲۸۶ھ میں دورۂ حدیث کیا، اس کے بعد کچھ اور مدرسہ میں قیام کر کے بقیہ علوم کی تکمیل کی۔ ۱۲۸۸ھ میں توضیح و تلویح میں امتحان دیکر اعلیٰ نمبر حاصل کئے اور انعام میں شرح سلم حاصل کی۔ اس سال مدرسہ میں طلبہ کی تعداد اکہتر تھی جو سابقہ تین سالوں سے بڑھی ہوئی تھی۔ حضرت مولانا نے بعض اور دوسرے عالی استعداد طلباء کی طرح عربی زبان میں امتحان دیا اور سوالات کے جوابات اتنے مکمل اور بہتر دئے کہ ممتحنین نے کیفیت تحریر کرتے ہوئے آپ کے متعلق یہ الفاظ لکھے:-

"باوجود کثرت بیماری کے جو کئی مہینہ تک لاحق حال طلباء رہی امتحان اچھا دیا جو ہم کو امید نہ تھی اور کئی طلباء نے جواب سوالات زبان عربی میں تحریر کئے، من جملہ ان کے خلیل احمد نے جوابات توضیح و تلویح کے اچھے واضح

لہ ایضاً

www.abulhasanalinadwi.org

عربی عبارت میں لکھے [1]

آخری سال

آپ مدرسہ مظاہر علوم سے ۱۲۸۸ھ میں جملہ علوم وفنون سے جو اس مدرسہ میں پڑھائے جاتے تھے فارغ ہوکر علماء کے زمرہ میں شامل ہوئے، اس سال مدرسہ میں طلباء کی تعداد ایک سو گیارہ (۱۱۱) تھی، جنہیں عربی خواں طلبا ر چھتیس (۳۶) تھے۔ آپ کے ساتھ فارغ ہونے والے علماء حسب ذیل تھے۔

(۱) مولانا عبدالصمد بنگالی (۲) مولانا غلام محمد ہوشیار پوری (۳) مولانا محمد الدین (۴) مولانا فرید احمد میاں والی (۵) مولانا جلال الدین۔

تکمیل علوم کی خوشی میں

جب آپ فارغ ہوئے تو اس دولت علم دین کے حاصل ہونے سے آپ کو جو دلی مسرّت ہوئی وہ خدا ہی کو معلوم ہے ... آپ کے والد ماجد کو اتنی زیادہ خوشی ہوئی کہ بیٹے کے علم دین کی تحصیل پر ایک عظیم الشان دعوت کی اور اس میں علماء، غیر علماء اپنے اور بیگانے سب ہی کو شریک کیا اور خدا کا ہزار ہزار شکر ادا کیا کہ اس نے ان آنکھوں سے صاحبزادے کو عالم باعمل ہوتے ہوئے دکھایا۔

معین المدرسی

آپ کے لئے مدرسہ سے فارغ ہونے کے بعد درس و تدریس کے راستے کھلے تھے، ہر طرف سے آپ کی طلب اور مانگ تھی۔ آپ جس مدرسہ میں چاہتے جاکر درس و تدریس کے فرائض انجام دے سکتے تھے، خدا نے آپ کو علم کامل بھی دیا تھا، عمل صالح بھی عطا فرمایا تھا، کامل الاستعداد بھی بنایا تھا، ذہانت و ذکاوت کی دولت بھی بخشی تھی، آپ کو اپنی مادر علمی سے جو تعلق اور لگاؤ تھا اور اس مدرسہ کے اکابر اور اساتذہ کرام سے محبّت و یگانگت تھی، اس نے آپ کو مجبور کیا کہ آپ اسی مدرسہ میں علم کی خدمت کریں، مدرسہ کے سرپرست حضرات نے معین المدرسی

---

[1] تاریخ مظاہر اوّل ص ۱۹

کے عہدہ پر آپ کو فائز کیا اور آپ معین المدرس ہو گئے۔ معین المدرسی مدرسہ مظاہر علوم میں ایک ایسا عہدہ تھا جو فارغ ہونے والے ذہین و ذکی اور استعداد کامل رکھنے والے طالب علم کو دیا جاتا تھا کہ وہ چند دنوں تک طلباء کو ابتدائی کتابیں پڑھا کر اپنی استعداد کو اور بلند اور اپنے علم کو اور وسعت دے۔

ادب عربی کی تحصیل

آپ کو علم حدیث و فقہ اور دوسرے علوم کے ساتھ ساتھ عربی ادب سے بہت شغف تھا، اس لئے کہ قرآن اور حدیث کی زبان میں ادب کا بھی بڑا دخل ہے، آپ کو شروع ہی سے ادب سے ذوق تھا اور مدرسہ کے امتحان میں سوالات کے جوابات بھی اکثر عربی زبان میں تحریر فرمایا کرتے تھے، آپ جب معین المدرس ہوئے تو ادب کا شوق تیز سے تیز تر ہوا، اور اس بات کا ارادہ کیا کہ کسی صاحب علم و فن اور عربی زبان میں کمال اور دستگاہ رکھنے والے عالم کی خدمت میں رہ کر ادب عربی کی تحصیل کی جائے اور اس میں کمال پیدا کیا جائے۔ اس وقت لاہور کے اورینٹل کالج میں مولانا فیض الحسن صاحب سہارنپوری ادب کے استاذ تھے، انساب و ایام عرب میں ان کا کوئی مثیل نہیں تھا۔ فیضی شرح حماسہ انکی مشہور تصنیف ہے، اس کے علاوہ شرح سبعہ معلقہ، شرح متنبی، شرح رسالہ حدیث ام زرع، ان کی علمی یادگاریں ہیں، ان کا درس علم ادب دور دور مشہور تھا، تحصیل ادب کی خاطر علماء اور ذی استعداد طلباء ان کی خدمت میں لاہور جا کر ادب کے علم کو حاصل کرتے تھے، مولانا فیض الحسن صاحب سہارنپور کے رہنے والے تھے اور مدرسہ مظاہر العلوم سے بہت تعلق رکھتے تھے، جب کبھی وہ وطن آتے تو مدرسہ ضرور تشریف لاتے اور اس کی تعمیر و ترقی میں دلچسپی لیتے۔ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب اسی خیال سے کہ مولانا فیض الحسن صاحب اپنے ہی مشفق اکابر میں ہیں اور ادب عربی کے درس میں ممتاز درجہ رکھتے ہیں، اس لئے شعبان ۱۳۰۸ھ میں جب مدرسہ کا سال تمام ہو گیا لاہور پہنچے اور مولانا کی

www.abulhasanalinadwi.org

خدمت میں رہ کر علوم ادبیہ کو حاصل کیا۔ آپ خود فرماتے ہیں:

"لاہور جاکر چند ماہ قیام کیا۔ مقامات متنبی مولانا فیض الحسن صاحب سے پڑھ کر دیوبند واپس آگیا۔"

آپ جب لاہور تشریف لے گئے تو معین المدرسی کی جگہ خالی ہوئی۔ اس عہدے پر مولانا جمعیت علی صاحب کو جو مدرسہ سے فارغ ہونے ہی والے تھے فائز کیا گیا۔

حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ لاہور سے واپس آکر بجائے مدرسہ مظاہر العلوم میں آنے کے دیوبند اپنے ماموں حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی کی خدمت میں تشریف لے گئے۔

قاموس کا ترجمہ اور مسوری میں قیام

مسوری کے کسی صاحب علم نے حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی کی خدمت میں لکھا کہ وہ کسی ایسے صاحب علم کو منتخب فرمائیں جو علوم دینیہ کے ساتھ ساتھ علم ادب سے بھی بخوبی واقف ہو اور اس میں پورا ملکہ رکھتا ہو، اور قاموس کا ترجمہ کر سکے۔ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب کی نظر انتخاب آپ پر پڑی۔ آپ کو صرف انتخاب ہی نہیں کیا بلکہ مسوری بھیج دیا۔ آپ مسوری تشریف لے گئے اور ایک عرصہ قیام کیا اور قاموس کا ترجمہ کرتے رہے۔ اس کا پتہ نہ چلا کہ وہ مکمل ہوا کہ نہیں ہوا، اور ہوا تو کتنا ہوا۔ بہ حال جب تک مسوری میں رہے "دست بکار دل بیار رہے" آپ کی طبیعت وہاں نہیں لگی۔ اپنے اکابر، اپنا مدرسہ، اپنا دینی ماحول، اپنا علمی و روحانی وطن یاد آتا رہا۔ آپ علماء کے درمیان رہنے اور دینی اور علمی مشغلہ اختیار کرنے کے عادی تھے، ایک غیر جگہ جہاں نہ علمی ماحول ہو، نہ دینی علوم کے درس و تدریس کا انتظام ہو، نہ روحانی فضا ہو کیسے جی لگ سکتا تھا، آپ اکثر اپنے دیار کو یاد کرتے اور واپس آنے کی تدبیر کرتے، آخر کار مسوری چھوڑ کر واپس ہو گئے۔

www.abulhasanalinadwi.org

حفظِ قرآن حضرت مولانا نے جب ہوش سنبھالا اور مدرسہ مظاہر العلوم میں تعلیم حاصل کرنے لگے، تو اپنے ارد گرد بہت سے حفاظ پائے، اس لئے آپ کے دل میں حفظِ قرآن کا جذبہ بیدار ہوا لیکن حفظ کرنے کا موقع نہ ملا، آپ کے چچا زاد بھائی مولانا صدیق احمد صاحب دیوبند، پھر مالیر کوٹلہ میں تحصیل علم کر رہے تھے، دونوں کو رمضان میں تعطیل ہوتی تھی، اس زمانہ میں آپ کے وطن انبہٹہ میں ایک ہی دو حافظ تھے، اور ہر ہر مسجد میں حفاظ کی کمی کی وجہ سے پورا قرآن شریف نہیں سنایا جاتا تھا، انبہٹہ میں ایک حافظ رحیم بخش تھے جو آپ دونوں کے محلے سے دور ایک محلے کی مسجد میں قرآن شریف سنایا کرتے تھے جوان اور تندرست حضرات ان کے پیچھے جا کر قرآن شریف سنتے اور کمزور یا سن رسیدہ حضرات نہیں جا سکتے تھے۔ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب اور مولانا صدیق احمد صاحب نیز آپ دونوں کے ایک عزیز اور ہم عمر مولوی اسحاق صاحب، حافظ رحیم بخش کے پیچھے قرآن شریف سنتے تھے، ایک مرتبہ ان تینوں نے مشورہ کیا کہ اس مرتبہ حافظ صاحب سے عرض کیا جائے کہ محلہ کی مسجد میں قرآن شریف سنا دیں تاکہ معذور اور بوڑھے نمازی بھی شریک ہو سکیں، یہ تینوں حافظ صاحب کے پاس گئے اور عرض کیا کہ اس مرتبہ آپ بجائے اس مسجد کے ہمارے محلے کی مسجد میں قرآن سنا دیجئے تاکہ سارے حضرات سن سکیں۔ اس درخواست پر حافظ صاحب نے کوئی توجہ نہ دی، ان حضرات کے اصرار پر وہ حافظ صاحب خفا ہو کر کہنے لگے:-

"ایسا ہی قرآن سننے کا شوق ہے تو خود حفظ کیوں نہیں کر لیتے، حدیث پڑھنے کے لئے تھے قرآن یاد نہیں ہوتا۔"

حافظ صاحب کے منہ سے نکلے ہوئے یہ جملے حضرت مولانا کے غیور دل میں تیر بن کر اُتر گئے اور اس طعنے نے دل کا کام کر دیا، آپ کے ساتھی مولانا صدیق احمد اور مولوی اسحاق بھی بے چین اور مضطرب ہو گئے اور ایک ایسی خلش لے کر اٹھے جسنے حفظِ قرآن

www.abulhasanalinadwi.org

ہیں تینوں کو لگا دیا۔ گھر پہونچکر تینوں نے مشورہ کیا کہ آئندہ سال ہم میں کا ہر شخص، الگ الگ، دس دس پارے حفظ کر کے مدرسے سے لوٹے۔ ایک شروع کے دس، دوسرا درمیان کے دس اور تیسرا آخر کے دس پارے حفظ کرے اور تینوں نے اپنے پارے متعین کر لئے۔

حضرت مولانا رمضان بعد مظاہر العلوم لوٹے اور تعلیم کے اوقات سے فارغ ہو کر قرآن مجید حفظ کرنا شروع کر دیا، جتنا جتنا حفظ کرتے، طبیعت میں شگفتگی، زبان میں روانی اور وقت میں برکت ترقی کرتی گئی، ذہن رسا پایا تھا اور حافظہ قوی، دس پارے ہوئے، ہمت نے شوق دلایا، دوسرا دسواں حصہ شروع کر دیا، جو یاد کرتے وہ نمازوں میں اور نمازوں کے باہر پڑھتے، اور کیف و سرور حاصل کرتے۔ شعبان کے آتے آتے دس پاروں کے بجائے پورا قرآن شریف یاد ہو گیا، تعطیل میں گھر واپس ہوئے تو آپ مکمل حافظ قرآن تھے، دوسری طرف مولوی اسحاق صاحب اپنے مقرر کئے ہوئے دس پارے یاد کرنے لگے مگر شعبان کے آنے پر بجائے وطن آنے کے اللہ کے حضور پہونچ گئے اور اسی مبارک مشغلے میں مشغول تھے کہ اللہ نے ان کو قبول کر لیا۔ مولانا صدیق احمد صاحب رمضان میں حسب وعدہ دس پارے یاد کر کے گھر لوٹے، گھر پہونچ کر معلوم ہوا کہ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب بجائے دس پارے کے پورے قرآن شریف کے حافظ بن کر آئے ہیں تو ان کو بڑا رشک آیا اور آئندہ سال وہ بھی پورے قرآن شریف کے حافظ ہو گئے اب جو سنتا حفظ قرآن کا شوق اس کے دل میں موجزن ہو جاتا۔ مولانا صدیق احمد کے حقیقی بھائی مولوی انوار احمد صاحب نے حفظ قرآن کا ارادہ کیا اور تین سال کے اندر وہ بھی حافظ قرآن ہو گئے اور محلہ اور اس کے پاس کی تین مسجدوں میں ہر سال قرآن شریف [illegible] گا۔

درحقیقت حضرت مولانا [illegible] حافظ ہونے کا سبب حافظ رحیم بخش تھے جن کے جوش

www.abulhasanalinadwi.org

دلانے نے ان حضرات کو اس نعمتِ عظمیٰ کی دولت سے سرفراز کیا۔ مبارک ہے وہ دل کی خلش جو ایسے مبارک کام پر اکسائے اور حفظ قرآن کی گراں مایہ دولت سے مالامال کرے۔

نکاح ۱۲۸۹ھ میں جب کہ آپ کی عمر اکیس سال کی تھی اور آپ تعلیم سے فارغ ہو کے ملازم ہو چکے تھے۔ آپ کا نکاح شاہ حسن عسکری صاحب کی نواسی انبیا بیگم سے ہوا جو شاہ عبدالرحمن صاحب کی صاحبزادی تھیں۔ حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی نے ڈھائی ہزار روپے مہر پر نکاح پڑھایا۔

آپ کے صاحبزادے محمد ابراہیم ۱۲۹۰ھ میں آپ کے ایک صاحبزادے ہوئے جنکا نام محمد ابراہیم رکھا گیا، اور ناظر الحق تاریخی نام قرار پایا۔ ڈھائی سال بعد ۱۲۹۳ھ میں ایک صاحبزادی ہوئیں جن کا نام منیر النساء رکھا گیا۔ صاحبزادے محمد ابراہیم کی تعلیم و تربیت کا آپ نے بڑا اہتمام فرمایا اور ان کو قرآن حفظ کرایا۔

www.abulhasanalinadwi.org

www.abulhasanalinadwi.org

چوتھا باب

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کے قدموں میں

قافلہ سالارِ ما روشن ضمیر
آں رشید احمد شہِ برنا و پیر
ظلِ او زندہ کند مردہ دلاں
قلبِ او روشن کند قلبِ جہاں

www.abulhasanalinadwi.org

www.abulhasanalinadwi.org

چوتھا باب

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کے قدموں میں

۱۲۸۸ھ تا ۱۳۲۳ھ

۳۵ سال

حضرت مولانا نے جس ماحول میں آنکھیں کھولیں اور ہوش سنبھالا وہ ماحول خالص دینی، علمی اور روحانی تھا، کہیں خانقاہیں آباد تھیں تو کہیں دینی مدارس قائم تھے، گاؤں گاؤں، شہر شہر، اللہ کے نیک بندے اپنی اپنی جگہ پر بیٹھے ہوئے طالبین سلوک کی تعلیم و تربیت کر رہے تھے، ان روحانی مرکزوں میں سب سے بڑا مرکز اور ان مبارک خانقاہوں میں سب سے آباد اور معمور خانقاہ گنگوہ میں تھی، اس خانقاہ کی زینت حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کی ذات والاصفات تھی جو مرجع خاص و عام بنی ہوئی تھی، اور دور دور سے علما اور ذاکرین حضرت والا کی خدمت میں حاضر ہو کر سلوک و معرفت کی تعلیم حاصل کر رہے تھے۔

سب سے پہلی توجہ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری کی عمر جب سات، آٹھ سال کی تھی اور وہ اپنے چچا کی خدمت میں رہ کر گوالیار میں تعلیم حاصل کر رہے تھے تو تعلیم کے دوران ایک مرتبہ آپ کے چچا نے آپ سے فرمایا، وہ خود مولانا کی زبان سے سُنئے۔

"طالب علمی کے زمانے میں حضرت رحمۃ اللہ کے ساتھ ایک معمولی واقعہ تھی

www.abulhasanalinadwi.org

اور ہم صرف یہ سمجھتے تھے ایک مقدس عالم ہیں، ایک روز میرے چچا مولوی انصار علی نے جب کہ میں ان کی خدمت میں پڑھتا تھا فرمایا کہ پڑھنے کے بعد مولوی صاحب (یعنی حضرت مولانا رشید احمد صاحب) سے تصوف حاصل کیجیو[۵]"،

یہ حضرت مولانا کی زندگی میں وہ نقش اوّل ہے جو آپ کے چچا نے آپ کے ذہن میں بٹھایا اور آپ کا ذہن حضرت گنگوہی کی طرف متوجہ ہوا، اور یہیں سے آپ کے دل میں علم باطن کے حصول کا بھی شوق پیدا ہوا لیکن ابھی آپ کو علم ظاہر کی تکمیل کا انتظار کرنا تھا، اس لئے آپ نے پانچ چھ سال علم ظاہر کے حاصل کرنے میں گذارے اور اس طرح آپ کی عمر بارہ، تیرہ سال کی ہو گئی۔

گنگوہ کی حاضری

جب آپ گوالیار سے انبہٹہ آئے اور وہاں اپنے والد ماجد کی خدمت میں رہ کر اپنی تعلیم جاری رکھی تو غالباً ۱۲۸۲ھ یا ۱۲۸۳ھ میں رمضان کے مبارک مہینے میں آپ گنگوہ تشریف لے گئے کہ حضرت گنگوہی سے آپ کے خاندانی رشتے تھے، آپ نے گنگوہ جاکر نہ صرف یہ کہ حضرت گنگوہی کی زیارت کی بلکہ ان کے پیچھے قرآن شریف بھی سنا اس کا جو کیف و سرور اور حضرت والا کی طرف جو کشش ہوئی، اس کے متعلق آپ فرماتے ہیں:-

"ایک دفعہ میں (غالباً بارہواں، چودھواں سال ہوگا) رمضان میں گنگوہ گیا اور شب کو آپ کا قرآن شریف سننے کے لئے خانقاہ حاضر ہوا، اور درختِ نیم کے نیچے کھڑے ہو کر سُنا، اس وقت آپ تراویح پڑھا رہے تھے، آپ نہایت خوش الحان حافظ تھے، آپ اس قدر خوش الحانی سے پڑھ رہے تھے کہ اس وقت تک اس کی حلاوت قلب میں ہے، اور اس میں سے اشحۃً علی الخیر یاد ہے، اور اب کہہ سکتا ہوں کہ آپ اسوقت سورۂ احزاب پڑھ رہے تھے[۶]"

---

[۵] تذکرۃ الرشید حصہ اوّل ص۱۵۲

حضرت گنگوہی کی خدمت میں حضرت مولانا اس رمضان کے بعد بار بار جانے لگے، ان کی صحبت میں بیٹھنے اور ان کے ارشادات سننے کا موقع ملا جس کی وجہ سے حضرت گنگوہی کی عظمت، ان کی محبت اور عقیدت دلمیں بیٹھنے لگی، آپ فرماتے ہیں :-

"اثناء طالب علمی میں میری شادی گنگوہ میں ہوئی اور اس وجہ سے مجھے گنگوہ قیام کا زیادہ اتفاق ہوا، اور قیام گنگوہ کے زمانے میں حضرت رحمہ اللہ کی خدمت بابرکت میں اکثر حاضر رہتا تھا، مجھ کو خوب یاد ہے کہ مجھے اسوقت آفتاب کیطرح محسوس ہوتا تھا کہ اس احاطۂ مبارک میں ایک نورانیت اور قلب میں بشاشت اور طمانیت محسوس ہوتی تھی حالانکہ اس وقت میں مرید تھا، نہ چنداں معتقد تھا، دوسرے اس وقت جو لوگ حاضر باش آستانہ تھے حافظ عبدالرحمٰن صاحب و مولوی الطاف الرحمٰن صاحب وغیرہ ان کے نفوس اخلاق رذیلہ سے مزکی اور اوصاف حمیدہ کے ساتھ محلّی فیضِ صحبت کی برکت سے پاتا تھا، ان کے اخلاق و سادگی اور اتباع سنت کی محبت اور بدعت سے نفرت گویا بالکل نقل صحابہ تھی مگر بایں ہمہ یہ خیال نہیں پیدا ہوا کہ حضرت سے درخواست بیعت کروں"[1]

میلان طبع حضرت مولانا مدرسہ مظاہر علوم میں تعلیم حاصل کرنے کی وجہ سے مولانا محمد مظہر صاحب نانوتوی کی خدمت وصحبت میں رہے، اور انہیں سے حدیث کی تکمیل کی استاذ محترم کی محبت وعقیدت دل میں گھر کئے ہوئے تھی۔ آپ اپنے محترم استاذ کے ہر قول وفعل کو قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھتے اور اسکی اتباع کرنے کی کوشش کرتے۔ آپ نے تعلیم کے پورے دور میں اور اس کے بعد بھی بارہا دیکھا کہ آپ کے استاذ محترم گنگوہ تشریف لے جاتے ہیں اور حضرت گنگوہیؒ

---

[1] تذکرۃ الرشید جلد اوّل ص ۱۵۷

www.abulhasanalinadwi.org

کے ساتھ عقیدت و احترام کا معاملہ فرماتے ہیں، اس طرزِ عمل کا ذکر مولانا عاشق الٰہی میرٹھی اس طرح کرتے ہیں :-

" آپ یہ بھی دیکھتے تھے کہ آپ کے استاذ مولانا محمد مظہر صاحب جن کے تبحر علم اور کمالات قدسیہ کی ایک خاص عظمت آپ کے قلب میں جاگزیں تھی، گو عمر میں حضرت گنگوہی سے بڑے تھے مگر عقیدتمندانہ حاضر آستانہ ہوا کرتے اور بے اختیار حضرت کے پاؤں پر بوسہ دیکر آنکھوں میں آنسو بھر لایا کرتے تھے، حضرت امام ربانی شرماتے اور فرمایا کرتے کہ مجھے کیوں نادم بنایا کرتے ہیں، آپ تو مجھ سے بڑے ہیں، آپکا ادب و احترام مجھ پر ضروری ہے آپ ایسا کام نہ کیا کریں کہ مجھے شرم آتی ہے، مگر حضرت مولانا محبت سے مجبور تھے، پھر آپ کے شاگرد رشید مولوی خلیل احمد صاحب کے قلب میں حضرت گنگوہی کی جو بھی عظمت پیدا ہو وہ تھوڑی ہے"[1]

بیعت و ارادت

حضرت مولانا ۱۲۸۸ھ میں جب کہ آپ کی عمر انیس[19] سال کی تھی، اور مظاہر علوم سے تکمیل علوم کر چکے تھے، درس و تدریس کے لئے منگلور ضلع سہارنپور تشریف لے گئے، آپ جب منگلور پہونچے تو وہاں بھی ایک بزرگ قاضی محمد اسماعیل صاحب منگلوری کا حلقہ قائم تھا، آپ گاہے گاہے ان کی خدمت میں بھی تشریف لے جاتے اور ان کے حلقے میں شریک ہو کر تصوف و سلوک کی طرف متوجہ ہوئے، دل میں عبادت کا ذوق و شوق اور ایک خاص قسم کی کیفیت محسوس کرنے لگے، لیکن حضرت گنگوہی سے اتنی زیادہ عقیدت پیدا ہو چکی تھی کہ انھیں سے بیعت ہونا چاہتے تھے، جب یہ بے کلی جو آپ کو سلوک و معرفت کی تعلیم حاصل کرنے کی طرف مجبور کرنے لگی تو آپ نے پختہ ارادہ کر لیا کہ جلد از جلد حضرت گنگوہی کی خدمت میں حاضر ہو کر غلامی کا

---

[1] تذکرۃ الخلیل ص۴۵

www.abulhasanalinadwi.org

شرف حاصل کریں گے، آپ کا ذہن و دماغ، آپ کا بے چین دل اس وقت کا شدید منتظر تھا کہ یہ مبارک کام انجام تک پہونچے۔

آپ کے بیعت ہونے کے مختلف ذریعے ہم کو ملتے ہیں، پہلا ذریعہ وہ ہے جس کو "تذکرۃ الخلیل" میں نقل کیا گیا ہے، اور دوسرا ذریعہ وہ ہے جو خود حضرت مولانا نے بیان فرمایا ہے اور یہی زیادہ صحیح اور مستند معلوم ہوتا ہے، تاہم ہم دونوں واقعات تحریر کرتے ہیں۔

پہلا ذریعہ یہ ہے:-

"آپ نے اپنے ماموں حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب کو کہ حضرت گنگوہی کے استاذ زادے تھے، اور حضرت ان کا بہت لحاظ فرماتے تھے، اس مقصود کا واسطہ بنایا اور لکھا کہ حضرت گنگوہی سے میری سفارش فرما دیجئے کہ مجھے بیعت کرلیں، مولانا نے امام ربّانی کے نام خط تحریر فرما کر حضرت کے پاس بھیجدیا اور وہ خط لے کر آپ گنگوہ حاضر ہوئے۔ حضرت گنگوہی نے استاذ زادے کا خط پڑھ کر اس طرح رکھ دیا گویا کوئی چیز ہی نہیں، اور استغنار کے ساتھ فرمایا کہ میاں تم تو پیر زادے ہو، خود پیر ہو، تمہیں کسی کے مرید ہونے کی کیا ضرورت مگر واہ ری خلیل کی قابلیت کہ یہ سنکر آنکھوں میں آنسو بھر لائے، اور عرض کیا۔

"کہ حضرت کیسی پیرزادگی میں تو اس دربار کے کتوں کے برابر بھی نہیں بیعت کا حاجت مند ہی نہیں بلکہ سرتاپا احتیاج ہوں اور چھاتی سے لگائیے، یا دھکے دیجئے میں تو حضرت کا غلام بن چکا ہے"

یہ الفاظ آپ کی زبان سے نکلنے تھے اور حضرت کے چہرے پر انبساط کی لہر دوڑنی تھی کہ آپ نے فرمایا، بس بس بہت اچھا، اور اس کے بعد بیعت کرلیا۔

لہ تذکرۃ الخلیل صہ۵

www.abulhasanalinadwi.org

دوسرا واقعہ جو حضرت مولانا نے خود ذکر کیا ہے، وہ حسب ذیل ہے۔ حضرت مولانا ارشاد فرماتے ہیں:۔

"غالباً ۱۲۸۸ھ یا ۱۲۸۹ھ میں خیالِ بیعت پیدا ہوا، اتفاقاً انہیں ایام میں حضرت مولوی محمد قاسم نانوتوی رحؒ کی تشریف لائے اور حسب استدعائے بندہ واپسی میں منگلور قیام فرمایا، بندے نے شب کو تنہائی میں عرض کیا کہ المستشار مؤتمن بطور مشورہ عرض ہے کہ مجھ کو خیالِ بیعت ہے اور ہمارے نواح میں چند بزرگ ہیں، آپ اور مولانا رشید احمد صاحب اور مولانا شیخ محمد صاحب اور قاضی محمد اسماعیل صاحب، میں نہیں جانتا کہ میرے لئے کیا بہتر ہے، اگر آپ کے نزدیک میرے حق میں آپ کے خدام کے سلسلے میں داخل ہونا بہتر ہو تو مجھ کو اپنی خدمت میں قبول فرمائیے، ورنہ جو امر ہو میرے لئے بہتر ہو اسکو فرمائیے، اس کے جواب میں حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے طویل تقریر فرمائی جس کا نتیجہ یہ تھا کہ مولانا رشید احمد صاحب سے اس وقت کوئی بہتر نہیں ہے، میں نے عرض کیا وہ تو بیعت کرنے سے نہایت کارہ ہیں، آپ ہی اگر سفارش فرمائیں گے تو یہ امر طے ہوگا، فرمایا، اچھا جب میں گنگوہ آؤں اس وقت چلے آنا، چنانچہ میں متلاشی رہا، چند روز کے بعد مجھ کو حضرت مولانا کے گنگوہ جانے کی خبر معلوم ہوئی، میں بھی فوراً پہونچا اور عرض کیا کہ الکریم اذا وَعَدَ وَفیٰ، تبسم فرماکر فرمایا کہ بہتر ہے، پھر صبح کو بعد فراغت حضرت سے باتیں کرکے مجھ کو بلایا، میں حجرے میں حاضر ہوا، مولوی صاحب بیٹھے ہوئے تھے، سلام کرکے بیٹھ گیا، حضرت مولوی محمد قاسم رحمۃ اللہ علیہ تو ساکت رہے، حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ذرا تبسم کے ساتھ فرمایا کہ مجھ سے تو یہ جولاہے وغیرہ مرید ہو جاتے ہیں اور تم خود پیرزادہ ہو اور چناں ہو چنیں ہو، تم مجھ سے کیوں بیعت ہوتے ہو، کچھ تو مجھ پر حاضر ہوتے ہی رعب و ہیبت کے آثار تھے

www.abulhasanalinadwi.org

اس کلام نے اور بھی رہے سہے ہوش کھو دئے اور بجز اس کے کچھ عرض نہ ہو سکا کہ حضرت میں تو ان سے بھی زیادہ بدتر وحقیر وناکارہ ہوں، فرمایا کہ بس بس اچھا استخارہ کرلو میں مسجد آتا ہوں، میں نے اسی وقت مسجد میں جاکر وضو کرکے دو رکعتیں پڑھ کر دعائے استخارہ مسنونہ پڑھی کہ حضرت تشریف لائے، پوچھا اب کیا رائے ہے؟ عرض کیا کہ وہی رائے ہے، غلامی میں داخل فرما لیجئے۔ اتفاقاً اسی وقت مولوی اسحاق صاحب انبہٹوی ابن برادر حمید علی جو حضرت کی خدمت میں پڑھتے اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی ان پر نظر عنایت تھی، وہ بھی بارادۂ بیعت آبیٹھے، حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ہم دونوں کو توبہ کرائی اور سلسلۂ غلامی میں داخل فرمایا، والحمد للہ علیٰ ذالک[1]

مجاہدات وحالات

بیعت ہوتے ہی حضرت مولانا کا دل عشق ومحبّت میں ڈوب گیا اور آپ کے دل کی حالت بدلنے لگی، آپ کے دل میں عشق ومحبت کی اور درد وسوز کی جو حرارت تھی وہ آتش فشاں بن گئی، آپ بیعت ہونے کے بعد واپس ہوئے اور اپنے درس وتدریس کے کام میں مشغول ہوگئے لیکن ذکر الٰہی اور مجاہدہ میں بھی انہماک پیدا ہوگیا، سحر خیزی اور شب بیداری آپ کا معمول بن گئی، علوم ظاہری کے مشغلے کے ساتھ ساتھ علم باطن کی تکمیل کے لئے آپ برابر کوشاں رہے، مجاہدات میں اتنے مشغول رہتے کہ دیکھنے والا حیرت میں پڑجاتا مولانا عاشق الٰہی صاحب بیعت کے بعد کا نظام اس طرح لکھتے ہیں:۔

"غرض آستانۂ گنگوہیہ سے آپ ایک لطیف روح لے کر واپس ہوئے کہ علم شریعت کے منتہی تھے، اور علم طریقت کے مبتدی، مدرسہ عربیہ میں آپ مدرس تھے کہ طلباء کو درس دیتے تھے اور مکتبۂ معرفت کے آپ طالب علم تھے

---

[1] مقدمہ اکمال الشیم صـ۴۳

www.abulhasanalinadwi.org

کہ خالق جل جلالہ کی عظمت اور معرفت کا سبق پڑھا کرتے تھے۔ دن بھر تشنگانِ علم کو فقہ و تفسیر کا سبق پڑھاتے اور شب کو ذکر الٰہی سے انس والتذاذ حاصل کرتے اور سنسان گھڑیوں میں جب کہ دنیا پڑی سویا کرتی آپ اپنے مولیٰ کیساتھ راز و نیاز میں مشغول ہو جایا کرتے، آپ کے شاگردوں، عزیزوں اور آنے جانے والوں کو پتہ بھی نہ چلا کہ آپ کس دھن میں لگے ہوئے اور کس سوز و گداز میں مبتلا ہیں ؎

نظر کو کیا خبر پردے کے اندر دل لگی کیا ہے
کوئی آزاد کیا جانے کسی دل کی لگی کیا ہے[1]

حضرت مولانا گنگوہ سے یہ عہد کر کے رخصت ہوئے کہ حضرت نے جو کچھ ارشاد فرمایا یا ارشاد فرمائیں گے اس پر مرمٹوں گا یا جان لگا دوں گا اور پھر آپ نے اس پر عمل کر کے دکھلا بھی دیا، آپ نے ایک ایک لمحہ کو قیمتی جانا اور مجاہدے پر مجاہدے کئے، حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کی روایت ہے:-

"حضرت تہجد کے اہتمام کی خاطر سوتے وقت دونوں قدم کے انگوٹھے باہم ملا کر باندھ لیا کرتے تھے کہ وہ بے اختیاری نیند تو آجاتی جس میں پڑ کر ہوش بھی نہیں رہتا اور صحت کے لئے اس کا ہونا ضروری ہے، باقی وہ نیند جس میں کروٹ لینے یا پاؤں سمیٹنے اور پھیلانے کی نوبت آ دے نہیں آتی تھی اور بے کلی میں اٹھتے ہی بن پڑتی تھی"[2]

حضرت مولانا نے ذکر و شغل، شب و روز کے مجاہدے و مراقبے اور شیخ و مرشد کے ارشاد کئے ہوئے معمولات کی پابندی کر کے راہ سلوک کو بہت جلد طے فرمایا اور تقریباً نو دس برس کے اندر منزلِ مقصود کو جا لیا، اس راہ میں آپ پر کیا حالات

---

[1] تذکرۃ الخلیل صد ۵۹۔ [2] ایضاً ص ۵۹ حاشیہ

www.abulhasanalinadwi.org

گذرے اور کیا مناظر پیش آئے، اس کی کوئی تفصیل نہیں ملتی، اتنا پتہ چلتا ہے کہ حضرت مولانا نے ایک بار فرمایا:۔

مجھے نہ زیادہ واردات پیش آئے اور نہ آخر تک میں سمجھا کہ نسبت مسلسلہ کیا چیز ہے، بس ایک حالت تھی جو گذر رہی تھی۔"

مکمّل سپردگی آپ کو بیعت کے بعد اپنے شیخ و مرشد سے اتنی محبّت ہو گئی تھی کہ ساری محبّتیں ماند پڑ گئی تھیں۔ مرغوب سے مرغوب چیز کی محبّت شیخ کی محبّت کے آگے ہیچ تھی، آپ نے ہر ہر معاملے میں اپنے آپ کو اپنے شیخ و مرشد کے سپرد کر دیا تھا، ہر بات میں حضرت کو اطلاع کرتے۔ حکم کے طلبگار ہونے اور جو حکم ہوتا بے چوں و چرا عمل کرتے چاہے وہ نفس کے خلاف ہو یا موافق، انکی خلاف ورزی کا وسوسہ بھی دل میں نہ لاتے۔

سپردم بتو مایۂ خویش را
تو دانی حساب کم و بیش را

جب تک حضرت گنگوہی بقید حیات رہے آپ معمولی سے معمولی اور اہم سے اہم کام میں حضرت کے حکم و اشارے کے منتظر رہتے۔

اپنے شیخ و مرشد کے ہر حکم و اشارے پر عمل کرنے اور ان سے ہر بات پوچھنے کی صفت اس لئے بیان کی گئی ہے کہ آئندہ صفحات میں جا بجا ایسے واقعات آپ پڑھیں گے جن میں حضرت مولانا نے صرف اپنے شیخ و مرشد ہی سے واسطہ رکھا اور انہیں کے حکم و اشارے پر اپنی زندگی کو بسر کیا۔

اجازت و خلافت بیعت کے تقریباً نو سال کے بعد جب آپ حج کے لئے مکہ مکرمہ تشریف لے گئے تو آپ کے شیخ و مرشد حضرت گنگوہی نے اپنے شیخ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب نور اللہ مرقدہ، کی خدمت میں حضرت مولانا کو

www.abulhasanalinadwi.org

اجازت و خلافت عطا کرنے کی گویا سفارش فرمائی، مولانا عاشق الٰہی صاحب لکھتے ہیں:۔

"۱۲۹۷ھ میں جب آپ دوسرے حج کے لئے مکہ مکرمہ روانہ ہوئے تو حضرت امام ربانی نے مرشد العرب والعجم اعلیٰ حضرت حاجی امداد اللہ شاہ صاحب کی خدمت میں لکھا کہ مولوی خلیل احمد حاضر خدمت ہوتے ہیں حضرت ان کی حالت پر مطلع ہو کر مسرور ہوں گے، چنانچہ جب آپ حاضر ہوئے، تو اعلیٰ حضرت آپ کی باطنی کیفیت مشاہدہ فرما کر نہایت خوش ہوئے، اور جب آپ رخصت ہونے لگے تو چھاتی سے لگایا اور اپنی دستار مبارک سر سے اُتار کر آپ کے سر پر رکھ دی، امام ربانی کے نام مبارکباد کا خط اور حضرت کے نام خلافت نامہ مزین بہ مہر آپ کے حوالے فرما کر رخصت کیا، حضرت نے اس شاہی عطیہ کو ایک خاص احترام کے ساتھ قبول کیا اور دستار مبارک کو اسی بندش پر جو اعلیٰ حضرت کی باندھی ہوئی تھی جگہ جگہ سوئی سے سی لیا کہ اس کے بل جدا نہ ہونے پائیں اور جب ہندوستان پہونچکر گنگوہ حاضر ہوئے تو اعلیٰ حضرت کا والا نامہ پیش کر کے یہ دونوں عطیے بھی امام ربانی کے سامنے رکھ دئے، حضرت نے فرمایا مبارک ہو یہ تو اعلیٰ حضرت کا عطیہ ہے، آپ نے عرض کیا کہ بندہ تو اس لائق نہیں یہ حضور کی بندہ نوازی ہے[1]"

حُسنِ ادب اور کمالِ محبّت

حضرت مولانا کو اپنے شیخ و مرشد حضرت گنگوہی سے جو کمال عشق و محبّت حاصل تھا اسکے مظاہر تو آپ حضرت مولانا کے حالات زندگی پڑھ کر معلوم کریں گے، آپ کی شروع سے اور آخر تک یہ خواہش اور دُعا رہی ؎

تیرے جگر کی تجھ سے اک التجا یہی ہے ☆ اپنے جگر کو اپنے دل سے جُدا نہ کرنا

---

[1] تذکرۃ الخلیل ص۰۸

www.abulhasanalinadwi.org

پھر آپ نے اس خواہش اور تمنا کو اپنی طرف سے پورا کر دکھایا اس حسن ادب اور عشق و محبت کا ایک نمونہ ملاحظہ فرمائیے کہ جب حضرت گنگوہی نے یہ فرمایا کہ یہ تو اعلیٰ حضرت کا عطیہ ہے تو آپ نے بکمال عجز و نیاز یہ عرض کیا :۔

"میرے لئے تو وہی مبارک ہے جو آنحضرت کی طرف سے عطا ہو نیز یہ بھی عرض کیا کہ اجازت نامہ درحقیقت شہادت ہے کسی مسلمان کے ایمان کی لہٰذا دو مقبول شہادتیں ثبت ہوں گی، تو ہر شخص کے نفسی نفسی پکارنے کے وقت بارگاہِ خدا میں پیش کرسکوں گا۔ حضرت امام ربّانی آپ کے اس حسن ادب سے کہ اصل کمال یہی ہے، بہت خوش ہوئے اور خلافت نامہ پر دستخط فرماکر مع دستار کے حوالہ فرما دیا۔"[۱]

شیخ سے تعلّق اور علوِ مرتبت

حضرت مولانا کو حضرت گنگوہی سے بیعت ہونے سے لے کر آخر عمر تک جو تعلق رہا اور مرشد و مسترشد کے درمیان جو محبّت بلکہ عشق کے درجہ تک جو کیفیت رہی وہ اپنی جگہ خود قابلِ رشک تھی، اسی محبت و عشق کا نتیجہ تھا کہ حالات و کیفیات میں ترقی ہوتی گئی اور حضرت مولانا کو خدا نے اس بلند و بالا مقام تک پہونچا دیا کہ کم ایسے قسمت والے ہونگے، جن کو محبتِ شیخ کی ایسی دولت ملی ہوگی اور کم ایسے شیخ ہوں گے جن کو مرید سے ایسا تعلق ہوگا اور اس کے نتیجے میں واردات و کیفیات اور ترقی، درجات نصیب ہوگی حضرت مولانا اس نعمت عظمیٰ سے جس طرح ہمکنار ہوئے اور علوِ مرتبت کو پہونچے اس کا اندازہ ان خطوط سے ہوتا ہے جو آپ اور آپ کے شیخ و مرشد کے درمیان آخر عمر تک آتے جاتے رہے، اس موقع پر چند خطوط یا ان کے اقتباسات دئے جا رہے ہیں ــ ایک مکتوب میں حضرت گنگوہی حضرت مولانا کو تحریر فرماتے ہیں :۔

---

[۱] تذکرۃ الخلیل ص۵۹

www.abulhasanalinadwi.org

"واردات رجوع الی اللہ تعالیٰ موجب فرحت ہیں، حق تعالیٰ کا نہایت شکر کرنا لازم کہ یہ بڑی نعمت کبریٰ ہے کہ بمقابلہ اس کے لاکھوں جہان مثل پر پشہ بھی نہیں اور اس احقر کو نہایت باعث شکر وافتخار ہے کہ اگر خود ایسی عطیات سے محروم ہے بارے احباب کو عطائے متواتر ہے۔

در گور برم از سرِ گیسوے تو تارے
تا سایہ کند بر سرِ من روزِ قیامت

ایک بار آپ نے اپنے شیخ و مرشد حضرت گنگوہی کو ایک خواب تحریر کیا جس میں آپ نے بیان کیا تھا:۔

"حضرت میں اعتکاف میں تھا، خواب میں دیکھا کہ خربوزہ تراش رہا ہوں، اور قاشیں آپ کو دے رہا ہوں، آپ رغبت کے ساتھ کھا رہے ہیں، اور کھانے کے وقت آپ کے دہن سے جو لعاب وغیرہ گرتا ہے وہ میں اپنی زبان پر لیتا ہوں، حضرت گنگوہی مسکرائے اور ارشاد فرمایا:۔
"تم خود سمجھتے ہوگے، آخر نسبت تو ایک ہی ہے۔"

سطور بالا سے یہ اچھی طرح ظاہر ہو چکا ہے کہ ان دونوں حضرت کے درمیان کتنی مودت، کتنی محبت، کتنی عقیدت اور کتنا کمال اتحاد تھا حضرت مولانا کو اپنے شیخ و مرشد سے کتنا تعلق اور کتنا ادب و احترام تھا۔

ساقی کے فیض مست نگاہی کے میں نثار
ایک ایک موجِ مے کو رگِ جاں بنا دیا

اس لئے باوجود مشغولیت شب و روز، درس و تدریس، مطالعہ، ذکر و شغل اور تنظیمی امور کے انجام دینے کے اپنے شیخ و مرشد سے برابر تعلق رکھا اور کسی وقت بھی اپنی حالت پر اطمینان نہیں کیا بلکہ موقع نکال نکال کر گنگوہ حاضر ہوتے، قیام فرماتے اور

www.abulhasanalinadwi.org

واپس آنے کے بعد بار بار خط و کتابت کے ذریعہ اپنے حالات اور کیفیات تحریر فرماتے اور ارشادات پر عمل کرتے، ۱۳۱۵ھ میں جب کہ آپ کی عمر ۴۶ سال کی تھی اجازت و خلافت کی دولت سے مالا مال اور دوسروں کی تعلیم و تربیت کرنے کے باوجود اپنے کو طالب علم سمجھتے اور اپنے شیخ کی تربیت کے محتاج رہتے۔ اسی سلسلے میں آپ کے ایک مکتوب اور آپ کے شیخ و مرشد حضرت گنگوہی کے جواب کو یہاں پر نقل کیا جا رہا ہے جو آپ کی سیرت اور حالات پڑھنے والوں کے لئے مفید ہوگا۔

حضرت مولانا کا مکتوب گرامی

حضرت سیدی و مولائی و سیلۂ یومی و غدی ادام اللہ ظلال برکاتکم کمترین غلامان کمترین عتبہ بوسان ننگ خدام خلیل ذلیل تبلیغ تحیات و تسلیمات کے بعد ملتمس عرضداشت ہے، عرصہ سے ارادہ ہوتا تھا کہ اپنا ناکارہ حال پُر از حزن و ملال عرض کروں، مگر جرأت گستاخی اور توسط وسائط کا خلجان وبال جان ہو کر مانع ہوتا رہا ہے پہلے تو اس وجود منبسط کے ساتھ بطفیل توجہات وابستگی ہو کر ایک گونہ طفل تسلی ہوگئی تھی، مگر ایام صیام مبارک سے اس گرداب حیرت میں مبتلا ہوں کہ کیا عرض کروں، بجائے قرب و وصال بعد و مہجوری صرف فقد حال ہی نہیں بلکہ مضیق ہوگیا کہ نہ کوئی صورت قرب ہے نہ وصال ہے، نہ مشاہدہ ہے (مالی ولرب الارباب جل وعلیٰ شانہٗ) ابتدا سے اس وقت تک گو کبھی اس ناکارہ سے کچھ نہ ہو سکا پر لطف خداوندی جل شانہٗ بطفیل توجہات غریب نواز شامل حال رہا، ہمیشہ امتثال اوامر میں مقصر رہا، پر حضرت غریب نواز نے اپنی ذرہ نوازی کم نہ فرمائی، اسی وجہ سے کچھ ہمت بندھی رہی، اب اس وقت کمر ہمت ٹوٹی جاتی ہے بلکہ ٹوٹ گئی، سچ ہے "ما عرفناک حق معرفتک" جو چیز خیال کی جاتی ہے غیر نظر آتی ہے، انوار غیر ہیں وجود غیر ہے، حیرت غیر ہے، دل چاہتا ہے کہ بے کیف ادراک ہو پر محال نظر آتا ہے، بے کیف ادراک نہیں ہوتا۔

www.abulhasanalinadwi.org

اور جو ادراک ہوتا ہے وہ بکیف ہے

ڈھونڈنے تجھ کو بتا جاؤں کہاں

غرض عجب ادھیڑبن میں طبیعت مبتلا رہتی ہے، اور نظر لطف کی امیدواری، ابتداء حال میں تو وجود کی چادر پارہ پارہ معلوم ہوتی تھی اب تلاش سے بھی کہیں پتہ نہیں ملتا کائن لم یکن شیئاً مذکوراً، مگر اس حیرت کے ساتھ ایک تاریکی محسوس ہوتی ہے جو حوالی میں ایک جانب معلوم ہوتی ہے، بایں ہمہ الحمد للہ ثم الحمد للہ حضور قائم ہے اور باطن قلب میں انشراح ہے زیادہ جرأت سمع خراشی گستاخی ہے اگر اس کے متعلق خادم کے لئے کوئی کلمہ مبارک لکھنا مناسب ہو تو ارشاد فرمائیں کہ موجب طمانینت اور تسلی ہو۔

گرد دیدۂ دل کے طبقے یہ روشن کہ ہو ایک رشک مہ چاردہ تم
سنا ہے کہ تم نور سے اپنے کرتے منور بیک جلوہ چودہ طبق ہو

عرضداشت کمترین غلامان نظر لطف کا امیدوار
خلیل احمد عفی عنہ از سہارنپور
۹ ذی قعدہ یوم جمعہ ۱۳۱۵ھ[1]

حضرت مولانا نے یہ مکتوب اپنے سہارنپور تشریف لانے اور مظاہر علوم کا صدر مدرس بننے کے تقریباً ڈیڑھ سال کے بعد حضرت گنگوہی کو تحریر کیا، اس مکتوب سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کتنے باہمہ و بے ہمہ اور بے نفس انسان تھے، اور اپنے کو شیخ و مرشد کے سپرد مکمل طور سے کر دیا تھا۔ حضرت گنگوہی نے اس مکتوب کا حسب ذیل جواب مرحمت فرمایا

حضرت گنگوہی کا جواب

از بندہ رشید احمد عفی عنہ

بعد سلام مسنون آنکہ خط پہونچا حال معلوم ہوا جو کچھ آپ نے حیرت لکھی ہے وہ عین تقرب ہے "مقربان را بیش بود حیرانی"

[1] مکاتیب رشیدیہ ص ۳۶

بزرگان دین فرمائے ہیں اور ذات حق تعالیٰ ادراک سے مبرا ہے، لاتدرکہ الابصار، قلب وعقل بشر ادراک سے عاجز ہے ؎

دور بینان بارگاہ الست
غیر ازیں پے نہ بردہ اند کہ ہست

وہ ذات ہستی مطلق ہے کہ ہستی و اطلاق سے بھی بالاتر ہے اطلاق کو بھی وہاں گنجائش نہیں اور جو کچھ کسی کے قلب میں یا عقل میں آیا ہے یا آتا ہے وہ سب غیر ہے، ذات پاک اس سے مبّرا ہے، پس ایسی حالت میں کسی کیف کا ہونا کیا گنجائش رکھتا ہے محض حضور حظ بندے کا ہے اور بس۔ سو الحمدللہ کہ آپ کو اس سے حصہ حاصل ہے أن تعبد ربك كأنك تراه (الحدیث) مقصود سب کا رہا ہے اور یہی مدعا شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ہے۔

جس قدر اس سے کسی کو میسر ہوا وہ ہی صاحب نصیب ہے سوائے اس کے جو کچھ حالات ہیں وہ کوئی مقصود نہیں، پس بحکم " لئن شکرتم لأزیدنکم " نسبت حضور میں کوشش کرتے رہو اور کسی شی کے طالب مت ہو، لطف حق کے امیدوار رہو کہ ؎

ہر چہ ساقی ماریخت عین الطافست

فقط والسلام۔ بندے کے واسطے بھی دعائے خیر کریں، اور بندہ آپ کے لئے دعا کرتا ہے۔

۱۴ ر ذی قعدہ ۱۳۱۵ھ[1]

حضرت گنگوہی کا یہ مکتوب گرامی نمونہ کے طور پر پیش کیا گیا تا کہ حضرت مولانا کی سلوک و معرفت میں ترقی اور کمال اور حضرت گنگوہی کا آپ سے گہرا تعلق معلوم ہو ورنہ انشاء اللہ سلوک و معرفت اور تربیت طالبین اور اس سلسلے کے مکاتیب اپنی جگہ پر آئیں گے، بہر حال عرض یہ کرنا ہے کہ اس زمانہ میں

---

[1] مکاتیب رشیدیہ ...

www.abulhasanalinadwi.org

جب کہ آپ مظاہر علوم کے صدر مدرس ہو چلے تھے درس و تدریس میں پوری طرح انہماک تھا اور علم و فضل میں کمال حاصل ہو گیا تھا علم باطن اور معرفت و سلوک میں اعلیٰ مدارج تک پہونچ گئے تھے اور وہ صفات و کمالات حاصل کر لئے تھے جو ایک شیخ کامل میں ہوتے ہیں۔

www.abulhasanalinadwi.org

پانچواں باب

درس و تدریس کا مشغلہ اور مختلف مدرسوں میں ملازمت

از ۱۲۸۸ھ تا ۱۳۱۴ھ

۲۶ سال

یک چراغیست دریں بزم کہ از پرتو آں
ہر کجا می نگرم انجمنے ساختہ اند

www.abulhasanalinadwi.org

www.abulhasanalinadwi.org

پانچواں باب

درس و تدریس کا مشغلہ اور مختلف مدرسوں میں ملازمت

منگلور میں حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری نور اللہ مرقدہ' مظاہر علوم سے ۱۲۸۸ھ میں فارغ ہو کر لاہور تشریف لے گئے اور وہاں چند ماہ قیام کر کے دیوبند واپس ہو کر اپنے ماموں حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی کے حکم پر مسوری گئے اور پھر انہیں کے حکم پر مختلف مقامات میں درس و تدریس کا مشغلہ اختیار کیا، سب سے پہلے منگلور کے مدرسۂ عربیہ میں اہل مدرسہ کی طلب پر تشریف لے گئے، یہ آپ کی پہلی ملازمت تھی جس میں آپ نے دلجمعی اور دلچسپی کے ساتھ درس و تدریس کا کام انجام دیا۔

مولانا قاضی محمد اسماعیل کی مجلس میں منگلور میں اس وقت ایک بڑے عالم اور شیخ قاضی اسماعیل صاحب منگلوری تشریف فرما تھے، حضرت مولانا کا دل ان کی طرف بہت کھنچتا تھا اور آپ ان کی خدمت میں جانے لگے تھے، اور آپ پر ایک خاص قسم کی کیفیت اور انابت الی اللہ، انقطاع عن الدنیا اور تعلق باللہ کا جذبہ طاری ہوتا تھا، آپ خود فرماتے ہیں:-

"جب میری تحصیل ختم ہوگئی اور مدرسہ منگلور ضلع سہارنپور میں مدرس بنا کر بھیجا گیا تو ان ایام میں ایک خاص کیفیت اور رغبت الی العبادہ طاری ہوئی، اس

www.abulhasanalinadwi.org

زمانہ میں جناب قاضی محمد اسماعیل صاحب کا حلقہ بڑے زور شور کے ساتھ ہوا کرتا تھا، میرے بھی دل میں آیا کہ میں بھی بیٹھا کروں مگر ساتھ ہی یہ خیال ہوا کہ اپنے بزرگوں سے مشورہ واجازت حاصل کروں، چنانچہ مولانا مولوی محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا، انہوں نے تحریر فرمایا کہ الطرق الی اللہ بعدد انفاس الخلائق وصول الی اللہ تعالیٰ کچھ اس طریق میں منحصر نہیں ہے جو تم کرتے ہو یہ بھی ایک طریق وصول الی اللہ ہے، ابھی تمہارے لئے حلقہ میں بیٹھنا مناسب نہیں ہے[1]

حضرت مولانا منگلور میں تقریباً پانچ سال رہے۔ اس پانچ سالہ دور میں آپ نے درس وتدریس کا کام بحسن وخوبی انجام دیا، اہل مدرسہ آپ سے مطمئن اور طلبہ آپ کے درس سے مستفید ہوتے رہے۔ اس درمیان میں کوئی ایسا واقعہ پیش نہیں آیا جس سے دل اچاٹ اور منگلور کے قیام سے بے دلی پیدا ہو۔

بھوپال میں

حضرت مولانا منگلور میں تھے کہ ریاست بھوپال کے مدار المہام مولانا جمال الدین کی جانب سے حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی کی خدمت میں یہ درخواست پہونچی کہ حضرت والا بھوپال تشریف لاکر قیام فرمائیں، آپ کی خدمت میں تین سو مشاہرہ پیش کیا جائے گا، حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب صبر وقناعت کے پیکر اور زہد وتقویٰ کے مجسمہ تھے، ان کو دار العلوم دیوبند میں صرف تیس روپئے مشاہرہ ملتے تھے، آپ نے تین سو روپئے پر تیس روپئے کو ترجیح دی، مولانا جمال الدین نے پھر اصرار کیا اور آپ نے انکار، بات یہاں تک پہونچی کہ، مولانا جمال الدین نے آخر میں یہ عرض کیا کہ حضرت تشریف نہیں لاتے تو اپنے کسی معتمد کو بھیجنے کی زحمت گوارہ فرمائیں۔ مولانا جمال الدین استاذ الکل مولانا مملوک علی کے

---

[1] مقدمہ اکمال الشیم صہ ۴۴

www.abulhasanalinadwi.org

شاگرد تھے۔ اس لئے حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نے ان کی خواہش کا احترام کرتے ہوئے اپنے بھانجے حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری کو بھوپال جانے کا حکم دیا حضرت مولانا نے اپنے ماموں کا حکم مانتے ہوئے اپنے شیخ و مرشد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی سے اجازت طلب کی۔ اجازت ملنے پر بھوپال روانہ ہو گئے، مولانا جمال الدین نے اس خیال سے کہ آپ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب کے بھانجے اور استاذ محترم مولانا مملوک علی صاحب کے نواسے ہیں محبت و شفقت کا معاملہ کیا اور پچاس روپے مشاہرہ پر مدرسہ سلطانیہ میں درس و تدریس کے فرائض آپ کے سپرد کئے۔

بھوپال اس وقت والیۂ بھوپال اور مولانا جمال الدین مدار المہام کی علم دوستی کی وجہ سے اسلامی ریاست ہونے کے ساتھ ساتھ دینی علوم و معارف کا گنجینہ اور علماء و مشائخ کا مرکز بنا ہوا تھا۔ ۱۲۸۵ھ میں شاہجہاں بیگم بھوپال کی والیہ بنیں علم و ادب، سیاست و وجاہت میں اپنے ہمعصروں میں امتیاز پیدا کیا، اپنے پہلے شوہر نواب باقی محمد خاں کے انتقال پر نواب سید صدیق حسن صاحب بخاری قنوجی سے شادی کی جس کی وجہ سے بھوپال میں علماء و مشائخ کا اجتماع ہو گیا۔

مفتی عبد القیوم صاحب بڑھانوی سے سند حدیث

یہی وہ دور ہے جب کہ مولانا عبد الحی بڑھانوی کے بلند پایہ صاحبزادے مفتی عبد القیوم صاحب بڑھانوی بھوپال کے مفتی تھے۔ آپ کی خدمت میں علماء حاضر ہوتے اور حدیث کی سند لیا کرتے تھے، حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری نے بھی آپ کی ذات گرامی کو غنیمت جان کر بخاری شریف اور ترمذی شریف آپ سے پڑھی اور اجازت لی۔

مولانا عبد القیوم صاحب بڑھانوی نے آپ کو جن الفاظ کے ساتھ سند عطا فرمائی، وہ حسب ذیل ہیں:۔

www.abulhasanalinadwi.org

"بسم الله الرحمن الرحيم
الحمد لله رب العلمين والصلوة
والسلام على رسوله محمد شفيع
المذنبين وعلى آله الطاهرين
وصحبه الهادين اجمعين، اما بعد
فيقول عبد القيوم بن مولوی
عبد الحی المرحوم ان اخالی فی الله
الصدر المولوی خلیل احمد قرأ علی
الصحیح البخاری من اوله الی
آخره والشمائل للترمذی والمسلسلات
لشاه ولی الله المحدث الدهلوی
قدس سره ومسند الجن المسمٰی
بالنوادر والدر الثمین له واوراقاً
معدودة من صحیح المسلم وشیئاً
من مسند الدارمی فقد اجزته
أن یحدث عنی بکل ما سمع منی
أو قرأ علیّ أو قرئ علیّ وهو
حاضر واجزته أن یروی عنی
بکل ما یجوز لی روایته من علم
التفسیر والحدیث والفقه وغیرها
من العلوم والروایات مثل التمر

بسم اللہ الرحمن الرحیم
الحمد للہ رب العالمین الخ
.. ..
.. ..
.. ..
عبدالقیوم بن مولوی عبدالحی مرحوم کہتا ہے کہ
میرے ایک ایمانی بھائی مولوی خلیل احمد نے
مجھ سے صحیح بخاری از اول تا آخر پڑھی، اور
شمائل ترمذی، اور مسلسلات شاہ ولی اللہ،
اور شاہ صاحب کی مسند الجن معروف بہ النوادر
اور الدر الثمین، اور صحیح مسلم کے چند اوراق،
اور مسند دارمی کا کچھ حصہ پڑھا، میں نے
ان کو اس کی اجازت دی ہے کہ وہ مجھ سے
ہر اس حدیث کی روایت کر سکتے جو انہوں
نے مجھ سے سنی، یا میرے سامنے اس کی
قرارت کی، یا ان کی موجودگی میں اس
کی قرارت کی گئی، اور میں نے ان کو تفسیر،
فقہ، حدیث، اور ان کے علاوہ دوسرے علوم
اور روایتیں مثلاً روایت تمر و ماء، روایت
اور الحزب البحر، جن کی اجازت مجھ کو حاصل
ہے، کی روایت کرنے کی اجازت دی ہے، ان

www.abulhasanalinadwi.org

والماء والمدر، والحزب البحر
مع رعايته التي كتبها الشيخ
ولي الله رحمه الله تعالى في
القول الجميل وآخر دعوانا
ان الحمد لله رب العلمين ـــ
اللهم اجعلنا هادين مهديين
آمين۔

مورخه ثامن من شوال
يوم جمعه سنه ١٢٩٣ھ ببلدة بهوپال
بعد الزوال ـ كتبه عبد القيوم
بن مولوی عبد الحی مرحوم الصديقی
نسبا متوطن قصبه بودهانه
ضلع مظفرنگر نواح دهلی

مهر (هو الحی القیوم)

رعایتوں کے ساتھ جن کا تذکرہ شاہ
ولی اللہ صاحب نے القول الجمیل میں کیا ہے
وآخر دعوانا أن الحمد للہ رب العلمین۔

.. .. ..

اے اللہ ہمیں ہدایت یافتہ اور ہدایت
دینے والا بنا۔ آمین
بتاریخ ۸ شوال، روز جمعہ ۱۲۹۳ھ بعد
زوال۔ شہر بھوپال۔
راقم عبد القیوم بن مولوی عبد الحی مرحوم
صدیقی، متوطن قصبہ بوڈھانہ، ضلع مظفرنگر
(نواح دہلی)

مہر (ھو الحی القیوم)

وطن واپسی کی خواہش اور حضرت گنگوہی سے استفسار

حضرت مولانا نور اللہ مرقدہٗ کچھ دنوں اطمینان وسکون کے ساتھ مدرسہ سلطانیہ میں درس وتدریس کے فرائض انجام دیتے رہے اور مدار المہام صاحب کی کوٹھی میں قیام رہا۔ مدار المہام صاحب کی محبت وشفقت اتنی بڑھی ہوئی تھی کہ آپ کو کسی قسم کی تکلیف نہیں پہونچ پائی بلکہ آپ کے لئے انہوں نے آرام وآسائش کا ہر سامان مہیا کیا، لیکن بھوپال کی آب وہوا آپ کو موافق نہیں آسکی اور وہاں کا قیام آپ کی صحت کے لئے مضر ثابت ہوا۔

www.abulhasanalinadwi.org

دوسری وجہ آپ کے جی نہ لگنے کی یہ ہوئی کہ آپ کو اپنے اکابر حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی، حضرت مولانا محمد مظہر صاحب نانوتوی، حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی اور ان سب میں بڑھ کر اپنے شیخ و مرشد حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی سے اتنا گہرا تعلق اور آپ کے دل میں ان کی اتنی محبت تھی کہ چند دن بھی ان کی نگاہوں سے اوجھل رہنا پسند نہیں کرتے تھے، بھوپال، سہارنپور سے اتنا دور تھا کہ جلد جلد آنا دشوار سے دشوار تر تھا، بھوپال ہزار علماء کا شہر ہو، اسلامی ریاست ہو، ہر طرح کی سہولت و عافیت ہو لیکن وطن کی بات کہاں، پھر ایسا وطن کہ جس سے بڑھ کر مردم خیز خیر و برکت سے معمور علماء و مشائخ کا مخزن کوئی اور شہر و ریاست اس کے پائے کو نہیں پہونچ سکتی، حضرت مولانا انھیں خیالات میں گم رہتے، صحت کی خرابی کے ساتھ وطن کی یاد علماء اور مشائخ کی مبارک مجلسوں کی یاد مجبور کرتی تھی کہ آپ پھر سہارنپور تشریف لے آئیں، اس لئے آپ نے اپنے شیخ و مرشد کی خدمت میں اپنی پوری کیفیت تحریر کی اور بھوپال سے سہارنپور آنے کی اجازت چاہی، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی نے جو صرف ایک مرشد و شیخ ہی نہ تھے بلکہ حکیم اور مزاج شناس بھی تھے، اپنے مرید و مسترشد سے محبت و تعلق رکھتے تھے اور اندرونی خواہش بھی رہتی تھی کہ یہ جاں نثار و جاں سپار مسترشد زیادہ دنوں کے لئے دور نہ جائے کہ آنے جانے میں کئی دن لگیں، اور خرچ بھی استطاعت سے زیادہ ہو، آپ کو جواب میں تحریر فرمایا:۔

"بعد سلام مسنون مطالعہ فرمائید، آج خط آیا حال معلوم ہوا در صورت کہ ہوا وہاں کی آپ کو موافق نہیں تو ترک وہاں کا ضروری ہے کہ اس جگہ کا ہوا ناموافق ہو ترک کرنا بحکم حدیث ثابت ہے۱؎"

حضرت مولانا رشید احمد صاحب نے ان محبت آمیز الفاظ کے بعد حسب ذیل الفاظ بھی تحریر فرمائے جن سے آپ کے توازن، جامعیت، حکمت و فراست ظاہر ہوتی

۱؎ تذکرۃ الخلیل ص۱۱۰

www.abulhasanalinadwi.org

ہے، آپ نے اس میں فوراً ہی آنے کا حکم نہیں فرمایا بلکہ ارشاد فرمایا:۔

"مگر چونکہ معاش کا قصہ نازک ہے لہذا جب تک دوسری جگہ سامان

نہ ہو جائے ترک مناسب نہیں، اسواسطے چندے قیام وہاں کا مناسب ہے[1]۔"

حضرت مولانا خلیل احمد صاحب اپنے مرشد کے اس حکم پر بھوپال میں قیام پذیر رہے اور اپنے علمی و تدریسی مشغلہ میں منہمک رہے اور آئندہ کے حکم کے منتظر رہے۔

پہلا حج بھوپال ہی کے اثنائے قیام میں آپ کو یہ خبر ملی کہ آپ کے وطن کے کچھ اعزا، و اہل تعلق حج کو جا رہے ہیں، تو آپ کے دل میں حج کا داعیہ پیدا ہوا اور عشق مدینہ کی سوئی ہوئی چنگاریاں آتش شوق میں بدل گئیں، اگرچہ آپ حج کی استطاعت نہیں رکھتے تھے مگر انتہائی شوق میں آپ نے تیاری شروع کر دی اور مولانا جمال الدین مدار المہام کی خدمت میں حسب ذیل درخواست گذار دی:۔

"دار الاقبال ریاست بھوپال کا طریق عمل یہ ہے کہ جو ملازم حج کو جائے اس کو رخصت بلا وضع اور ان چند ماہ سفر کی تنخواہ پیشگی دے دیجاتی ہے لہذا آپ بھی عنائت فرما دیں تا کہ میں حج کر آؤں۔"

حضرت مولانا بھوپال میں سرکاری ملازم نہ تھے بلکہ غیر سرکاری مدرسہ میں صدر مدرس تھے۔ اس لئے ذمہ داران مدرسہ نے اس درخواست پر پورا مطالبہ تو نہیں پورا کیا صرف اتنا کیا کہ کچھ تنخواہ پیشگی دے کر رخصت منظور کر لی۔ اس پیشگی تنخواہ سے حج کا خرچ پورا نہیں ہوتا تھا مگر شوق حج میں آپ ناکافی رقم لے کر وطن پہونچے تو وطن والے حج کے لئے روانہ ہو چکے تھے والدین اور اپنے مرشد حضرت گنگوہی سے اجازت لیکر آپ تن تنہا بمبئی روانہ ہو گئے، بمبئی پہونچکر معلوم ہوا کہ جنکی ہمراہی کے بھروسہ پر تن تنہا بمبئی آئے کہ یہاں سے ان کا ساتھ ہو جائے گا وہ بھی نہ ہوا اور ساتھی

---

[1] مکتوب مورخہ ۱۸ ربیع الاول ۱۲۹۳ھ

www.abulhasanalinadwi.org

پہلے جہاز سے جہاز روانہ ہو گئے مگر آپ کے شوق میں کمی نہ آئی، نہ پائے ثبات میں لغزش اور عزم و ارادہ میں کمزوری پیدا ہوئی اور اگلے جہاز پر آپ سوار ہو گئے۔

ایک غیبی مدد جہاز پر آپ نے کس طرح سفر کیا اور آپ کے ساتھ اللہ کی کیسی مدد ہوئی، وہ خود آپ کے الفاظ میں پڑھئے:۔

"جہاز بندر سے چلا تو مجھے دوران سر شروع ہوا اور پورے تین دن چکر اور قے میں گذر گئے کہ کھانے کی خواہش نہ ہوئی مگر چوتھے دن جب ذرا طبیعت کو سکون ہوا تو بھوک معلوم ہوئی اور میں نے ایک دیگچی میں مونگ کی کھچڑی نکال کر پکنے کے لئے چولھے پر رکھی، پکانے کا کبھی اتفاق نہ ہوا تھا، دیکھا تو پانی اوپر آگیا اور دال گل گئی مگر چاول جوں کے توں، نمک اسقدر تیز کہ منہ تک نہ لے جائی جا سکے، خاموش ہو کر اپنی جگہ آ بیٹھا اور دیگچی کو ایک طرف رکھ دیا۔ بھوپال کے قریب کے ایک نواب صاحب بھی اسی جہاز میں حج کو جا رہے تھے۔ میری عمر کا اس وقت چوبیسواں سال اور شباب کا زمانہ تھا، اتفاق سے ان کا اس طرف گذر ہوا اور مجھ پر نظر پڑی تو پوچھنے لگے صاحبزادے تمہارے ساتھ کون ہے، میں نے برجستہ جواب دیا کہ "اللہ" یہ سُنکر وہ خاموش چلے گئے اور اپنی جگہ پہونچ کر مجھے بلایا، میں گیا تو انہوں نے میری دعوت کی اور فرمایا کہ صاحبزادے تم کھانا ہمارے ہی ساتھ کھایا کرو، میں نے کہا کہ یوں تو کھاتے ہوئے شرم آتی ہے، ہاں کوئی خدمت مجھ سے لے لیجئے تو انکار نہیں، وہ ذرا سوچے اور پھر مجھ سے پوچھا کہ تم کو لکھنا آتا ہے؟ میں نے کہا جی ہاں آتا ہے، اور لکھ کر ان کے سامنے پیش کیا، میرا خط دیکھ کر وہ بہت خوش ہوئے اور کسی کتاب کا مسودہ ان کے ساتھ تھا،

www.abulhasanalinadwi.org

اس کو خوشخط نقل کرنے کے لئے میرے حوالے کر دیا، میں نے روزانہ کی کارگذاری صفحات کی تعداد میں مقرر کرلی اور کھانا ان کے ساتھ کھانے لگا اور خالی بیٹھنے کا مشغلہ بھی مجھے ہاتھ آگیا اور پکانے کی مصیبت سے بھی نجات مل گئی۔

چند روز بعد جدہ کا بندر نظر آیا اور میں نے نواب صاحب سے کہا کہ یہاں کشتیوں کے ملاح اسباب کی چھین جھپٹ میں بہت پریشان کرتے ہیں اور اسباب ضائع ہو جاتا ہے، لہذا یہاں کا انتظام میرے سپرد کر دیجئے چنانچہ اول میں نے سارے اسباب کو یکجا کرایا اور ملازمین کو اس کے چاروں طرف کھڑا کر دیا کہ کسی کو ہاتھ نہ لگانے دیں میں نے اپنا مختصر اسباب بھی اس میں شامل کر دیا اور چونکہ مجھے عربی آتی تھی اس لئے ملاحوں کے جہاز پر حملہ کرتے وقت میں نے علیحدہ جاکر ایک ملاح سے عربی میں باتیں کر کے پوری کشتی کا کرایہ طے کر لیا اور اس کو اسباب دکھا کر ملازمین سے جو اسباب کا احاطہ کئے کھڑے ہوئے تھے کہہ دیا کہ عدد شمار کر کے اس کو دیدو اور اس کے علاوہ کسی کو پاس نہ آنے دو، چنانچہ اول سارا اسباب بحفاظت تمام کشتی میں پہونچ گیا اور پھر ہم سب اطمینان کے ساتھ جہاز سے اتر کر اس کشتی میں آبیٹھے۔ نواب صاحب میرے حسن انتظام پر بہت مسرور اور ممنون ہوئے کیونکہ دوسرے حجاج کی پریشانیاں اور نقصان دیکھ رہے تھے کہ چار طرف گمشدگی اسباب کا شور مچ رہا اور مسافر بلبلا رہے ہیں۔ جدہ شہر میں داخل ہو کر میں نے اصل مسودہ اور اس کی خوشخط نقل نواب صاحب کو پیش کر کے اجازت چاہی کہ مجھے آزاد فرمائیے ہر چند نواب صاحب نے اصرار کیا کہ میں تم کو تا واپسی وطن علیحدہ نہیں کر سکتا، مگر میں نے کہا کہ یہاں میں نوکری کے لئے نہیں آیا، اللہ کے گھر حاضر ہو کر بھی

www.abulhasanalinadwi.org

بندگانِ خدا کا غلام بنا رہا تو حاضری کا لطف ہی کیا ملا، چونکہ دروازے پر
پہونچ گیا ہوں اس لئے اب تو کوئی صورت ہی نہیں کہ تعمیل ارشاد کر سکوں
غرض نواب صاحب سے رخصت ہو کر اونٹ پر تنہا سوار ہو کر چل دیا[1]

حضرت مولانا نے جہاز کا سفر جس طرح طے کیا اس میں اللہ تعالیٰ کی نصرت شامل حال رہی، آپ نے ساحل جدہ پر جس خوش انتظامی اور ہوشیاری سے کام لیا اس کو دیکھ کر یہ محسوس نہیں ہوتا کہ یہ آپ کا پہلا سفر حج تھا، معلوم ہوتا ہے کہ ایسا شخص سفر کر رہا ہے جو کئی بار حج کر چکا ہے اور تجربہ کار اور جہاں دیدہ ہے، نہ پریشانی اور تنہائی کا احساس نہ گھبراہٹ اور دھوکا کھانے کا خیال۔

حضرت حاجی امداد اللہ صاحب کی خدمت میں

آپ مکہ مکرمہ پہونچے تو حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پہونچے، حضرت حاجی صاحب سے اس وقت تک کوئی گہرا تعلق نہ تھا مگر چونکہ حضرت حاجی صاحب آپ کے مرشد حضرت گنگوہیؒ کے شیخ، اور حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی کے مرشد اور دوسرے بزرگوں کے مرشد تھے اس لئے واقفیت بھی بہت تھی اور انس و یگانگت بھی زیادہ، آپ نے اپنا قیام حضرت حاجی صاحب کے دولت خانے پر کیا اور سارا وقت حرم شریف میں حضرت ہی کے پاس گذارتے تھے اور پورے اطمینان اور سکون کے ساتھ طواف کرتے، نماز پڑھتے اور مجلسوں میں شریک ہوتے۔

حضرتِ حاجی صاحب کا استفسار اور آپ کا شوقِ زیارت

حج سے فراغت کر کے قافلہ مدینہ منورہ روانہ ہونے لگا، آپ بھی قافلہ کے ہمراہ تھے،

---

[1] تذکرۃ الخلیل ص۱۰۱

www.abulhasanalinadwi.org

اس لئے کہ اس دور میں کوئی حاجی تن تنہا مدینہ منورہ نہیں جا سکتا تھا، ہر طرف بدامنی پھیلی ہوئی تھی، جانیں اور مال واسباب محفوظ نہ تھے، جب قافلہ روانہ ہونے لگا تو حضرت حاجی صاحب نے حضرت مولانا سے ارشاد فرمایا:

"مولوی خلیل احمد کہو کیا ارادہ ہے سنتا ہوں کہ مدینہ منورہ کے راستے میں امن نہیں ہے، اس لئے حجاج بکثرت واپس وطن جا رہے ہیں[۱]"

حضرت مولانا نے حضرت حاجی صاحب سے جب یہ سُنا تو مدینہ کے شوق میں اتنے زیادہ مست تھے کہ باوجود بدامنی کے اور حضرت کے ارشاد فرمانے کے وفورِ شوق میں عرض کیا:۔

"حضرت میرا قصد تو مدینہ طیبہ کا پختہ ہے کہ موت کے لئے جو وقت مقرر و مقدر ہو چکا وہ کہیں بھی ٹل نہیں سکتا اور اس راستے میں آجائے تو زہے نصیب کہ مسلمان کو اور چاہیئے کیا، اللہ کا فضل ہے کہ اس نے یہاں تک پہونچا دیا اب اگر موت کے ڈر سے مدینہ طیبہ کا سفر چھوڑ دوں تو مجھ سے زیادہ بدنصیب کون ہے[۲]"

حضرت مولانا کے عزم واستقلال، سکون واطمینان اور شدت اشتیاق ایمان و یقین کی پختگی کو حضرت حاجی صاحب نے ملاحظہ فرمایا، تو انتہائی خوشی ومسرت سے آپ کا مبارک چہرہ دمکنے لگا اور فرمایا:۔

"بس بس تمہارے لئے یہی رائے ہے کہ ضرور جاؤ اور ان شاء اللہ پہونچو گے[۳]"

مدینہ منورہ میں حضرت حاجی صاحب کی اجازت اور ہمت افزا ارشاد کے بعد حضرت مولانا مدینہ منورہ روانہ ہو گئے اور چند دنوں کے بعد مدینہ منورہ پہونچ کر حاضرِ آستانۂ نبوی ﷺ ہوئے۔ حضرت مولانا ارشاد فرماتے ہیں:۔

۱؎ تذکرۃ الخلیل ص۱۰۳، ۲؎ ایضاً ص۱۰۳، ۳؎ ایضاً ص۱۰۳

www.abulhasanalinadwi.org

"چنانچہ میں اعلیٰ حضرت سے رخصت ہوکر مدینہ منورہ روانہ ہوا، اور جس خیریت اور راحت کے ساتھ پہونچا وہ میرا ہی دل خوب جانتا ہے، تقریباً دو ہفتہ حاضر آستانہ رہ اور پھر بخیریت تمام وطن پہونچکر حضرت امام ربانی کا قدمبوس ہوا۔"

علماء کی خدمت میں

مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے قیام کے دوران آپ نے مشہور علماء و مشائخ سے نیاز حاصل کیا اور سندیں حاصل کیں، اور اجازت حدیث کی نعمت سے سرفراز ہوئے، حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب ارشاد فرماتے ہیں:۔

"اسی سفر میں حضرت قدس سرہٗ کو شیخ الحرم مولانا الشیخ احمد دحلان سے اور شیخ المشائخ شاہ عبد الغنی صاحب مجددی نقشبندی دہلوی ثم المدنی نوراللہ مرقدہٗ سے اجازت حدیث بھی ہے جو مسلسلات کے شروع میں بلفظہ طبع ہو گئی ہے، شیخ احمد دحلان سے اجازت مکہ مکرمہ میں ہوئی تھی، شاہ عبد الغنی صاحب سے حج کے بعد روضہ پاک کی حاضری پر۔"

حضرت شاہ عبد الغنیؒ کی سند حدیث

حضرت شاہ عبد الغنی صاحب نے آپ کو جو سند عطا فرمائی تھی اس کے الفاظ تبرک کے طور پر درج کئے جاتے ہیں:۔

بسم الله الرحمن الرحيم، الحمد لله اولاً وآخراً والصلوة والسلام دائماً سرمداً، اما بعد فيقول الملتجي الى حرم النبي عبد الغني بن ابي سعيد المجددي سامحهما الله بلطفه الخفي قد قرأ علي من اوائل الكتب الستة مولانا

بسم اللہ الرحمن الرحیم، الحمد للہ اولاً و آخراً والصلوۃ والسلام دائماً و سرمداً، اما بعد! حرم نبوی کا پناہ گیر و خوشہ چیں عبد الغنی بن ابی سعید المجددی سامحہما اللہ بلطفہ الخفی، عرض کرتا ہے کہ مولانا شیخ خلیل احمد نے صحاح ستہ کے اوائل

www.abulhasanalinadwi.org

الشیخ خلیل احمد وطلب منی اجازتها	مجھ سے پڑھے اور انکی اور دیگر کتب حدیث وفقہ
وبقیة کتب الاحادیث والفقه	وتفسیر کی اجازت مجھ سے طلب کی، پس میں نے ان کو
والتفسیر فاجزته ان یروی عنی	اجازت دی کہ وہ مجھ سے روایت کریں اور جسکو
ویجیز غیره ممن تاهل لهذا الفن	اس فن شریف کا اہل سمجھیں اس کو ان علماء کے شرائط
الشریف مع الشرائط المعتبرة عند	معتبرہ کے مطابق اجازت دیں واللہ المستعان،
علماء هذا الشان والله المستعان	وصلی اللہ تعالی علی سید الانس والجان، علیہ
وصلی الله تعالی علی سید الانس	وعلی آلہ الصلوۃ والسلام الاتمان الاکملان
والجان علیه وعلی آله الصلوۃ	فی المدینة المنورة سنہ ۱۲۹۴ھ
والسلام الاتمان الاکملان	
فی المدینة المنورة سنة ۱۲۹۴ھ۔	بخط طغری (عبد الغنی)
عبد الغنی	

سکندر آباد میں

حج سے واپسی پر حضرت مولانا اپنے شیخ ومرشد سے ملکر اپنے وطن انبہٹہ پہونچے اور قیام اختیار کرلیا — آب وہوا کی ناموافقت کی وجہ سے بھوپال نہ جانے کا فیصلہ کرلیا، کچھ دنوں کے قیام کے بعد جمادی الاولی سنہ ۱۲۹۴ھ میں سکندر آباد ضلع بلند شہر تشریف لے گئے، سکندر آباد کی جامع مسجد میں مدرسہ عربیہ کے نام سے ایک مدرسہ تھا جس میں آپ کو مدرس بنا کر بھیجا گیا تھا، آپ نے ایک عرصہ تک درس وتدریس کے فرائض انجام دیئے اور آپ کا وہاں کچھ دل بھی لگ گیا آب وہوا بھی موافق آئی اور آپ کے درس سے فائدہ بھی پہونچنے لگا، ایک بڑا حلقہ آپ سے مانوس اور آپ کے وعظ وارشاد سے مستفید ہوا، آپکی ترقی اور آپ کی شہرت، باوجود کم عمری کے آپ کا علمی تبحر کتاب وسنت کی اشاعت میں آپ کا انہماک، شرک وبدعت کے خلاف آپ کی کوشش، سکندر آباد کے اہل بدعت وشرک کی آنکھوں میں خار کی طرح کھٹکنے لگی۔

www.abulhasanalinadwi.org

اہلِ بدعت کی ایذا رسانی

اہل بدعت نے متحدہ محاذ بنا کر آپ کے خلاف غلط قسم کا پروپیگنڈہ کرنا شروع کیا، پروپیگنڈے کے بعد شدید مخالفت پر اور مخالفت سے ایذا رسانی پر اُتر آئے، اہل اثر و رسوخ کے کان آپ کے خلاف بھرے اور شکایتوں کا دفتر کھول دیا، شروع شروع آپ نے کان نہ دھرے اور ان مخالفتوں سے صرف نظر کرکے اپنا کام کرتے رہے لیکن جب مخالفوں کی ایذا رسانی اور تلخ کلامی حد سے سوا ہو گئی تو آپ نے اپنے مشفق شیخ و مرشد حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی کی خدمت میں اہلِ سکندر آباد کی مخالفتوں کی تفصیل لکھی اور ان کی ایذا رسانی کا حال لکھا۔

سکندر آباد میں اگرچہ مخالفتوں کا بڑا زور تھا اور ان میں بہت سے اہل علم اہلِ منصب اور اہل وجاہت بھی دخیل تھے لیکن ایک طبقہ ایسا بھی تھا کہ وہ آپ کا ہمنوا اور پشت پناہ تھا اور آپ کے لئے سینہ سپر رہتا تھا مگر جنہوں نے آپ کی مخالفت کی، ان کا زور بہت تھا اور ان کو قوت و طاقت حاصل تھی جس کی وجہ سے آپ کا پریشان ہونا فطری تھا آپ ان مخالفتوں کی وجہ سے سکندر آباد کے قیام سے بددل ہو گئے اور واپسی کی اجازت چاہی۔

حضرت مولانا گنگوہی کا مکتوب گرامی

حضرت گنگوہیؒ نے آپ کو تسکین دی، صبر و تحمل کی ترغیب دی، اور نرمی، لینت، خوش خلقی سے ساتھ قیام کرنے پر زور دیا، آپ نے اپنے جوابی مکتوب میں تحریر فرمایا:۔

"مولوی خلیل احمد صاحب مدفیوضہم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کے نامہ نے ورود کیا حال معلوم ہوا، قصۂ جدید سے آپ وحشت نہ کریں انام میں موافق و مخالف دونوں ہوتے ہیں، آپ اپنا کام کئے جاویں اگر مخالف بد سر پیکار ہیں تو موافق بر سر نگہداشت ہیں، جب تک ہو اپنی طرف سے ترک مت کرو، پدارا کرو حتی الوسع سب کو راضی رکھنا بہتر ہے شاید کچھ نافع ہو جائے، قال اللہ تعالی فبما رحمۃ من اللہ لنت لھم الخ مگر اس فرقہ کا راضی ہونا متوقع نہیں، نعم صاحب

واعظ ان کے ترغیب دینے والے دورہ کرتے ہوں۔ فقط والسلام

روز جمعہ ۱۶ جمادی الثانی ۱۲۹۴ھ[1]

دوبارہ ہنگامہ اور وطن واپسی

حضرت گنگوہیؒ کا یہ مکتوب جب آپ کی خدمت میں پہونچا تو آپ کی بددلی خوشدلی سے بدل گئی، اور اپنے واپسی کا ارادہ ترک کر دیا، اور درس و تدریس کے فرائض میں اسی طرح مشغول ہو گئے جیسے اہل بدعت کے ہنگامے سے پہلے مشغول تھے لیکن آپ کا یہ ذہنی سکون اور دلجمعی زیادہ دنوں تک قائم نہ رہ سکی اور پورے زور و قوت کے ساتھ آپ کے خلاف اتہامات و الزامات کی بوچھار کی گئی اور اس میں اس حد تک بڑھ گئے کہ آپ کا سکندر آباد میں رکنا دشوار ہو گیا آپ نے پھر اپنے شیخ حضرت گنگوہی قدس سرہٗ کو پورے حالات سے آگاہ کیا اپنی نرمی کے برتاؤ اور مدارات کے باوجود اہلِ بدعت کی تنگ دلی اور عداوت کی تفصیل لکھی۔ حضرت گنگوہی قدس سرہٗ نے سکندر آباد سے آنے اور مدرسہ عربیہ سے استعفیٰ دینے کی اجازت مرحمت فرمادی، آپ مہینہ سوا مہینہ ہی سکندر آباد رہے تھے کہ ان ہنگاموں کی وجہ سے وطن تشریف لے آئے۔

ایک ناکام مبارک آرزو

سکندر آباد سے واپسی پر اپنے وطن میں آپ نے قیام فرمایا اور اپنے بزرگوں کی خدمت میں آنے جانے کا سلسلہ جاری رکھا، کبھی آپ اپنے ماموں مولانا محمد یعقوب صاحب کی خدمت میں تشریف لے جاتے تو کبھی حضرت مولانا محمد مظہر صاحب نانوتوی کی خدمت میں حضرت گنگوہی کی خدمت میں تو بار بار حاضر ہوتے اور مستفید ہوتے

شوال ۱۲۹۴ھ میں آپ کے بزرگوں کا ایک قافلہ عازم بیت اللہ ہوا۔ ان بزرگوں میں حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی، حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی

---

[1] مقدمہ اکمال الشیم

www.abulhasanalinadwi.org

مولانا رفیع الدین صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند اور شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب تھے یہ ایک ایسا مبارک قافلہ تھا جس کی روانگی کو سُنکر سیکڑوں آدمی ساتھ ہو گئے۔

آپ کے دل میں بھی ہمرکابی کی تمنا ہوئی اور آپ ان بزرگوں کے ساتھ جانے کے لئے بیتاب ہو گئے مگر آپ چند ہی مہینہ پہلے حج کر کے واپس ہوئے تھے اور دوبارہ اس سفر میں جانے کا زادراہ بھی نہ تھا اس کے باوجود حضرت گنگوہی قدس سرہٗ سے ساتھ چلنے کی اجازت چاہی مگر اجازت نہ ملی اور بادل ناخواستہ رک گئے لیکن آپکے نہ جانے اور اس مبارک قافلہ کی ہمرکابی نہ ہونے نے دل کا کام کر دیا اور یہ مدت جو ان اکابر کی جدائی میں گذری، حزن و ملال اور صدمہ میں گذری آپ وطن ہی میں رہے نہ کہیں گئے نہ کوئی ملازمت کی، جب اکابر کا قافلہ ربیع الاول ۱۲۹۵ھ میں واپس آیا تو آپکو اطمینان وسکون ہوا، اور جمعیت خاطر نصیب ہوئی۔

بھاولپور سے ایک مدرس کی خواہش اور آپ کا انتخاب

آپ کے ناموں حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی جب سفر حج سے واپس ہوکر دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے تو جو خطوط آپ کی غیر موجودگی میں آئے تھے ملے، ان خطوط میں ایک خط مولوی شمس الدین صاحب چیف جج بھاولپور کا بھی تھا، جس میں ایک ایسے قابل مدرس کی خواہش کی گئی تھی جو بے شمار اوصاف کا مالک ہو ان صفات میں حسب ذیل صفات کی تعیین تھی، نوجوان ہو نہایت ذکی ہو، ہر فن میں ماہر ہو، وجیہہ ہو، خلیق اور منتظم ہو، اپنے علم پر عامل اور مجسم صلاح ہو کہ صورت سے نیک روی کا سبق دیا جاسکے یہ اور اس طرح کے اور بہت سے اوصاف تحریر کئے تھے۔ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نے اس درخواست کو دیکھا اور غور کیا ان کی نظر انتخاب آپ پر پڑی اور آپ کو حکم دیا کہ بھاولپور تشریف لے جائیں چونکہ مولوی شمس الدین ایک علم دوست بزرگ تھے، دین اور علماء دین سے تعلق رکھنے والے

www.abulhasanalinadwi.org

عقیدے میں پختہ اور اہل دیوبند سے تعلق رکھتے تھے، ان کی خواہش تھی کہ ان کے بچوں کو کوئی صحیح العقیدہ عالم جو کامل الاستعداد بھی ہو اور صاحب نظر بھی تعلیم دے، اور ان کی تربیت کرے اس لئے انہوں نے حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب کی خدمت میں اپنی درخواست بھیجی۔

حضرت مولانا نانوتوی کے حکم پر آپ کو ذرا سی پریشانی ہوئی کہ اتنے بڑے شرائط پر وہ کیسے بھاولپور قیام کرسکیں گے۔ آپ خود فرماتے ہیں:-

"میں نے عذر بھی کیا کہ جن شرائط کا مدرس ان کو درکار ہے مجھ میں مطلق نہیں پائی جاتیں، مگر حضرت مولانا نے فرمایا: میاں رہنے بھی دو لکھنے والے یوں ہی لکھا کرتے ہیں اور اہل علم اپنے کو یوں ہی سمجھا کرتے ہیں، تم کو اپنی ناقابلیتی یہیں نظر آتی ہے کہ سر پر بڑے موجود ہیں باہر جاکر دیکھو گے تو اتنا بھی کسی کو نہ پاؤ گے، اس وحشت کو دور کرو اور اللہ کا نام لے کر چلے جاؤ بالآخر حضرت مولانا اور حضرت امام ربانی کی رائے متفق ہوگئی اور میں تیس۳۰ روپئے ماہوار پر مدرس ہو کر بھاولپور چلا گیا۔"[1]

بھاولپور میں حضرت مولانا بھاولپور پہونچے، بھاولپور ایک اسلامی ریاست تھی، اور اس کے فرمانروا نواب صادق محمد خاں عباسی چہارم تھے، یہ ریاست اپنی دینداری علم پروری میں مشہور تھی۔ مختلف علاقوں سے علماء جمع ہو گئے تھے اور دینی مدارس مختلف مقامات پر کھلے ہوئے تھے، شرعی عدالتیں تھیں، اور ان عدالتوں کے جج عام طور سے اہل علم ہوا کرتے تھے، مولوی شمس الدین بھی انہیں میں تھے، حضرت مولانا سیدھے مولوی شمس الدین کے مکان پہونچے اور ان سے ملاقات کی۔

مولوی شمس الدین کے سوالات اور آپ کے جوابات جب آپ کی ملاقات مولوی شمس الدین صاحب سے ہوئی تو مولوی صاحب نے دیکھا کہ ایک صاحبزادے جنکی

---

[1] تذکرۃ الخلیل

www.abulhasanalinadwi.org

صورت سے بھولا پن اور متانت ظاہر ہو رہی ہے، عمر میں پختگی نہیں تو ان کو یہ محسوس ہوا کہ جن شرائط اور جن اوصاف و کمالات کے عالم کی میں نے خواہش کی تھی وہ میں ان میں نہیں پاتا تو ان کو حیرت ہوئی کہ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نے کس طالبعلم کو بھیج دیا، انہوں نے آپ کو آزمانے کے لئے مختلف سوالات کرنے شروع کر دئے۔ حضرت مولانا میں باوجود کم عمری کے کہ ان کی عمر اس وقت صرف چھبیس[۲۶] سال کی تھی، خود اعتمادی علم میں پختگی، حاضر جوابی بہت تھی وہ کسی سے نہ مرعوب ہوتے، نہ علمی سوالات سے پریشان، مولوی شمس الدین کے سوالات پر آپ نے جس طرح جواب دیا اور جو طریقہ اپنایا وہ خود آپ ہی کی زبان سے سُنئے:-

"سوالات تفسیر اور قرآن کے متعلق تھے، چنانچہ میں جوابات دیتا رہا، مگر جب میں نے دیکھا کہ سوالات سے کسی طرح پیچھا ہی نہیں چھوٹتا تو میں نے بھی دو آیتیں قرآن مجید کی پیش کیں کہ ان کا باہمی تعارض رفع ہونے کی کیا صورت ہے؟ بس میرا سوال کرنا تھا تو جج صاحب نے پہلو بدلا اور علمی سوالات چھوڑ کر میرے حالات دریافت کرنے لگے اور اس کے بعد مجھے قیام کی جگہ بتا کر ساری ضروریات کا انتظام کر دیا، میں ان کے بچوں کو پڑھاتا رہا[۱]"

صدر مدرس سے افسر مدارس دینیات

ریاست کے حالات یکساں نہیں رہتے، حاکم ریاست کی خوشی ناخوشی پر تبدیلیاں آتی رہتی ہیں، یہاں بھی ایسا ہی ہوا، کچھ دنوں کے بعد کسی وجہ سے مولوی شمس الدین صاحب کو برخاست کر دیا گیا اور وہ پریشانی میں مبتلا ہو گئے، انہوں نے بھی حضرت مولانا کو بجائے تیس روپے دینے کے دس روپیہ دینا شروع کیا۔ تنخواہ کی اتنی کمی پر حضرت مولانا کا ریاست میں ٹھہرنا مشکل ہو گیا ــــ لیکن حسن اتفاق سے نواب صاحب نے اپنی والدہ کے انتقال کے بعد صدقۂ جاریہ کے طور پر بہت

---

[۱] تذکرۃ الخلیل ص۱۰۵

سے مدارس کھولے جو مختلف مقامات پر تھے جو مدرسہ خاص ریاست بھاولپور میں کھولا وہ مولوی شمس الدین کے مکان ہی پر کھولا، اس مدرسہ میں آپ کو مدرس رکھا گیا اور اولاً دس روپیہ اور بعد میں اضافہ کرکے بیس روپیے دئے جانے لگے، اس طور پر آپ کے تیس روپئے ہی مشاہرہ میں رہے، اور آپ دلجمعی کے ساتھ اس مدرسہ میں درس تدریس کے فرائض انجام دینے لگے اور ایسا رجوع عام ہوا کہ شاید باید دور دراز علاقوں سے طلباء آتے اور حدیث و فقہ، منطق و کلام اور تفسیر کے علوم پڑھتے، آپ جس شفقت و محبّت کے ساتھ طلباء کی تعلیم میں مصروف ہوتے تھے، اس کا طلباء پر یہ اثر پڑتا تھا کہ وہ آپ کے فدائی بن گئے تھے، آپ کا زیادہ تر وقت درس حدیث میں صرف ہوتا تھا، جس مدرسہ میں آپ تعلیم دے رہے تھے اس کا تعلق ریاست کے سررشتۂ تعلیم سے تھا اور آپ کا عہدہ صدر مدرس دینیات تھا، ایک عرصہ کے بعد آپ کو ترقی دی گئی اور آپ پچاس روپئے ماہوار پر افسر مدارس دینیات مقرر کئے گئے، جو آخر تک رہے۔

اہلیہ محترمہ کا انتقال آپ بھاولپور میں چھ ہی مہینے رہ پائے تھے اور سکون و اطمینان کے ساتھ درس دے رہے تھے، طلباء کا رجوع عام تھا اور آپ کی وجہ سے عوام و خواص کو بہت فائدہ پہونچ رہا تھا کہ آپ کی اہلیہ محترمہ انبیا بیگم صاحبہ کا ۵ ذیقعدہ ۱۲۹۵ھ کو انتقال ہوگیا اور آپ کو اپنے وطن جانا پڑا، آپ پر اہلیہ صاحبہ کے انتقال کا بہت زیادہ اثر پڑا ذہن اور دماغ کچھ عرصہ کے لئے پریشان ہوگیا اور ایک مدت تک مغموم و محزون رہے، آپ شاعر نہ تھے نہ کبھی کوئی شعر موزوں کیا نہ اس سے کبھی دلچسپی لی، لیکن بیوی کے انتقال کا ایسا اثر پڑا کہ بیساختہ آپ کی زبان سے دو شعر موزوں ہوگئے جس کے آخری مصرعہ کے داغ بر جان دل جلے سے تاریخ وفات بھی نکلتی ہے۔ وہ شعر یہ ہیں:-

اجل کردہ جانانہ را منفصل شدم از وفور الم مضمحل

خلیل از غمش گشت غمگین و گفت بتاریخ او داغ بر جان دل
۱۲۹۵ھ

اہلیہ صاحبہ کے انتقال پر آپ نے وطن آکر چند دن قیام کیا، ان بیوی صاحبہ کی دو یادگاریں تھیں، ایک کی عمر ۵ سال کی تھی اور دوسری کی عمر ڈھائی سال کی، آپ کے لئے ان بچوں کی تعلیم و تربیت ایک بڑا مسئلہ بن گئی تھی، آپ نے وطن میں رہ کر اس کا خاطر خواہ انتظام کیا اور اپنی والدہ ماجدہ کی خدمت میں اور والدہ ماجدہ کے انتقال کے بعد اور دوسرے عزیزوں کے پاس رکھا اور خود خرچ کا انتظام اپنے ذمے کیا اور بہاولپور واپس تشریف لے گئے۔

حضرت مولانا کا عقد ثانی

آپ بہاولپور میں ہی تھے کہ آپ کے والدین نے آپ کے عقد ثانی کی فکر کی اور ۱۲۹۷ھ میں آپکا دوسرا عقد انبہٹہ میں حاجی نظام الدین صاحب کی صاحبزادی منیر النساء بی بی کے ساتھ دو ہزار روپیہ مہر پر منعقد کیا، یہ بیوی بیوہ تھیں اور یہ نکاح حضرت گنگوہی کے مشورے سے ہوا تھا اور ان ہی کے انتخاب پر حاجی نظام الدین نے اپنی صاحبزادی کا عقد آپ کے ساتھ کیا، ان بیوی صاحبہ سے تین صاحبزادیاں ہوئیں، جن میں زبیدہ نام کی صاحبزادی کا چار ہی سال کی عمر میں انتقال ہو گیا اور دوسری دو صاحبزادیاں ام ہانی، اور سلمیٰ جوان اور صاحب اولاد ہوئیں۔

دوسرا حج

حضرت مولانا بہاولپور میں مولوی شمس الدین صاحب چیف جج بہاولپور کے یہاں بغرض درس و تدریس مقیم تھے اور مولوی صاحب موصوف کو آپ سے یک گونہ تعلق پیدا ہو گیا تھا، اس درمیان مولوی شمس الدین صاحب نے حج کا ارادہ کیا اور خواہش ظاہر کی کہ حضرت مولانا بھی ان کے ہمراہ ہوں تاکہ ادائے مناسک میں آسانی ہو، دوسری طرف آپ کو دوبارہ خبر ملی کہ اس سال پھر حضرت گنگوہی اور آپ کے ماموں مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی حج کا ارادہ فرما رہے ہیں تو

www.abulhasanalinadwi.org

آپ کے دل میں حج کا شوق پیدا ہوا اور جو گذشتہ دو سال پہلے ان مبارک ہستیوں کی ہمرکابی نصیب نہ ہوسکی تھی اس کے بدل کا موقع آیا۔ آپ نے حضرت گنگوہی کو اپنا شوق تحریر کیا اور اجازت طلب کی اور حضرت کے پروگرام کے متعلق دریافت کیا۔ حضرت گنگوہی نے اس کا جواب دیا جس میں حضرت مولانا کو کچھ مشورے دئے اور اپنے حج کے متعلق تحریر فرمایا:۔

"مولوی شمس الدین کے حال و مزاج پر جو آپ کو طمانیت ہے اور ظن غالب وہ ایسے ہی ہیں تو ان کے ساتھ جانے میں کیا اندیشہ ہے۔ بندہ کی رائے ہے کہ آپ قصد فرماویں مگر تاہم کچھ اسقدر خرچ اپنے پاس رہنا چاہیئے کہ اگر خدانخواستہ کوئی صورت دیگر پیش آجاوے تو احتیاج نہ پڑے بارہا ایسا ہوا ہے کہ کفیل حجاج فوت ہوگیا ہے یا مزاج کی مخالفت پیش آئی جس سے افتراق ہوا تو ایسی صورت میں بہت پریشانی ہوتی ہے اور یہ سب تدبیر ظاہر ہے کہ جسکا استعمال ممنوع نہیں ہے، ورنہ ہوتا وہی ہے جو رضائے تعالیٰ شانہ، ہے۔ اب بندہ کا حال سنو کہ فرض نہیں کہ خواہ مخواہ بے کلی ہووے۔ ہاں بھلے کام کی دل میں خواہش ہے لیکن ضعف جسم سے ضعف ہمت بھی ہے۔ اس واسطے کچھ نہیں کہہ سکتا اگر اس وقت پر ہمت ہو جاوے اور سامان بھی مقدر ہووے تو کیا عجب ہے ورنہ کچھ صورت نہیں، لہذا اس وقت تک عزم نہیں غلط افواہ مشہور ہے"[1]

حضرت گنگوہیؒ کے اس مکتوب کے بعد بھی حضرت مولانا امید رکھے رہے کہ حضرت گنگوہیؒ کی معیت نصیب ہوگی اور یہ سفر مبارک اپنے ہی بزرگوں کی معیت سے اور مبارک ہوگا، اس لئے بار بار حضرت گنگوہی کو لکھا کہ کاش حضرت کا عزم پختہ ہو جائے اور ہمرکابی نصیب ہو مگر حضرت مولانا کی خواہش اور تمنا کے باوجود حضرت گنگوہیؒ کا ارادہ

---

[1] تذکرۃ الخلیل صہ

www.abulhasanalinadwi.org

پختہ نہ ہو سکا۔ حضرت گنگوہی اپنے التوائے سفر کو ان الفاظ میں تحریر کرتے ہیں:۔

"اگرچہ پہلے عزم سفر میں تردد شک کے درجے کا تھا مگر اب اپنی کیفیت غالیہ پر غلبہ عدم سفر کا معلوم ہوتا ہے[1]۔"

حضرت گنگوہی کے اس والا نامہ کے بعد حضرت مولانا حضرت گنگوہی کی ہمرکابی سے مایوس ہو گئے لیکن حج و زیارت کے شوق میں اپنا ارادہ قائم رکھا اور پھر ۲ شوال ۱۲۹۶ھ مطابق یکم اکتوبر ۱۸۷۹ء کو بھاولپور سے روانہ ہوئے، آپ کی غیبوبت میں آپ کی جگہ حضرت گنگوہی کے بھانجے مولوی الطاف الرحمٰن صاحب نے درس و تدریس کا کام انجام دینا شروع کیا مگر ان کو حضرت گنگوہی سے اتنی محبت تھی کہ ان سے جدا ہونا کسی حال میں گوارا نہ تھا اس لئے وہ بھاولپور میں زیادہ دنوں نہ رہ سکے، آخر کار حضرت مولانا کے چچا زاد بھائی مولوی انوار احمد صاحب انبہٹوی بھاولپور گئے اور جب تک حضرت مولانا حج کے سفر میں رہے وہ ان کی جگہ پڑھاتے رہے۔

حضرت گنگوہی کا حضرت حاجی صاحب کو سلام اور حاضر نہ ہونے کی معذرت

جب حضرت مولانا حج کو تشریف لے جانے لگے تو حضرت گنگوہی نے مقامات دعا پر دعا کرنے اور حضرت حاجی صاحب سے حاضر نہ ہونے کی معذرت کرنے کا حکم فرمایا، وہ تحریر کرتے ہیں:۔

"بدعائے خیر مجھ کو بھی یاد کرنا سو اقع اجابت میں اگر یاد آجاوے اور حضرت مرشدنا سے جو جو کیفیات شہود و مسموع تم کو ہو دیں بیان کر کے عذر حاضر نہ ہونے کا کر دینا، اگر زندگی رہی تو سال آئندہ دیکھئے کیا پیش آوے، مقصد سب مجبور ہیں مدبیری کیا پیش رفت ہوتی ہے[2]۔"

---

[1] تذکرۃ الخلیل ص۱۰۱، [2] ایضاً ص۱۰۱

www.abulhasanalinadwi.org

حضرت حاجی امداد اللہ صاحب کی خدمت میں

حضرت مولانا کو اگر اس کا رنج تھا کہ اس مبارک سفر میں حضرت گنگوہی کی بیعت نصیب نہ ہو سکی تو اس کی بھی خوشی تھی کہ مکہ مکرمہ میں حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی کی شفیق ذات موجود ہے جن کی صحبت و خدمت نصیب ہو گی، حضرت مولانا جب مکہ مکرمہ پہونچے تو حضرت حاجی صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

اجازت و خلافت

حضرت گنگوہیؒ نے حضرت حاجی صاحب کو حضرت مولانا کے بلند احوال، استعداد، اور صلاحیت کے متعلق تحریر فرمایا جسکو دیکھ کر حضرت حاجی صاحب نے حضرت مولانا کو خلافت عطا فرمائی اور خلعت فاخرہ سے سرفراز فرمایا جس کی تفصیل بیعت و ارادت کے باب میں گذر چکی ہے۔ مولانا عاشق الٰہی صاحب تحریر کرتے ہیں:-

> "یہی وہ مبارک سفر ہے جس میں اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کا خلافت نامہ آپ کو ملا اور عمامہ مطہرہ فرق اقدس پر رکھا گیا کہ ہر دو عطیے آپ نے اپنے مرشد مطاع کے سامنے رکھدئے اور پھر جب وہ حضرت کی طرف سے عطا قرار پائے تو ان کو سر آنکھوں پر رکھ لیا[1]"

حضرت مولانا پانچ ماہ بعد مارچ ۱۸۸۱ء مطابق ربیع الاول ۱۲۹۸ھ میں اپنے وطن واپس آئے اور بہاولپور تشریف لے گئے۔

سید چراغ علی شاہ کی ایذا رسانی اور آپ کا کلمۂ حق اور استغنا

مدرسہ دینیات جسکے اوّلاً آپ صدر مدرس تھے وہ ریاست کے محکمۂ تعلیم کے ماتحت تھا، اس زمانہ میں آپ کے افسر ایک متعصب شیعہ سید چراغ علی شاہ تھے، جب آپ ان کے پاس کسی کام کی خاطر جاتے تو وہ

---

[1] تذکرۃ الخلیل ص۱۰۸

www.abulhasanalinadwi.org

مذہبی اور اختلافی مسائل چھیڑ دیتے تھے اور اہل سنت پر علمی اور غیر علمی اعتراضات کیا کرتے، آپ اس خیال سے کہ وہ افسر ہیں اور آپ ماتحت جوابات دینے میں ان کے لحاظ و ادب کا خیال رکھتے لیکن جب آپ نے دیکھا کہ وہ خاموش نہیں رہتے اور ان کا سلسلۂ گفتگو دراز ہی ہوتا جاتا ہے اور ان کی زبان سے تکلیف دہ باتیں نکلتی ہیں جن پر صبر و تحمل دشوار ہے تو ان کو کسی ذریعہ سے کہلایا کہ میرا آپ کا معاملہ ماتحتی و افسری کا ہے، میں دینی معاملات میں آپ کا لحاظ نہیں کر سکتا، بہتر ہے کہ آپ ان معاملات میں گفتگو نہ فرمائیں۔

لیکن سید چراغ علی شاہ اپنی عادت سے باز نہ آئے۔ آپ کو اور پریشان کرنا شروع کر دیا۔ مجبور ہو کر آپ نے ریاست کے وزیر اعظم کے سامنے اپنا استعفیٰ پیش کر دیا۔ وزیر اعظم نے استعفیٰ کی وجہ پوچھی تو آپ نے فرمایا:۔

"سید چراغ علی شاہ صاحب مذہبی چھیڑ چھاڑ سے باز نہیں آتے اور مجھے ان کی افسری کے سبب ضروریات مدرسہ کے لئے ان کے پاس جانا ضرور پس جواب دوں تو ان کی طرف سے مضرتِ دنیا کا اندیشہ اور جواب نہ دوں تو دینی نقصان، اور منصب کے خلاف اس لئے یہی مناسب معلوم ہوا کہ عزت و آبرو کے ساتھ علیحدگی اختیار کر لوں[1]۔"

آپ کی اس جرأت مندانہ گفتگو، آپ کے استغناء اور حق بات کہنے کا اثر وزیر اعظم پر یہ پڑا کہ آپ کو سید چراغ علی شاہ کی ماتحتی سے نکال لیا اور استعفیٰ نامنظور کر کے آپ کو اسی منصب اور کام پر بحال رکھا۔

سید چراغ علی شاہ کو وزیر اعظم سے گفتگو اور آپ کا اپنے منصب پر بحال رہنا معلوم ہوا تو وہ آپ کے اور زیادہ درپے آزار اور جان کے دشمن بن گئے۔

دِل خراش حادثے

حضرت مولانا نے بھاولپور میں جو مدت گذاری اس مدت میں آپ پر کئی ذاتی اور خاندانی حادثے گذرے جن میں سب سے

---

[1] تذکرۃ الخلیل ص ۱۱۵

www.abulhasanalinadwi.org

پہلا ۱۲۹۵ھ میں اہلیہ محترمہ کے انتقال کا حادثہ تھا اس کے بعد ۱۲۹۶ھ میں حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی کا حادثۂ انتقال پیش آیا جو مولانا کے لئے ذاتی اور خاندانی حادثے کے ساتھ ساتھ قومی، ملی اور دینی حادثہ بھی تھا۔

اس حادثہ کے بعد مولانا احمد علی صاحب محدث سہارنپوری کے انتقال کا حادثہ پیش آیا، وہ حادثہ آپ کے لئے اور آپ کے محبوب مدرسہ مظاہر علوم کے لئے ایک بڑا علمی حادثہ تھا، ۱۲۹۸ھ میں آپ کے استاذ حضرت مولانا عبدالغنی صاحب مہاجر مدنی اور ۱۲۹۹ھ میں دوسرے استاذ مفتی عبدالقیوم بڑھانوی کا اور ۱۳۰۱ھ میں آپ کے والد ماجد کا، اور ۱۳۰۲ھ میں آپ کے حقیقی ماموں حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب کا انتقال ہوا جو آپ کے مشفق و مربی اور بہت چاہنے والے ماموں تھے، اس کے چند ہی ماہ بعد آپ کے رشتے کے ماموں، شفیق معلم و مربی، حضرت مولانا محمد مظہر صاحب نانوتوی نے بھی جان جان آفریں کے سپرد کی۔

یہ چند سال جن میں یہ حادثے رونما ہوئے تھے آپ کے لئے اعوام الحزن سے کم نہ تھے، نہ صرف آپ کے لئے بلکہ دارالعلوم دیوبند اور مظاہر العلوم سہارنپور کے لئے یہ حادثے سخت سے سخت تھے۔

دو ہی سال گذرے تھے کہ ۱۳۰۴ھ میں آپ کے استاذ ادب مدرسہ مظاہر العلوم کے محسن مولانا فیض الحسن صاحب سہارنپوری کا سایہ بھی سروں سے اُٹھ گیا۔ لیکن ان حوادث کے باوجود آپ بھاولپور میں اپنے دینی کاموں اور درس و تدریس، رشد و ہدایت، تقریر و تحریر میں مشغول رہے۔

محبوبیت اور مقبولیت

آپ نے بھاولپور میں گیارہ سال اس طرح گذارے کہ عوام و خواص کے دلوں میں اپنے علم و فضل، زہد و تقویٰ، استغناء، تعلق مع اللہ کے نقوش بٹھا دئے، آپ کے بھاولپور سے تشریف لانے کے

www.abulhasanalinadwi.org

بعد مدتوں تک لوگوں کی زبانوں پر آپ کا تذکرہ اور آپ کی دینی و علمی خدمات کا اعتراف رہا۔

آپ کے بیشمار شاگرد ہوئے جنہوں نے تکمیل علوم کے بعد علم دین کی خدمت کی، ان شاگردوں میں ایک شاگرد مولوی عزیز الرحمٰن عزیز بہاولپوری بھی تھے جنہوں نے آپ کے حالات تحریر کئے ہیں، وہ آپ کے درس کے متعلق تحریر کرتے ہیں:۔

"حضرتؒ کے درس میں جس طرح منطق و کلام علوم عقلیہ کی تعلیم ہوتی تھی اسی طرح فقہ اور حدیث اور تفسیر کا درس مکمل ہوتا تھا، نصاب تعلیم دینی وہی نصاب تھا جو ان دنوں تمام ہندوستان کے اعلیٰ مدارس میں رائج تھا حضرت جس شفقت اور محبت کے ساتھ طلباء کی تعلیم میں مصروف ہوتے تھے اس کا اندازہ کچھ وہی خوش نصیب کر سکتے ہیں جن کو اس درس میں شمولیت کا شرف حاصل ہو چکا ہو[۱]"

حضرت مولانا نے اپنے قیام کے دوران طلباء کو تعلیم دینے میں جس حسن معاملہ سے کام لیا اور طلباء کو آپ سے جس درجہ تعلق رہا اس کے متعلق مولوی صاحب موصوف لکھتے ہیں:۔

"میں دیکھتا تھا کہ پروانوں کی طرح طلباء حضرت کے شیدا تھے بعض طلباء تو تمام وقت تعلیم میں درس میں موجود رہتے اور جو سبق بھی پڑھایا جاتا وہ اس میں شامل ہو جاتے، ان کا منشا صرف آپ کے فیض صحبت اور تربیت عام حاصل کرنے کا ہوتا تھا[۲]"

حضرت مولانا کا علمی تبحر اور طریقہ تدریس کے متعلق مولوی صاحب موصوف لکھتے ہیں:۔

زیادہ تر حضرت کا وقت درس حدیث میں صرف ہوتا تھا اور حضرت

---

[۱] تذکرۃ الخلیل صفحہ ۱۱۰ ، [۲] تذکرۃ الخلیل صفحہ ۱۱۱

www.abulhasanalinadwi.org

کو ہزاروں حدیثیں اور بالعموم صحاح کی احادیث سندات تک بر زبان یاد تھیں اور کسی ایک مسئلے کے متعلق حضرت اپنے حافظے سے تمام علمی اور مذہبی معلومات کو یکجا بیان فرما دیتے تھے اور یہ ایک خاص ملکہ تھا جو حضرت علیہ الرحمۃ کو قدرت نے عطا فرمایا تھا۔[1]

آپ کے تقدس، عظمت، خوش خلقی اور عمومی محبوبیت و مقبولیت کے متعلق اپنا مشاہدہ تحریر کرتے ہیں:-

"عوام پر حضرت کے تقدس کا اتنا اثر ہوتا تھا کہ بے ساختہ تعظیم کے لئے مجبور ہو جاتے تھے، مجھے کئی دفعہ حضرت کے ساتھ بازار میں سے گزرنے کا اتفاق ہوا تھا مسلمانوں کا کیا ذکر ہے، ہندو دوکاندار ان بھی حضرت کی تعظیم کے لئے سروقد کھڑے ہو کر سلام کرتے تھے۔ جس محلہ میں حضرت کا قیام رہتا اس محلے کے پیر و برنا چھوٹے بڑے سب پابند صوم و صلوٰۃ ہو جاتے، اور چھوٹے چھوٹے روز مرہ کے عبادات اور معاملات کے مسائل محلے کے ناخواندہ لوگ بھی صحت کے ساتھ بتلا سکتے تھے۔"[2]

ہنگامہ خیز دور اللہ تعالیٰ نے حضرت مولانا کو بھاولپور کے دس سالہ قیام میں جو مقبولیت اور محبوبیت عطا فرمائی تھی اس کا ایک نمونہ سطور بالا میں آپ پڑھ چکے ہیں، اس محبوبیت اور مقبولیت کی وجہ سے نیز آپ کے احقاق حق اور صاف گوئی کی وجہ سے بھاولپور کے اہل بدعت کے دلوں میں بغض و حسد کی آگ بھڑک اٹھی اور انہوں نے افترا پردازی، فتنہ انگیزی، الزامات و اتہامات کی بوچھار کرنی شروع کر دی، پیر چراغ علی شاہ کے ذریعہ آپ کو پریشان کیا گیا، مولوی غلام دستگیر صاحب قصوری کے ذریعہ جھوٹے فتوے شائع کئے گئے، حکومت کی نگاہ میں آپ کو گرانے کی

---

[1] تذکرۃ الخلیل صلالا، [2] ایضاً ص۱۱۸

فکر کی گئی، فرمانروائے ریاست کو مشتعل کیا گیا، ایسا بھی ہوا کہ علماء سوء کی دستخطوں سے آپ کو کافر تک بنایا گیا مگر آپ نے ہمیشہ حق بات کہی اور جم کر مقابلہ کیا ؎

آئینِ جواں مرداں حق گوئی و بے باکی

اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

سنہ ۱۳۰۱ھ میں آپ نے ردِّ بدعت و شرک میں ایک کتاب لکھی جس کا نام "براہینِ قاطعہ"[1] تھا، اس نے حضرت مولانا اسمٰعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کی "تقویۃ الایمان" کا کام کیا۔ آپ سنہ ۱۳۰۶ھ میں رمضان کی تعطیل میں اپنے وطن آئے ہوئے تھے کہ وہ کتاب بھاولپور پہونچی، اس سے اہل بدعت کے دلوں میں بغض و حسد کے جذبات اور زیادہ بھڑک اٹھے اور انہوں نے آپ کے خلاف محاذ قائم کر لیا اور مولوی غلام دستگیر صاحب قصوری نے ایک فتویٰ شائع کیا اور اس پر بھاولپور کے کئی اماموں اور واعظوں کے دستخط لئے۔ اس فتویٰ کا ماحصل یہ تھا:۔

"خلیل احمد اور اس کے ہم عقیدہ اہل سنّت سے نہیں فرقہ وہابیہ اسماعیلیہ کے سخت بے ادبوں سے ہیں جن سے ہندوستان وغیرہ میں غیر مقلّد اور نیچری شاخیں نکلی ہیں، اہل اسلام، اہلسنت والجماعت کو ان سے اجتناب واجب ہے[2]:"

---

[1] براہین قاطعہ دراصل مولوی عبدالسمیع صاحب بیدل رامپوری کی تصنیف انوار ساطعہ کے جواب میں لکھی گئی تھی۔ مولوی عبدالسمیع صاحب مصنف انوار ساطعہ رامپور منہیاران ضلع سہارنپور کے باشندے تھے سنہ ۱۲۷۰ھ میں تحصیل علم کے لئے دہلی گئے اور مفتی صدرالدین خاں آزردہ سے عربی پڑھی۔ فن شاعری میں مرزا غالب کے شاگرد تھے، انوار ساطعہ کے علاوہ ایک نعتیہ دیوان اور ایک مختصر رسالہ "نور ایمان اور حمد باری" ان کی تالیفات میں سے ہیں۔ خیالات اور مسلک میں بریلوی مکتبِ فکر کے حامل و داعی تھے، گنگوہ اکثر اپنے اعزہ کے یہاں آنا جانا ہوتا تھا اور اسی ضمن میں باوجود اختلاف عقائد کے حضرت گنگوہی کی خدمت میں بھی حاضر ہوتے۔ [2] تذکرۃ الخلیل ص۱۲۱

www.abulhasanalinadwi.org

براہین قاطعہ کو پڑھکر یہ بات مشہور کی گئی کہ :۔

"مولوی اسماعیل دہلوی نے بھی جو کہ مشہور و معروف وہابی اور رئیس غیر مقلدین ہیں یہی کہا ہے اور مولوی خلیل احمد اس کا چیلہ ہے، لہٰذا کافر اور وہابی ہے[1]"

مناظرہ صرف یہ تحریر ہی شائع نہیں کی گئی بلکہ فرمانروائے ریاست کو باور کرایا گیا کہ مولانا خلیل احمد صاحب بدعقیدہ اور کافر ہیں (نعوذ باللہ) اور ان کا جو عقیدہ ہے وہ صریح کفر ہے اس لئے ان سے مناظرہ کرنا ضروری ہے، فرمانروائے ریاست کے دل میں یہ بات بیٹھ گئی اور ان کو یقین آگیا کہ یہ لوگ جو کہتے ہیں صحیح ہے، اور انہوں نے ایک حکم کے ذریعہ حضرت مولانا کو وطن سے بلایا اور مناظرہ طے کرلیا، حضرت مولانا کو معلوم ہوا تو آپ کی غیرت دینی اور حمیّت اسلامی کو جوش آیا اور آپ احقاق حق اور ابطال باطل کے لئے تیار ہو گئے، اپنے شیخ و مرشد حضرت گنگوہی نور اللہ مرقدہٗ کی خدمت میں عرض کیا اور علماء کی ایک جمعیت[2] کے ساتھ بھاولپور روانہ ہو گئے، راستے میں کسی نے آپ کو بتلایا کہ آپ لوگ کہاں جارہے ہیں، ریاست کے نواب صاحب آپ حضرات سے اتنے مشتعل ہیں کہ وہ کہتے ہیں کہ ایسے ہندوستانی علماء کو توپ سے اُڑا دیا جائے گا، اس جملہ کو سنکر تھوڑی دیر کے لئے ان حضرات کے دلوں میں ذرا سی گھبراہٹ اور اضطراب پیدا ہوا لیکن خدا نے پھر ہمّت دی اور یہ کہہ کر یہ لوگ آگے بڑھ گئے کہ اگر یہی بات ہے تو ہم کو شہادت کی نعمت ملے گی اور یہی ہمارا مقصود ہے ؎

شہادت ہے مقصود و مطلوب مومن
نہ مالِ غنیمت، نہ کشور کشائی

---

[1] تذکرۃ الخلیل ص ۱۱۔ [2] اس جمعیت میں مولانا محمود حسن صاحب دیوبندی، مولانا صدیق احمد صاحب انبہٹوی، مولانا عبدالحق صاحب، مولوی محمد مراد صاحب شامل تھے۔

www.abulhasanalinadwi.org

آپ لوگ بھاولپور پہونچے اور نواب صاحب کے محل میں ۶ شوال ۱۳۰۶ھ مطابق ۶ جون ۱۸۸۹ء سے چار دن تک تحریری و تقریری مناظرہ ہوا اس مناظرہ میں براہین قاطعہ کی عبارتوں سے آپ کے عقیدے پر بحث ہوتی رہی، یہ مناظرہ بڑا تفصیلی ہوا۔[1]

حضرت مولانا کی طلاقت لسانی اور فتح مبین مولانا صدیق احمد صاحب فرمایا کرتے تھے کہ:-

"جب تحریری مناظرہ کے لئے سوالات ہمارے پاس آئے، تو ہم نے ایک ایک سوال بانٹ لیا اور اعلمیت کا مسئلہ میرے حصہ میں آیا، جس وقت ہمارے جوابات گئے اور فریق ثانی کے علماء نے دیکھے تو ہم نے وہیں کے معتبر آدمیوں سے سُنا کہ کہتے تھے جوابات بہت زور کے اور کافی شافی ہیں لہٰذا مناظرہ کا رُخ بدلنا اور تحریری کو تقریری بنانا چاہیے کہ رعب حکومت مانع تکلم ہو اور تقریری میں بھی صرف امکان کذب کو لیا جائے کہ اس میں گنجائش ہے اور عوام کے بھڑکنے کا بھی اچھا موقع ہے، چنانچہ ۱۰ رجون سہ شنبہ کو اسی کوٹھی پر اراکین سلطنت اور خواص ملک جمع ہوئے اور غلام دستگیر نے اپنی بلا بیچارے سلطان محمود کے سر ڈال دی کہ صبح سے ۱۲ بجے دوپہر تک مولانا خلیل احمد صاحب کی وہ شیرانہ گفتگو ہوئی جس کو سُنکر سارے حکام اور وکیل و بیرسٹر بھی دنگ ہو گئے۔"[2]

اس تاریخی مناظرے کے بعد اہلِ بدعت نے اپنی شکست کا بدلہ اس طرح لیا کہ آپ کو ترک ملازمت اور بھاولپور چھوڑنے پر مجبور کیا۔

مولانا کا استعفیٰ جب اہل باطل کا شور و غوغا اپنی انتہا کو پہونچ گیا اور آپ کو سکون و راحت کے ساتھ نہ رہنے دینے کا تہیہ کر لیا گیا تو آپ نے بھاولپور چھوڑنے کا

---

[1] اس مناظرہ کی پوری تفصیل اخبار نظام الملک مراد آباد میں مورخہ ۲۵ اگست ۱۸۸۹ء میں طبع ہوئی اور جس کو من وعن تذکرۃ الخلیل میں نقل کیا گیا ہے۔ [2] تذکرۃ الخلیل ص ۱۱۸

www.abulhasanalinadwi.org

ارادہ کرلیا اور آخر کار اپنی ملازمت سے استعفا دے دیا۔

مولانا عاشق الٰہی صاحب میرٹھی اس صورت حال کا اس طرح تذکرہ کرتے ہیں:۔

"یہ خفت وندامت آپ کے ساتھ مزید عداوت کا سبب بن گئی جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ آپ کو استعفیٰ دینے پر مجبور کیا گیا، آپ خود ہی بھاولپور سے بیزار تھے یہ تو صرف احقاق حق کا قصہ تھا کہ خود مختار ریاست میں دشمنوں کی قوت کا اندیشہ کئے بغیر مناظرے کے لئے چلے آئے تھے، لہٰذا آپ نے استعفیٰ دیدیا۔"[۵]

مخالفین کا جذبۂ انتقام، گرفتاری کا حکم اور آپ کی وطن واپسی

آپ کے استعفیٰ دیتے ہی مخالفین کے دلوں میں آپ کے خلاف جذبۂ انتقام پیدا ہوگیا اور بعض حکام سے مل کر آپ کو جسمانی اذیت پہونچانے کے درپے ہوگئے، چنانچہ تھانیدار کے نام حکم آیا کہ آپ کو گرفتار کرلیا جائے، مگر خدا کی شان جسے اللہ رکھے اسے کون چکھے، آپ کی حفاظت کا غیب سے انتظام ہوا، خود تھانیدار نے اس وقت جب کہ آپ مغرب کی نماز ادا فرما رہے تھے آپ کو اس حکم کی اطلاع کردی، دوسری طرف آپ کے ایک تعلق رکھنے والے مولوی احمد احمد پوری تاجر کتب نے اس خفیہ کاروائی کی اطلاع حسب ذیل آیت لکھ کر کردی "ان الملأ یأتمرون بک لیقتلوک فاخرج انی لک من الناصحین" اس اطلاع کے بعد آپ نے بھاولپور سے نکل جانے کو مناسب سمجھا اور شب ہی میں بھاولپور سے روانہ ہوگئے، جو دوست واحباب آپ کو اسٹیشن پہونچانے آئے تھے، ان پر حکام کا عتاب نازل ہوا مگر انہوں نے اس کی بالکل پرواہ نہ کی اور ایک عرصہ تک بھاولپور میں ملازم رہے۔

بریلی

بریلی روہیلکھنڈ کا ایک مرکز اور دینی وتہذیبی علاقہ رہا ہے، روہیلوں کے عہد بالخصوص حافظ الملک حافظ رحمت خاں مرحوم کے زمانہ سے یہ علاقہ علماء د

---

[۵] تذکرۃ الخلیل ص۱۳۵

www.abulhasanalinadwi.org

صلحاء کی سکونت اور قیام سے معمور اور آباد ہوا، چھوٹے چھوٹے گاؤں اور قصبے علم کا گہوارہ رہے ہیں۔ بریلی، رام پور، بدایوں یہ سارے علاقے علم کے مرکز رہے ہیں، روہیلوں کے زوال کے بعد یہ زرخیز علاقے تاخت و تاراج ہوئے اور شعائر اسلامی کی بے حرمتی کی گئی، ۱۸۳۷ء میں جب یہ علاقہ انگریزوں کے زیر اقتدار آیا تو تعلیم کی طرف توجہ دی گئی اور بریلی اسکول کا قیام عمل میں آیا جو اس دہلی کالج کی شاخ تھی جس میں حضرت مولانا مملوک علی صاحب درس دیا کرتے تھے، ۱۸۵۰ء میں یہ اسکول کالج ہوا اور اس میں حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری نور اللہ مرقدہٗ کے رشتے کے ماموں مولانا محمد احسن صاحب نانوتوی جو اس وقت تک بنارس میں تھے، فارسی شعبے کے صدر منتخب ہوئے اور ۱۲۶۷ھ مطابق ۱۸۵۱ء میں تشریف لائے اور جب اس کالج میں عربی کا اجراء ہوا تو دونوں شعبوں کے آپ ہی صدر مقرر ہوئے، اس زمانہ میں بریلی میں بیرونی علماء کا ایک اچھا خاصا اجتماع ہو گیا تھا، مولانا محمد احسن کے علاوہ ان کے چھوٹے بھائی مولانا محمد منیر نانوتوی شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب کے والد مولانا ذوالفقار علی صاحب دیوبندی اسی کالج میں پروفیسر تھے، شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب ۱۲۶۸ھ کو بریلی ہی میں پیدا ہوئے، حضرت مولانا خلیل احمد صاحب کے ماموں مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی بھی بریلی میں ڈپٹی انسپکٹر مدارس رہے ہیں، ان کے علاوہ مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی کے والد مولانا فضل الرحمن صاحب دیوبندی بھی ڈپٹی انسپکٹر مدارس تھے، مولانا مفتی عزیز الرحمن صاحب اور مولانا حبیب الرحمن صاحب نے جو مولانا فضل الرحمن صاحب کے صاحبزادے تھے، زندگی کا ابتدائی دور وہیں گذارا۔ ان علماء دیوبند کے علاوہ مفتی عنایت احمد کاکوروی ۱۲۷۹ھ م ۱۸۶۳ء، مولانا لطف اللہ علیگڈھی م ۱۳۳۴ھ ۱۹۱۶ء، مولانا امیر حسن سہسوانی م ۱۳۰۹ھ ۱۸۹۱ء نیز اور دوسرے علماء اور اصحاب فضل و کمال اس شہر میں قیام پذیر رہے۔

۱۸۵۷ء میں یہ مقام تحریک آزادی کا خاص مرکز بن گیا تھا جس میں اسی علاقے

www.abulhasanalinadwi.org

کے سابق حکمراں حافظ رحمت خاں کے ایک رشتے دار خان بہادر خاں جو انگریزی حکومت کے صدر امین رہ چکے تھے نمایاں حیثیت کے مالک تھے، شاہجہاں پور میں ۱۸۷۶ء کو جو مشہور مذہبی مباحثہ اور مناظرہ عیسائی پادریوں سے ہوا تھا، جس کی کامیابی کا سہرا حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی کے سر رہا، اس مناظرے کے اختتام پر حضرت نانوتوی بریلی تشریف لے گئے اور مولانا محمد احسن نانوتوی کے یہاں قیام کیا۔

مولانا محمد احسن نانوتوی نے مطبع صدیقی بھی قائم کیا تھا جس میں حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کی تصنیفات اور علماء دیوبند کی کتابیں طبع ہوتی تھیں، ان کے علاوہ بریلی میں مقامی طور پر ایسے علماء گذرے ہیں جنہوں نے علماء دیوبند کے عقائد اور خیالات اور کتاب و سنّت کی ترویج و اشاعت میں بڑا حصّہ لیا، جنمیں مولانا محمد حسن عثمانی صدر الصدور قاضی غلام حمزہ حاجی حسن علی، مولانا یعقوب علی خاں جو بریلی کے مشہور عالم تھے قابل ذکر ہیں۔

مدرسہ مصباح التہذیب

بریلی میں مختلف علماء انفرادی طور پر دینی تعلیم دیا کرتے تھے اور کوئی مرکزی درسگاہ نہ تھی، مولانا محمد احسن صاحب نانوتوی اور مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی نے بریلی کے اکابر او رعمائد کے مشورے سے ۱۲۸۹ھ / ۱۸۷۲ء میں مصباح التہذیب کے نام سے ایک مدرسہ قائم کیا چند دنوں میں اس مدرسہ نے یہاں تک ترقی کی کہ اس کی دو شاخیں بھی شہر میں قائم ہو گئیں لیکن بعض مسائل میں اختلاف پیدا ہوا اور دوسرے مکتب خیال کے علماء کی طرف سے اس مدرسہ کی مخالفت شروع ہو گئی، چونکہ اس مدرسہ کے بانیوں میں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی، مولانا محمد احسن نانوتوی کے علاوہ مولانا یعقوب علی صاحب بریلوی بھی تھے جو حضرت شاہ اسحاق صاحب کے شاگرد اور صحیح الخیال علماء میں سے تھے اسی طرح یہ مدرسہ حافظ محمد جعفر خاں کے مکان پر کھولا گیا تھا، جو حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی اور حضرت مولانا محمد قاسم ...

www.abulhasanalinadwi.org

نانوتوی کے خصوصی لوگوں میں تھے ؛ اس لئے اس مدرسہ کی سب سے بڑی مخالفت مولوی نقی علی[1] خانصاحب نے کی جو مولانا احمد رضا خاں صاحب کے والد تھے، انہوں نے اس مدرسہ کے جواب میں ایک دوسرا مدرسہ " مدرسۂ اہلسنت کے نام سے قائم کیا اور علمائے دیوبند کے خلاف عموماً اور مولانا محمد احسن نانوتوی کے خلاف خصوصاً ایسا طوفان کھڑا کر دیا جس نے دو ایسے مکتب خیال پیدا کر دئے جن میں ایسی خلیج پڑی جو اس وقت تک بجائے پٹنے کے وسیع سے وسیع تر ہوتی چلی جاتی ہے، جن کا چھوڑا ہوا کام ان کے صاحبزادے مولانا احمد رضا خاں صاحب نے سنبھالا اور انہوں نے اختلاف عقائد کی اس تحریک کو بڑی وسعت دی، انہوں نے کھلم کھلا حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی، شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب، حضرت مولانا خلیل احمد صاحب، حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کی تکفیر کی، اور تکفیر نہ کرنے والے کی تکفیر کا فتویٰ دیا، مولوی نقی علی خانصاحب کی وجہ سے مدرسہ مصباح التہذیب جو اسلامی علوم وفنون کا مرکز تھا ٹوٹ گیا، مولانا محمد احسن صاحب نانوتوی نے اس مدرسہ کا نام بدل کر مصباح العلوم کر دیا جس کی سرپرستی حافظ محمد جعفر خانصاحب[2] کے ذمے ہوئی اور ان کی کوششوں کی وجہ سے مدرسہ مسلسل ترقی کرتا رہا اور ۱۳۰۶ھ تک وہ علم دین کی خدمت میں مشغول رہا۔

---

[1] مولوی نقی علی خاں، مولوی رضا علی خاں کے بیٹے تھے ۱۲۴۶ھ میں بریلی میں پیدا ہوئے، شاہ آل رسول مارہروی سے بیعت ہوئے ۱۲۹۷ھ میں انتقال ہوا، ان کی تالیفات میں " سرور القلوب فی ذکر المحبوب " اور " جواھر البیان فی اسرار الارکان " مشہور ہیں۔

[2] حافظ محمد جعفر خاں بازار کلاں واقع بریلی میں قیام پذیر تھے کپڑے اور گوٹے کی تجارت کرتے تھے، خوشحالی کے ساتھ دینی نعمتوں سے بھی سرفراز تھے، حضرت شاہ عبدالغنی مجددی سے ۱۲۹۸ھ میں بیعت تھے، آپکی وجہ سے بریلی میں کتاب سنت کی بڑی ترویج ہوئی، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کے خاص معتقدوں اور نیازمندوں میں تھے اور جب تک زندہ رہے مدرسہ مصباح العلوم کی ترقی و تعمیر میں دل و جان سے حصہ لیتے رہے اور آپ کا اور آپکے بعد ان کا تعلق ہمیشہ علماء دیوبند سے قائم رہا۔

www.abulhasanalinadwi.org

مدرسہ مصباح العلوم اور حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری | ۱۳۰۶ھ میں جب حضرت مولانا بھاولپور سے وطن تشریف لائے تو ہر جگہ سے آپ کی طلب اور آپ کے درس وتدریس سے استفادہ کی خواہش ہوئی، حضرت مولانا کو درس وتدریس کے فرائض انجام دیتے ہوئے تقریبًا اٹھارہ سال ہو چکے تھے اور آپ کے علم میں پختگی اور درس وتدریس میں آپ کی عام شہرت ہو چکی تھی خصوصًا بھاولپور کے دس سالہ قیام میں آپ کے تلامذہ متعدد میں ہندوستان میں پھیلکر علم دین کی نشر واشاعت کا کام کر رہے تھے۔ بریلی کا مدرسہ مصباح العلوم آپ کے بزرگوں کا قائم کیا ہوا تھا اور اخیر تک وہ اہلِ حق کا مدرسہ رہا، اس وقت اس میں کوئی ایسی علمی شخصیت نہیں تھی جو اس مدرسہ کو علمی طور پر تعمیر وترقی کی راہ پر لگا سکے، مولانا محمد احسن صاحب نانوتوی مخالفین کی ریشہ دوانیوں، مخالفتوں اور ایذا رسانیوں کی وجہ سے بریلی چھوڑ کر نانوتہ چلے گئے تھے، اس لئے حافظ محمد جعفر خاں، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ مدرسہ مصباح العلوم کے لئے ایک مدرس اوّل کی ضرورت ہے، آپ کسی کو تجویز فرما دیں حضرت گنگوہی نے حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری کو انتخاب فرمایا اور چالیس روپئے مشاہرہ پر بریلی جانے کا حکم دیا۔

حضرت مولانا بریلی پہونچے اور حافظ محمد جعفر خاں کی کوٹھی میں قیام فرمایا، جہاں مدرسہ مصباح العلوم تھا یہ دور مولانا احمد رضا خاں صاحب کا تھا اور ان کی تحریک عقائد شباب پر تھی، علماء دیوبند کے خلاف ہر طرف طوفان مچا ہوا تھا، ایسے ماحول میں کسی ایسے جری اور بیباک مرد خدا کی ضرورت تھی جس میں مرد حق کا بانکپن اور احقاق حق کی پوری قوت موجود ہو، اس کے ساتھ ساتھ علم میں پختہ خوش خلق اور درس وتدریس میں کمال رکھتا ہو، اللہ تعالیٰ نے یہ صفات حضرت مولانا کو عطا کئے تھے اور اُن کو ان کاموں میں تجربہ بھی حاصل تھا، وہ متعدد بار بھاولپور میں اس میدان کارزار کے شہسوار

www.abulhasanalinadwi.org

رہ چکے تھے، انہوں نے بریلی پہونچتے ہی مدرسہ مصباح العلوم کو اپنے ہاتھوں میں لیا، درس وتدریس کا ہی صرف کام نہیں کیا بلکہ مدرسہ کے انتظامی امور کی بھی ذمہ داری لی اگرچہ مدرسہ کے مہتمم حافظ محمد جعفر خاں کے صاحبزادے حافظ علی احمد خاں تھے مگر حضرت مولانا کی دیانت، زہد و قناعت، علم ولیاقت، خوش انتظامی، اور جرأت و ہمت پر سب ہی لوگ متفق تھے؛ اس لئے ذمہ دارانِ مدرسہ نے آپ کے ہی سپرد تعلیمی امور کے علاوہ مالیات اور دوسرے انتظامی امور بھی کر دئے تھے۔

آپ کے معمولات بریلی کے دو سالہ قیام میں آپ کے معمولات شب و روز مدرسہ کی ترقی، درس وتدریس میں ہمہ تن مشغولیت اور مسلک اہل حق کی ترویج و اشاعت کے تھے، جس کام کی داغ بیل آپ کے بزرگ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی، مولانا محمد احسن اور مولانا محمد منیر نانوتوی نے ڈالی تھی اور بلا خیز طوفان کا مقابلہ کیا تھا اس کو آپ نے اپنے ہاتھوں میں لیا اور باوجود شدید مخالفتوں کے آپ اپنا یہ کام کرتے رہے ؎

ہوا ہے گو تند و تیز لیکن چراغ اپنا جلا رہا ہے
وہ مرد درویش جس کو حق نے دئے ہیں انداز خسروانہ

مولانا درس وتدریس کے ساتھ ساتھ کتابوں کا مطالعہ بھی فرماتے اور اپنے وعظ وارشاد سے دوسروں کو مستفید بھی فرماتے اور تصنیف و تالیف کا مشغلہ بھی جاری رکھتے، مولانا عاشق الٰہی صاحب میرٹھی آپ کے معمولات اس طرح تحریر کرتے ہیں:۔

"بریلی تشریف لاکر بھی مغرب سے عشاء تک حضرت کتاب دیکھتے، اور بعد نماز عشاء کھانا تناول فرما کر تھوڑی دیر پھر مطالعہ میں مشغول رہتے اس کے بعد سوجاتے اور اخیر شب میں اٹھ کر تہجد پڑھا کرتے نماز فجر کے بعد تلاوت اور وظائف میں مشغول رہتے اور اشراق کے بعد مدرسہ میں تشریف لے آتے تھے گرمی میں دس بجے

www.abulhasanalinadwi.org

تک اور موسم سرما میں گیارہ بجے تک صبح کو دورۂ حدیث اور بعد ظہر ے عصر تک فقہ کا درس دیتے تھے، دوپہر میں کھانے سے فارغ ہو کر کچھ دیر قیلولہ فرمایا کرتے اور اس درمیان میں جو وقت ملتا اس میں صاحبزادہ محمد ابراہیم کو پیار و شفقت کے ساتھ پڑھایا کرتے تھے[1]"

طلباء کی استعداد سے مولانا کا عدم اطمینان

حضرت مولانا کے مصباح العلوم میں جانے سے مدرسہ کو بہت فائدہ پہونچا، طلباء کی تعداد بڑھی، تعلیم کا معیار بلند ہوا، طلباء کو جتنا حضرت مولانا کے طریقۂ درس اور طرز تعلیم سے فائدہ پہونچا وہ کسی اُستاذ سے نہیں پہونچا تھا، آپ صرف مدرس نہ تھے طلباء کے مربی اور مشفق استاذ بھی تھے افہام و تفہیم سے کام لیتے اور حکمت و موعظت سے پیش آتے لیکن آپ کو جن ذہین و ذکی اور استعداد کامل رکھنے والے طلباء کی ضرورت تھی وہ آپ کو حاصل نہ ہو سکے، طلباء میں وہ روح باقی نہیں رہی تھی جو پہلے کے طلباء میں ہوا کرتی تھی، آپ اس صورت حال سے پریشان تھے اور دینی علوم کے طلباء کی ذہنی، علمی پستی سے آپ متفکر رہا کرتے تھے، آپنے اس صورت حال کا اظہار اپنے ایک مکتوب میں اپنے شیخ و مرشد حضرت گنگوہی کی خدمت میں کیا، حضرت والا نے اس مکتوب کا جو جواب عنایت فرمایا اس میں آپ نے تحریر فرمایا:۔

"طلباء کی شکایت بجا ہے مگر اس زمانہ میں ایسے ہی طلباء ہیں، زمانہ با تو نہ سازد تو باز مانہ بساز۔ صبر کر کے پڑھاتے جاؤ اور ترک میں جلدی نہ کرو، جب یاس نوبتی سے ہو جاوے اس وقت جو کچھ مقدر ہے ہو جاوے گا[2]"

اہل بدعت کا آپ کے خلاف ہنگامہ

حضرت مولانا جب تک بریلی میں رہے، اس علاقہ کے ماحول اور اہل شہر کے

---

[1] تذکرۃ الخلیل ص ۱۴۱ ، [2] تذکرۃ الخلیل ص ۸۵

خیالات اور عقیدوں سے پریشان رہے اور علمائے اہل بدعت کی شورشوں کیوجہ سے یک گونہ ضیق میں مبتلا رہے، آپ کے ہم مسلک اور ہم نوا یا تو حافظ محمد جعفر خاں کے خاندان کے لوگ تھے یا دوسرے بعض اہل حق علماء تھے جو اس شہر میں موجود تھے اور آپ کے لئے سینہ سپر بنتے تھے، باقی ایک بڑا طبقہ آپ کا مخالف تھا، آپ کی "براہین قاطعہ" کا یہاں بھی شور مچا ہوا تھا اور اس کی وجہ سے آپ کے خلاف ہنگامہ برپا تھا لیکن آپ کا سامنا کرتے ہوئے سب ہی گھبراتے تھے۔ مولانا عاشق الٰہی صاحب میرٹھی تحریر کرتے ہیں :۔

"ہر چند کہ براہین قاطعہ کے متعلق یہاں بھی بہت کچھ شور مچا ہوا تھا مگر کسی کی اتنی ہمت نہ ہوئی کہ مدرسہ میں آکر آپ سے ان مسائل کی بابت سوال کرے یا مناظرے کی دعوت دے، بلکہ آپ کا دل چاہتا تھا کہ بھرے مجمع میں کوئی مناظرہ ہو جائے مگر اس کی نوبت ہی نہ آئی، حافظ جعفر خانصاحب کے منجھلے صاجزادے حافظ حضور احمد خاں جو حضرت کے قیام گاہ کے کمرے کے مقابل غرب مدرسہ میں رہتے تھے، تحریر فرماتے ہیں کہ ،

مولانا یعقوب علی خانصاحب نے جو کہ مولوی احمد رضا خاں کے والد مولوی نقی علی خاں کے استاذ اور شاہ اسحاق صاحب دہلوی کے شاگرد خوش عقیدہ بزرگ تھے، ایک مرتبہ حضرت سے فرمایا کہ مسئلہ امکان کذب جو عموم قدرت کا مرادف ہے عوام تو عوام معمولی مولویوں کی سمجھ سے بھی باہر ہے، عالم ذکی و متبحر ہی سمجھ سکتا ہے، اس مسئلے کو آڑ بنا کر بدعتی مولویوں نے عوام کو خلجان میں ڈال دیا اور اہل حق کی طرف سے بدگمان بنا کر بھڑکا دیا۔ یہ مسئلہ آپ کو لکھنا نہ چاہیئے تھا، حضرت نے فرمایا کہ حضرت آپ کیا فرمائیں گے شاہ اسمٰعیل شہید کے متعلق جنھوں نے شرک بدعت کا کھول کھول کر بیان فرمایا جس کا بدعتیوں میں آج تک شور شر برپا ہے یہ سنکر مولانا مسکرائے اور خاموش ہو گئے [1]

---

[1] تذکرۃ الخلیل ص ۱۲۲

www.abulhasanalinadwi.org

بریلی میں اہل بدعت کے ساتھ ساتھ اہل تشیع کے عقائد اور خیالات کے خلاف بھی آپ کو تحریر و تقریر سے کام لینا پڑا، اور "مطرقۃ الکرامہ" کی تالیف شروع کر دی، مولانا کی یہ کتاب طبع ہوئی اور اس کا کوئی جواب اہل تشیع کی طرف سے نہیں دیا جاسکا۔

حافظ محمد جعفر خاں اور انکے گھرانے کو مولانا سے قلبی تعلق

مدرسہ مصباح العلوم کے سرپرست اور آپ کے میزبان حافظ محمد جعفر خاں اور ان کے گھرانے کو آپ سے گہرا قلبی تعلق پیدا ہو گیا تھا اور ان کی یہ خواہش تھی کہ آپ بریلی میں مستقل قیام اختیار فرمائیں، اس لئے کہ آپ کی موجودگی سے بریلی والوں کو بہت فائدہ پہونچ رہا تھا اور شرک و بدعت کے استیصال کے لئے آپ کا وجود مسعود بہت مفید تھا، آپ نے سنّت و شریعت کے جو پودے لگائے تھے ان کو بار آور دیکھ کر آپ مسرور ہوتے تھے اور دعا فرمایا کرتے تھے کہ بدعت کی ظلمت دور ہو اور سنّت کا نور چمکے۔ آپ بریلی میں دو سال رہے لیکن برسوں کا کام کیا، حافظ محمد جعفر خاں کے گھر والوں کو آپ سے ایسا قلبی تعلق پیدا ہو گیا تھا کہ حافظ صاحب کے دو پوتے مولوی محمد فاروق اور مولوی محمد اسحاق نے آپکی خدمت میں رہ کر سہارنپور اور دیوبند سے فراغت کی اور آپ سے بیعت ہوئے، مولوی اسحاق تو اتنے گرویدہ اور محبّت و عقیدت میں اتنے ڈوب گئے تھے کہ ہر وقت آپ کا دم بھرتے، ہمہ وقت آپ کی نظروں کے نیچے رہنا پسند کرتے، بیمار ہوئے ایسی حالت میں آپ کی خدمت میں پہونچے مرض کی شدید تکلیف اٹھا کر اور باوجود حضرت مولانا اور اپنے گھر والوں کے اصرار کے گھر جانا گوارا نہ کیا اور بڑے قلق سے کہا، میری آرزو تو یہ تھی کہ میری موت یہیں ہو اور حضرت میرے جنازے کی نماز پڑھائیں۔

نکل جائے دم تیرے قدموں کے نیچے
یہی دل کی حسرت یہی آرزو ہے

www.abulhasanalinadwi.org

مرض بڑھتا گیا اور وہ کمزور ہوتے گئے، جب وہ شدید طور پر بیمار ہو گئے تو ان کے بھائی کو بلایا گیا کہ ان کو گھر لے جائیں، بھائی آئے اور لے جانے پر اصرار کیا، مولوی صاحب موصوف نے جب دیکھا کہ گھر جانا ہی پڑے گا تو خدمت میں عرض کیا کہ دو دن اور قدموں کے نیچے رہنے کی اجازت دی جائے، حضرت مولانا نے آپ کی بے تابی اور بے چینی دیکھی تو گھر جانے پر اصرار نہیں فرمایا، دو دن بھی پورے نہ ہوئے تھے کہ انکی آرزو پوری ہو گئی اور اپنے گھر جانے کے وقت موعود سے پہلے پہلے خدا کے گھر جانے کا وقت موعود آ گیا ؎

جان ہی دیدی جگرؔ نے آج پائے یار پر
عمر بھر کی بے قراری کو قرار آ ہی گیا

بریلی سے دیوبند بریلی میں دو سال گذرے تھے یعنی ۱۳۰۶ھ سے ۱۳۰۸ھ تک رہے تھے کہ دار العلوم دیوبند میں طلبی ہوئی اور آپ کے شیخ و مرشد حضرت گنگوہی نے آپ کے لئے دار العلوم میں قیام تجویز فرمایا اور آپ کو لکھا:-

"گو تنخواہ میں دس روپیہ کا تنزل ہے مگر تمہاری علمی ترقی کا لحاظ کر کے اس کو پسند کرتا ہوں۔" ؎

حضرت گنگوہی کے بلانے اور دیوبند کے قیام کو تجویز کرنے سے حضرت مولانا کو بہت خوشی ہوئی، آپ نے حافظ محمد جعفر خانصاحب کو دیوبند جانے کی اطلاع کی، حافظ صاحب کو آپ کے بریلی سے تشریف لے جانے سے بہت قلق ہوا اور انہوں نے روکنے کی بہت کوشش کی مگر آپ حضرت گنگوہی کے حکم کو ٹال نہیں سکتے تھے، ادھر حافظ صاحب بھی خاموش ہو گئے کہ حضرت گنگوہی کا یہ فیصلہ آخری فیصلہ ہے، حافظ صاحب نے حضرت مولانا سے

؎ تذکرۃ الخلیل ص۱۲۶

www.abulhasanalinadwi.org

یہ عرض کیا کہ اگر آپ کا جانا ضروری ہے تو اپنی جگہ کسی مستند عالم کو بٹھا کر تشریف لے جائیں، حضرت مولانا نے اس کو منظور فرمایا اور ایک صحیح العقیدہ مستند عالم مولوی سید محمد عمر صاحب ولایتی کو جو تلاش روزگار میں آئے ہوئے تھے اس جگہ مدرس بنا کر بریلی سے دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے لیکن زندگی بھر اس مدرسہ سے آپ نے تعلق رکھا اور گاہے گاہے تشریف لے جاتے رہے۔

دارالعلوم دیوبند کے مدرس دوم

حضرت گنگوہی کے حکم پر آپ دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے اور آپ کو مدرس دوم بنایا گیا، یہ وہ زمانہ تھا جب کہ دارالعلوم کے اکابر ایک ایک کرکے وفات پاگئے تھے، مدرسوں میں کئی دوسری جگہ منتقل ہو گئے تھے، ۱۲۹۷ھ میں مولانا محمد قاسم صاحب کا انتقال ہوا، ۱۳۰۲ھ میں حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی نے وصال کیا، مدرسہ کے شروع کے مہتمم مولانا محمد رفیع الدین صاحب نے مدینہ منورہ ہجرت کی، مولانا سید احمد صاحب دہلوی جو بڑے عالی استعداد اور فنّ ریاضی میں دستگاہ رکھتے تھے اور مولانا محمد یعقوب صاحب کے بعد مدرس اول تھے بھوپال تشریف لے گئے، ملا محمود نے داعی اجل کو لبّیک کہا تو حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب[1] جو

---

[1] حضرت مولانا محمود حسن صاحب مولانا ذوالفقار علی دیوبندی کے صاحبزادے تھے، بریلی میں ۱۲۶۸ء میں پیدا ہوئے، دارالعلوم دیوبند میں تعلیم حاصل کی، آپ سابقین اوّلین طلباء میں تھے، حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتوی، مولانا سید احمد دہلوی، حضرت مولانا محمد قاسم سے تلمذ تھا، ۱۲۸۶ھ میں فارغ التحصیل ہوئے اور اسی وقت سے معین المدرسین کے عہدہ پر مامور ہوئے، ۱۹ ذیقعدہ ۱۲۹۰ھ کو آپ کی دستار بندی ہوئی، ۱۲۹۳ھ میں مدرس چہارم اور پھر مدرس سوم پھر مدرس دوم اور ۱۳۰۵ھ میں مولانا سید احمد دہلوی کے جانے کے بعد صدر مدرس کے عہدہ جلیلہ پر فائز ہوئے، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کے خلیفہ اور مجاز تھے۔

(بقیہ حاشیہ ص۱۵۸ پر)

www.abulhasanalinadwi.org

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب کے شاگرد تھے صدر مدرس کے عہدہ پر سرفراز کئے گئے، اور مولانا عبد العلی صاحب کو مدرس دوم بنایا گیا۔ ۱۳۰۸ھ میں مولانا عبد العلی صاحب بھی دار العلوم چھوڑ کر چلے گئے۔ تو حضرت گنگوہی نے ان کی جگہ پر آپ کو بلا کر مدرس دوم کے عہدے پر سرفراز کیا، تیس روپئے مشاہرہ مقرر ہوا، ربیع الاول ۱۳۰۹ھ سے تنخواہ تینتیس ۳۳ ہوئی اور ۱۳۱۴ھ میں محرم سے پینتیس ۳۵ روپئے کر دی گئی، اور اسی سال اپنے شیخ و مربی حضرت گنگوہیؒ کے حکم پر مظاہر علوم میں صدر مدرس ہوئے۔

دار العلوم دیوبند کو ایک عرصہ کے بعد یہ فخر حاصل ہوا کہ دو صاحب استعداد عالم ایک دوسرے سے محبت کرنے والے، ایک جان دو قالب، ایک مرشد کے مسترشد اور اجازت یافتہ اکٹھے ہو گئے، یعنی حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن مدرس اول، اور حضرت مولانا خلیل احمد صاحب مدرس دوم ہوئے۔

آپ کا درس اور معمول آپ چونکہ مدرس دوم تھے اس لئے آپ کے ذمہ کتب حدیث کی تعلیم تھی، خصوصاً مسلم شریف آپ ہی پڑھاتے تھے، اسکے ساتھ توضیح تلویح اور ہدایہ اخیرین کے اسباق بھی آپ کے سپرد تھے، ادب کی کچھ کتابیں

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۵۵) صاحب فضل و کمال عابد و زاہد، ذہین و ذکی اور عالی استعداد تھے، متعدد بار حج کیا، ۱۲۹۴ھ میں کئی بزرگوں اور علماء کی جماعت کے ساتھ حج کو تشریف لے گئے، حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی م ۱۳۱۷ھ مولانا رحمت اللہ کیرانوی م ۱۳۰۸ھ، شاہ عبد الغنی محدث م ۱۲۹۶ھ سے استفادہ کیا، علم و عمل کے ساتھ تحریک آزادی سے گہری دلچسپی تھی، آزادی ملک کی خاطر بڑی تکلیفیں اٹھائیں، انگریزی استعمار کے خلاف جنگ کی اور ریشمی رومال کی تحریک چلائی، ۱۳۳۵ھ میں حجاز میں گرفتار ہوئے اور مالٹا میں اسیر کئے گئے، ۱۳۳۸ھ میں ہندوستان واپس ہوئے اور شیخ الہند کا خطاب دیا گیا، آخر عمر تک درس و تدریس، تصنیف و تالیف کا مشغلہ جاری رکھا، ۱۳۳۹ھ میں دہلی میں انتقال کیا اور دیوبند میں اپنے مربی استاذ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی کے پہلو میں سپرد خاک ہوئے، آپکے شاگرد کابل، قندھار، بخارا، چین، تبت اور عرب کے ملکوں میں پھیلے ہوئے ہیں۔

www.abulhasanalinadwi.org

بھی آپ کے ذمہ کی گئی تھیں، اور ان ساری کتابوں کو آپ بڑے اہتمام سے پڑھاتے تھے، طلباء کے ساتھ آپ کا معاملہ مربیانہ اور مشفقانہ تھا، آپ صرف مدرس نہ تھے بلکہ شفیق استاذ اور گویا محبت کرنے والے باپ بھی تھے، طلباء آپ کے علم کے ساتھ ساتھ آپ کے زہد و ورع، تعلق باللہ اور محبّت و شفقت سے متاثر ہوتے تھے، بڑے سے بڑے مخالف آدمی بھی آپ کے ان صفات سے منکر نہ تھے، مدّتوں کے بعد جب سے آپ نے درس و تدریس کا مشغلہ اختیار کیا اور ہندوستان کے دور دراز مقامات پر تعلیم دی، یہ پہلا موقع تھا کہ آپ کو اپنے گھر کا ماحول ملا، حضرت گنگوہی کی قربت اپنے خاص مادر علمی میں ملازمت اور محبّت کرنے والے اور ہم خیال ساتھیوں کی صحبت نے ساری پریشانیوں اور دوری و مہجوری کو فراموش کر دیا، آپ کو یہاں آکر جو اطمینان و سکون حاصل ہوا اور ذہن و دماغ اور دل کو جو راحت ملی وہ ابتک کہیں بھی نہیں ملی تھی اور اسی کی آپ کو ہمیشہ خواہش رہی اور اسی کے حصول کے لئے آپ نے دعائیں کیں اور کوشاں رہے۔

عموماً آپ کا معمول یہ رہتا دوپہر کو وقت مقررہ سے پہلے مدرسہ تشریف لاتے اور نودرہ میں طلباء کے ساتھ نماز باجماعت پڑھکر سبق شروع فرما دیتے، مدرسہ میں آنے اور تعلیم دینے میں ناغہ کرنا آپ جانتے ہی نہ تھے نہ خود کرتے اور نہ کسی کا کرنا پسند کرتے، اس میں کبھی بڑے سے بڑا عذر مانع نہ ہوتا اس طرح آپنے دارالعلوم دیوبند کی مدرسی کا پورا دور گذارا۔

شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی حلقۂ درس میں

حضرت مولانا کو دارالعلوم دیوبند آئے ہوئے ایک سال بھی نہ ہوا تھا کہ شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی بارہ سال کی عمر میں بغرض تعلیم دارالعلوم آئے اپنے اور گلستاں و میزان سے اپنی تعلیم شروع کی ان کے بھائیوں نے

www.abulhasanalinadwi.org

حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب سے عرض کیا کہ تبرکاً تعلیم شروع فرما دیں مگر انہوں نے حضرت مولانا سے فرمایا کہ وہ شروع کرائیں اور پھر آپ نے شروع کرایا، مولانا سید حسین احمد مدنی فرماتے ہیں :۔

" اوائل صفر ۱۳۰۹ھ میں، میں ...... دیو بند پہونچ گیا اور ہر دو بھائیوں کے زیر سایہ انہیں کے کمرہ میں حضرت شیخ الہند قدس اللہ سرہٗ العزیز کے مکان کے قریب رہنے لگا، یہ کمرہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی مسجد کے سامنے کوٹھی میں واقع تھا، یہاں پہونچنے کے بعد گلستاں اور میزان شروع کی، بڑے بھائی صاحب مرحوم نے حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ سے درخواست کی کہ آپ تبرکاً اس کو دونوں کتابیں شروع کرا دیں، مجمع میں حضرت مولانا خلیل احمد صاحب مرحوم اور دوسرے اکابر علماء موجود تھے حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا خلیل احمد صاحب سے فرمایا کہ آپ شروع کرا دیں چنانچہ انہوں نے ہر دو کتابوں کو شروع کرا دیا۔"[1]

اس کے بعد حضرت مولانا ۱۳۱۴ھ تک دیو بند میں رہے اور اس درمیان آپ نے حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی کو "تلخیص المفتاح" پڑھائی، اسی بنا پر حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی آپ کا ہمیشہ احترام کرتے اور آپ کی عقیدت میں ڈوبے ہوئے تھے۔

ایک شورش اور حضرت گنگوہی کا مکتوب

آپ جس زمانے میں دیو بند تشریف لے گئے وہ زمانہ حاجی عابد حسین صاحب دیو بندی کے اہتمام کا تھا جو اس مدرسہ کے بانیوں میں تھے، چند سال کے بعد ممبران کمیٹی کے اضافے میں اختلاف پیدا ہوا اور اس اختلاف نے فتنہ اور شورش پیدا کر دی اور اس شورش سے بعض اہل شہر نے مخالفت اور فتنہ انگیزی میں حصّہ لینا شروع کر دیا اور یہ فتنہ اتنا بڑھا کہ مدرسہ کا وجود خطرہ میں پڑ گیا، اس فتنہ اور شورش سے مدرسہ کے مخلصین پر بہت اثر پڑا، خصوصاً حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن

---

[1] نقش حیات اوّل صد ۴۴

www.abulhasanalinadwi.org

جو مدرسہ کے مدرس اول تھے اور حضرت مولانا جو مدرسہ کے مدرس دوم تھے، بہت زیادہ متفکر اور پریشان ہو گئے، ان کی کوشش تھی کہ وہ مدرسہ جو اخلاص سے قائم ہوا تھا وہ مخلصین کے بجائے غیر مخلص حضرات کے ہاتھوں میں نہ جائے اور جو موجودہ شکل بن رہی ہے یہ مدرسہ کے حق میں تباہ کن ہے، اس لئے ان دونوں نے اس بات کی کوشش کی کہ فتنہ پرور اشخاص کی سازشوں کے جال میں یہ مدرسہ نہ پڑے اس لئے مجبور ہو کر ان دونوں نے اپنے شیخ و مربی حضرت گنگوہی کو مدرسہ کے حالات من وعن تحریر کئے اس کا جو جواب حضرت گنگوہی نے عنایت فرمایا وہ ایک تاریخی حیثیت رکھتا ہے اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس مکتوب مبارک کو مکمل قارئین کے پیش نظر کیا جائے:-

"از بندہ رشید احمد عفی عنہ برادران مکرمان بندہ مولوی محمود حسن صاحب و مولوی خلیل احمد صاحب مدفیوضہما۔ بعد سلام مسنون مطالعہ فرمایند آپ دونوں کے چند خطوط پہونچے جس سے وہاں کا حال معلوم ہوتا رہا، آج مولوی خلیل احمد صاحب کا خط آیا جس سے پریشانی مدرسین کی دریافت ہوئی لہذا یہ تحریر ضرور ہوئی۔

میرے پیارے دوستو! تم کو کیوں اضطراب و پریشانی ہے تم تو ومن یتوکل علی اللہ فھو حسبہ، پر قانع رہو، مدرسہ سے فقط آپ کو اتنا تعلق ہے کہ درس دئے جاؤ۔ اگر مدرسہ بند حق تعالیٰ کرا دے گا تم اپنے گھر بیٹھ رہنا اگر مفتوح رہا درس میں مشغول رہنا جو تم سے درس کرانا اہل شہر کو منظور نہ ہوگا تو دوسرا باب مفتوح ہو جائے گا۔ تم کس واسطے پریشان ہوتے ہو خبر بھی مت ہو کہ کیا ہو رہا ہے اپنا کام کئے جاؤ تمہارے برابر تو کسی کے دست و پا ہیں چلتے تم کیوں بے دست و پا اپنے آپ کو لکھتے ہو جس کام کے تم ہو اس میں تکرار نہیں

www.abulhasanalinadwi.org

اب فقط نزاع یہی ہے کہ اہل شوریٰ کی زیادت ہو تمہارا کیا حرج ہے تم اپنا کام کرو، حاجی صاحب مصلحت کا کام کرتے ہیں وہ اپنی تدبیر میں رہیں خواہ کچھ ہو، ہماری تمہاری مرضی کے موافق ہو یا مخالف اور اہل شوریٰ خود سب اختیار حاجی صاحب کو دیکر مطمئن ہوگئے تو تم پر کیا بار ہے، پس تم جیسے لوگوں سے تردّد کا ہونا بے موقع ہے تم کسی امر میں لب کشا مت ہو کوئی پوچھے تو جواب دو کہ درس کے باب میں ہم سے پوچھو جو ہمارا کام ہے انتظام وغیرہ کو نہ ہم جانیں نہ ہم دخل دیں اور اندیشہ بدمعاشان کیوں کرو اس شعر حضرت شیخ المشائخ قدس سرہ، کو مدنظر رکھو

قصد ظالم بسوئے کشتن ما دل مظلوم ما بسوئے خدا
او دریں فکر تا بما چہ کند ما دریں فکر تا خدا چہ کند

اے عزیزان روز ازل مقدر ہو چکا ہے، ذرّہ ذرّہ جو واقع ہوگا مدرسہ کے امور میں بھی بس وہی ہوگا اور ہو کر رہے گا خواہ کوئی دفع کرے یا واقع کرے پھر تم کیوں سرگشتہ ہوتے ہو، ہرچہ از محبوب رسد شیریں بود، ہم کون ہیں بے اختیار محض ہیں، اگرچہ بظاہر مختار ہیں ہم پر جو گذرے گا وہ عین لطف ہوگا اور جو عالم میں صادر ہوگا وہ عین مصلحت ہوگا خواہ خرابی مدرسہ ہو یا بقا، خواہ عزت و نصب ہمارا تمہارا ہو خواہ ذلت و عزل تم یہ سب وقائع بازی گر کے سانگ سمجھ کر اپنی درس کے شغل میں بسر کرو، این و آں کو زید و عمرو پر چھوڑو ہر کس بخیال خویش خبطے دارد، نہ کوئی مفسد کچھ کر سکے نہ کوئی مصلح کر سکتا ہے سب فاعل مختار کرتا ہے وما تشاؤون الا ان یشاء اللہ ،

من از بیگانگاں ہرگز نہ نالم کہ با من آں چہ کرد آں آشنا کرد

وھو ارحم الراحمین ۔ بس تمام ہوا قصہ، وہاں کی خبر کا مشتاق ہوں، منتظر ہوں

www.abulhasanalinadwi.org

اپنے دوستوں کا دعا گو خیر طلب ہوں تم کو کوئی گزند نہیں مطمئن رہو، نہ مدرسہ کہیں جاوے، ہر شخص کو اپنے اپنے خیال پر نازاں جان کر کالائے بد بریش خاوند کرو اور دم بخود ہو کر می نوش و می نوش و چیزے مخروش، فقط سب عزیزوں کو بعد سلام مسنون یہ ہی مضمون جان بخش بعد سلام مسنون فرما دیویں، جو دوستان اہل تدبیر ہیں ان کا شکریہ ادا کرتا ہوں بعد سلام مسنون مضمون شکر و رضا ان سے کہہ دیویں اور جس کو چاہو سلام کہہ دینا، یہ وقت اور یہ خردش اہل فساد عین مصلحت ہے، اس کا جس قدر غلغلہ ہوگا اسی قدر مفید ہوگا، انجام خیر ہی خیر اور صائب و دائم رہے گا[1]"

رشید احمد

حضرت گنگوہی کا جب یہ مکتوب پہونچا تو ان دونوں حضرات کو ایسا سکون و اطمینان نصیب ہوا کہ جیسے کسی نے زخم پر مرہم رکھ دیا ہو اور یہ خط ہر چہ از محبوب رسد شیریں بود کا مصداق بن گیا اور یہ دونوں درس و تدریس کے کام میں ہمہ تن مشغول رہے اور اپنے شیخ و مرشد کے حکم پر انتظامی امور میں کسی امر سے مطلب نہیں رکھا۔

مدرسہ میں انتظامی تبدیلی

حضرت گنگوہی نے اپنے مکتوب کے آخر میں جو یہ فرمایا تھا "انجام خیر ہی خیر اور صائب و دائم رہیگا" اس کو اللہ نے سچ کر دکھایا اور تھوڑے ہی عرصہ میں وہ شورش جو اکابر مدرسہ کے اختلاف سے عوام کی شورش پھر فتنہ پروروں کے فتنہ تک پہونچ چکی تھی وہ پانی کا ایک بلبلہ ثابت ہوئی اور شعبان ۱۳۱۰ھ میں دارالعلوم کے مہتمم منشی فضل حق صاحب بنائے گئے اور ۱۳۱۱ھ کے آخر میں مولانا محمد منیر نانوتوی جو آپ کے مشفق استاذ

---

[1] تذکرۃ الخلیل ص۱۷۳ تا ۱۷۵

اور قریبی رشتے کے ماموں ، حضرت مولانا محمد منظہر صاحب نانوتوی کے چھوٹے بھائی تھے دارالعلوم دیوبند کے مہتمم بنائے گئے اور وہ ڈیڑھ سال مہتمم رہے۔

تبدیلی کی وجہ یہ پیش آئی کہ منشی فضل حق صاحب کے اہتمام کے دَور میں یہ فتنہ پورے شباب پر تھا اور یہ اس لئے اٹھا تھا کہ ارباب شوریٰ میں دیوبند کے ارباب و جاہت آنا چاہتے تھے اور منشی فضل حق صاحب کی آڑ میں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی سرپرست مدرسہ اور آپ کی وجہ سے شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب اور حضرت مولانا خلیل احمد صاحب کے خلاف ایک ہنگامہ برپا کر دیا گیا، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی نے عزم و ہمت سے کام لیا اور قلندرانہ شان دکھلائی اور باوجود اس خطرے کے کہ منشی فضل حق صاحب سے استعفیٰ لینے پر مدرسہ کے ٹوٹ جانے کا اندیشہ تھا، آپ نے منشی صاحب سے استعفیٰ طلب کیا، منشی صاحب نے استعفیٰ تو دیدیا مگر مخالفین نے حضرت گنگوہی کے خلاف خطوط لکھے، اشتہار چھپوائے اور سخت الفاظ استعمال کئے، مگر حضرت گنگوہی نے فرمایا کہ ان کی خاک اڑانے سے کچھ نہیں ہونے کا اور ان دونوں سے فرمایا، جب تک تمہارا تعلق ہے اسوقت تک تم اپنے فرض منصبی کو نہایت اطمینان سے پورا کرتے رہو اس میں غفلت نہ ہونے پائے۔

جب مخالفین عاجز آگئے تو انہوں نے گورنمنٹ کو یہ درخواست دی کہ یہ مدرسہ نہایت خراب اصول پر چل رہا ہے ان لوگوں کے خیالات بغاوت آمیز ہیں اسی واسطے مدرسہ میں ولایتی کثرت سے رکھے گئے اور ایک زمانہ میں مولوی رشید احمد نے تھانہ بھون کی بغاوت میں شرکت کی تھی، یہ ہمیشہ کے باغی ہیں ان کی مسل نکالی جاوے بہتر تو یہ ہے کہ اس مدرسہ کو گورنمنٹ اپنے ہاتھوں میں لے لے اور اگر یہ منظور نہ ہو تو حاجی محمد عابد اس کے سرپرست مقرر کئے جائیں جن کو جشن جبلی میں شمس العلماء کا خطاب دیا گیا ہے۔

www.abulhasanalinadwi.org

اس اشتہار اور تحریر کے بعد حضرت گنگوہی کے بہی خواہوں میں اور تشویش پیدا ہوئی انہوں نے حضرت سے عرض کیا، حضرت نے ان کو تشفی دی اور فرمایا ان کے کرنے سے کچھ نہ ہوگا جب خدا نے اس وقت ہم کو محفوظ رکھا تو اب بھی محفوظ رکھے گا۔[1]

تحریک ندوۃ العلماء کی تائید اور اسکے پہلے جلسے میں شرکت

سنہ ۱۳۱۰ھ مطابق سنہ ۱۸۹۲ء میں کانپور کے مدرسہ فیض عام میں دستار بندی کا ایک جلسہ ہوا، اس جلسہ میں ہندوستان کی متقدر ہستیاں اور علماء کرام جمع ہوئے، علماء کے اس اجتماع کو غنیمت سمجھا گیا، اور مولانا سید محمد علی مونگیری[2] نے ایک مجلس منعقد کی اور اس میں ندوۃ العلماء کی تحریک کا تخیّل پیش کیا جس کے دو بنیادی مقاصد تھے، رفع نزاع باہمی (علماء کا باہمی نزاع خصوصیت کے ساتھ اور عام مسلمانوں کا عمومیت کے ساتھ) اور اصلاح طریقۂ تعلیم۔

مولانا سید محمد علی مونگیری کی منعقد کی ہوئی اس مجلس میں جو خاص اسی مقصد سے منعقد کی گئی تھی حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری، حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی، شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب دیوبندی، حضرت مولانا احمد حسن صاحب کانپوری، مولانا فخر الحسن صاحب گنگوہی، مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری،

---

[1] ماخوذ از "دہلی اور اس کے اطراف" مرتبہ مولانا سید عبدالحی صاحب، یہ روایت مولانا سید عبدالحی صاحب نے اپنے سفر دیوبند سنہ ۱۳۱۲ھ کے درمیان حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن سے سُنکر حتی الوسع انکے الفاظ میں نقل کی ہے۔

[2] مولانا محمد علی کانپور میں پیدا ہوئے، مفتی عنایت احمد کاکوروی اور مفتی لطف اللہ علی گڑھی سے علم حاصل کیا۔ فیض عام میں مدرس ہوئے پھر سہارنپور جا کر مولانا احمد علی محدث سے حدیث پڑھی، مولانا فضل رحمٰن گنج مرادآبادی سے علم سلوک حاصل کیا اور مجاز ہوئے، مونگیر میں مدت تک قیام کیا اور آپ کی طرف رجوع عام ہوا، قادیانیوں، عیسائیوں سے مناظرہ میں یدطولیٰ رکھتے تھے سنہ ۱۳۱۰ھ میں ندوۃ العلماء کی بنیاد رکھی اور اسکے پہلے ناظم مقرر ہوئے۔

www.abulhasanalinadwi.org

شاہ سلیمان صاحب پھلواروی، مولانا لطف اللہ صاحب علی گڑھی اور مولانا سید ظہور الاسلام صاحب فتحپوری اور مولانا سید محمد علی صاحب مونگیری موجود تھے اور ان کے علاوہ اور دوسرے علماء نے بھی شرکت کی، چونکہ اس تحریک کی اساس خالص دینی تھی اور اس میں طبقۂ علماء کو مرکزی مقام دیا گیا تھا اور اس کا اولین بنیادی مقصد رفع نزاع باہمی تھا جس کا تعلق سب سے پہلے علماء کے مذہبی وفقہی نزاعات و اختلافات سے تھا جو حکومت اسلامیہ کے زوال ہی سے شروع ہو گئے تھے اور نوبت مجادلے سے بڑھ کر مقاتلے تک پہونچ گئی تھی اور پھر تکفیر و تفسیق کا بازار گرم ہو گیا تھا اور سارا ہندوستان اسکی وجہ سے ایک مذہبی دنگل کا میدان بن گیا تھا، یہ صورت حال ایسی تھی جو خود حضرت مولانا کے حساس دل پر چوٹ لگا رہی تھی، آپ جب دستار بندی کے جلسے میں تشریف لائے اور ندوۃ العلماء کے اس تخیل کو سُنا اور دیکھا تو اس تحریک کی آپ نے تائید فرمائی اور دوسرے علماء اور مشائخ کی تائید اور تصویب میں پوری شرکت فرمائی، علماء کے اس اجتماع نے یہ طے کیا کہ کوئی ایسا مرکزی ادارہ بنایا جائے جس میں ہر خیال کے علماء مل بیٹھیں اور اگلے سال کسی جگہ اس مقصد کے لئے ایک جلسہ ہو اور متعین راہ طے کی جائے۔ ۱۳۱۱ھ میں اسی مدرسہ فیض عام میں اس مقصد کے لئے دوسرا جلسہ ہوا جس میں حضرت مولانا اور دوسرے علماء دیوبند شریک نہ ہو سکے، مگر مختلف مکتب خیال کے علماء کا ایک اجتماع ہوا، اس اجتماع میں ندوۃ العلماء[1] کی تشکیل ہوئی۔

آپ کے زمانۂ درس کے ارباب شوریٰ طلباء اور اساتذہ | مولانا سید عبدالحی صاحب سابق ناظم

---

[1] ندوۃ العلماء کے تخیل کو عملی جامہ پہنانے کے لئے ۱۳۱۵ھ میں دار العلوم کے نام سے ایک درسگاہ لکھنؤ میں قائم کی گئی، ندوۃ العلماء اور دار العلوم کے تفصیلی حالات جاننے کے لئے "تاریخ ندوۃ العلماء" اور "روداد چمن" ملاحظہ کیجئے۔

www.abulhasanalinadwi.org

ندوۃ العلماء نے ۱۳۱۲ھ میں دہلی، سہارنپور، دیوبند، گنگوہ، منگلور اور انبہٹہ اور دوسرے علمی مراکز اور تاریخی مقامات کا سفر کیا تھا، اس سلسلے میں آپ دیوبند بھی گئے تھے، یہ زمانہ مولانا محمد منیر صاحب نانوتوی کے اہتمام، حضرت گنگوہی کی سرپرستی اور حضرت مولانا محمود حسن صاحب اور حضرت مولانا خلیل احمد صاحب کی مدرسی کا تھا، مولانا موصوف نے دیوبند اور اس کی شخصیات، دارالعلوم، اس کے طلباء اور اساتذہ، تعلیم و تدریس، ارباب شوریٰ اور اس کی ہنگامہ آرائی کا حال اور تفصیل لکھی ہے، میں ان کے سفر نامہ سے چند اقتباسات پیش خدمت کرتا ہوں:۔

"جمعہ کی نماز کے واسطے جامع مسجد آئے، مولوی خلیل احمد صاحب انبہٹوی مدرس دوم مدرسہ عربیہ نے نماز پڑھائی، اس کے بعد مولوی محمد زکریا صاحب نے وعظ فرمایا، یہ مولوی عبدالخالق صاحب کے بڑے صاحبزادے ہیں، اور مولوی عبدالخالق صاحب مولوی شمس الدین مصنف "شریعت کا لٹھ" کے خلف الصدق ہیں"۔[1]

مدرسہ کے متعلق رقم طراز ہیں:۔

"مدرسہ گئے امتحان ہو رہا تھا پرچے تقسیم کر دئے گئے تھے، طلباء جواب لکھ رہے تھے، سب طلباء الگ الگ بٹھائے گئے تھے، چار دن سے امتحا ہو رہا تھا کم سے کم دس بارہ دن تک ہوگا، تقریباً تین سو طلباء مدرسہ میں ہیں، اکثر مدرسہ کے مکانوں میں رہتے ہیں اور بعض مسجدوں میں۔ ان میں دو سو سے زیادہ باہر کے ہیں، اور ڈیڑھ سو ان میں وہ ہیں جن کے خورد و نوش کا مدرسہ متکفل ہے"۔[2]

مدرسین کی تعداد اور ان کی استعداد کے متعلق رقم طراز ہیں:۔

"اس مدرسہ میں سات مدرس عربی کے ہیں جن کو تنخواہ ملتی ہے اور

---

[1] سفرنامہ دہلی اور اس کے اطراف ص۔ [2] ایضاً ص۔

www.abulhasanalinadwi.org

ایک مدرس بلا تنخواہ بطور اعانت کے پڑھاتے ہیں، مدرسین عربی میں سے مدرس اول مولانا محمود حسن صاحب ہیں، یہ بزرگ مولوی ذوالفقار علی صاحب ادیب مشہور کے صاحبزادے ہیں، اور مولانا محمد قاسم صاحب مرحوم کے عمدہ شاگردوں میں ہیں، ان کی استعداد ہر فن میں خصوصًا دینیات میں اعلیٰ درجہ کی ہے۔ سب طالب العلم ان کی تعریف کرتے ہیں، دوسرے مولوی خلیل احمد صاحب ہیں جو مدرس دوم ہیں، یہ مولانا مملوک العلی صاحب کے نواسے اور مولانا محمد یعقوب صاحب کے بھانجے ہیں، یہ فاضل مستعد ہیں، تیسرے مولوی غلام رسول ہیں، یہ ولایتی ہیں، عقلیات میں ان کی استعداد بہت اچھی ہے اور اکثر فلسفہ بھی پڑھاتے ہیں، چوتھے مولوی حافظ احمد صاحب مولانا محمد قاسم صاحب کے صاحبزادے ہیں، پانچویں مولوی عزیز الرحمٰن صاحب ہیں، یہ مفتی مدرسہ ہیں، کار افتاء انہیں کے متعلق ہے: اسی طور پر اور مدرس ہیں دو مدرس فارسی کے اور دو قرآن مجید کے[1]۔"

مدرسہ کے مہتمم اور ارباب شوریٰ | مہتمم اور ارباب شوریٰ کے متعلق وہ لکھتے ہیں:-

"ارباب شوریٰ آٹھ اشخاص ہیں (۱) حضرت مولانا رشید احمد صاحب سرپرست مدرسہ (۲) جناب حاجی محمد عابد صاحب (۳) جناب مولوی ذوالفقار علی صاحب (۴) جناب مولوی احسن صاحب نانوتوی (۵) جناب حکیم ضیاء الدین صاحب رامپوری (۶) حاجی ظہور الدین صاحب دیوبندی (۷) حاجی منشی فضل حق صاحب (۸) جناب مولوی فضل الرحمٰن صاحب دیوبندی۔"

امتحان | امتحان کے متعلق مولانا لکھتے ہیں کہ:-

---

[1] سفرنامہ دہلی وراس کے اطراف ص ۱۰۴۔

www.abulhasanalinadwi.org

"بس ایسے وقت پہونچا کہ امتحان ہو رہا تھا، تدریس کا لطف حاصل نہیں کرسکا لیکن حال امتحان کے پرچوں کے دیکھنے سے معلوم ہوا کہ طالب علم اچھے مستعد ہیں مدرسہ کو دیکھ کر میں دیر تک کتب خانہ میں بیٹھا رہا ہمیں امتحان کے پرچے جانچے جاتے تھے، مولوی محمود حسن صاحب و مولوی خلیل احمد صاحب جانچ رہے تھے[1]"

انتظام وانصرام

انتظام و انصرام کے متعلق مولانا سید عبدالحی صاحب لکھتے ہیں:۔

"دفتر بہت صاف ہے، کتب خانہ نہایت آراستہ ہے، کتب خانہ میں تقریباً چھ ہزار جلدیں ہیں اکثر مطبوعہ کتابیں ہیں اور اکثر کتابوں کے نسخے بہت زائد ہیں، مثلاً بخاری شریف کے نسخے ۳۰ سے زائد ہیں[2]"

حافظ احمد صاحب کا اہتمام مدرسہ اور حضرت مولانا کی کوشش

۱۳۱۴ھ میں مدرسہ دیوبند کا اہتمام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے حافظ احمد صاحب کے سپرد ہوا۔ اس سلسلے میں حضرت مولانا کی کوششوں اور کاوشوں کا بڑا دخل ہے، آپ نے مولانا محمد منیر صاحب کے اہتمام کے بعد حافظ صاحب کو مہتمم بنائے جانے کی حضرت گنگوہی کی خدمت میں درخواست کی اور اس کام کی انجام دہی تک کوشاں رہے۔

مولانا سید اصغر حسین صاحب دیوبندی اس سلسلے میں فرماتے ہیں:۔

"ایک مرتبہ مدینہ منورہ میں بزمانہ اخیر حضرت نے مہتمم صاحب مرحوم (حضرت حافظ صاحب) کے اخلاص و محبت کے ذکر میں نہایت وثوق کے ساتھ فرمایا کہ حافظ احمد صاحب کے اہتمام کے متعلق حضرت مولانا گنگوہی کی خدمت میں سب سے اول میں نے تحریک کی تھی، اس وقت تک کسی کو خیال بھی نہ تھا، اور فرمایا تحریک کرکے ہی

---

[1] سفرنامہ دہلی اور اسکے اطراف ص۱۰۶ [2] ایضاً ص۱۰۵

www.abulhasanalinadwi.org

نہیں چھوڑی بلکہ حسب موقع یاد دہانی اور تائید بھی کرتا رہا۔ احقر نے عرض کیا کہ
"یہ حضرت کی بصیرت تھی کہ عمدہ انتخاب فرمایا جس سے دارالعلوم کو اتنی ترقی ہوئی"[1]
یہ عجیب بات ہے کہ حضرت مولانا جس وقت حافظ احمد صاحب کے مہتمم ہونے کے سلسلے میں حضرت گنگوہی سے عرض کر رہے تھے اور اس کی تحریک کرنے والوں کی صف اوّل میں تھے، کچھ ایسے لوگ بھی تھے جو آپ کی شکایت حضرت گنگوہی کی خدمت میں کرتے تھے بلکہ خود حضرت مولانا سے یہ کہا کرتے تھے:۔

"آپ سعی تو کر رہے ہیں مگر حافظ احمد صاحب کے مہتمم ہو جانے کے بعد آپ مدرسہ میں نہیں رہ سکتے کہ وہ آپ کو اس نگاہ سے نہیں دیکھتے جس نگاہ سے ان کے باپ نے آپ کے ماموں (مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی) کو دیکھا"[2]

اس بات پر آپ کے لبوں پر مسکراہٹ آگئی اور پورے اعتماد و یقین کے ساتھ جواب دیا۔

"میں رہوں یا نہ رہوں مدرسہ ترقی و عروج کے زینے پر چڑھتا رہے کہ میرے لئے دوسرا دروازہ مفتوح ہو جائے گا یہ نہیں ہو سکتا کہ اپنی تنخواہ کی خاطر مدرسہ کی ترقی کا خیال چھوڑ دوں[3]"

آپ کے اسی مسکت جواب نے اعتراض کرنے والوں اور شکایت پہونچانے والوں کی زبانوں کو بند کر دیا اور آپ کی یہ تحریک مدرسہ کے حق میں اتنی مفید اور کامیاب ہوئی کہ مدرسہ حضرت حافظ احمد صاحب کے مہتمم ہونے کے بعد ترقی کرتا رہا حضرت حافظ صاحب اس مدرسہ کے مہتمم ۱۳۱۴ھ سے ۱۳۴۷ھ تک پورے ۳۳ سال رہے اور مدرسہ ترقی کے منازل طے کرتا رہا۔

---

[1] تذکرۃ الخلیل ص۱۲۶ ، [2] ایضاً ص۱۲۷ ، [3] ایضاً ص۱۲۷

www.abulhasanalinadwi.org

چھٹا باب

مدرسہ مظاہر العلوم کی صدر مدرسی سے

سرپرستی تک

آغشتہ ایم بر سرِ خارے بخونِ دل
قانونِ باغبانیِ صحرا نوشتہ ایم

www.abulhasanalinadwi.org

باب الحج

www.abulhasanalinadwi.org

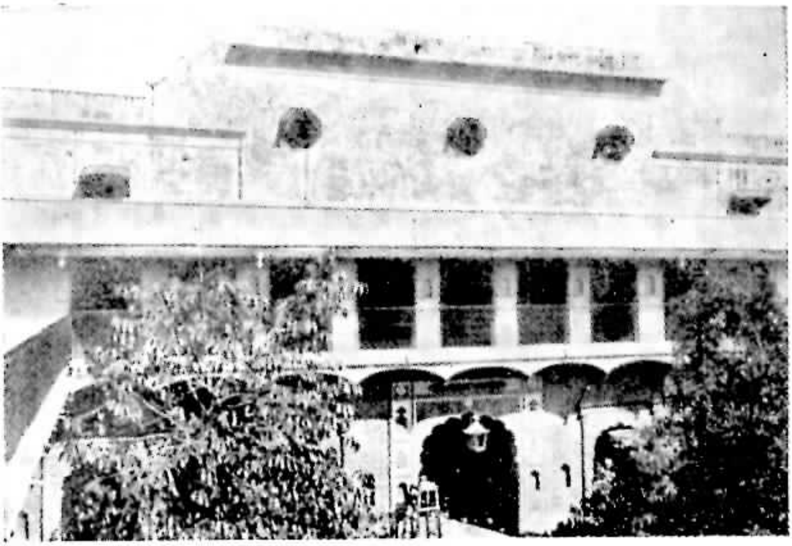

دار الطلبہ جدید و دار الحدیث مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور

کتب خانہ مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور

www.abulhasanalinadwi.org

درسگاہِ قدیم و حجرۂ قیام گاہِ حضرت رحمہ اللہ

www.abulhasanalinadwi.org

چھٹا باب

مدرسہ مظاہر العلوم کی صدر مدرسی سے سرپرستی تک

مدرسہ مظاہر علوم میں ابتدا سے ہی مشہور علماء درس و تدریس کے فرائض انجام دیتے رہے تھے اور مخلص حضرات اس کی تنظیمی ذمہ داریوں کو سنبھالے ہوئے تھے لیکن رفتہ رفتہ علماء و مدرسین اور ذمہ داروں کا سایہ اٹھتا رہا۔ مدرسوں کی آمد و رفت اور انتقال اراکین انتظامیہ کے تغیر و تبدل اور وفات کی وجہ سے مدرسہ میں کوئی ایسی وقیع شخصیت باقی نہیں رہی جو مدرسہ کی روح رواں ہو یا جس پر ہر ایک کو اعتماد ہو۔ ڈپٹی نجف علی صاحب بھی جو مدرسہ کی ہر طرح کی اعانت کرتے تھے، ۱۳۱۲ھ میں اپنے رب سے جا ملے اور مدرسہ میں کوئی اہم شخصیت باقی نہ رہ سکی۔

حضرت گنگوہی کی سرپرستیٔ مدرسہ

اس قحط الرجال کے دور میں اس مدرسہ کی بقا کے لئے یہ ضروری ہوگیا کہ اس کی سرپرستی ایک ایسے مرد باخدا متبع شریعت اور صاحب یقین و ایمان شیخ وقت کے سپرد ہو جس کے سایۂ عاطفت میں مدرسہ کو وقعت و عزت کا مقام حاصل ہو اور اس کا تعلیمی نظام درست ہو۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مدظلہ العالی تحریر فرماتے ہیں:۔

"ڈپٹی صاحب کے حادثۂ انتقال کے بعد عامۃ القلوب اس طرف متوجہ

ہوئے کہ مدرسہ کی خاص طور سے خبرگیری اور اعانت کی جائے، اسی ذیل میں اس طرف بھی توجہ ہوئی کہ مدرسہ کی تربیت عرصہ سے کسی اہل اللہ کے زیر سایہ نہیں ہے جس کی وجہ سے مدرسہ کی روحانی ترقی مسدود ہے، اس بنا پر مرجع الکل قطب الارشاد مجدد العصر حضرت اقدس مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی نور اللہ مرقدہٗ کی ذات ستودہ صفات کی طرف دست التجا بڑھا اور حضرت کی خدمت میں سرپرستی قبول کرنے کی درخواست ممبران کی طرف سے پیش ہوئی، حضرت نور اللہ مرقدہٗ نے اس درخواست کو شرف قبولیت بخشا[1]۔"

حضرت گنگوہی نے ۹ ربیع الثانی ۱۳۱۴ھ کو سرپرستی قبول فرمائی اور مدرسہ مظاہر علوم ایک شیخ وقت اور مرشد کامل کی زیر سرپرستی آگیا اور خیر و برکت کے مبارک دور میں داخل ہوگیا۔

حضرت مولانا صدر مدرسی کے عہدہ پر

حضرت گنگوہی کے سرپرست ہونے کے بعد مدرسہ مظاہر علوم میں ایک صدر مدرس کی اہمیت بڑھ گئی اور کسی بڑے عالم کی تلاش ہوئی مگر اس میں کامیابی نہ ہوسکی۔ آخرکار اہل تعلق کی نگاہ حضرت مولانا پر گئی جو دارالعلوم دیوبند میں مدرس دوم تھے اور پھر حضرت گنگوہی کی خدمت میں اپنی ضرورت اور حضرت مولانا کا انتخاب رکھا۔ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مدظلہٗ تحریر فرماتے ہیں

"قطب الارشاد گنگوہی کی خدمت میں ایک صدر مدرس کی ضرورت کا اظہار کیا گیا، صدر مدرسی کا عہدہ نہ اس قابل کہ ہر شخص کو اس پر مامور کیا جاسکے اور نہ کوئی آدمی اس کے مناسب نار سکا، چند ماہ تلاش کے بعد اہل شہر کی رائے ہوئی کہ حضرت اقدس مولانا الحاج خلیل احمد صاحب مدرس دوم مدرسہ عالیہ دیوبند

---

[1] [illegible]

کو اس عہدہ کے لئے منتخب کیا جائے کہ حضرت اقدس آفتاب ہند حضرت مولانا مملوک علی صاحب کے نواسہ ہونے کے علاوہ حضرت مولانا محمد مظہر صاحب کے ارشد تلامذہ میں سے ہیں، اس وجہ سے اور نیز مظاہر علوم ہی کے فارغ التحصیل ہونے کی وجہ سے آپ کی صدارت مدرسہ کے لئے بہت زیادہ نافع ہوگی، اس بنا پر حضرت اقدس گنگوہی نور اللہ مرقدہٗ کی خدمت میں یہ درخواست کی گئی کہ چونکہ جناب دونوں مدرسوں کے سرپرست ہونے کے ساتھ ساتھ اس گروہ کے مربی بھی ہیں، اسلئے جناب کے امر پر حضرت اقدس (مولانا خلیل احمد صاحب) کو بھی انکار نہ ہوگا۔"[1]

اہل شہر کی اس درخواست کو حضرت گنگوہی نے بہت خوشی کے ساتھ قبول فرمایا اور حضرت مولانا کو اس سلسلے میں ایک مکتوب لکھا جسمیں یہ تحریر فرمایا :-

"مدرسہ سہارنپور کی سرپرستی میرے ذمہ کی گئی اور باجبوری اس امر خیر کو گوارا کرنا پڑا، چونکہ ہر طرح اس مدرسہ کی نگرانی میرے ذمہ ہوگئی اسوقت اسکی بہبودی اس ہی امر کو مقتضی ہے کہ آپ فوراً مدرسہ دینیہ سہارنپور کی مدرسی اعلیٰ قبول کرکے فوراً وہاں سے تشریف لے جائیں اہل دیوبند کو آپ کی مفارقت اگرچہ گوارا نہیں مگر بمقتضائے وقت یہی ضروری ہے، لہٰذا آپ اس کی تعمیل میں توقف نہ کریں۔"

(از گنگوہ مرلئے، سہ شنبہ ۳ جمادی الثانی ۱۳۱۴ھ)[2]

حضرت گنگوہی کے حکم پر آپ ۵ جمادی الثانی ۱۳۱۴ھ کو دیوبند سے سہارنپور تشریف لے آئے اور اپنے استاذ حضرت مولانا محمد مظہر صاحب نانوتوی م ۱۳۰۲ھ کی مسند درس کو رونق بخشی، آپ کی تنخواہ ۴۰ روپیے مقرر ہوئی، اسوقت مدرسہ مظاہر علوم میں مولانا عنایت الٰہی صاحب مہتمم تھے اور مولانا ثابت علی اور مولانا محمد اجکم مدرس تھے۔

---

[1] تاریخ مظاہر اول ص۳۰۲، [2] ایضاً ص۳۰۳

www.abulhasanalinadwi.org

مدرسہ مظاہر علوم ایک بابرکت دور میں

حضرت گنگوہی کی سرپرستی کے بعد ہی حضرت مولانا کی صدر مدرسی نے مدرسہ مظاہر علوم کے لیے ترقی کا دروازہ کھول دیا اور مختلف حیثیتوں سے اس مدرسہ نے امتیاز و شرف حاصل کرلیا، طلبہ کی تعداد بھی بڑھی اور اہل علم و فضل کا رجوع بھی بڑھا۔ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مدظلہ تحریر فرماتے ہیں:۔

یہ سال مدرسۃ العلیہ مظاہر علوم کے لئے باب ترقی مفتوح ہونے کا مبارک سال تھا، اس سال باوجودیکہ قحط عامہ نے تمام عالم کو اس قدر گھیر رکھا تھا کہ اگر انفاس قدسیہ کی برکت نہ ہوتی تو شاید مدرسہ اس قحط کا تحمل نہ کرسکتا لیکن اسی سال کے شروع میں حضرت قطب الارشاد و مجدد عصر محدث گنگوہی نور اللہ مرقدہٗ کی سرپرستی تھی کہ پہلے ہی سال میں ہر نوع کی ترقی محسوس ہوتی تھی، اور سب سے جلی برکت حضرت اقدس راس الفقہاء و المحدثین مولانا خلیل احمد صاحب نور اللہ مرقدہٗ کی تشریف آوری کی تھی۔[1]

مدرسہ کا سالانہ جلسہ اور آپ کی رپورٹ

آپ کے تشریف لانے اور صدر مدرس ہونے کے چوبیس (۲۴) دن کے بعد انتیس (۲۹) جمادی الثانی ۱۳۱۴ھ کو مدرسہ مظاہر علوم کا سالانہ جلسہ ہوا اور بارہ سال کے بعد یہ جلسہ دو بزرگ ہستیوں کے سایۂ عاطفت میں ہوا، ایک حضرت گنگوہی کی ذات گرامی تھی جو اسی سال اس مدرسہ کے سرپرست ہوئے تھے دوسری شخصیت آپ کی تھی جو بحیثیت صدر مدرس کے اس مدرسہ کے اکابر میں شمار کی گئی۔

اس سالانہ جلسہ میں دارالعلوم دیوبند کے علماء، شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب مدرس اول دارالعلوم دیوبند، ان کے والد ماجد مولانا ذوالفقار علی صاحب، مولانا

---

[1] تاریخ مظاہر اول ص۷۱

شبیر احمد صاحب عثمانی کے والد ماجد مولانا فضل الرحمٰن صاحب شریک ہوئے، یہ جلسہ بڑا کامیاب رہا، اس جلسہ میں نواب محسن الملک مولوی سید مہدی علی خانصاحب نے بھی شرکت کی اور ان کی خدمت میں سپاس نامہ بھی پیش کیا گیا۔

یہ جلسہ مدرسہ مظاہر العلوم کا وہ پہلا جلسہ تھا جس میں حضرت مولانا نے بحیثیت مدرس اول ایک مفصل اور جامع رپورٹ پیش کی، جس میں مدرسہ کی تاریخ، کارنامے ترقیاں، ضروریات تفصیل سے بیان کیں، سب سے پہلے حاضرین کا شکریہ، اللہ کے فضل و کرم کا اظہار، پھر دعا، اس کے بعد مدرسہ کی ابتدا، اس کے نشو و نما اور حالات و کیفیات کا ذکر کیا۔

حضرت مولانا سعادت علی صاحب بانیِ مدرسہ کا ذکر ان الفاظ میں کرتے ہیں:۔

"منجملہ ان بزرگواروں کے جنھوں نے اس جہل کی تاریکی میں علم کے چراغ روشن کرنے کا بیڑا اٹھایا، حضرت مولانا مولوی سعادت علی صاحب فقیہہ سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کی بزرگی اور ان کے تقدس کے ثبوت کے لئے علاوہ ان کے علمی و عملی فضل و کمال کے اس وقت صرف اسی قدر عرض کرنا کافی ہے کہ مولانا مرحوم حضرت شیخ المشائخ مرشد عالم مجدد دین جناب سید احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی جماعت کے خواص میں تھے مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے اس مدرسہ کی بنیاد ڈالی اور مولانا مولوی سید سعادت علی صاحب انبہٹوی کو بوجہ قلت سرمایہ تھوڑی سی تنخواہ پر اپنے محلے کی مسجد میں تدریس کے مسند پر بٹھلا دیا اور خود فراہمی وسائل کی ترقی میں سرگرم ہوئے[1]"

---

[1] تاریخ مظاہر اؔ۔ ار ص ۴۸

www.abulhasanalinadwi.org

آگے قاضی فضل الرحمٰن صاحب، حضرت مولانا محمد مظہر صاحب م ۱۳۰۲ھ، مولانا احمد علی صاحب محدث م ۱۲۹۷ھ، مولانا فیض الحسن صاحب م ۱۳۰۴ھ، ڈپٹی نجف علی صاحب م ۱۳۱۳ھ کا ذکر کرنے کے بعد حضرت گنگوہی کا ان الفاظ میں ذکر کرتے ہیں:-

"اگرچہ اس مدرسہ کے سرپر سے ایسی مقدس روحوں کا اٹھ جانا ظاہراً اس کو چاہتا تھا کہ یہ مدرسہ بے چراغ ہو جائے لیکن حق سبحانہٗ کے فضل وکرم کے قربان جائیے کہ اس نے باوجود ایسے بڑے حوادث کے مدرسہ کو محفوظ رکھا۔

اے خدا قربانِ احسانت شوم

ایں چہ احسان است قربانت شوم

اگرچہ معنیً تمام مدارس عربیہ دینیہ کے حضرت پیشوائے شریعت، مقتدائے طریقت مخدوم العالم مولانا مولوی رشید احمد صاحب مد اللہ ظلال برکاتہم مربی وسرپرست تصور کئے جاتے ہیں جن کے انفاس قدسیہ کے ہی برکات کا یہ نتیجہ ہے کہ یہ مدارس باوجود اس قسم کے تغیرات اور حوادث کے اپنے فیض کے سرچشموں سے عالم کو فیض پہونچا رہے ہیں لیکن اہل مشورہ مدرسہ ہٰذا نے ظاہر طور پر بھی یہ چاہا کہ حضرت مولانا مخدوم سلمہ اللہ تعالیٰ مدرسہ کی سرپرستی قبول فرمائیں اور مثل مدرسہ عربی دیوبند جملہ تغیرات عزل ونصب کو حضرت مخدوم سلمہٗ کی رائے پر منحصر کر دیا جائے اور حضرت سلمہٗ سے بالحاح اس کی التجا و استدعا کی، مولانا نے ان صاحبوں کی استدعا کو لطیب خاطر .... قبول فرمایا، لہٰذا اب یہ مدرسہ مثل مدرسہ دیوبند بالکل مولانا سلمہٗ کی رائے مبارک کا تابع ہے حق جل وعلا شانہٗ مولانا کو ہمیشہ ہمارے سر پر سایہ فگن اور عالم کو آپ کے فیوض ظاہری وباطنی سے بہرہ اندوز رکھے۔ آمین ثم

www.abulhasanalinadwi.org

آمین یا رب العالمین[1]

اس کے بعد حضرت مولانا نے مدرسہ کا تعلیمی وانتظامی خاکہ پیش کیا جسمیں مدرسوں کی تعداد، ان کی تنخواہوں کی مقدار، طلباء، کتب خانہ، اور مدرسہ کی جملہ ضروریات کا ذکر کیا، جلسہ میں جو سپاس نامہ نواب محسن الملک کو پیش کیا گیا تھا وہ مولانا ذوالفقار علی صاحب نے پیش کیا تھا سپاس نامہ اور رپورٹ کے بعد مولانا حبیب الرحمن صاحب نے پھر حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب نے ولولہ انگیز اور موثر وعظ فرمایا۔

مولانا کے اسباق اور طلباء کی تعداد

۱۳۱۴ھ میں جب آپ مظاہر علوم میں صدر مدرس بن کر تشریف لائے تو طلباء کی تعداد ایک سو سینتالیس (۱۴۷) تھی، عربی درجات میں چھپن (۵۶) اور دورہ حدیث سے فارغ ہونیوالے طلباء سات (۷) کی تعداد میں تھے اور دوسرے سال ۱۳۱۵ھ میں طلباء کی تعداد ایک سو اٹھائیس (۱۲۸) تھی، عربی کے باون (۵۲) اور دورۂ حدیث سے فارغ ہونے والے آٹھ (۸) ۱۳۱۶ھ میں طلباء کی تعداد ایک سو اسی (۱۸۰) عربی کے ستر (۷۰)، دورے سے فارغ ہونے والے طلباء پانچ تھے، اساتذہ اور دوسرے ملازمین کی تعداد چودہ (۱۴) تھی، ۱۳۱۷ھ میں طلباء دو سو تیرہ تک پہونچ گئے، عربی کے طلباء ستر (۷۰) سے بڑھکر چھیاسی (۸۶) تک پہونچے، دورے سے فارغ ہونے والے طلباء چھ (۶) تھے۔

اسی طرح حضرت مولانا کو ۱۳۱۴ھ میں جو اسباق ملے وہ حسب ذیل ہیں:۔

(۱) توضیح تلویح ۵۲ صفحات (۲) حماسہ ۳۲ صفحات (۳) رشیدیہ تمام۔ (۴) شرح وقایہ ربع ثانی تمام (۵) شرح نخبۃ الفکر تمام (۶) موطأ امام محمد (۷) سراجی تمام۔

---

[1] تاریخ مظاہر اول ص۹۶

www.abulhasanalinadwi.org

۱۳۱۵ھ میں آپ کو ان کتابوں کے ساتھ ساتھ حدیث کی کتابیں بھی پڑھانے کو ملیں جو کتابیں آپ نے پڑھائیں، وہ حسب ذیل ہیں:۔

(۱) بخاری شریف تمام (۲) ابوداؤد شریف تمام (۳) ترمذی شریف تمام، (۴) مسلم شریف ۳۰ صفحات (۵) شرح نخبہ تمام (۶) شرح عقائد نسفی تمام (۷) سُلّم العلوم (۸) تصورات (۹) ملاحسن تمام (۱۰) میرزاہد رسالہ تمام (۱۱) غلام یحیی تمام (۱۲) حمداللہ ۸۹ صفحات (۱۳) مطول ۱۱۱ صفحات (۱۴) تلخیص المفتاح ۵۰ صفحات (۱۵) جاپلی حاشیہ تمام (۱۶) حسامی ۷۶ صفحات (۱۷) مقامات حریری ۲۵ مقامات (۱۸) ملا جلال میرزاہد ملا جلال۔

۱۳۱۶ھ میں مذکورہ بالا کتابوں کے ساتھ بیضاوی سورہ بقرہ، مسلم شریف تمام (بجائے ۳۰ صفحات کے) (۳) ہدایہ ثانی (۴) تاریخ یمینی (۵) نورالانوار ۱۷۰ صفحات۔

۱۳۱۷ھ میں مذکورہ بالا کتابوں کے ساتھ مشکوٰۃ شریف اول اور مقامات حریری دوسو پچیس (۲۲۵) صفحات۔

مندرجہ بالا سطور میں آپ کے تشریف لانے کے سال ۱۳۱۴ھ سے ۱۳۱۷ھ تک چار سالہ جائزہ لیا گیا ہے جس سے اندازہ ہوگا کہ آپ کو کتنی زیادہ کتابیں پڑھانے کے لئے دی گئی تھیں اور باوجود اس کے کہ آپ نے مختلف مدارس میں اب تک ان کتابوں کو پڑھایا تھا اور آپکو ان کے درس و تدریس کا ملکہ حاصل تھا اس کے باوجود آپ مطالعہ فرماتے اور طلباء کو پورے اہتمام سے پڑھاتے اور مطمئن کرتے اور وقت مقررہ تک ان ساری کتابوں کو ختم بھی فرمادیا کرتے تھے۔

ذٰلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء۔

www.abulhasanalinadwi.org

آپ کے دور صدر مدرسی کے جلسے اور حضرت مولانا تھانوی سے تعلق

آپ ۱۳۱۴ھ میں مستقل طور پر مظاہر علوم تشریف لائے اور اسی سال حضرت گنگوہی اس مدرسہ کے سرپرست ہوئے اور ان دونوں بزرگوں کی تشریف بری سے اور توجہ و دلچسپی سے مدرسہ میں ہر طرح کی ترقی ہوئی۔ ۱۳۱۷ھ کی روداد میں حضرت گنگوہی کا ذکر اس طرح ملتا ہے :۔

"اور یہ سب بقیۃ السلف، حجۃ الخلف، نعمان زمان، جنید دوراں، حضرت مخدوم العالم مولانا مولوی رشید احمد صاحب محدث گنگوہی مدظلہ اللہ تعالیٰ کے انفاس طیبہ کی برکات کا صدقہ ہے۔

جس روز سے یہ مدرسہ حضور دامت برکاتہم کی سرپرستی میں داخل ہوا ہے اس وقت سے مدرسہ کے ہر ایک جز میں نمایاں برکت اور ترقی ہے اور کیوں کر نہ ہو ایسے ہی مقربین اولیاء اللہ تعالیٰ کی ذوات مقدسہ کے ساتھ ارض و سمٰوٰت کی بقا کا سلسلہ وابستہ ہے[1]۔"

مدرسہ کی ترقیوں میں ان جلسوں کا بھی بڑا دخل ہے، جو حضرت مولانا کی صدر مدرسی کے بعد بڑے اہتمام سے کئے جانے لگے جن میں مشاہیر علماء کرام خصوصاً شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب شرکت فرماتے اور تقریر فرمایا کرتے تھے، ۱۳۰۷ھ کے جلسے میں جو کثیر مجمع شریک ہوا اور حضرت شیخ الہند کی مؤثر اور جامع تقریر ہوئی وہ مدتوں لوگوں کو یاد رہی، ۱۳۱۶ھ کے جلسے سے ہر جلسہ میں ان علماء کے علاوہ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کی طویل مؤثر اور دلپذیر تقریر ہوتی تھی۔

---

[1] تاریخ مظاہر اول ص۸۲

www.abulhasanalinadwi.org

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کے آپ سے قدیمی تعلق اور روابط تھے، اور ایک زمانہ سے ملاقات ہوتی رہتی تھی لیکن گہرا تعلق اس وقت ہوا جب آپ مظاہر علوم کے صدر مدرس ہوئے اور حضرت تھانوی کانپور سے منتقل ہوکر ۱۳۱۵ھ میں اپنے وطن تھانہ بھون تشریف لے گئے اور پھر مظاہر علوم کے جلسوں میں برابر شرکت فرمائی، آپ کے وعظ بڑے ذوق و شوق سے سنے جاتے اور مدرسہ اور سامعین کو بڑا فائدہ پہونچتا آپ کی سب سے پہلی تقریر ۱۳۱۸ھ کے جلسے میں ہوئی۔

۱۳۱۸ھ کے سالانہ جلسے میں حضرت مولانا کی اہم تقریر

۱۷ ذی الحجہ ۱۳۱۸ھ میں

حسب معمول مدرسہ کا سالانہ جلسہ ہوا جس میں شرکت کے لئے مختلف اضلاع میں دعوت نامے تقسیم کئے گئے، اس جلسے میں علماء و مشاہیر میں حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب رائپوری، مولانا ذوالفقار علی صاحب، مولانا فضل الرحمٰن صاحب، شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب، حضرت مولانا اشرف علی تھانوی، مولانا حافظ احمد صاحب فرزند رشید حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رونق افروز تھے، جلسہ شروع ہونے پر حضرت تھانوی کی تین گھنٹے حکیمانہ تقریر کے بعد آپ نے مدرسہ کے حالات جو ایک مقالے کی شکل میں تھے سنائے اسکے بعد ایک موثر تقریر فرمائی، حمد و ثنا کے بعد حاضرین جلسہ کا شکریہ ادا کیا، پھر جلسہ کے انعقاد کی وجہ اور ضرورت بیان کی اور اس کے بعد عربی مدارس کی اہمیت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا:۔

"یہ اسلامی مدرسے اس تاریکی کے زمانے میں کہ جہل عالمگیر ہے بمنزلہ آفتاب و ماہتاب ہیں جو اپنے نور سے عالم کو منور کر رہے ہیں، غور کرکے دیکھو کہ اگر آج یہ اسلامی مدارس صفحۂ عالم پر نہ ہوتے تو کیا علوم

www.abulhasanalinadwi.org

اسلام علوم کو نہ سدھار جاتے اور بڑے بڑے شہروں میں بھی مسائل کا تبلانے والا نہ ملتا اور اب ان مدارس کی بدولت شہر شہر، قصبے قصبے بلکہ گاؤں میں بھی علماء موجود ہیں جو دین محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی اشاعت کر رہے ہیں اور خلقت کو گمراہی سے بچا رہے ہیں، تو ایسے مدارس کو جو خلافت نبوت کی خدمت کی بجا آوری کر رہے ہیں، کون ایسا مسلمان ہے جو عزت اور محبت کی نگاہوں سے نہیں دیکھے گا، ایسا شخص تو وہی ہو سکتا ہے جس کو نہ اسلام سے تعلق ہو اور نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے علاقہ ہو، نہ خدا تعالیٰ سے سروکار، شقاوت ازلی اس کے سر پر سوار ہو، شیطان کے ہاتھوں میں اس کی زمام اختیار ہو، ایسا شخص اگر ان دینی مدارس کو حقارت کی نظر سے دیکھے ان کا پکا دشمن اور مخالف ہو تو کچھ تعجب انگیز نہیں ورنہ ان دینی مدارس کے وجود سے جس محلے میں ہوں، اس کی عزت جس شہر میں ہوں، اس کی عزت بلکہ جس ملک میں ہوں، اس کی عند اللہ وعند الناس عزت و حرمت ہے، کیونکہ گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک سچا خلیفہ اور جانشین ہے جو آپ کے دین کی تبلیغ و تعلیم کر رہا ہے تو جس کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ذرا بھی سچی محبت ہو گی اسکو بالضرور ان مدارس کے ساتھ محبت اور دلچسپی ہو گی اور مدارس کے طلباء اور علماء کے ساتھ ارتباط اور الفت ہو گی اور جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جھوٹی محبت اور دلچسپی ہو گی اور مدارس کے طلباء اور علماء کے ساتھ ارتباط اور الفت نہ ہو گی اور جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جھوٹی محبت کا دعویٰ ہو گا اس کو بے شبہ مدرسہ اور مدرسہ کے طلباء سے دلچسپی نہ ہو گی بلکہ تنفر ہو گا پس ہر شخص جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

www.abulhasanalinadwi.org

کے ساتھ اپنی محبت کا اندازہ کرنا مد نظر ہو وہ ان مدارس کے ساتھ اپنی محبت کا اندازہ کر کے دیکھ لے جس قدر ان مدارس کے ساتھ علاقہ محبت کا ہوگا اسی قدر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ علاقہ محبت کا ہوگا، اس لئے کہ یہ مدارس گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نائب ہیں، اور نائب اور منیب کا عقلاء کے نزدیک ایک ہی حکم ہوتا ہے[1]۔"

حضرت گنگوہی کا سرپرستی سے استعفا

حضرت مولانا محمد مظہر صاحب نانوتوی ام ۱۳۰۲ھ کے انتقال کے بعد مدرسہ کے انتظام کے لئے ایک کمیٹی کی تشکیل ہوئی تھی جس کے ممبران میں تغیر وتبدل ہوتا رہا وہ کمیٹی مدرسہ کا پورا انتظام چلاتی رہی، ۱۳۱۴ھ سے حضرت گنگوہی کی سرپرستی اور حضرت مولانا کی صدر مدرسی کے بعد بھی وہ کمیٹی اپنے فرائض انجام دیتی رہی اور ۱۳۱۹ھ تک پورے پانچ سال کسی قسم کا انتشار پیدا نہیں ہوا بلکہ ان دونوں بزرگوں کے زمانہ میں مدرسہ ہر قسم کی ترقی کرتا رہا، حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا مدظلہ العالی فرماتے ہیں :۔

"حضرت اقدس گنگوہی نور اللہ مرقدہٗ کی سرپرستی درحقیقت مدرسہ کی ہر نوع کی ترقی کا دروازہ تھی کہ حضرت کی سرپرستی میں آنے کے بعد سے مدرسے میں ہر سال ہر نوع کا اضافہ ہی ہوتا رہا۔ گذشتہ پانچ سال قبل مدرسہ کے کتب خانے میں تقریباً بارہ سو کتابیں تھیں لیکن ان ایام میں تدریجی ترقی کے ساتھ ۱۳۱۷ھ کی کیفیت میں کل کتابوں کی تعداد دو ہزار اکیس تحریر ہے[2]۔"

ان ترقیوں کے اعتراف کے باوجود کمیٹی کے ارکان جو مختلف المزاج مختلف الخیال تھے ذہنی انتشار اور پراگندہ خیال کا شکار ہو گئے، ان میں کچھ ایسے تھے جو

---

[1] تاریخ مظاہر اوّل صـ۸۵، [2] تاریخ مظاہر صـ۷۹

www.abulhasanalinadwi.org

ان دونوں بزرگوں کے معتقد اور ان کی برکتوں کے معترف تھے لیکن کچھ ایسے بھی تھے جن کو نہ ان بزرگوں سے اعتقاد تھا نہ انکی بزرگی کے دل سے معترف، انکے سامنے نام ونمود اور اپنی حیثیت کو بلند کرنے کا منصوبہ تھا ایسے غیر مخلص اور تعلق نہ رکھنے والے ممبران کمیٹی کی یہ کوشش تھی کہ حضرت مولانا صدر مدرس نہ رہیں بلکہ ان کی جگہ ایسا عالم صدر مدرس ہو جو ان ممبران کمیٹی کا ہمنوا، ان کی آواز میں آواز ملانے والا اور ان کے فیصلوں پر بے چوں وچرا عمل کرنے والا ہو، ممبران کمیٹی کا یہ نزاع ۱۳۱۸ھ کے اخیر میں ایک بدنما شکل اختیار کر گیا، جس نے آپس کے اختلاف سے نکل کر مدرسے میں ایک ہنگامہ کی شکل اختیار کر لی اور یہ ہنگامہ شائستگی، ادب واحترام، پاس ولحاظ، وقار وسکون کے حدود پار کر گیا اور ہر دو بزرگوں کے خلاف اتہام وبہتان اور بے بنیاد الزام کا پہاڑ بن کر کھڑا ہو گیا اور دیکھتے دیکھتے یہ دینی مدرسہ ایک اکھاڑہ بن گیا، حضرت مولانا نے ممبران کمیٹی کا یہ اختلاف اور مخالف ممبروں کا یہ غیر سنجیدہ طرز عمل اور اس طرز عمل کی وجہ سے طلباء اور اساتذہ کا انتشار درس وتدریس میں بے ترتیبی دیکھی تو حضرت گنگوہی کی خدمت میں صورت حال کی اطلاع کی، حضرت گنگوہی کو اس دینی مدرسہ کی بدامنی اور انتشار سے بہت زیادہ رنج وقلق ہوا جس کا آپ اس سے پہلے تصور بھی نہیں فرماتے تھے اور ۲۹ رجب ۱۳۱۹ھ کو آپ نے سرپرستی سے اس بنا پر استعفیٰ دیدیا کہ کوئی اور بدنما شکل اور ناخوشگوار صورت حال نہ پیدا ہو، آپ نے اپنے استعفیٰ نامہ میں تحریر فرمایا:-

" از بندہ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ

بخدمت ارباب شوریٰ مدرسہ سہارنپور بعد سلام مسنون اس عاجز کو آپ صاحبوں نے سرپرست بنایا تھا، سو بندہ چھ سال تک رہا، اب آپکے

www.abulhasanalinadwi.org

مدرسہ کی سرپرستی سے معذور رہے، لہٰذا استعفیٰ گذران کر امید معافی رکھتا ہے آپ صاحب بھی قبول فرما دیں[1]۔ والسلام

مورخہ ۲۹ رجب ۱۳۱۹ھ

ممبران کمیٹی میں حضرت کے استعفیٰ کے سلسلے میں شدید اختلاف رونما ہوگیا جو لوگ دیندار تھے اور بزرگوں اور مشائخ سے تعلق رکھتے تھے، جن کی نگاہوں میں اس مدرسہ کی عزّت بزرگوں کی عزت سے وابستہ تھی اور جس کی تعمیر و ترقی میں حضرت گنگوہی کا ہاتھ تھا اور ان کی ذات خیر و برکت کا باعث تھی وہ حضرت کے سایۂ عاطفت سے محرومی کا تصور بھی نہیں کرتے تھے لیکن جو ممبران مخالف گروپ سے تعلق رکھتے تھے وہ اہل ثروت و وجاہت اور حکام رس تھے انہوں نے بلا کسی پس و پیش کے استعفیٰ منظور کر لیا اور بدقسمتی سے یہ مدرسہ حضرت گنگوہی جیسے عالی مرتبت شیخ اور مخدوم العلماء کی سرپرستی سے محروم ہوگیا۔

حضرت مولانا کی صدر مدرسی سے جبراً سبکدوشی

حضرت گنگوہی کے استعفیٰ کے بعد مسئلے نے اور نزاکت اختیار کر لی، اہل تعلق ممبران کمیٹی رنج و غم میں ڈوب گئے اور مخالف عنصر اپنے ارادوں میں آزاد ہوگیا، اس کی ہمتیں بلند اور ارادے اور مضبوط ہوگئے اس کو شہ مل گئی اور اہل تعلق ممبران کمیٹی سے صرف نظر کر کے پانچ رکنی کمیٹی کی تشکیل کی جسمیں سارے ممبران باغی عنصر کے رکھے اس نوساختہ کمیٹی نے حضرت مولانا کو صدر مدرسی سے برخاست کر دیا یہ افسوسناک اقدام ۲۵ شوال ۱۳۲۰ھ مطابق ۳ جنوری ۱۹۰۳ء کو کیا گیا۔ کمیٹی کے مخلص سابق ممبران اس اقدام سے اتنے غمزدہ اور برداشتہ خاطر ہوئے کہ جیسے انکی عزیز متاع گم ہوگئی ہو اور وہ بے بال و پر کے رہ گئے ہوں، ان میں سے ایک ممبر

---

[1] تاریخ مظاہر اول صـ ۹۲

www.abulhasanalinadwi.org

مولوی حبیب احمد جو حافظ فضل حق م ۱۳۰۲ھ کے صاحبزادے تھے اتنے غمگین ہوئے کہ حضرت مولانا سے بے ساختہ لپٹ کر رونے لگے اور نہ صرف یہ کہ خاموش بیٹھ گئے ہوں بلکہ پوری قوت و طاقت سے آپ کو روکنے اور آپ کے لئے سینہ سپر ہونے کا کام کیا مگر کامیاب نہ ہو سکے۔

اس واقعہ کے بعد حضرت مولانا نے پورے استغنا کا ثبوت دیا اور سہارنپور چھوڑ کر اپنے وطن انبہٹہ میں مستقل قیام کا ارادہ کر لیا اور متعلقین کو بھیجدیا حضرت شیخ الحدیث اس کیفیت اور اس صورت حال کو اس طرح تحریر فرماتے ہیں:۔

"بعض اراکین مدرسہ کی خودغرضی اور مدرسہ کے معاملات میں بے توجہی نے مدرسہ کے نظم ونسق میں بہت سی رکاوٹیں اور پیچیدگیاں پیدا کر دیں اور ان چند گنے چنے ممبران نے ذاتی مفاد کو مدرسہ کے مفاد پر ترجیح دیتے ہوئے حضرت مولانا خلیل احمد صاحب مدرس اول کو بلا کسی وجہ کے اس بات پر مجبور کیا کہ وہ اپنا قدیمی تعلق مدرسہ سے بالکل منقطع کر لیں اور جو تعلیمی خدمات حضرت اقدس گنگوہی نے ان سے منسوب فرمائی ہیں ان سے بالکلیہ سبکدوش ہو جائیں لیکن ان تمام مخالفتوں کے باوجود حضرت نے اپنے طور پر اپنے لئے کوئی فیصلہ نہیں کیا بلکہ اپنے شیخ کے حکم کا انتظار فرمایا چنانچہ وہاں سے اجازت آگئی کہ سب کچھ چھوڑ کر چلے آؤ پھر اسی اثنا میں دوسرا حکم پہونچا کہ وہیں قیام کرو، حضرت نے اس حکم ثانی کو بخوشی منظور فرما لیا اگرچہ یہاں قیام میں اپنی عزت وآبرو کا خطرہ تھا مگر حکم شیخ کے سامنے ان چیزوں کو کوئی اہمیت نہ دی، ادھر ان چند اراکین نے جو مخالفت میں پیش پیش تھے ایک ناتمام کمیٹی منعقد کر کے حضرت کو مدرسہ سے علیحدہ کر دیا[۱]"

---

[۱] تاریخ مظاہر اول ص ۸۵-۸۶

www.abulhasanalinadwi.org

حضرت گنگوہی کے استعفیٰ اور حضرت مولانا کی سبکدوشی سے مدرسہ کے مخلصین، معاونین، اہل تعلق عوام و خواص پر اتنا اثر پڑا کہ ہر شخص اپنی جگہ پر بے چین ہو گیا اور اس کو صرف مدرسہ کا حادثہ نہیں سمجھا بلکہ ہر ایک نے اپنا ذاتی حادثہ سمجھا، حضرت گنگوہی کا یہ حکم تھا کہ بدلتے ہوئے حالات کی اطلاع برابر ان کو دی جاتی رہے حضرت پوری طرح ادھر متوجہ رہے اور دعا کے ساتھ ساتھ مدرسہ کو ایک بڑے نقصان سے بچانے کی کوشش اور تدبیر بھی فرماتے رہے۔ حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب رائے پوری ہر تیسرے چوتھے دن رائپور سے تشریف لاتے اور حضرت مولانا سے ہر طرح کی ہمدردی فرماتے اور تعاون فرماتے حضرت مولانا صبر و استقلال اور تسلیم و رضا کے پیکر بنے رہے، باوجود سخت حالات کے جن میں ٹھہرنا بڑے دل گردے کا کام تھا اور مقابلہ کرنا بڑی ہمت و عزم کو چاہتا تھا، آپ خاموشی کے ساتھ مدرسے میں ٹھہرے رہے اور اپنے شیخ کے حکم پر کسی غیبی مدد کے انتظار میں مقیم رہے۔

ہنگامہ و بغاوت کا خاتمہ اور غیبی مدد

اللہ تعالیٰ کو یہ منظور نہ تھا کہ جو مدرسہ مخلصین کے ہاتھوں قائم کیا گیا ہے اور جس کے بانیوں اور کارپردازوں میں حضرت مولانا سعادت علی صاحب م ۱۲۸۶ھ اور مولانا محمد مظہر صاحب نانوتوی م ۱۳۰۲ھ جیسے متبحر علماء اور اہل دل حضرات رہے ہوں وہ غیر مخلص حضرات کے ہاتھوں تباہ و برباد ہو جائے اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت کا سامان غیب سے کیا اور ایسے حالات پیش آئے کہ ہنگامہ کرنے والے اپنے ارادوں میں ناکام ہوئے اور ان کی دعائیں اور تدبیریں کامیاب ہوئیں جو حضرت مولانا کو کسی طرح سے بھی مدرسہ سے علیحدہ کرنے پر راضی نہ تھے۔ حضرت شیخ الحدیث تحریر فرماتے ہیں:-

www.abulhasanalinadwi.org

"خدا کی رحمت اور مدد بارش کی طرح آئی اور تھوڑی ہی دیر میں راستے کے سارے خس و خاشاک صاف ہو گئے اور جو حضرات کل تک صرف اپنی ممبری کے زعم میں حضرت کو مدرسے سے علیحدہ کرنے پر مجبور کر رہے تھے وہ خود ہی برطرف کر دیے گئے ؎

کسی کی خستہ حالی منکرا کر دیکھنے والے
تجھے لے آیا اس منزل پہ مستقبل میں کیا ہوگا

جس کی صورت یہ ہوئی کہ انسپکٹر شہر" صاحب علی" جو اپنی سخت گیری اور انتظامی طبیعت میں ممتاز تھے مدرسہ میں تشریف لائے دیکھا کہ حضرت بکمال وجاہت تشریف فرما ہیں اور درس ہو رہا ہے گویا ؎

ہوا ہے گو تند و تیز لیکن چراغ اپنا جلا رہا ہے
وہ مرد درویش جسکو حق نے دئے ہیں انداز خسروانہ

صاحب علی نے تمام حالات دریافت کئے اور اپنی ذہانت سے فریقین کو بہت جلد باہمی سمجھوتے اور مصالحت پر راضی کر لیا اور اس پر مجبور کیا کہ دو تین آدمیوں کو ثالث بنا دیں تاکہ یہ معاملہ ختم ہو جائے"[1]

صاحب علی صاحب کی اس تجویز کو ان فریقین نے خود صاحب علی صاحب انسپکٹر اور نعیم اللہ خانصاحب مجسٹریٹ کو ثالث بنا دیا اور اپنی رضامندی کی تحریر دیدی۔

حضرت مولانا کی صدر مدرسی پر بحالی اور تین نئے سرپرستان مدرسہ

صاحب علی انسپکٹر اور نعیم اللہ مجسٹریٹ کو جب دونوں فریقوں نے حکم مان لیا تو انہوں نے تجاویز سرپرستان کا رجسٹر منگوا کر اپنی تجویز تحریر کی جس میں ممبران کمیٹی کی تجویز علیحدگی کا ذکر کرتے ہوئے حضرت مولانا کو بالکل بے قصور قرار دیا اور

---

[1] تاریخ مظاہر اول ص۶۷

www.abulhasanalinadwi.org

تجویز علیٰحدگی کو زبردستی کی بات لکھ کر آپ کی علیٰحدگی کو ناجائز تحریر کیا اور اپنی تجویز کو نئے سرپرستوں کا انتخاب کرتے ہوئے ان الفاظ پر ختم کیا :۔

"ہماری رائے میں اس مدرسہ کے سرپرست مولوی ذوالفقار علی صاحب دیوبندی اور مولوی عبدالرحیم صاحب رائپوری اور مولوی اشرف علی تھانوی مقرر کئے جائیں، تاکہ متعلق تعلیم و تقرر و برخواستگی و ترقی و تنزل مدرسان مدرسہ ان کی رائے سے ہوا کرے اور طریقۂ تعلیم کے وہ نگراں اور سرپرست رہیں، اور دیگر رؤساء و عمائدین شہر بطور ممبر کے ہیں، جو ترقی چندہ و انتظامات مدرسہ کے کوشاں ہیں ۔[1]"

اس فیصلہ میں صرف خدا کی مدد اور غیبی طاقت کا ظہور ہوا اس میں بظاہر کسی انسانی کوشش اور اس کی تکمیل میں اس کا کوئی ہاتھ نہ تھا جس وقت ہنگامہ شروع ہوا اور جس نہج اور انداز پر چلا وہ مکمل طور پر مدرسہ کی تباہی یا اہل علم کی رسوائی کی راہ پر ڈال رہا تھا مدرسہ کا ہر مخلص یہ سمجھتا تھا کہ اس چمنستان علم دین پر اب خزاں کا دور آیا ہی چاہتا ہے لیکن تقدیر الٰہی نے اس میں خیر کا پہلو دکھ کر اس کو انجام بخیر عطا فرمایا اور دیکھتے ہی دیکھتے سارا شر و فساد ھباءً منثوراً ہو کر رہ گیا، مخالفین کی بعد میں آنکھیں کھلیں ان کو بھی اس کا اندازہ نہ تھا کہ ان کے ارادے اور عزائم اس طرح پلٹ کر رہ جائیں گے، ان کو یقین تھا کہ یہ فیصل حضرات ہمارے ہیں اور ہمارے ہی خیالات کی ترجمانی کریں گے لیکن خدا کے فیصلے میں کسی کا کیا دخل حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مدظلہ تحریر فرماتے ہیں :۔

"ان ثالث حضرات سے بعض مخالف ممبران نے جو دنیاوی حیثیت سے با اثر اور ذی وجاہت تھے فیصلہ تحریر کرنے کے بعد دریافت کیا کہ یہ تم نے کیا کیا

---

[1] تاریخ مظاہر ص ۸۸

www.abulhasanalinadwi.org

ان لوگوں نے جواب دیا کہ ہمیں کچھ خبر نہیں کہ ہم نے کیا لکھا، ہم نے جو فیصلہ تحریر کیا وہ اپنے اختیار سے نہیں لکھا بلکہ کوئی طاقت ہم سے لکھوا رہی تھی اور ہم اس کے لکھنے پر مجبور تھے یہ حضرت گنگوہی کی کھلی کرامت ہی ہے کہ حضرت سہارنپوری کو علیحدہ کرنے والے حضرات خود ہی علیحدہ ہو گئے۔"[1]

نئے سرپرستوں کا احساس ذمہ داری اور فرائض کی انجام دہی

ان نئے سرپرستوں نے جو پاک نفوس پر مشتمل تھے اپنا کام شروع کر دیا، اور مدرسہ کی دیکھ ریکھ کرنے لگے، مدرسے تشریف لاتے حالات ملاحظہ کرتے اور خامیاں درست کرتے فیصل حضرات کا یہ فیصلہ ۲۶ ذی قعدہ ۱۳۲۰ھ کو ہوا اور اسی تاریخ کو نئے سرپرست حضرات مدرسہ میں جمع ہوئے اور اپنا کام شروع کر دیا۔

سرپرستوں کی تجویز اور حضرت مولانا کا تورع

جتنے دن تک مدرسہ میں یہ ہنگامہ رہا اور پورا مدرسہ ہچکولے کھاتا رہا کوئی چیز اپنی جگہ پر نہ تھی، نہ طلبا دلجمعی سے سبق پڑھتے تھے نہ اساتذہ میں سبق پڑھانے کا وہ ذوق وشوق تھا جو عام دنوں میں ہوا کرتا تھا لیکن حضرت مولانا نے ان ہنگامہ خیز دنوں میں بھی اپنے وقت کو ضائع نہیں کیا اور جس طرح بھی بن پڑا طلبا کو درس دیا، سرپرستوں نے ان دنوں کی تنخواہ حضرت کی خدمت میں پیش کئے جانے کی تجویز کی اور تحریر فرمایا:۔

"نسبت تنخواہ ایام مبحوث فیہا جناب مولانا خلیل احمد صاحب و مولوی عبدالکریم صاحب بعد تحقیق حکم شرعی تجویز کی جائے۔"[2]

لیکن حضرت مولانا نے ان دنوں کی تنخواہ لینے سے بطور احتیاط و تورع

---

[1] تاریخ مظاہر اوّل ص۸۸-۸۹ ، [2] ایضاً ص۸۹

www.abulhasanalinadwi.org

انکار کر دیا تو مجبوراً حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب رائپوری نے یہ لکھا کہ:۔

"ایام مبحوث عنہا کی تنخواہ مولانا خلیل احمد صاحب نے لینے سے انکار کر دیا لہٰذا تصفیہ کی ضرورت نہیں رہی[1]"

ایک نیا ہنگامہ اور اس کا خاتمہ

ممبران کمیٹی کے ہنگامہ فرو ہونے کے بعد اس کے دوسرے سال ہی ایک دوسرا ہنگامہ کھڑا کر دیا گیا اس نئے ہنگامے میں بھی اس عنصر کا ہاتھ تھا جو شکست کھا چکا تھا اور اپنی شکست کی جھنجلاہٹ میں پس پردہ رہ کر طلباء کے ذریعہ ایک نئے طرز کا ہنگامہ کھڑا کروا دیا، بعض شورش پسند طلباء نے اپنے مطالبات منوانے کے لئے ایک انجمن بنالی اور اکابر مدرسہ کے سامنے اپنے مطالبات رکھے مطالبات ایسے تھے جو مدرسہ کو نقصان پہونچانے والے تھے، اکابر مدرسہ نے ان مطالبات کو نہ صرف یہ کہ لاحاصل سمجھا بلکہ مدرسہ کے لئے نقصان دہ اور طلباء کے لئے غیر مفید جان کر پورا کرنے سے معذرت کر دی چونکہ طلباء کے پیچھے ایسے افراد تھے جو اس ہنگامہ کو ہوا دے رہے تھے اور ان طلباء کی پشت پناہی کر رہے تھے اور ان کے مطالبات کے سلسلے میں اساتذہ کے ساتھ بد تہذیبی سے پیش آنے اور گستاخی کا معاملہ کرنے کی خفیہ سازشیں ہو رہی تھیں یہاں بھی ایک غیبی طاقت نے مدرسہ کا ساتھ دیا اور وہ طلباء جو صرف پڑھنے آئے تھے اور جن کے دلوں میں دین اور علم دین کا احترام اور اہل علم حضرات کا ادب تھا وہ باغی طلباء کے خلاف ہو گئے، اور کھل کر سامنے آگئے، خدا جانے یہ کیسے ہوا کہ شورش پسند طلباء نے بغیر کہے سنے اپنی کتابیں کتب خانے میں داخل کر دیں اور مدرسہ سے علیحدہ ہو گئے اور مدرسہ سے باہر رہ کر اشتہارات کے ذریعہ مدرسہ کو بدنام کرنے لگے لیکن عوام و خواص اس پہلے ہنگامہ

---

[1] تاریخ مظاہر اول ص ۹۰

www.abulhasanalinadwi.org

میں حقیقتِ حال کو سمجھ چکے تھے اور کھرا کھوٹا جان چکے تھے اس لیے ان کے اوپر طلباء کے ہنگاموں اور الزامات کا کوئی اثر نہیں پڑا اور چند ہی دنوں میں اس ہنگامے نے بھی دم توڑ دیا۔

مبارک سالانہ جلسہ

ان دونوں ہنگاموں کے ختم ہونے پر ۱۳۲۱ھ میں مدرسہ کا سالانہ جلسہ ہوا۔ جو ۲۷ محرم ۱۳۲۱ھ کو بڑی تیاریوں کے بعد منعقد ہوا۔ مختلف شہروں میں دعوتی کارڈ اور خطوط بھیجے گئے، چونکہ مدرسہ میں نہ اب کوئی مخالف عنصر تھا اور نہ ہنگامہ کرنے والے افراد و اشخاص، ادھر جدید سرپرست ہم خیال، ہم مسلک اور ایک دوسرے کے ساتھ ادب و احترام سے پیش آنے والے، دوسری طرف کارکنانِ مدرسہ خصوصاً حضرت مولانا ان سرپرستوں کی جماعت کے ایک فرد تھے اور آپس میں ان سب میں محبت و تعلق کا جذبہ کارفرما تھا اس لئے یہ جلسہ بڑا ہی کامیاب اور مدرسہ کے حق میں بہت ہی مفید ثابت ہوا۔ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نے بڑی موثر دلنشین اور مدلل تقریر فرمائی، حضرت مولانا کا جوشِ بیان، سامعین کا جذب و شوق، حاضرین کی کیف و سرمستی، اہل تعلق کی وارفتگی و شیفتگی دیکھنے کے قابل تھی۔ مہتمم صاحب مدرسہ مولانا عنایت الٰہی صاحب اپنے تأثرات کا اظہار اس طرح کرتے ہیں:۔

"ایک بحرِ زخار تھا کہ موجیں مار رہا تھا اور محویت تھی کہ ہر صورت پر طاری تھی، ایک کیفیت تھی کہ ہر شخص پر حاوی تھی اور ایک لطف تھا کہ ہر قلب کو حاصل ہو رہا تھا، چاروں طرف سکوت ہر دیوار پر خاموشی، ہر شخص خواہشمند تھا کہ تقریر دن بھر ختم نہ ہو اور ہر آنکھ چاہتی تھی کہ عالمِ ربانی کا نورانی چہرہ رات تک نظر سے اوجھل نہ ہو، مگر وقت قابو کی چیز نہ تھی نہ دن اختیار میں تھا کہ روک لیا جاتا۔ سامعین کھڑے اور بیٹھے فرطِ شوق میں بصورتِ تصویر بنے ہوئے

www.abulhasanalinadwi.org

تھے۔ دھوپ کی خبر نہ تپش کا خیال، نہ بھوک کی خواہش، نہ تین گھنٹے کھڑے رہنے کا تکان یہاں تک کہ جب بارہ بجے مولانا ممدوح نے وعظ ختم فرمایا اس وقت کے قلق کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا، شرکاء جلسہ کی کثرت اور فراخ حوصلہ نیک نیت اہل اسلام کی اس قدر کثیر مالی اعانت آج سے پہلے مدرسہ کو نصیب نہیں ہوئی تھی اور درحقیقت یہ پہلا اتفاق اور گویا پہلا جلسہ تھا جو ایسے مقدس علماء کی سرپرستی میں ہوا، جن کے تقویٰ، تورع، للّٰہیت، علمی فضل اور دینی کمال کا قائل ایک زمانہ ہے[1]۔"

مولانا ذوالفقار علی صاحب دیوبندی کا انتقال اور شیخ الہند کا انتخاب

۱۳۱۹ھ اور ۱۳۲۰ھ کے مختلف النوع ہنگاموں اور شورشوں کے ختم ہو جانے کے بعد جدید اہل علم سرپرستوں کی سرپرستی میں اور حضرت مولانا کے خلوص، للّٰہیت اور محنت کی وجہ سے مدرسہ کو دن دونی اور رات چوگنی ترقی ہونی شروع ہوئی، جس کے متعلق مولانا عاشق الٰہی میرٹھی لکھتے ہیں:-

"سرپرستانِ مدرسہ جیسے دیانت دار اور دینی مدرسہ کی بقا و ترقی کے شیدا تھے، ایسے ہی حضرت (مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری) اپنے استاذ (مولانا سعادت علی صاحب سہارنپوری) کے لگائے ہوئے نخلستان کی ہر روش اور کیاری پر جاں نثار تھے اس لئے نظام میں دخل دینے اور ہر شعبہ کی ضروریات پر سرپرستوں کو توجہ دلانے کا موقع ملا اور وہ مدرسہ زاویۂ خمول و کس مپرسی میں پڑا ہوا تھا گھٹنوں چلنے اور پھر لپکنے اور تیز رفتار دوڑنے لگا، طلباء کی کثرت ہوئی، مدرسین کا اضافہ ہوا، چندے میں توسیع ہوئی، نایاب

---

[1] تاریخ مظاہر اول ص ۹۸

www.abulhasanalinadwi.org

کتابوں کی بذریعہ وقف و خرید بیشی ہوئی اور عالیشان و محفوظ کتب خانہ جدید بنایا گیا خالی چھتوں پر درسگاہیں تعمیر ہوئیں، ماہر تجوید قاری کا تقرر ہوا، مفتی رکھے گئے اور فتاویٰ نویسی کا مستقل انتظام ہوا کہ وقت پر جوابات جائیں اور سب رجسٹر میں بلفظہا درج ہوں [۱]"

لیکن ان ترقیات کی تکمیل سے پہلے ہی ان سرپرستوں میں سے ایک سرپرست مولانا ذوالفقار علی صاحب دیوبندی ۱۳۲۲ھ کو انتقال کر گئے، آپ کے انتقال سے جہاں مدرسے کو نقصان پہونچا وہاں حضرت مولانا کو بیحد قلق اور افسوس ہوا کہ انکے نیک مشوروں سے آپ مستفید ہوتے رہتے تھے اور مدرسہ کو ترقی ہو رہی تھی، انکی ذات گرامی آپ کے لئے ایک بڑا سہارا اور ان کی شخصیت آپ کے لئے محسن کا درجہ رکھتی تھی۔

مولانا کے انتقال کے بعد ارباب مدرسہ نے تعزیتی تجویز پاس کر کے آپ کے بلند پایہ صاحبزادے حضرت مولانا محمود حسن صاحب صدر مدرس دارالعلوم دیوبند کو ان کی جگہ مدرسہ مظاہر علوم کا سرپرست بنایا جس کو مولانا نے بخوشی منظور فرمایا، مولانا کی سرپرستی سے حضرت مولانا کو بڑی قوت حاصل ہوئی اور بڑا اطمینان اور سکون نصیب ہوا اس لئے کہ دونوں ایک ہی شیخ کے مسترشد اور اجازت یافتہ اور ایکدوسرے سے قلبی تعلق رکھنے والے تھے، مولانا محمود حسن صاحب کے سرپرست ہونے سے گویا حضرت مولانا سرپرست ہو گئے، مولانا ذوالفقار علی صاحب کی سرپرستی کے زمانے میں ان کی بزرگی اور بڑائی کی وجہ سے بقیہ سرپرست اور ارکان ان کا ادب واحترام کرنے پر مجبور تھے لیکن مولانا محمود حسن صاحب کے سرپرست ہونے کے بعد سرپرستوں کی یہ جماعت تقریباً ہم عمر اور ہم عصر ہو گئی اور حضرت مولانا کو بھی ان بزرگوں سے برابری کا تعلق تھا اور گویا کہ سب ایک دوسرے کے بے تکلف دوست

---

[۱] تذکرۃ الخلیل ص۲۰۵

www.abulhasanalinadwi.org

اور ساتھی تھے اس لئے فطری طور پر حضرت مولانا کو آزادانہ کام کرنے اور مدرسہ کو ترقی دینے کے اور زیادہ مواقع حاصل ہوئے۔

سب سے بڑا حادثہ ۱۳۲۳ھ کا سال سارے مسلمانوں کے لئے عموماً اور خصوصاً دارالعلوم دیوبند اور مظاہر علوم سہارنپور کے لئے گہرے رنج وغم کا سال تھا کہ اسی سال ۹ جمادی الثانی کو حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی کا وصال ہوا، آپ کے وصال سے سارے اہل تعلق پر غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا خصوصاً حضرت مولانا کو ایسا شدید دھکا پہونچا کہ اپنے قابو میں نہ رہے، آپ کو حضرت سے جو گہرا تعلق تھا وہ وہی جانتا ہے جس نے آپ کے نام حضرت گنگوہی کے مکاتیب پڑھے ہیں۔ آپ نے جب سے حضرت کے ہاتھ میں ہاتھ دیا عشق ومحبت میں ایسے ڈوبے جس کی مثال ہمعصروں میں نہیں ملتی، چھوٹی سی چھوٹی بات میں حضرت کے حکم کے طالب ہوتے اور قدم قدم پر ان کے نقش قدم پر چلتے، حضرت کا بھی حال تھا کہ باپ سے زیادہ شفیق اور ماں سے زیادہ محب ومشفق آپ کے دل میں حضرت گنگوہی کی وہ محبت پیدا ہو گئی تھی، جس کا مقابلہ دنیا کی مرغوب سے مرغوب چیز بلکہ ماں باپ کی محبت کے ساتھ بھی نہیں کیا جا سکتا[1]

سپردم بتو مایۂ خویش را
تو دانی حساب کم وبیش را

اس لئے حضرت مولانا کو حضرت کے وصال سے جو رنج ہوا اس کی تصویر کشی ہو نہیں سکتی۔ حضرت کے وصال کے وقت آپ گنگوہ میں ہی تھے۔ مولانا عاشق الٰہی میرٹھی جو اس وقت موجود تھے وہ اس موقع پر حضرت مولانا کے رنج وغم اور صبر ورضا کی تصویر اس طرح کھینچتے ہیں:-

---

[1] تذکرۃ الخلیل ص۳

www.abulhasanalinadwi.org

"حضرت امام ربانی کے وصال پر بندہ بھی حضرت کے پاس گنگوہ حاضر تھا ہرچند کہ اس سانحۂ عظیمہ پر آپ صبر و رضا کی مجسم تصویر تھے مگر ایسے بہوت کہ گویا آپ کا بال بال چشم گریاں بنا ہوا ہے، حضرت کا جنازہ سہ دری میں تھا اور آپ خانقاہ میں ایک سکوت طویل کے ساتھ ایک طرف بیٹھے ہوئے چپکے چپکے تلاوتِ قرآن میں مشغول تھے اور غلبۂ حزن میں جب کہ کوئی آنسو آنکھ سہار نہ سکتی تو کنارۂ چادر سے آپ پوچھ لیتے تھے[1]۔"

ایک بدعتی کی شرارت اور حضرت مولانا کی فراست

حضرت گنگوہیؒ کے وصال پر پوری فضا مغموم تھی، ہوش و خرد کھوئے ہوئے اور ذہن و دماغ تھکے ہوئے تھے، ہر کس و ناکس کی زبان حال گویا تھی ؎

ہمیں تو باغ تجھ بن خانۂ ماتم نظر آیا
ادھر گل پھاڑتے تھے جیب روتی تھی ادھر شبنم

غم میں ڈوبے ہوئے ایسے ماحول میں ایک عجیب واقعہ پیش آیا جس سے ایک شقی القلب کی شرارت اور حضرت مولانا کی فراست ظاہر ہوئی:۔

"حضرت گنگوہی قدس سرہ کے وصال پر مخلوق پریشان تھی، جمعہ کا وقت تھا آپ نے ایک شخص کو دیکھا کہ آہ و زاری کر رہا ہے اور حضرت کا عاشق و دلدادہ بنا ہوا پکار رہا ہے، ہائے مجھے حضرت کی زیارت تو کرادو لوگوں کو نماز پڑھنا مشکل ہو گیا مگر اس کو حضرت کا جاں نثار محب سمجھتے تھے، اس لئے کچھ نہ بولے، حضرت نے مسجد میں جاکر مولانا محمود حسن صاحب سے کچھ آہستہ آہستہ باتیں کیں اور پھر باہر تشریف لاکر غصّے کے ساتھ اسکو ڈانٹا

---

[1] تذکرۃ الخلیل ص ۸۶

www.abulhasanalinadwi.org

کہ میں جانتا ہوں کہ تجھے بہت صدمہ ہے، میں جانتا ہوں کہ تو حضرت کا عاشق ہے، پھر فرمایا اس کو مسجد سے نکال دو یہ نہ حضرت کا خادم ہے نہ اس کو حضرت کی محبت ہے، حاضرین کو تعجب تھا کہ ایسے عاشق بیتاب کے متعلق کیا فرما رہے ہیں مگر سے

اے بسا ابلیس آدم روئے است

بعد میں تحقیق ہوا کہ کوئی بدعتی تھا جو ہاتھ میں اس قسم کا پاوڈر لگا کر آیا تھا کہ چہرے پر ملنے سے سیاہ ہو جاوے، حضرت گنگوہی کی کرامت تھی اور حضرت کی فراست کہ وہ روسیاہی کی چال نہ چل سکا اور مسجد سے نکال دیا گیا[1]۔"

حضرت گنگوہی کے بعد آپ کا حال اور اظہار تاثر

حضرت گنگوہیؒ کے وصال کے بعد آپ دل شکستہ اور اداس رہنے لگے اس لئے کہ زندگی میں اتنا بڑا غم نہ دیکھا تھا، ساری زندگی اپنے شیخ و مربی کے حکم اور اشارے پر گذاری، ان کے عشق و محبت میں سرشار رہے انکے سایۂ عاطفت کو اپنے لئے سراپا رحمت سمجھتے تھے، آپ نے حضرت کے انتقال پر بڑے دردو افسوس کے ساتھ ایک صاحب کو تحریر فرمایا:۔

"حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی رحلت نے کمر توڑ دی، میں تو دل سے کہتا ہوں"

سنے کون ہائے صدائے دل ملے کس سے آہ شفائے دل
وہ جو بیچتے تھے دوائے دل وہ دکان اپنی بڑھا گئے

تیسرا تیج

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے حادثۂ انتقال کے بعد آپ کو جو پہ پہنچی

---

[1] تذکرۃ الخلیل ص ۳۶۹

www.abulhasanalinadwi.org

اور اضطراب ہوا اس کی وجہ سے کسی وقت جی نہیں لگتا، چونکہ آپ کو مدینہ منورہ سے والہانہ محبت تھی اور وہیں جاکر آرام حاصل ہوسکتا تھا، اس لئے آپ نے یہی سوچا کہ مدینہ منورہ تشریف لے جائیں اور کچھ عرصہ تک وہاں قیام کرکے سکون و راحت حاصل کریں اور اپنا غم غلط کریں۔ آپ کی اس کیفیت کی عکاسی حضرت شیخ الحدیث اس طرح فرماتے ہیں:۔

"تیسرا حج حضرت قطب عالم گنگوہی قدس سرہٗ نور اللہ مرقدہٗ کے حادثۂ انتقال کی بنا پر ہوا تھا کہ اس حادثۂ جانکاہ کا اثر حضرت قدس سرہٗ کے قلب مبارک پر جتنا ہونا چاہئے تھا ظاہر ہے اور اس کا مداوا اور تسلی روضۂ اقدس پر حاضری ہی سے ہوسکتی تھی[1]"

آپ کی اہلیہ محترمہ کے پاس اپنے پہلے شوہر کا عطیہ زیور تھا جس کو تقریباً ڈیڑھ سو روپئے میں فروخت کرکے زمین خرید لی تھی، ۱۳۲۳ھ میں اس زمین کو فروخت کر ڈالا جس کی قیمت پانچسو روپیہ ملی، حضرت مولانا کو اس فروختگی کے بعد خیال آیا کہ بیوی پر حج فرض ہوگیا تو آپ نے اپنی اہلیہ محترمہ سے فرمایا، تم پر حج فرض ہوگیا ہے اس کو ادا کرنے کا اہتمام کرو، اس فرمانے کے بعد خود بھی حج کرنے کا ارادہ فرمانے لگے، اگرچہ اہلیہ محترمہ کے پاس اتنی رقم نہیں تھی کہ دونوں حج کرسکتے ... اور حضرت مولانا محرم بن کر ساتھ ہوسکتے ... مگر آپ کے حج کا محرک آپ کا وہ فطری شوق و ذوق تھا جو بار بار آپ کو دیارِ حرم کی طرف کھینچتا تھا، آپ نے اپنی تصنیف "مطرقۃ الکرامۃ" کے نسخے فروخت کرکے ایک رقم حاصل کی اور اپنی اہلیہ اور اپنی صاحبزادی کو جن کے شوہر مجنون ہو گئے تھے اور وہ ہمیشہ مغموم و متفکر رہا کرتی تھیں لے کر حج کو تشریف لے گئے، آپ کا یہ مبارک سفر آخر شوال ۱۳۲۳ھ

---

[1] مقدمہ اکمال الشیم صفحہ ۳۰

www.abulhasanalinadwi.org

میں شروع ہوا، پورا سفر بڑے کیف و سرور سے کیا، جتنا جتنا حرم قریب آتا کیف و سرور میں اضافہ ہوتا جاتا اور مرشد و مربی رحمۃ اللہ علیہ کے فراق کا غم ہلکا پڑتا جاتا تھا۔ حجاز پہونچے، حج فرمایا، یہ وہ پہلا حج تھا جو حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی کی وفات ۱۳۱۷ھ کے بعد کیا۔ حج کے مناسک ادا کرنے کے بعد مدینہ منورہ کا سفر کیا اور آستانۂ نبوی پہ حاضری دی تو جیسے کسی نے زخم پر مرہم کا پھایہ رکھ دیا ہو۔

آپ جس وقت مدینہ منورہ پہونچے اسوقت حرم نبوی میں حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی درس دیا کرتے تھے اور ان کا اور ان کے خاندان کا بڑا اثر تھا، وہ آپ کے شاگرد و معتقد تھے اور آپ کا بڑا ادب کرتے تھے، آپ کے تشریف لیجانے سے ان کو قلبی مسرت ہوئی اور انہوں نے علماء مدینہ سے آپ کو ملایا، اور آپ کا درس شروع کرا دیا۔

حرم شریف میں آپ کا درس | جتنے دن آپ نے مدینہ منورہ میں قیام کیا حدیث شریف کا درس دیا۔ آپ کے درس میں طلباء اور علماء کثرت سے شریک ہونے لگے۔ ان میں بہت سے ایسے تھے جنھوں نے سند حدیث بھی لی اور باوجود خود اہل علم و فضل ہونے کے آپ کے حلقۂ درس میں بیٹھے، اور شاگرد ہونے کا فخر حاصل کیا۔

مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی آپ کے درس اور آپ سے علماء مدینہ کے استفادہ کا حال ان الفاظ میں تحریر کرتے ہیں:۔

> [illegible]ھ کی ابتداء میں حضرت مولانا خلیل احمد صاحب قدس اللہ سرہٗ العزیز بعد از فراغت حج مدینہ منورہ تشریف لائے اور تقریباً پندرہ روز قیام فرمایا، چونکہ موصوف مدینہ اساتذہ کرام میں سے تھے، اس لئے طلباء مدینہ منورہ کا آپ کی طرف بہت ہجوم ہوا اور عموماً علماء مدینہ بھی آپکی

www.abulhasanalinadwi.org

زیارت اور دست بوسی کے لئے حاضر ہوتے رہے اور بہت بڑے مجمع نے اوائل کتب احادیث سُنا کر مسجد شریف کے اندر بڑے حلقہ میں اجازت کتب حدیث و علوم لی۔ (ا)

ایک شرانگیز فتنہ

حضرت مولانا کی مدینہ منورہ سے واپسی پر، مدینہ منورہ کا وہ طبقہ جو علماء دیوبند کا مخالف تھا اور پہلے سے مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی اور ان کے خاندان کے علم وفضل و جاہت و نجابت اور محبوبیت ومقبولیت سے جڑھا ہوا تھا اور حسد کی آگ جس کے دلوں میں بھڑک رہی تھی، مگر ان کے خلاف کچھ کر نہ سکتا تھا، اس موقع کو غنیمت جان کر حضرت مولانا کے خلاف صف آرا ہو گیا اور اس نے آپ کی "براہین قاطعہ" کو سامنے رکھ کر آپ پر طرح طرح کے الزامات لگائے، مزید براں اسی زمانہ میں مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی مدینہ منورہ پہونچے اور اپنی تازہ کتاب "حسام الحرمین" جس میں علمائے دیوبند کے خلاف سخت خیالات کا اظہار کیا گیا تھا اور ان کی تکفیر کی گئی تھی، علمائے مدینہ کے سامنے پیش کی اور ایک فتنہ برپا کر دیا، اس سلسلہ میں مولانا سید حسین احمد صاحب مدنیؒ تحریر فرماتے ہیں:۔

"یہ امر ان متعدد ہندوستانیوں کو نہایت شاق گزرا جو خود یا ان کے اکابر حضرات علمائے دیوبند اور ان کے اسلاف رحمہم اللہ سے کسی قسم کا خلاف رکھتے تھے . . . حضرت مولانا مرحوم کی یہ عظمت وشوکت دیکھ کر ان کے سینوں پر سانپ لوٹنے لگا۔ کتاب براہین قاطعہ حضرت مولانا مرحوم کی اہل بدعت کے لئے جس قدر سیف قاطع اور دلوں کو زخمی کرنے والی ہے اس کو ان مخالفوں کا کلیجہ ہی جانتا ہے چونکہ حضرت مولانا مرحوم تا زندگی دیسی پر مجبور تھے اس لئے بند رہیں دن تک اپنے

(ا) نقش حیات جلد اول ص۱

www.abulhasanalinadwi.org

رفقاء کے واپس ہو گئے مگر مخالفوں کے سینوں میں زخم کر گئے[1]۔"

آگے تحریر فرماتے ہیں:۔

"دو تین دن کے بعد مولوی احمد رضا خاں صاحب مدینہ منورہ پہونچے وہ مکہ معظمہ میں بعد از حج اپنے ایک رسالہ "حسام الحرمین" پر دستخط کرانے کے لئے کچھ ٹھہر گئے تھے ان کی آمد پر یہ زخمی جماعت ان کے ارگرد جمع ہو گئی[2]۔"

مولانا احمد رضا خاں صاحب نے مدینہ منورہ پہونچکر بڑے بڑے حکام اور علماء سے ملاقاتیں کیں، اپنا تعارف کرایا اور ان کی خدمتوں میں نذرانے پیش کئے اپنی علمیت سے مرعوب کرنا چاہا اور غلط فہمی پھیلائی۔

کتب خانہ کی تعمیر

حج سے واپسی کے بعد آپ نے پھر دلجمعی کے ساتھ درس و تدریس اور تعمیر مدرسہ کی تعمیر و ترقی میں حصہ لینا شروع کیا۔

اور تقریباً دو سال بعد ۱۳۲۶ھ میں کتب خانے کی بنیاد رکھی گئی جس میں مولوی رحیم بخش صاحب پریسیڈنٹ بھاولپور نے نمایاں حصہ لیا بلکہ کتب خانے کی تعمیر کے پورے اخراجات جو تین ہزار پر مشتمل تھے اپنی جیب خاص سے برداشت کئے۔ کتب خانے کی اس تعمیر میں حضرت مولانا نے بڑی دلچسپی دکھلائی اور پورے ذوق و شوق سے اس کو تعمیر کرایا اور اپنی تعمیری اور تنظیمی صلاحیت کا پورا ثبوت دیا۔

علالت و رخصت اور مولانا محمد یحییٰ کاندھلوی کی آمد

کتب خانے کی تعمیر چل ہی رہی تھی۔ حضرت مولانا نے اس سلسلے میں جو ذہنی و دماغی اور جسمانی محنت کی اسکا اثر جسم و ذہن پر پڑا ہی تھا کہ سہارنپور میں موسمی بخار وبا کی شکل اختیار کر گیا، طلباء کی کثیر تعداد اور اساتذہ کی ایک جماعت اس کا شکار ہوئی، خود آپ اسمیں

---

[1] نقش حیات جلد اول ص۱۰۱، [2] ایضاً ص۱۰۲

www.abulhasanalinadwi.org

ایسے مبتلا ہوئے کہ ۲۲ روز تک علالت کا سلسلہ رہا، ضعف ونقاہت اور بخار کی وجہ سے کوئی سبق بھی نہ پڑھا سکے جب آپ نے دیکھا کہ طلباء کا بہت زیادہ حرج ہو چکا ہے تو دوسرے ایسے استاذ کے انتظام کرنے کی درخواست کی جو آپ کے ساتھ شریک تدریس ہو سکے اور اس اہم عہدہ پر بلانے کے لئے آپ کی دوررس اور مردم شناس نگاہ مولانا محمد یحییٰ صاحب کاندھلوی پر پڑی جو حضرت گنگوہی کے خادم خاص اور شاگرد رشید رہے تھے جن کو درس وتدریس میں ملکۂ تامّہ حاصل تھا اس لئے آپ نے مدرسہ کے مہتمم صاحب کو درخواست دی جسمیں اپنی علالت اور دوسرے مدرس کے انتظام کے متعلق تحریر فرمایا:۔

مکرم بندہ جناب مہتمم صاحب مدفیوضکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

جناب کو معلوم ہے کہ میں ضعیف ہو گیا ہوں، خدمت مدرسہ کے انجام دینے سے پورے وقت میں قاصر ہوں، لہٰذا عرض ہے کہ اگر حضرات سرپرستان مدرسہ منظور فرمائیں تو یہ ہو سکتا ہے کہ مولوی محمد یحییٰ کاندھلوی کو یہاں بلوالوں بقدر طاقت اسباق میں پڑھاؤں اور باقی ماندہ مولوی صاحب پڑھائیں ہاں اگر ہم دونوں میں سے کوئی ایک موجود نہ ہو تو پورے اسباق دوسرا پورے کرے۔ اس صورت میں مدرسہ کا حرج نہ ہوگا بلکہ نفع ہے اور اگر یہ منظور نہ ہو تو جو مستقل تجویز فرمائیں اختیار ہے۔

حررہ' خلیل احمد

۲۵ رمضان ۱۳۲۶ھ پنجشنبہ

آپ کی اس درخواست کو مہتمم صاحب نے مدرسے کے سرپرستوں کی خدمت میں پیش کر دیا جس پر تینوں اکابر نے جوابات تحریر فرمائے،

www.abulhasanalinadwi.org

مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائپوری نے یہ عبارت تحریر فرمائی :۔

"میں اس معاملے میں اس قدر عرض کر سکتا ہوں کہ حضرت مولانا سلمہٗ سے زیادہ اس مدرسہ کا خیر خواہ اور اس کی ضرورتوں کا اندازہ کرنے والا اور کون ہے، یہ بے شک صحیح ہے کہ مولانا صاحب کا ضعف بیشک اس کا مقتضی ہے کہ کچھ سہولت ضرور ہونی چاہیئے اس کی جو صورت حضرت مولانا تجویز فرمائیں وہ ہر صورت سے انشاء اللہ پسندیدہ ہوگی۔"[1]

عبدالرحیم

حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی اس درخواست پر یہ نوٹ چڑھاتے ہیں :۔

"حضرت مولانا صدر مدرس نے جو صورت تجویز فرمائی ظاہراً ہر پہلو سے قرینۂ مصلحت ہے، اس لئے میں اس کے منظور کر لینے کی رائے دیتا ہوں۔"[2]

اشرف علی

۴ر شوال ۱۳۲۶ھ

حضرت مولانا محمود حسن صاحب اپنی رائے اس طرح ظاہر فرماتے ہیں:۔

"صورت مجوّزہ جناب مولانا کے لئے موجب راحت اور مدرسہ کے لئے نہایت مفید ہے اس لئے تامل نہ کرنا چاہیئے۔"[3]

محمود حسن

۱۲ر شوال ۱۳۲۶ھ

سرپرست حضرات علماء کے اتفاق رائے سے آپ کی یہ درخواست منظور کر لی گئی اور مولانا محمد یحییٰ صاحب کاندھلوی ۱۹ر رجب ۱۳۲۷ھ کو گنگوہ سے آگئے

---

[1] تاریخ مظاہر اول صفحہ ۱۲ ۔ [2] ایضاً صفحہ ۱۲ ، [3] ایضاً صفحہ ۱۲

www.abulhasanalinadwi.org

اور اس سال کے جو اسباق پڑھانے سے رہ گئے تھے، وہ سالانہ امتحان سے پہلے ہی مکمل کرا دئیے۔

دیوبند کا جلسۂ دستار بندی اور آپ کی شرکت

۶، ۷، ۸ ربیع الثانی ۱۳۲۸ھ مطابق ۱۶، ۱۷، ۱۸ اپریل

۱۹۱۰ء کو دار العلوم دیوبند کا جلسۂ دستار بندی ہوا، سیکڑوں طلباء کی دستار بندی ہوئی، جمیں سب سے پہلے مولانا انور شاہ صاحب کشمیری کے دستار بندھی جو ۱۳۱۴ھ میں دار العلوم دیوبند سے فارغ ہوئے تھے اور حضرت مولانا کے شاگرد تھے، شاہ صاحب کی دستار بندی کے بعد مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی کو تین سبز دستاریں ملیں، جنمیں ایک مدرسہ کی طرف سے، دوسری حضرت گنگوہی کے فرزند رشید حکیم مسعود احمد صاحب کی طرف سے، تیسری مولانا حکیم احمد صاحب رامپوری کی طرف سے۔

یہ جلسہ اپنی نوعیت کا منفرد جلسہ تھا، اسوقت کے تمام اخبارات نے اس جلسہ کی غیر معمولی کامیابی پر بڑے اچھے مقالات اور تبصرے لکھے تھے۔

اس جلسہ میں حضرت مولانا محمود حسن صاحب بڑے متفکر رہے، حضرت مولانا خلیل احمد صاحب، حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی، اور حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب رائپوری، حضرت مولانا محمود حسن صاحب کی اس فکر میں برابر کے شریک اور جلسہ کی کامیابی کے سلسلہ میں ہر طرح ان کے معاون اور مددگار رہے۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ جلسہ کے اختتام تک یہ تینوں بزرگ چھتے والی مسجد کے اندرونی حصہ میں برابر مراقب رہے اور ان کے مراقب ہونے کی سوائے مولانا محمود حسن صاحب کے کسی کو خبر آخر وقت تک نہ ہوئی۔ کھانے سے فراغت کے بعد جسکا سارا انتظام حضرت مولانا محمود حسن صاحب کے ہاتھ میں تھا اور وہ خود بنفس نفیس کمر میں پٹہ باندھ کر کھانا نکالتے اور مہمانوں کو کھلاتے جارہے تھے، جب سارے

www.abulhasanalinadwi.org

مہمان کھانا کھا چکے تو حضرت مولانا محمود حسن صاحب نے کسی کو یہ کہہ کر بھیجا کہ چھتہ والی مسجد میں داخل ہو کر یہ آواز لگائے کہ اللہ کے فضل سے فراغت ہو گئی، سارے مجمع نے کھانا کھا لیا، جب بھیجے جانے والے آدمی نے چھتہ والی مسجد میں جا کے دیکھا تو کوئی بھی نظر نہیں آیا مگر اس نے حضرت مولانا محمود حسن صاحب کے حکم پر بے دیکھے یہ اطلاع باآواز بلند دیدی تو اندر سے یہ تینوں حضرات نکلے اور ان کی آنکھوں میں آنسو تھے۔

حجاج کا مبارک قافلہ اور آپ کی ہمرکابی

۱۳۲۸ھ میں مدرسہ مظاہر علوم کے مدرسین و متعلقین کا ایک بڑا قافلہ حج کو روانہ ہوا، جس میں مدرسہ کے سرپرست حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب رائپوری اور انکے فرزند مولوی عبدالرشید صاحب نیز مدرسہ کے کئی مدرسین شریک تھے، حضرت مولانا کو بھی حج میں جانے کا شوق پیدا ہوا، اور بلا کسی پہلے سے ارادہ اور تیاری کے حج کا سفر اختیار فرمایا۔

اس سفر حج کے متعلق مولانا عاشق الٰہی صاحب لکھتے ہیں:۔

"۱۳۲۸ھ میں جب مولانا رائپوری کو آپ نے دہلی تک مشایعت فرما کر حجاز روانہ کیا تو شوق حاضری حرمین کا پھر غلبہ ہوا اور شاہ زاہد حسن صاحب رئیس بہٹ نے آپ سے خواہش کی کہ ساتھ تشریف لے چلیں تو آپ نے منظور فرما لیا، اور مولانا محمد یحیٰی صاحب کاندھلوی کو (جو جمادی الاول سے حسب معمول اسباق دورہ کی تکمیل کے لئے آئے ہوئے تھے) اپنا قائم مقام بنا کر اہلیہ کو مکان پر چھوڑ کر وسط ذیقعدہ میں بمبئی روانہ ہوئے، ۶ ذی الحجہ کو آپ مکہ مکرمہ پہونچے اور ۱۰ محرم کو براہ رابغ مدینہ منورہ حاضر ہوئے ۲۲ دن قیام فرما کر وطن کو مراجعت فرمائی اور آخر صفر میں سہارنپور

www.abulhasanalinadwi.org

تشریف لے آئے۔[1]

آپ نے یہ سفر جس شوق و ذوق کے ساتھ کیا وہ آپ ہی کا حصہ تھا۔ کون جانے کہ آپ کا اس راہ میں کیا حال رہا اور کس عالم کیف و مستی سے آپ گذرے ؎

وفورِ شوق میں اک اک قدم میرا قیامت تھا
خدا معلوم کیونکر جلوہ زارِ حسن تک پہونچا

آپ کا یہ سفر ۵ ماہ کا تھا اس پوری مدت میں مولانا محمد یحییٰ صاحب کو جو تنخواہ ملتی رہی وہ خود نہیں لیتے تھے بلکہ حضرت مولانا کی اہلیہ محترمہ کی خدمت میں حاضر ہو کر پیش کر دیا کرتے تھے۔

حضرت رائپوریؒ کے ہمراہ اس سفر میں ان کے صاحبزادے مولوی عبدالرشید بھی تھے اور بہت سے ایسے اہل تعلق بھی جن کا خرچ ختم ہو گیا تھا اور وہ جلد واپسی پر زور دے رہے تھے، حضرت رائپوری کے صاحبزادے علیل تھے، حضرت رائپوری میں تواضع، انکساری اور اہل تعلق سے محبّت و تعلق اور مروت بہت تھی، باوجود صاحبزادے کی بیماری اور تکلیف کے ساتھیوں کے اصرار پر جلد واپسی کا فیصلہ کر لیا حضرت مولانا کا حضرت رائپوری بہت خیال کرتے تھے۔ حضرت مولانا کو جب یہ معلوم ہوا کہ حضرت رائپوری اپنے صاحبزادے کی تکلیف پر اپنے ساتھیوں کے اصرار کو ترجیح دے رہے ہیں اور واپسی کا فیصلہ کر رہے ہیں تو نہایت بے تکلفی کے ساتھ فرمایا:۔

"آپ مکہ میں ہیں جنگل میں نہیں اس لئے اس حالت میں عبدالرشید کسی طرح سفر کے قابل نہیں، آپ کیوں عجلت کر رہے ہیں"

---

[1] تذکرۃ الخلیل ص ۳۶۵

www.abulhasanalinadwi.org

حضرت رائپوری نے فرمایا :۔

" حضرت کیا کروں رفقاء کو اپنی خاطر تکلیف میں نہیں ڈالا جاتا کہ ان کو عجلت ہے اور خرچ کم ہو چلا وہ میری وجہ سے رکے تو ان کا مکہ میں بادل نخواستہ وحشت کے ساتھ قیام ان کے لئے موجب وبال ہو جائیگا"

حضرت مولانا نے پوری صفائی سے جواب دیا !

" ان کے روکنے کی ضرورت نہیں کہ وجس کا دل چاہے جائے میں اس وقت عبدالرشید کی شدتِ علالت کے سبب سفر نہیں کر سکتا، آخر رفقاء کی مراعات آپ پر ضروری ہے تو عبدالرشید کی مراعات ان سب سے زیادہ ضروری ہے کہ رفیق سفر بھی ہے اور بیٹا ہے جس کے حقوق سب پر مقدم ہیں"

حضرت رائپوری اس جواب پر خاموش ہو گئے لیکن مروت کی وجہ سے باقی ساتھیوں سے عذر نہ کر سکے اور مولانا عاشق الٰہی صاحب میرٹھی کے ذریعہ حضرت مولانا سے اجازت حاصل کر لی اور رفقاء کے ہمراہ وطن واپس ہوئے لیکن راستے میں ہی عدن پہونچتے پہونچتے ان کے بیمار صاحبزادے مولوی عبدالرشید صاحب راستہ کی تکلیف برداشت نہ کر سکے اور انتقال کر گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون ۔

حضرت مولانا کے صاحبزادے حافظ ابراہیم کا انتقال

حضرت مولانا کی اولاد نرینہ میں صرف حافظ ابراہیم تھے جو ۱۲۹۱ھ میں پیدا ہوئے، اول قرآن شریف حفظ کیا اور اپنے والد ماجد کے ساتھ بریلی اور دیوبند رہ کر عربی شروع کی اور مشکوٰۃ ا شرح وقایہ تک تعلیم حاصل کی اور نقشہ نویسی کا کام سیکھا اور رفاضل کا میں عنہ مشاہرہ پر محکمہ نہر میں ملازم ہو گئے اور پھر دارو غہ نہر ہو کر فیروز پور گئے اور للو

مشاہرہ ملنے لگا۔ ۱۳۱۴ھ میں چچا زاد بہن صفیہ خاتون سے شادی ہوئی مگر اولاد نہ ہوئی تو ۱۳۲۹ھ میں دوسرا نکاح کیا مگر ۱۳۳۰ھ میں خود سخت علیل ہو گئے اور ۴۰ سال کی عمر میں انتقال کیا۔ اکلوتے صاجزادے کے انتقال کا حضرت مولانا پر جو اثر پڑا ہوگا وہ ظاہر ہے مگر آپ صبر واستقلال کے پہاڑ تھے، اتنے سخت موقع پر بھی آپ نے سنّت نبویؐ کی پیروی کی اور وہ کیا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صاجزادے ابراہیم کے انتقال پر کیا تھا۔ مسلم کی روایت ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صاجزادے ابراہیم کا وصال ہوا تو آپ نے فرمایا "تدمع العین ویحزن القلب ولا نقول ما یسخط الرب وانا بك یا ابراهیم لمحزونون۔

مسجد کی تعمیر اور آپ کا ذوق وانہماک

مدرسہ مظاہر علوم کا دار الطلبہ جس میں درسگاہیں بھی ہیں آپ کے ذوق وشوق، دلچسپی وانہماک کی وجہ سے ایک خوبصورت ومناسب عمارت کی شکل میں تعمیر ہو چکا تھا، آپ اس کی تعمیر کے وقت کھڑے ہو کر معماروں سے کام لیتے اور اپنے ہی بنائے ہوئے نقشہ کے مطابق تعمیر کراتے تھے، مدرسہ کے غربی جانب ایک افتادہ زمین پڑی ہوئی تھی اور مدرسہ کے لئے ایک مسجد کی ضرورت تھی۔ آپ کی توجہ دلانے سے چند اہل خیر حضرات نے ۱۳۳۱ھ میں وہ زمین خرید کر مدرسہ کو وقف کر دی اور اسی سال سے مسجد کی تعمیر شروع کر دی گئی اور ایک سال کے اندر ۱۷ ربیع الاوّل ۱۳۳۲ھ میں جمعہ کے بابرکت دن مسجد کا افتتاح ہوا ہجوم کی کثرت کی وجہ سے دار الطلبہ کی چھتوں پر فرش بچھایا گیا، حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی نے نماز جمعہ پڑھائی اور عصر تک وعظ فرمایا۔

حضرت مولانا خلیل احمد صاحب نے جس طرح دار الطلبہ کی تعمیر میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا اسی طرح مسجد کی تعمیر میں اپنے فطری تعمیری ذوق اور انہماک کا مظاہرہ

www.abulhasanalinadwi.org

فرمایا۔

کلمۂ حق عند سلطان جائر ۱۳۳۳ھ مطابق ۱۹۱۴ء کا سال بعض حیثیتوں سے بڑا انقلاب انگیز تھا اور ہندوستانی مسلمانوں کے لئے تشویشناک، پہلی جنگ عظیم جاری تھی اور ترکی، حکومت برطانیہ سے نبرد آزما ہو رہا تھا، اسوقت حجاز ترکی کے ماتحت تھا اور ہندوستان برطانیہ کے، پورے عالم اسلام پر بےچینی اور اضطراب کی فضا چھائی ہوئی تھی، ہندوستانی مسلمانوں کو برطانیہ جبراً ترکی کے خلاف ابھار رہا تھا اور اس معاملہ میں ہندوستان کے مسلمان علماء، بڑی نازک پوزیشن میں تھے، اس سلسلہ میں ترکی کے خلاف حضرت مولانا سے بھی تائید حاصل کرنے کی کوشش کی گئی۔ آپ نے جرأت و ہمت اور عزیمت سے کام لے کر انکار فرما دیا، جب حکومت کی طرف سے زور ڈالا گیا تو آپ نے ہندوستان چھوڑ دینے کو ترجیح دی مگر ضمیر اور ایمان کے خلاف کچھ کہنا اور کرنے سے انکار کر دیا مولانا عاشق الٰہی میرٹھی لکھتے ہیں:۔

> "دہلی سے آپ کے پاس ایک استفتاء آیا تھا جس میں مسلمانان ہند کا ترکی سے جنگ کرنا جائز لکھ کر حضرت سے تصویب چاہی گئی، آپ نے دستخط کرنے سے صاف انکار کر دیا اور آپ نے خاص لوگوں سے کہا کہ اگر یہ دھمکی صحیح ہے اور گورنمنٹ مجبور کرتی ہے کہ اسلام کے خلاف فتویٰ دیں تو ہندوستان میں رہنا جائز نہیں اور ہجرت کرنا فرض ہے، اپنے اس خیال کو آپ نے شائع تو نہیں کیا مگر خود ارادہ پختہ کر لیا کہ میں ایسی حالت میں ہندوستان کو دار الامن نہیں سمجھتا۔"[1]

ہجرت کا ارادہ اور ایک طویل مشورہ اس استفتا نے آپ کے ضمیر اور ایمان

---

[1] تذکرۃ الخلیل ص ۳۶۵

www.abulhasanalinadwi.org

کو جھنجھوڑ کر رکھدیا اور آپ کے دل میں انگریزوں کے خلاف جو جذبات چنگاری بن کر سلگ رہے تھے وہ موجودہ طرزِ عمل سے شعلۂ جوالہ بن گئے اور شب و روز اضطراب و بیچینی رہنے لگی، حضرت مولانا محمود حسن صاحب جو ترکی حکومت کی موافقت میں انگریزوں کے خلاف شمشیر بے نیام بنے ہوئے تھے رابطہ قائم رکھا اِدھر آپ نے ہندوستان چھوڑ دینے کا پختہ ارادہ کیا۔ اُدھر مولانا محمود حسن صاحب سے مشورے کرنے لگے۔

ان میں وہ طویل مشورہ بھی ہے جو مدرسہ قدیم مظاہر علوم میں بہت رازدارانہ طریقہ پر کیا گیا، اس مشورہ کا حال حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مدظلہ العالی اس طرح لکھتے ہیں:۔

"سفر سے پہلے ایک ہفتہ تک مظاہر علوم کے کتب خانہ میں چار حضرات (۱) حضرت سہارنپوری (۲) حضرت شیخ الہند (۳) حضرت اقدس شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری (۴) مولانا الحاج حکیم احمد صاحب رامپوری کا جو مشورہ ہوتا تھا کہ ان چار حضرات کے علاوہ کسی پانچویں کو وہاں جانے کی اجازت نہ تھی، صبح کو اشراق کے بعد فورًا یہ حضرات تخلیہ میں تشریف لے جاتے، دوپہر کے کھانے کے لئے بار بار حضرت قدس سرہٗ کے گھر سے اطلاعات آتی رہتیں اور یہ حضرات فرماتے کہ ابھی آتے ہیں، ظہر کی اذان سے کچھ پہلے اوپر سے اترتے اور جلدی جلدی کھانا نوش فرما کر ظہر پڑھتے اور ظہر کے بعد سے فورًا تخلیہ میں تشریف لے جاتے اور عصر کی اذان کے بعد اترتے، عصر کے بعد مجلس نہیں ہوتی تھی لیکن مغرب بعد کبھی کبھی ہو جاتی تھی، ہر شخص جستجو میں تھا کہ اتنا طویل مشورہ کس بات کا ہے مگر کسی کو پتہ نہیں تھا اس ناکارہ کا بچپن تھا اور اکابر میں سے ہر ایک سے پوچھتا مگر میرے والد صاحب کو اجمالاً معلوم تھا اس لئے اشارۃً انہوں نے کچھ فرمایا جس سے اس ناکارہ کو تسکین ہوئی"[1]

---

[1] مقدمہ اکمال الشیم صفحہ ۳۳

www.abulhasanalinadwi.org

پانچواں حج اس مشورہ میں حضرت مولانا محمود حسن صاحب اور حضرت مولانا خلیل احمد صاحب کا مع ایک جماعت کے حجاز کا سفر طے ہوا اور ان کی غیر موجودگی میں مقامی کام حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری کے سپرد کر دیا گیا، سفر کے معاملہ میں بعض مصالح کی بنا پر یہ صورت اختیار کی گئی کہ مولانا محمود حسن صاحب الگ سفر کریں اور حضرت مولانا الگ سفر کریں تاکہ حکومت کی طرف سے کوئی گرفت ہو تو دونوں ایک ساتھ اس کی زد میں نہ آئیں، اس لئے حضرت مولانا نے وسط شوال ۳۳ھ کو سفر شروع فرمایا اور حضرت مولانا محمود حسن صاحب نے اس کے بعد ــــــ دونوں بزرگوں کی ملاقات مکہ مکرمہ میں ہوئی، حضرت مولانا محمود حسن صاحب کے ہمراہ حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی کے علاوہ دوسرے خصوصی خدام بھی تھے۔

سفر سے دو تین روز پہلے ایک شخص جس سے کسی کو کوئی زیادہ واقفیت نہ تھی مجذوبانہ شکل و صورت بنا کر آیا اور آپ سے ملا، اور سفر حج میں ساتھ چلنے کے لئے عرض کیا۔ آپ کو اس پر کچھ شبہ ہوا اور ساتھ لے چلنے سے انکار کر دیا، حضرت شیخ فرماتے ہیں:۔

> "ایک فقیر مجذوبانہ حالت میں صبح کی نماز ہمیشہ حضرت کے ساتھ پڑھا کرتا تھا اور بالکل یکسو و خاموش رہتا۔ ان چیزوں کو دیکھ کر شہر کے کچھ لوگ اس کے معتقد بھی ہو گئے، جب حضرت اقدس کی روانگی حجاز طے ہو گئی تو تشریف بری سے دو چار یوم قبل اس مجذوب نے حضرت سے درخواست کی کہ میں بھی ہمرکابی میں چلنا چاہتا ہوں اخراجات کا کوئی بار آپ پر نہ ہوگا صرف اس مبارک سفر میں حضرت کی خدمت اور قدمبوسی کی تمنا ہے۔ اگر اجازت ہو تو ساتھ چلوں۔ حضرت نے ارشاد فرمایا، سیکڑوں آدمی حج کو جاتے ہیں آپ بھی چلے جائیں۔ میرے سے اجازت

www.abulhasanalinadwi.org

کی کیا ضرورت ۔ یہ بھی فرمایا کہ میری تمام زمرے کوئی واقفیت نہیں اور میں اجنبی آدمی کو رفیق سفر نہیں بنایا کرتا ہے۔[1]

حضرت مولانا شوال میں روانہ ہو کر ذلیقعدہ ۱۳۳۳ھ کو مکہ مکرمہ پہونچے۔

ایک کرامت حضرت مولانا جس جہاز پر سفر کر رہے تھے وہ جب عدن پہونچا تو کوئلہ بھرنے کے لئے ٹھہرا، جنگ عظیم کیوجہ سے جگہ جگہ سنسر اور سفر میں قدم قدم پر دشواریاں تھیں، کوئلے کی اور کوئلہ بھرنے والوں کی بہت کمی تھی، عدن پہونچنے سے پہلے ایک اور جہاز اسی پریشانی میں مبتلا رہکر کئی دن رکا رہا اور کوئلہ نہ ملنے کی وجہ سے پورٹ سوڈان جانا پڑا تھا، لیکن آپ کے ساتھ خدا کا معاملہ دوسرا تھا، شرکاء سفر بہت پریشان تھے آپ نے فرمایا بھئی پریشانی سے کیا نتیجہ، اللہ کارساز ہے۔ خدا کا کرنا کہ ایک اسٹیمر کوئلے کی بھری دو کشتیاں کھینچتا لایا اور جہاز کے کپتان کے سپرد کر گیا اور جہاز بغیر کسی دشواری کے آگے روانہ ہو گیا اور بخیر و عافیت اپنے وقت پر جدہ پہونچ گیا۔

حضرت مولانا ۲۲ ذیقعدہ کو مکہ مکرمہ پہونچے آپ کا ارادہ تھا کہ اس دیار مبارک میں زیادہ سے زیادہ قیام کریں گے، اس سفر میں آپ کو بعض بڑے ناموافق حالات سے دوچار ہونا پڑا، ہندوستان سے تو اس لئے سفر کیا تھا کہ حکومت ہند ترکی مسلمانوں کے خلاف جہاد کا فتویٰ لینا چاہتی تھی اور جب حجاز پہونچے تو ترکی حکومت کو اپنے سے بدگمان پایا اور خفیہ پولیس کی نگرانی شب و روز اس خیال سے رہی کہ آپ انگریزوں کی رعایا ہیں اور ان کے ہم خیال، آپ نے جب یہ صورت حال دیکھی تو ترکی افسروں سے مل کر فرمایا:۔

"عجیب بات ہے برطانوی حکومت ہم کو بحیثیت اتحاد مذہب ترکی کا خیر خواہ

---

[1] تاریخ مظاہر جلد دوم ص۶

سمجھ کر بدگمان ہے اور ترکی حکومت محض ہندی باشندہ ہونے کے لحاظ سے ہم پر مطمئن نہیں، پھر آخر مسلمان اپنی مذہبی زندگی عافیت کے ساتھ گذارنے کے لئے کونسا ملک ڈھونڈھیں ؟

لیکن یہ عجیب بات ہے کہ آپ کے اطمینان دلانے کے بعد بھی حکومت ترکی کو اطمینان نہ ہوا اور آپ آزادی وسکون کے ساتھ حجاز میں قیام نہ فرما سکے۔

آپ کی غیبوبت کا اہلِ مدرسہ پر اثر

آپ کے سفر حجاز کی مع. ان ایام کے جو سہارنپور سے چلنے اور سہارنپور تک واپس ہونے میں لگے، . . . . مدت ۱۴ ماہ تھی یعنی وسط شوال ۱۳۳۱ھ سے لے کر ۲۰ ذی الحجہ ۱۳۳۲ھ تک آپ مدرسہ سے باہر رہے، اتنی طویل غیبت کا متعلقین، خدام اور اہل مدرسہ پر بہت اثر تھا مدرسین، ممبران، طلباء سبھی آپ کے فراق میں باچشم گریاں، بادل بریاں تھے، آپ کے ماننے والوں میں ہزاروں آدمی دوبارہ واپسی اور جلد واپسی کے لئے دعا گو تھے اور چشم براہ، آپ کی کمی اتنی شدید طور پر محسوس کی جارہی تھی کہ مدرسہ کا ہر شخص اپنے آپ کو یتیم سمجھ رہا تھا اور بےچین ومضطرب تھا اور ہر ایک کا حال ان شعروں کے مصداق بنا ہوا تھا ؎

جب صبا کوئے یار سے گذرے ‏ ‏ ‏ ‏ آتنا پیغام درد کا کہنا
دن بہت انتظار میں گذرے ‏ ‏ ‏ ‏ کون سی رات آپ آئیں گے

مدرسہ والوں کے گہرے تاثر اور آپ کے موجود نہ ہونے سے جو رنج وغم طاری تھا اس کی کیفیت مدرسہ کی روئداد کی حسب ذیل عبارت سے معلوم ہوگی۔

"اس گلستان خلیل اللٰہی کا وہ باغبان باغ کے اندر نظر نہیں آتا جس کا پیارا نام خلیل احمد ہے، سارے مکان کا فرش وسقف اور دیوار ودر سجا ہوا مگر اس کا صدر نشین مکین باہر گیا ہوا ہے۔ باغیچہ کے اندر پھل اور پھول ہر قسم کے

لے

www.abulhasanalinadwi.org

درخت دکھائی دے رہے ہیں مگر افسوس کہ وہ ستودہ صفات جس کو ہر شجر و نہال کے برگ و بار سے خاص انس خاص علاقہ اور دلچسپی تھی، ہند کی زمین چھوڑ کر سمندر پار عرب کی مقدس زمین پر جلوہ فرما ہے، وہ نورانی چہرہ جس کو پھول سے تشبیہ دینا تنقیص شان ہے آج ہم میں موجود نہیں کیونکہ مولانا ممدوح ماہ شوال ۱۳۳۳ھ میں بقصد زیارت حرمین شریفین حجاز تشریف لے گئے، یہ بالکل صحیح ہے کہ پاک اجسام کے لئے قیام بھی پاک زمین پر شایاں ہے اور حضرت ممدوح کے ہر کمال علمی و عملی کے متعلق خوش نصیبی جملہ صلحاء و اولیاء کے لئے مایۂ ناز ہے۔

زہے سعادت آں بندہ کہ کرد نزول

گہے بہ بیتِ خدا دگہ بہ بیتِ رسولؐ

مگر اس کے ساتھ ہی جب یہ سماں نظر کے سامنے ہو کہ آسمان پر تارے چمکے ہوئے نظر آویں اور ماہتاب موجود نہ ہو تو ہر شخص کے لئے چشم نم ہونے کا وقت ہے[1]۔

مدرسہ کا سالانہ جلسہ اور آپکی منقبت میں ایک نظم

حضرت مولانا کے حجاز تشریف لیجانے کے آٹھ ماہ بعد مدرسہ کا سالانہ جلسہ ہوا، جلسہ کی تاریخ جمادی الاولی ۱۳۳۴ھ مطابق مارچ ۱۹۱۶ء تھی اور جلسہ کی جگہ جامع مسجد سہارنپور تھی، یہ جلسہ آپ کی غیر موجودگی میں ہوا جسمیں اسوقت کے مشہور علماء شریک ہوئے، علماء کے علاوہ ایک بڑا مجمع جمع ہو گیا تھا، حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی کی تقریر ہوئی، حاضرین جلسہ میں ہر شخص کی آنکھیں آپ کو ڈھونڈ رہی تھیں اور آپ کی غیر موجودگی کا اثر محسوس کیا جا رہا تھا، اس جلسہ میں مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی نے آپ کی شان میں ایک عربی نظم پڑھی، وہ حسب ذیل ہے:۔

---

[1] روئداد مدرسہ ۱۳۳۳ھ ص۳

www.abulhasanalinadwi.org

تلوم علی حب الخلیل ولم یکن یسلو قلبی عن وداد خلیل

فدته نفوس العاشقین فانه لعمری شفاء کل قلب علیل

تراه إذا ماجئته متهللاً بنور من الله العظیم جلیل

أیعذلنی من لم یشف بعد وجهه ولن یجدوا حقاً له بمثیل

فلو لاح من بعد محیا جماله لکبّر لله الجلیل عزول

یقولون ان الحب قتالة الفتی وطوبی لصب فی الغرام قتیل

کأن سهارنبور مافیه واحد اذا لم یکن فیه جمال خلیل

دعته دواعی الشوق من حب احمد فاضحی بخیر الارض خیر نزیل

نبی أتی للعالمین هدایة بوجه یفوق النیر عین جمیل

أتانا بنور اعجز الناس مثله فلا یسمع الدعوی بغیر دلیل

علیه سلام الله ما دام عاشق

وصال حبیب او ذهاب خلیل

ترجمہ: (۱) اے مخاطب تو مجھ کو مولائے خلیل احمد کی محبت پر ملامت کرتا ہے مگر میرا دل انکی محبت سے جدا نہیں ہوسکتا۔

(۲) عشاق کی جانیں اُن پر فدا ہوں کیونکہ وہ میری جان کی قسم ہر بیماری دل کی شفا ہیں۔

(۳) جب تم ان کے پاس آؤ تو ان کے چہرے کو خدائے بزرگ کے نور سے چمکتا ہوا پاؤ گے۔

(۴) کیا جس نے ان کی زیارت ابتک نہیں کی مجھے ملامت کرتا ہے حالانکہ سچ یہ ہے کہ انکی نظیر ہرگز نہ مل سکے گی۔

(۵) اگر دور سے ان کا باجمال چہرہ ظاہر ہوجائے تو میرا ملامت کرنیوالا خدائے بزرگ کی تکبیر کہنے لگے۔

(۶) لوگ کہتے ہیں کہ محبت انسان کے لئے قاتل ہے، میں کہتا ہوں کہ عاشق مقتول محبت کے لئے مبارکباد ہو جیو۔

(۷) سہارنپور میں جب مولانا خلیل احمد صاحب کا جمال نہ ہو تو گویا اسمیں کوئی بھی نہیں ہوتا۔

www.abulhasanalinadwi.org

(۸) مولانا کو حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت سے پیدا ہونیوالے دائمی شوق نے ملایا تو وہ بہتر زمین میں بہتر مقیم ہو گئے۔

(۹) وہ ایسے نبی ہیں جو تمام جہان کے لئے ہادی بن کر ایسے خوبصورت چہرے کے ساتھ تشریف لائے جو آفتاب ماہتاب سے بھی فائق ہے۔

(۱۰) آپ ہمارے پاس ایسا چمکتا ہوا معجزہ لائے جس کی نظیر سے تمام لوگ عاجز ہو گئے کیونکہ دعویٰ بلا دلیل مسموع نہیں ہوتا۔

(۱۱) آپ پر حق تعالیٰ کی طرف سے صلوٰۃ وسلام نازل ہوتا رہے جب تک کہ کوئی عاشق محبوب کے وصال کی یا گردن کی جدائی کی تمنا کرتا رہے۔

مدینہ منورہ میں قیام اور انور پاشا سے ملاقات

حکومت حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب پر کڑی نگاہ رکھتی تھی اور حضرت مولانا کو بھی مشتبہ نگاہ سے دیکھتی تھی جس کی وجہ سے یہ دونوں حضرات سکون و اطمینان کی زندگی بسر نہیں کر پاتے تھے انہیں دنوں آپ دونوں کا قیام مدینہ منورہ میں تھا، حسن اتفاق سے انور پاشا جو حکومت ترکیہ کے وزیر جنگ تھے مدینہ منورہ آئے اور ایک جلوس کے ساتھ پیدل آستانۂ نبوی حاضر ہوئے راستہ میں فوجیوں کی قطار چیر کر مولانا سید حسین احمد مدنی انور پاشا کے پاس پہونچ گئے اور شیخ الہند اور حضرت مولانا خلیل احمد کی ملاقات کی درخواست پیش کر دی اور بعد میں انہوں نے منظور کر لی، اور بعد مغرب ملنے کی اجازت مل گئی اور وقت مقررہ پر یہ دونوں بزرگوار انور پاشا اور جمال پاشا سے ملے، اس ملاقات میں تفصیلی گفتگو ہوئی۔

جلسۂ علماء انور پاشا نے مفتی مامون بری مرحوم صدر علماء مدینہ منورہ کے پاس حکم بھیجا کہ میری خواہش ہے کہ صبح کو مسجد نبویؐ میں علماء مدینہ جمع ہو جائیں اور اپنی اپنی تقریروں سے ہمیں مستفید فرمائیں۔ مفتی مامون نے حضرت شیخ الہند

www.abulhasanalinadwi.org

اور حضرت مولانا کو بھی اس جلسہ میں شرکت کی دعوت دی جو قبول کرلی گئی۔

صبح کو اجتماع ہوا، مقام صدارت پر انور پاشا اور ان کے سامنے مفتی صاحب بیٹھے، مفتی صاحب کے بائیں جانب شیخ الہند اور ان کے بائیں جانب حضرت مولانا اور پھر حضرت مولانا کے بائیں جانب مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی رح بیٹھے، مفتی صاحب نے انور پاشا اور جمال پاشا سے سب کا تعارف کرایا، تقریر کی خواہش کے وقت شیخ الہند اور حضرت مولانا نے اپنی اپنی باری پر معذرت کردی اور ان کے بجائے مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی نے فلسفۂ جہاد پر مبسوط تقریر کی۔ دو گھنٹے کے بعد یہ جلسہ ختم ہوا۔ انور پاشا نے مفتی صاحب کے ذریعہ علماء کو نذرانے پیش کئے لیکن شیخ الہند اور حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے لینے سے یہ کہہ کر عذر کر دیا کہ ہمارے پاس خرچ کافی ہے ہم کو حاجت نہیں لیکن اصرار پر قبول کر لیا اور دونوں بزرگوں نے اپنے اپنے حصہ کی رقم مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی کو دیدی۔[1]

حجاز سے واپسی

۱۲ رجمادی الثانی کو مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ تشریف لائے چند روز قیام کرکے ۲ رجب کو حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب طائف تشریف لے گئے مگر حضرت مولانا مکہ مکرمہ ہی میں رہ گئے، ان دونوں کے درمیان مشورہ سے یہ طے ہوا تھا کہ چونکہ حالات بہت ناموافق ہیں اور گرفتاری کا اندیشہ ہے اس لئے ہندوستان واپس ہو جانا چاہیے مگر طائف میں شیخ الہند ایسے محصور ہو گئے کہ مکہ مکرمہ واپسی ناممکن ہو گئی، شریف حسین کی فوجیں انگریزوں کی حمایت میں پورے ملک میں حملہ آور تھیں اور طائف پر گولہ باری ہو رہی تھی۔ حضرت مولانا نے شیخ الہند کا انتظار فرمایا اور جب یہ دیکھا کہ شیخ الہند کی واپسی کا کوئی اندازہ نہیں ہے، اور انتشار و طوائف الملوکی کا دور دورہ ہے تو حسب مشورہ مکہ مکرمہ سے ہندوستان آنے کے

---

[1] ماخوذ از نقش حیات دوم ص ۲۲۰-۲۲۱

www.abulhasanalinadwi.org

لئے جدہ تشریف لے گئے مگر جہاز کی روانگی میں کچھ دیر تھی اس لئے جدہ میں قیام فرمایا۔
۱۰ شوال کو شیخ الہند کسی نہ کسی طرح طائف سے نکل کر مکہ مکرمہ پہونچے یہاں پہونچکر اطلاع ملی کہ حضرت مولانا جدہ میں مقیم ہیں تو حضرت مولانا اپنے ان رفقاء سے ملنے کی خاطر جو اسی جہاز سے ہندوستان سفر کرنے والے تھے جدہ تشریف لے گئے۔ حضرت مولانا حسین احمد مدنی جو شیخ الہند کے ہمراہ تھے تحریر کرتے ہیں:۔

"چونکہ کوئی خبر حضرت شیخ الہند کے طائف سے واپس ہونے کی نہیں تھی اس لئے یہ سب حضرات بغیر انتظار اور بلا ملاقات روانہ ہو گئے تھے حضرت شیخ الہند نے ضروری سمجھا کہ ان سے وداعی ملاقات کی جائے اس لئے حضرت شیخ الہند بھی جدہ روانہ ہو گئے جب جہاز سامان وغیرہ اُتار کر اور اپنی ضروریات پوری کر کے تیار ہو گیا تو جانے والے حضرات ٹکٹ لے کر سوار ہو گئے، حضرت مولانا خلیل احمد صاحب کے ساتھ انکی اہلیہ محترمہ اور حاجی مقبول احمد صاحب تھے اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھیوں میں سے مولانا ہادی حسن صاحب خانجہانپوری اور حاجی شاہ بخش صاحب سندھی تھے ان سبھوں کو حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے ساحل (پورٹ) تک رخصت کیا اور جہاز روانہ ہو گیا۔[1]"

اس ملاقات کے بعد شیخ الہند مکہ مکرمہ واپس تشریف لائے، مگر کچھ ہی عرصہ کے بعد ان کو گرفتار کر لیا گیا اور مالٹا بھیج دیا گیا۔
حضرت مولانا کی واپسی کے متعلق حضرت مولانا محمد زکریا صاحب شیخ الحدیث مدظلہ تحریر فرماتے ہیں:۔

"ان حضرات اکابر کے ارادے تو بہت کچھ تھے مگر مقدرات کہ پورے نہ ہو سکے اور وہاں شریف حسین کی زیادتیوں کی وجہ سے حضرت اقدس سہارنپوری نور اللہ

---

[1] نقش حیات دوم ص۲۲۳

مرقدہ کو قبیل الحج ۱۳۳۳ھ میں واپس آنا پڑا اور حضرت اقدس شیخ الہند نور اللہ مرقدہ اسیر بنا کر مالٹا بھیج دیے گئے۔"

آپ کی واپسی پر استقبال کی تیاری اور مولانا محمد یحییٰ کاندھلوی کا انتقال

حضرت مولانا جب حج کو جانے لگے تو اپنی غیر موجودگی میں مولانا محمد یحییٰ صاحب کے سپرد تدریسی ذمہ داریوں کے ساتھ ساتھ مدرسہ کی بعض انتظامی ذمہ داریاں بھی کی تھیں اور مولانا کاندھلوی نے ان ذمہ داریوں کو بڑی خوش اسلوبی کے ساتھ نباہا۔

جب آپ حجاز سے واپس ہوئے اور اس واپسی کی خبر مدرسہ میں پہونچی تو سب ہی کو خوشی ہوئی مگر مولانا محمد یحییٰ صاحب کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی لیکن تقدیر الٰہی کے آگے کسی کا بس نہیں کہ ادھر مولانا محمد یحییٰ صاحب آپ کی آمد کا انتظار کر رہے تھے اور صبح شام گن رہے تھے ادھر اللہ کی طرف سے بلاوا آنے والا تھا۔ ۱۰ ذی قعدہ ۱۳۳۴ھ کو جس دن حضرت مولانا جہاز سے بمبئی اترے اسی دن اچانک مولانا محمد یحییٰ صاحب کا ہیضہ میں انتقال ہوگیا اور حضرت مولانا سے ملتے ملتے اپنے رب سے جا ملے، انا للہ وانا الیہ راجعون' اہل مدرسہ حضرت مولانا کی آمد کا استقبال کر رہے تھے کہ ناگاہ اتنے بڑے حادثہ سے دوچار ہوگئے خوشی و مسرت رنج وغم میں تبدیل ہوگئی' اس حادثہ کی اطلاع بجلی کی طرح شہر و دیہات میں پھیل گئی اور دیکھتے ہی دیکھتے سوگواروں کا ایک مجمع اکٹھا ہوگیا جب حضرت مولانا بمبئی اترے تو وہیں مولانا محمد یحییٰ صاحب کے انتقال کی خبر ملی . . . . اس حادثہ کا حضرت مولانا پر جو اثر پڑا اسکی تصویر کشی حضرت شیخ مدظلہ کے الفاظ میں ملاحظہ کیجیے:۔

"حضرت سہارنپوری قدس سرہ ایک سالہ قیام کے بعد جو حضرت شیخ الہند کے ساتھ ۱۳۳۳ھ میں روانگی ہوئی تھی جس دن بمبئی پہونچے اسی دن میرے والد صاحب کا انتقال ہوگیا، والد صاحب کے انتقال کا تار حضرت کو بمبئی میں پہونچا اور حضرت اس کو سُنکر

www.abulhasanalinadwi.org

سکتے میں رہ گئے، لیکن اس سے تین چار دن پہلے حضرت کا عدن سے تار آیا کہ فلاں جہاز سے تشریف لا رہے ہیں اس تار پر جتنی مسرت سہارنپور والوں کو اور حضرت قدس سرہٗ سے تعلق رکھنے والوں کو ہونی چاہیے تھی ظاہر ہے میں نے اس تار کی اطلاع پر اعلیٰ حضرت رائپوری قدس سرہٗ اور نظام الدین، کاندھلہ، گنگوہ سب جگہ مژدہ کے خطوط لکھ دئیے دوسرے دن والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مجھ سے ہی اعلیٰ حضرت کو رائپور خط لکھوانا شروع کیا جس کی ابتدا یہ تھی ؎

مژدہ اے دل کہ دگر باد صبا باز آمد
ہُدہُد خوش خبر از شہر صبا باز آمد[۱]

گرفتاری اور نینی تال روانگی

بمبئی میں سی۔ آئی۔ ڈی کو یہ غلط اطلاع ملی تھی کہ اس جہاز سے حضرت شیخ الہند تشریف لا رہے ہیں، اسی طرح اہل تعلق کو بھی اطلاع تھی کہ تشریف لا رہے ہیں، اس لئے اہل تعلق کے ساتھ انگریزی سی۔ آئی۔ ڈی اور ایک بہت بڑا مجمع بندرگاہ پر جمع ہو گیا جسمیں حضرت مولانا کے اہل تعلق بھی تھے، جہاز کے لنگر انداز ہوتے ہی سی۔ آئی۔ ڈی شیخ الہند کو ڈھونڈھنے بڑھی جب اس کو معلوم ہوا کہ شیخ الہند نہیں ہیں بلکہ ان کے ساتھی ہیں تو پولیس نے حضرت مولانا کو اور شیخ الہند کے ساتھی مولانا دی حسن کو حراست میں لے لیا اور سخت ترین تلاشی لی حتیٰ کہ ہاتھ کی چھڑی بھی توڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دی مگر کوئی مشتبہ چیز نہیں نکلی، پھر ان سب کو پولیس کی حراست میں نینی تال پہونچا دیا گیا۔[۲]

گرفتاری کا حال اور نینی تال بھیجے جانے کی اطلاع جب اہل تعلق کو معلوم ہوئی سب بےچین ہو گئے اور زیارت کی تمنا تڑپانے لگی۔ مولانا عاشق الٰہی صاحب لکھتے ہیں:۔

"دفعۃً یہ خبر سنکر کہ آپ کو گرفتار کر کے نینی تال بھیجدیا گیا خدام میں کہرام مچ گیا

---

[۱] آپ بیتی ملا صفحہ ۱۵ ، [۲] ماخوذ از نقش حیات دوم صفحہ ۲۲

www.abulhasanalinadwi.org

اور بعض با وجاہت ذی مقدرت متوسلین نے وہاں پہونچنا چاہا مگر آپ نے بذریعہ تحریر سب کو تسلی دے کر ممانعت لکھی کہ یہاں آنے کا کوئی صاحب قصد نہ کریں مقدر پر شاکر رہیں[۱]

نینی تال میں طرح طرح کے سوالات کئے گئے اور آپ کو پریشان کیا گیا۔ آپ سے پوچھا گیا:۔

"کیا آپ نے ہندوستان کو دار الحرب بتایا ہے کہ یہاں رہنا مسلمانوں کو حرام اور ہجرت کرنا واجب ہے۔"؟

آپ نے اس سوال کا جواب استغنا اور بے خوفی سے دیا:۔

"ہاں ضرور کہا مگر اس وقت جب کہ دہلی سے اطلاع ملی کہ گورنمنٹ ہم کو ہمارے مذہب اسلام کے خلاف حکم دینے پر مجبور کرتی ہے[۲]"

رہائی اور دار العلوم دیوبند میں تشریف آوری

حضرت مولانا کچھ عرصہ تک نینی تال میں اسیر رہے آپ کی اسیری اور نینی تال کی روانگی سے جہاں سارے اہل تعلق پریشان اور دلگیر تھے وہاں خصوصیت کے ساتھ علماء دیوبند اور اکابر مدرسہ دیوبند متفکر تھے، مولانا سید اصغر حسین صاحب تحریر کرتے ہیں:۔

"دار العلوم کے متعلقین کی کلفت کو محسوس کرکے اور عام اہل اسلام کے اضطراب کو دیکھ کر مولانا حافظ احمد صاحب مہتمم دار العلوم مد ظلہم خاموش نہ رہ سکے اور چند معزز علماء کو بصورت وفد لے کر تکلیف سفر برداشت کرتے ہوئے نینی تال پہونچے اور لفٹننٹ گورنر صاحب کی خدمت میں باریاب ہوئے، اس وفد کے پہونچنے کے دوسرے ہی روز مولانا صاحب بعزت و احترام بالکل آزادی کے ساتھ نینی تال سے رخصت کر دئے

۱؎ تذکرۃ الخلیل صفحہ ۲۶ ۲؎ ایضاً

www.abulhasanalinadwi.org

گئے اور سب اراکین وفد مولانا کے ساتھ ہی ساتھ واپس آئے۔ دیوبند میں اسٹیشن پر علماء و طلباء نے شاندار استقبال کیا اور عظیم الشان مجمع کے ساتھ دارالعلوم میں تشریف لائے دعا فرمائی اور دوسری گاڑی سے سہارنپور تشریف لے گئے۔[1]

سہارنپور میں استقبال کرنیوالوں کا ہجوم | آپ جس وقت سہارنپور پہونچے تو استقبال کرنیوالوں سے اسٹیشن کا پلیٹ فارم کھچا کھچ بھرا ہوا تھا، سہارنپور کے اہل تعلق کے ساتھ ساتھ دور دور سے آئے ہوئے حضرات آپ کا استقبال کر رہے تھے، مولانا عاشق الٰہی صاحب میرٹھی اس منظر کی منظر کشی اس طرح کرتے ہیں:۔

"جس وقت حضرت اسٹیشن سہارنپور پر پہونچے ہیں تو سارا پلیٹ فارم زائرین سے لبریز تھا کہ تل دھرنے کو جگہ نہ تھی، میں نہیں کہہ سکتا کہ دس ہزار کا مجمع تھا یا بیس ہزار کا، مگر مجھے یہ اندیشہ تھا کہ اژدحام میں دو چار کا پس جانا بعید نہیں۔"[2]

آپ جس وقت سہارنپور کے اسٹیشن پر اُترے تو بہت زیادہ تھکے ہوئے نظر آ رہے تھے، مگر آپ اتنے بڑے اجتماع سے جس خندہ پیشانی سے ملے وہ آپ کے حسنِ اخلاق، ایثار اور سادگی و خاکساری کا ثبوت ہے۔ مولانا عاشق الٰہی صاحب لکھتے ہیں:۔

"اللہ رے حضرت کا استقلال کہ سفر پر سفر کا تعب اٹھاتے آ رہے تھے مگر بھی یہ مسکرا کر مصافحہ و معانقہ کیا اور باہر سواری میں بیٹھتے وقت اس طمانیت سے دریافت کیا کہ میرے رفقاء بھی سوار ہو لئے یا نہیں اور جب اطمینان ہو گیا کہ سب بیٹھ گئے تب آپ کی سواری آگے بڑھی ..... دوسرے دن آپ نے بھرے مجمع میں اپنے واقعات سفر و گرفتاری مفصل سنائے۔"[3]

---

[1] حیات شیخ الہند صـ ۱۴۸ ، [2] تذکرۃ الخلیل صـ ۳۶۶ ، [3] ایضاً صـ ۳۶۷

www.abulhasanalinadwi.org

تنخواہ لینے سے انکار حضرت مولانا جب سہارنپور پہنچے تو دیکھا کہ مدرسہ میں سب کچھ ہے مگر مولانا محمد یحییٰ صاحب کاندھلوی نہیں ہیں، آپ کو تاثر تو پہلے سے تھا اب وہ مقصد بھی نہ رہا جس کے لئے مولانا محمد یحییٰ صاحب گنگوہ سے آئے تھے، آپ ہی نے ان کو اس لئے بلایا تھا کہ وہ آپ کے ساتھ تدریس میں شریک رہینگے، آپ نے مدرسہ پہونچتے ہی تنخواہ لینے سے انکار فرمادیا اور ذمہ داران مدرسہ کو تحریر فرمایا،

"میں عرصہ سے خدمت مدرسہ سے معذور ہوں اسی لئے مولانا محمد یحییٰ صاحب کو بلایا تھا وہ میری مدد کرتے تھے اب وہ بھی رحلت کر گئے بجز اس کے چارہ نہیں کہ اپنے بار سے مدرسہ کو سبکدوش کر دوں[1]"

خلیل احمد ۱۲ صفر ۳۵ھ

حضرت شاہ عبدالرحیم رائپوری کو جو سرپرست مدرسہ بھی تھے حضرت مولانا سے بہت تعلق تھا اور ہمیشہ انہوں نے آپ کا ساتھ دیا اور آپ کی ہر پریشانی کو دور کرنے کی فکر کی وہ نہیں چاہتے تھے کہ آپ تنخواہ نہ لے کر اقتصادی پریشانی میں پڑیں، اسی لئے انہوں نے آپ کی اس درخواست پر یہ تحریر فرمایا:۔

"حضرت کو راضی کیا جائے کہ تنخواہ لیں اور کام کا بار نہ ڈالا جائے ورنہ حضرت سرپرست اور باقی سب شیر بنائے جائیں اور یہ بھی نہ ہو تو میرا بھی استعفیٰ ہے، میں بھی ضعیف ہوگیا[2]"

عبدالرحیم ۲۲ صفر

حضرت مولانا نے جب حضرت رائپوری کا یہ جواب دیکھا تو ان کی محبت و تعلق کا دل پر بہت اثر پڑا۔ آپ نے فوراً تحریر فرمایا:۔

"صرف تنخواہ سے انکار ہے مدرسہ کی خدمات بدستور کر دوں گا اور مجبور

---

[1] تاریخ مظاہر دوم ص۱۲ [2] ایضاً ص۱۲

www.abulhasanalinadwi.org

ہوا تو کچھ امداد بھی لے لونگا[1]۔"

ثبات قدمی اور صبر وقناعت

حضرت مولانا نے جو ارادہ فرمایا اس پر ثابت قدم رہے تنخواہ نہ لی اور حسبۃً للہ مدرسہ کی اسی طرح خدمت کرتے رہے جس طرح پہلے کرتے تھے کچھ دنوں تو کوئی دقت پیش نہیں آئی لیکن بعد میں بعض شدید الجھنیں اور پریشانیاں در پیش ہوئیں، مہمانوں کی آمد و رفت اسی طرح تھی جیسے پہلے تھی اخراجات بڑھتے رہے اور مدرسہ سے آمدنی بند ہوگئی، تنخواہ لینے پر کسی طرح دل آمادہ نہیں ہوا جب دیکھا کہ شہر میں رہ کر اس طرح زندگی گذارنی مشکل ہے تو انبہٹہ جاکر سکونت اختیار کرنے کا ارادہ کر لیا بلکہ جانے کا سامان بھی شروع کر دیا ــــ آپ کے جانے کی خبر جب شاہ عبدالرحیم صاحب رائپوری کو پہونچی تو ان کو بڑی فکر دامنگیر ہوگئی اور یہ خیال کر کے کہ آپ کے مدرسہ چھوڑ دینے سے مدرسہ بالکل خالی ہو جائے گا اور اسکی بہار رخصت ہو جائے گی اس لئے کہ مدرسہ میں جو کچھ باغ و بہار ہے وہ آپ ہی کے دم قدم سے ہے اس لئے حضرت شاہ صاحب نے آپ سے پھر تنخواہ لینے پر اصرار کیا اور تحریر فرمایا:۔

" نہایت لجاجت و اصرار سے درخواست ہے کہ آپ کا مجھ سے وعدہ تھا کہ تو جب کہے گا تنخواہ لوں گا لہذا اب انکار نہ فرمائیں[2]۔"

ادھر حضرت رائپوری نے آپ کو یہ لکھا اور دوسری طرف اہل مدرسہ کی طرف سے تنخواہ لینے پر اصرار کرایا اہل مدرسہ کی خواہش اور اصرار کے باوجود آپ کے پائے ثبات کو لغزش آئی نہ استغنا اور قناعت میں کوئی فرق آیا آپ نے اہل مدرسہ کو جواب دیا:۔

"مدرسہ کا روپیہ چندہ کا ہے اور خدا کا مال ہے جس کے ہم لوگ صرف امین اور خازن ہیں اور بے جا تصرف یا مراعات کا کسی کو کوئی حق نہیں ہے اور میں خود خوب سمجھتا ہوں کہ پچاس روپیہ کے قابل درس نہیں دے سکتا لہذا تنخواہ نہ لوں گا[3]۔"

---

[1] تاریخ مظاہر دوم ص۱۰۲ ، [2] ایضاً ص۱۰۳ ، [3] تذکرۃ الخلیل

www.abulhasanalinadwi.org

کارِ نظامت حضرت رائپوری اور اہل مدرسہ کے نزدیک مدرسہ کے لئے آپ کا وجود ضروری تھا اس لئے حضرت رائپوری نے اکابر مدرسہ کے سامنے یہ تجویز رکھی کہ حضرت مولانا پر سے تدریس کی ذمہ داری اٹھالی جائے اور کارِ نظامت آپ کے سپرد کیا جائے کہ بلا تعیین وقت اور دن آپ یہ خدمت انجام دیں اور درس کی وجہ سے اوقات کی جو پابندی کرنی پڑتی ہے اور جس پابندی کی آپ کی صحت اور عمر متحمل نہیں ہے اس سے بھی آزادی مل جائے اور کارِ نظامت کا معاوضہ مشاہرے کے طور پر خدمت میں پیش کیا جاتا رہے۔ حضرت رائے پوری کی یہ تجویز اراکین مدرسہ نے بالاتفاق منظور کر لی اور حضرت مولانا سے درخواست کی کہ:-

"جناب والا کی تنخواہ صرف کارِ نظامت کی بناء پر طے ہوئی ہے، درس و تدریس کو اس میں کوئی دخل نہیں ہے لہٰذا ہماری درخواست ہے کہ اب تنخواہ قبول فرمالیجئے کہ اس میں عنداللہ مسئولیت کا کوئی سوال نہیں ہے اور اپنی خواہش کے مطابق اگر ایک آدھ سبق جناب اپنے پاس رکھنا چاہیں تو ضرور رکھ لیں جب تک قیام رہے درس دیں اور جب سفر میں تشریف لے جائیں تو وہ سبق صدر مدرس پڑھائیں"[1]

آپ کو اس تجویز پر بھی انشراح قلب نہ ہو سکا لیکن بڑی ردّ و قدح کے بعد آپ نے تنخواہ لینا قبول کر لیا اور کارِ نظامت کے عہدے پر فائز ہوئے۔

اب آپ صرف مدرس نہ تھے بلکہ مدرسہ کے ناظم بھی تھے، مدرسہ کا تعمیری، تعلیمی اور انتظامی نظام آپ کے ہاتھوں میں تھا، درس و تدریس کا انتظام، مدرسین کی کمی و بیشی، تعمیر و ترقی کے سارے شعبے آپ ہی کی رائے پر چلنے لگے اور مدرسہ کو پہلے سے زیادہ ترقی ہوئی۔

ایک نیا اور مبارک تقرّر مولانا محمد یحییٰ کاندھلوی کے بعد مدرسہ میں ایک ایسا تعلیمی خلا پیدا ہو گیا تھا جس کی وجہ سے مدرسہ کو

---

[1] تاریخ مظاہر دوم ص۳۱

www.abulhasanalinadwi.org

نقصان پہونچ رہا تھا اور آپ (مولانا خلیل احمد) کے عہدۂ نظامت قبول کرنے کے بعد اس خلا میں اور وسعت پیدا ہوگئی اس لئے ایک ایسے استاذ کی ضرورت ہوئی جو اس خلا کو بڑی حد تک پُر کرسکے اور جوان دونوں اکابر مولانا محمد یحییٰ صاحب کاندھلوی اور آپ کا صحیح جانشین اور معتمد بھی ہو یہ دونوں خصوصیتیں مولانا محمد یحییٰ صاحب کاندھلوی کے فرزند رشید اور آپ کے معتمد خاص حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی میں بدرجۂ اتم موجود تھیں کہ وہ ایک طرف اکابر کاندھلہ کے چشم و چراغ حضرت گنگوہی کی آنکھیں دیکھے ہوئے اور گود میں کھیلے ہوئے حضرت مولانا خلیل احمد صاحب کے شاگرد رشید اور منظور نظر تھے، اس کے علاوہ ان کے والد ماجد مولانا محمد یحییٰ صاحب کے مدرسہ پر احسانات بھی تھے انہوں نے جس جانفشانی اور محنت سے مدرسہ میں تعلیم دی اور معاوضہ آخر تک نہیں لیا، اس کا تقاضہ بھی یہی تھا کہ ان کے خلف الرشید کو جو ہر طرح مدرس کے منصب کے اہل تھے مدرسہ کی خدمت تدریس سپرد کی جائے۔ اس لئے مدرسہ کے سرپرستوں نے حضرت مولانا محمد زکریا صاحب (شیخ الحدیث) کو منتخب کرتے ہوئے تحریر کیا :۔

> "مولوی (محمد یحیی) صاحب کے حقوق مدرسہ پر بہت ہیں نظر برآں مناسب ہے کہ مولوی زکریا (صاحب) کو بیس روپیہ پر مدرسین میں لیا جائے اور ڈیڑھ تین اسباق سے زیادہ نہ دئے جائیں باقی وقت کچھ اپنے اوقات درس میں اور کچھ تجارت میں خرچ کریں ۔"
>
> (دستخط سرپرستان مدرسہ)

آپ کا مولانا محمد زکریا صاحب سے تعلق اور کاندھلہ کا سفر

چونکہ مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی ۱۳۲۸ھ سے کر اس وقت تک آپ ہی کی خدمت میں رہے تعلیم حاصل کی تربیت لی اور خادم خاص بنے۔ اس لئے لازمی طور پر ان سے آپ کو

www.abulhasanalinadwi.org

وہ محبت ہوگئی جو کسی باپ کو اپنے بیٹے سے ہوتی ہے۔ مولانا محمد یحییٰ صاحب کے انتقال کے بعد ان سے اور زیادہ تعلق بڑھا اور محبت میں اضافہ ہوا اور یہ محبت اتنی بڑھی کہ یکمرتبہ کسی اجنبی شخص نے آپ کے محبت آمیز برتاؤ کو دیکھ کر پوچھا کہ حضرت یہ مولوی زکریا آپکے بیٹے ہیں؟ بے ساختہ آپ نے جواب دیا "اجی بیٹے سے بڑھ کر ہیں۔"

مولانا محمد زکریا صاحب (شیخ الحدیث) کی والدہ محترمہ نے حضرت مولانا کے پاس پیغام بھیجا کہ میری طبیعت خراب ہے زندگی کا کوئی اعتبار نہیں، اس لئے میں چاہتی ہوں کہ زکریا کا نکاح میرے سامنے ہو جائے تاکہ میرا گھر کھلا رہے، حضرت مولانا نے اسیوقت کاندھلہ کے اعزّہ داقارب کو تقاضے کا خط لکھوایا اور مقررہ تاریخ پر چند اکابر کو لے کر کاندھلہ پہونچے اور ۲۹ صفر ۱۳۳۵ھ دوشنبہ کے دن خود نکاح پڑھایا، نکاح کے وقت کسی شخص نے اپنے خاندان کا مہر مثل اسّی ہزار ٹکے ہونا بتلایا۔ آپ نے فرمایا لاحول ولا قوۃ الا باللہ اور ڈیڑھ ہزار مہر پر نکاح ہوا۔[1]

حضرت مولانا کو مولانا محمد زکریا صاحب (شیخ الحدیث) سے جو تعلق تھا اسکا اندازہ آپ اس سے بھی کر سکتے ہیں کہ جب نکاح ہوگیا اور واپسی کا وقت آیا تو مولانا محمد زکریا صاحب (شیخ الحدیث) نے اس خیال سے کہ کاندھلہ وطن ہے یا نچ۔ سات دن یہاں رکھر سہارنپور لوٹ جائیں گے، اہلیہ کا سہارنپور لانا لے جانا مشکل ہے، اہلیہ کو سہارنپور لیجانے سے پس وپیش کیا، حضرت مولانا نے جو یہ سُنا تو فرمایا :۔

"وہ کون ہے انکار کرنے والا باپ نکر تو نکاح کرانے کے لئے میں آیا ہوں"

دارالحدیث کی تکمیل اور درس حدیث کا افتتاح

۱۳۳۵ھ میں حضرت مولانا کے عہدۂ نظامت کے ابتدائی دور میں مدرسہ میں ایک اور مبارک تعمیری کام ہوا اور وہ دارالحدیث کی تکمیل اور درسِ

---

[1] تاریخ مشائخ چشت صـ ۲۴۴

حدیث کا انتظام تھا۔ ۲۳ ذی الحجہ ۱۳۳۵ھ مطابق ۲۳ اکتوبر ۱۹۱۶ء بروز شنبہ صبح ۹ بجے نو تعمیر دارالحدیث میں جو مدرسہ اور دارالطلبہ کے اوپر ایک وسیع اور خوبصورت ہال کی شکل میں ہے ایک افتتاحی جلسہ منعقد ہوا، جسمیں پہلے اس مدرسہ کے قراء نے تلاوت قرآن کی اس کے بعد حضرت مولانا نے ایک بڑی موثر اور دلنشیں تقریر فرماکر دورے کے طلبہ کو ترمذی شریف شروع کرائی۔ اس موقع پر شیخ رشید احمد صاحب میرٹھی تاجر اسلحہ جو مدرسہ کے سرپرست بھی ہو گئے تھے نے اس جلسہ میں شیرینی تقسیم کی، انکے علاوہ علماء میں مولانا حبیب الرحمن صاحب، مولانا عاشق الٰہی میرٹھی، مولانا خلیل الرحمن صاحب ابن مولانا احمد علی صاحب محدث سہارنپوری موجود تھے۔

راندیر کا سفر اور مدرسہ کے لئے سعی مشکور

حضرت مولانا نے نظامت کے عہدہ کے بعد مدرسہ کے لئے ہر طرح کی کوشش شروع فرمادی باوجود ضعف و نقاہت کے ہر طرح کی تکلیف اٹھا اٹھا کر اس کی خاطر سفر بھی فرماتے ان اسفار میں راندیر کا سفر بھی ہے راندیر کے مخلصین نے آپ کو اپنے یہاں ایک تقریب کے سلسلے میں دعوت دی، اگرچہ آپ اس حال میں نہ تھے کہ معمولی اور قریب کا سفر بھی کر سکیں مگر مدرسہ کے مصالح کی بناء پر اس پُرمشقت سفر پر تشریف لے گئے، آپکے تشریف لیجانے سے مخلصین کی دیرینہ تمنائیں پوری ہوئیں، اہل تعلق نے مدرسہ کو ایک بڑی رقم پیش کی، آپ وہ رقم لے کر تشریف لائے اور مدرسہ میں داخل فرمادی۔ اسوقت مدرسہ مالی حیثیت سے بحرانی دور سے گذر رہا تھا، اس رقم سے وہ بحران کم ہوگیا، مدرسین کی تنخواہیں دی گئیں اور دوسرے ضروری اخراجات رُکے ہوئے تھے وہ پورے ہوئے۔

حضرت مولانا کی علالت اور رخصت

۱۳۳۶ھ کا سال بعض حیثیتوں سے سخت تھا، سہارنپور میں کھانسی اور بخار کی وبا پھیلی ہوئی تھی اور مدرسہ کے کئی مدرسین انتقال کر گئے تھے، اس بیماری کے عموم کے زمانہ

www.abulhasanalinadwi.org

میں حضرت مولانا بھی علیل ہوگئے اور دورانِ سر کی شدید تکلیف ہوگئی کہ حرکت بھی مشکل ہوگئی، مرض کا حملہ اتنا سخت تھا کہ خدام اور مخلصین زندگی سے مایوس ہوگئے، اس کے ساتھ ساتھ حضرت مولانا کو آنکھوں کی تکلیف بھی شروع ہوگئی. خدام مخلصین کے اصرار پر درس و مطالعہ موقوف کرنا پڑا، آپ کے اسباق دوسرے مدرسین کے سپرد کئے گئے آپ نے اصول مدرسہ کے مطابق رخصت لی اور درخواست دی؛

"میری آنکھ میں کچھ تکدر ہوگیا ہے علاج کی ضرورت ہے دو ماہ کی رخصت مرحمت فرمائی جائے۔"

خلیل احمد ۲۳ ذی الحجہ ۳۶ھ

اس پر حضرت مولانا محمود حسن صاحب نے جو مدرسہ کے سرپرست تھے جواب دیا:۔

"حسب قرار داد سرپرستان، حضرت کو رخصت لینے کی ضرورت نہیں حضرت ہر طرح مختار ہیں۔"

حضرت مولانا نے ابتدا میں دو ماہ کی رخصت لی لیکن مرض میں جب افاقہ نہیں ہوا تو مزید دو ماہ کی رخصت اور لی، اور تحریر فرمایا:۔

"بندہ نے دو ماہ کی رخصت لی تھی جو قریب الختم ہے، دو ماہ کی اور چاہیئے کہ دورانِ سر کا عارضہ لاحق ہوگیا جس سے کام نہیں کرسکتا۔"

خلیل احمد ۲۵ صفر

دو ماہ کی پہلی رخصت کے درمیان جب تنخواہ پیش کی گئی تو آپ نے لینے سے انکار کردیا اور فرمایا۔

"جب میں تدریس جس کا ملازم ہوں اسکا کام نہیں کرسکتا تو تنخواہ کس بات کی لوں۔"

مدرسہ کی سرپرستی

مدرسہ کے ذمہ داروں نے ہرچند عرض کیا کہ آپ کی یہ تنخواہ صرف مدرسہ میں قیام کی ہے، تدریس کو اس میں ذرہ بھر دخل نہیں مگر

www.abulhasanalinadwi.org

حضرت مولانا نے پھر وہی طرز اختیار کیا جو اس سے پہلے کر چکے تھے کہ تنخواہ لینے سے انکار کیا اور رانبہٹہ قیام کرنے کا پھر ارادہ کیا، اس ارادہ اور عزم کی خبر پھر حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب رائپوری کو ہوئی تو آپ فکرمند ہو گئے اور اس خیال سے کہ حضرت مولانا مدرسہ چھوڑ کر رانبہٹہ میں قیام نہ اختیار کریں سرپرست بنانے کی تجویز رکھی کہ آپ کا مقام اب اس اہم عہدہ کے لائق تھا اور یہ عہدہ آپ جیسی عظیم شخصیت کا طالب تھا، حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب رائے پوری نے اپنی تجویز رکھتے ہوئے تحریر فرمایا:۔

"حضرت کو قواعد مدرسہ سے سبکدوش کیا جائے اور اگر کوئی اشکال کرے کہ تنخواہ کس بات کی تو یہ وہی کر سکتا ہے جس کو مدرسہ کا حال معلوم نہ ہو صرف حضرت ہی کا تعلق مدرسہ کے ساتھ تمام کارروائیوں کا جزو اعظم ہے، امید ہے کہ آپ حضرات موافقت فرمائیں گے۔"

احقر عبدالرحیم ۲ ربیع الاول ۳۶ھ

اس تجویز پر دوسرے تمام سرپرستوں نے تائیدی دستخط کر دئے اور ساتھ ہی ساتھ اس پر بھی زور دیا کہ حضرت کا اسم گرامی باقاعدہ سرپرستوں کی فہرست میں شامل ہو جانا چاہیے کہ ایسی مغتنم ہستی پھر نہ مل سکے گی۔

اس تجویز کو حضرت مولانا کی خدمت میں پیش کیا، اوّلاً حضرت مولانا اس عہدۂ جلیلہ کو قبول کرنے پر آمادہ نہیں ہوئے لیکن بڑی ردّ و قدح کے بعد قبول فرمایا، اور ذمہ داران مدرسہ کو تحریر فرمایا:۔

"حامداً ومصلیاً!

حضرات سرپرستان کے نزدیک ناچیز کی شرکت سرپرستی موجب بہبودی مدرسہ ہے لہذا باوجود اپنی ناکارگی کے قبول کرتا ہوں۔"

خلیل احمد ۷ ربیع الثانی ۳۶ھ

www.abulhasanalinadwi.org

حضرت مولانا کا ایک خواب اور حضرت رائپوری کا انتقال

حضرت مولانا کے ہمدردوں اور تعاون کرنے والوں میں حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائپوری کا نام نامی سرفہرست ہے آپ نے حضرت مولانا کا ہر موقع پر ساتھ دیا، مدرسہ کی صدر مدرسی کے دور میں ایسے ایسے مشکل لمحات آئے کہ بڑے سے بڑے تعلق والوں نے ساتھ چھوڑ دیا مگر حضرت رائپوری کی ذات گرامی ایسی تھی جس نے مشکل سے مشکل وقت بھی ساتھ دیا، اسلئے اُن کا یہ احسان نہ صرف یہ کہ حضرت مولانا پر تھا بلکہ مظاہر علوم پر بھی تھا کہ ان کی بروقت کوششوں، ہمدردیوں، تعاون کی بدولت مدرسہ تباہی سے محفوظ رہا، حضرت مولانا کو مدرسہ سے علیحدہ نہ ہونے دیا۔ آپ کو مدرسہ کا ناظم بنایا، ناظم کے بعد سرپرست مقرر کیا اور ہر ہر موقع پر آپ کی ہمت افزائی کی، حضرت رائپوری کی ذات اور ان کا وجود حضرت مولانا کے لئے، مدرسہ کے لئے، دین اور اہل دین کے لئے بڑا ہی مغتنم تھا مگر تقدیر الٰہی کسی کی پابند نہیں حضرت رائپوری کا وقت موعود آگیا اور مدرسہ ان کی سرپرستی سے محروم ہوگیا۔

انتقال سے صرف ایک شب پہلے حضرت مولانا نے ایک خواب دیکھا کہ :۔

"آفتاب غروب ہوگیا اور دنیا میں اندھیرا چھا گیا"

حضرت مولانا حسب معمول تہجد کے وقت اٹھے اور نفلوں سے فارغ ہو کر متفکر بیٹھ گئے۔ اہلیہ محترمہ نے پوچھا آج عادت کے موافق آپ نفلوں کے بعد لیٹے کیوں نہیں اور طبیعت کچھ فکر مند معلوم ہوتی ہے کیا بات ہے؟ آپ نے اپنا خواب بیان کیا اور افسردہ ہو کر فرمایا:۔

"اس کی تعبیر ایک تو یہ ہے کہ مولانا محمود حسن صاحب مالٹا میں محبوس ہیں دوسرے مجھ کو یہ اندیشہ ہے کہ کہیں شاہ عبدالرحیم صاحب کی حالت نازک نہ ہو"

صبح ہوئی تو حضرت مولانا بہلوں روانہ ہوگئے جہاں حضرت رائپوری کا تبدیلی آب و ہوا کے لئے قیام تھا۔ بعد مغرب حضرت رائپوری نے فرمایا آج عشا کی نماز ذرا

www.abulhasanalinadwi.org

سویرے پڑھ لیجیو۔ چنانچہ یہ سمجھ کر کہ آرام کی خواہش ہوگی نماز اوّل وقت پڑھ لی گئی اور آپ چارپائی پر لیٹ رہے؛ حضرت مولانا دوسرے کمرے میں جاکر لیٹ گئے، دفعتہً حضرت رائپوری کو بے چینی شروع ہوئی، حضرت مولانا اپنے کمرے سے لپک کر قریب آئے، حضرت رائپوری نے حضرت مولانا کو محبّت بھری نظروں سے دیکھا اور آپ کا ہاتھ پکڑ کر اپنے سینہ پر رکھ لیا، حضرت مولانا نے پڑھنا شروع کیا اور اسی حال میں حضرت رائپوری کا وصال ہوگیا، اسوقت شب کے ۱۱ بجکر ۱۹ منٹ ہورہے تھے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

صبح کو جنازہ رائے پور لیجایا گیا اور مسجد کے جنوب جانب علم وعمل کا یہ آفتاب سپرد خاک کردیا گیا۔ یا ایتھا النفس المطمئنۃ ارجعی الی ربک راضیۃ مرضیۃ فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی۔

حضرت مولانا محمود حسن صاحب کی مالٹا سے واپسی اور ملاقات

گذشتہ صفحات میں ذکر کیا جا چکا ہے کہ ۱۳۳۴ھ میں حضرت مولانا محمود حسن صاحب (شیخ الہند) کو مکہ مکرمہ میں گرفتار کرکے مالٹا بھیجدیا گیا تھا اور آپ کے ساتھ مولانا حسین احمد صاحب مدنی، حکیم نصرت حسین صاحب اور مولانا عزیز گل صاحب بھی گرفتار کرکے مالٹا بھیجے گئے تھے، مالٹا میں تین سال رہے وہاں سے حضرت مدنی کے خطوط حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کے نام آیا کرتے تھے، ۲ جمادی الثانی ۱۳۳۸ھ کو یہ بزرگ رہا ہوکر مالٹا سے روانہ ہوئے اور ۲۶ رمضان المبارک کو دیوبند پہونچے حضرت مولانا خلیل احمد صاحب کو اپنے دیرینہ ساتھی اور دل وجان سے عزیز کی رہائی سے بہت زیادہ خوشی اور مسرّت ہوئی اور رمضان بعد ہی ملاقات کے لئے دیوبند پہونچے، دیوبند جانے اور مدّت کے بعد دو دوستوں کی ملاقات کا حال حضرت شیخ الحدیث تحریر فرماتے ہیں:۔

"۲ جمادی الثانی ۱۳۳۸ھ میں حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ مالٹا سے روانہ ہوئے

www.abulhasanalinadwi.org

اور راستہ میں مختلف شہروں میں قید کی حالت میں قیام کے بعد ۲۰ رمضان المبارک ۱۳۳۸ھ کو بمبئی جہاز سے اُتر کر رہا ہوئے اور ۲۶ رمضان المبارک کو دیوبند پہونچے عید سے دوسرے دن یہ ناکارہ سیدی و مرشدی حضرت اقدس سہارنپوری کے ساتھ دیوبند حاضر ہوا، ان دونوں اکابر کا بغلگیر ہونا بھی خوب یاد ہے اور حضرت شیخ الہند کا نہایت مسرت کے ساتھ یہ ارشاد کہ "مولوی حسین احمد مولانا کے لئے برچائے بناؤ" بھی خوب یاد ہے، حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ نے نہایت مسرت کے لہجے میں فرمایا، حضرت ابھی لاتا ہوں اس وقت یہ ناکارہ بھی ہمرکاب تھا، اور حضرت نے بہت شفقت و محبت سے معانقہ کے بعد یاد پڑتا ہے کہ سر پر ہاتھ بھی پھیرا[1]"

چھٹا حج

حضرت مولانا کو ہمیشہ سے حج و زیارت کا بار بار شوق رہا اور جب بھی موقع ملا تشریف لے گئے، اس مرتبہ بھی شوق رنگ لایا اور حج کے اسباب مہیا ہو گئے، آپ نے مدرسہ کا انتظام تو مولانا عبداللطیف صاحب کے سپرد کیا جو پہلے سے ناظم تھے اور ۲ ذوشعبان ۱۳۳۸ھ کو حج کا سفر شروع فرمایا یہ آپ کا چھٹا حج تھا، اس سفر میں آپ کے ہمرکاب حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی مدظلہ العالی، مولانا منظور احمد خانصاحب مدرس مدرسہ مظاہر العلوم، مولوی اسحاق بریلوی خادم خاص اور مولانا لطیف الرحمن صاحب کاندھلوی تھے۔

سہارنپور سے بمبئی پہونچے، جہاز میں دیر تھی اس لئے ساتھیوں نے بمبئی میں قیام کیا اور حضرت مولانا نے اہل تعلق کے اصرار پر راندیر گجرات وغیرہ کا طویل دورہ فرمایا، آپ کا یہ دورہ بیس، بائیس کا دن تھا ہر جگہ آپ نے وعظ و ارشاد اور بیعت و ارادت سے عوام و خواص کو نوازا۔ آپ جس جگہ بھی تشریف لے جاتے ایمان و یقین کی شمعیں روشن

---

[1] آپ بیتی ع ۲ صہ ۲۶

www.abulhasanalinadwi.org

کرتے اور علم و عمل کے نور سے ایک دنیا مستفید ہوتی۔

حج کے اس سفر کے متعلق حضرت شیخ الحدیث تحریر فرماتے ہیں:۔

"بمبئی میں جہاز کے ملنے میں کچھ تاخیر ہوئی اس لئے کہ حضرت کے ساتھ مجمع بہت تھا تقریباً تین سو کا اور بغیر جملہ رفقاء کے حضرت کو سفر کرنا گوارا نہ ہوا اس لئے دو جہاز چھوڑنے پڑے اور شروع ہی سے تیسرے جہاز کے جو اس وقت تک خالی تھا سب رفقاء کے ٹکٹ خرید لئے گئے وہ زمانہ ایسا سخت تھا کہ بمبئی میں دیوبندی کا علی الاعلان قیام مشکل تھا اس لئے شہر سے باہر دور جنگل میں بمبئی کے بعض مخلص خدام نے خیمہ ڈال کر قیام تجویز کر رکھا تھا[1]"

۲۸ شعبان ۱۳۳۸ھ کو جہاز نے لنگر اٹھایا، حضرت مولانا نے باوجود انتہائی ضعف و نقاہت اور ناتوانی کے کہ اس وقت آپ کی عمر ۶۹ سال کی ہو رہی تھی جہاز میں اپنے معمولات پوری طرح پورے کئے، جہاز اور مکہ مکرمہ میں رمضان کے معمولات کے متعلق حضرت شیخ تحریر فرماتے ہیں:۔

"حضرت نور اللہ مرقدہٗ نے اس ضعف و پیری میں درانحالیکہ جہاز کی حرکت سے حضرت کو دوران سر بھی خوب ہو جاتا تھا۔ جہاز میں کھڑے ہو کر تراویح خود پڑھائی، ہر رکعت میں نصف پارہ حضرت قدس سرہ سناتے تھے اور بارہ رکعت میں پون پارہ یہ سیاہ کار سناتا تھا۔ مکہ مکرمہ پہونچکر حضرت قدس سرہٗ نے ایک حافظ قاری کے پیچھے دو پارے یومیہ از سرِ نو پورا قرآن سنا اور اپنا قرآن بھی نفلوں میں پورا فرمایا[2]"

حضرت مولانا جب تک مکہ مکرمہ میں رہے اور رمضان کے ایام رہے بڑے اہتمام سے حرم میں تراویح سنتے تھے حضرت شیخ فرماتے ہیں:۔

---

[1] مقدمہ اکمال الشیم ص۳۲ ، [2] ایضاً ص۳۲

www.abulhasanalinadwi.org

"حضرت کا مصلیٰ تو امام کے پیچھے ہوتا تھا اور چونکہ تینوں صفیں بہت پہلے سے بھر جاتی تھیں اس لئے ہم لوگوں کو جگہ بہت پیچھے ملتی" [1]

حضرت مولانا قاری توفیق کے پیچھے جو بہت اچھا قرآن پڑھتے تھے قرآن سنتے تھے اور فارغ ہو کر مکان تشریف لاتے تھے پورا رمضان اسی طرح گذرا، عید کے دن مولانا محمد حسین حبشی ثم المکی کو جو حضرت مولانا کے خلفاء میں سے تھے ان کی درخواست پر حضرت مولانا نے حدیث مسلسل بیوم العید کی اجازت عطا فرمائی، حضرت مولانا کا ارادہ اس مرتبہ بھی مستقل ایک طویل قیام کا تھا اور آپ اس ارادے سے تشریف لے گئے تھے مگر مکہ مکرمہ پہونچتے ہی حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک صاحب کشف مجاز و خلیفہ مولانا محب الدین ولایتی مہاجر مکی سے ملاقات ہوئی اور معانقہ ہوا، مولانا محب الدین نے ملتے ہی فرمایا:-

"اجی مولانا ارے مولانا آپ کہاں آگیا؟ ہمارے یہاں تو قیامت کبریٰ آنے والا ہے، عمرہ کر کے گھر واپس چلے جاؤ ہمارے یہاں تو آگ برسنے والا ہے" [1]

مولانا کے اس فرمانے کے بعد حضرت مولانا کے ارادۂ قیام میں تزلزل پیدا ہو گیا اور آپ نے اپنے رفقاء اور خدام سے فرمایا:-

"میں تو مدینہ پاک کے قیام کے ارادے سے آیا تھا مگر مولانا محب الدین صاحب اس کو سختی سے منع کرتے ہیں، میری تو مدینہ پاک کی حاضری کئی دفعہ ہو چکی ہے تم لوگوں کا پہلا حج ہے نہ معلوم پھر مدینہ حاضری ہو نہ ہو اس لئے تم ہو آؤ" [2]

یہ زمانہ بڑی بدامنی کا تھا مدینہ کا راستہ غیر محفوظ اور سفر دشوار تھا، آپکے فرمانے پر آپ کے سارے رفقاء مدینہ کے سفر پر تیار ہو گئے اور اللہ کا نام لے کر روانہ ہو گئے حضرت شیخ جو مدینہ منورہ جانے والوں کے ہمراہ تھے فرماتے ہیں:-

---

[1] آپ بیتی عدد ۶ صفحہ ۲۱۸ ، [2] مقدمہ اکمال الشیم صفحہ ۳۳

www.abulhasanalinadwi.org

"زمانہ اس قدر بدامنی کا تھا کہ حج سے پہلے کچھ لوگ حاضر ہوئے اور حج کے بعد تو بہت ہی قلیل، نہ جانیں محفوظ تھیں نہ مال، شریف حسین کی حکومت کا کوئی اثر مکہ کی چہار دیواری سے باہر نہ تھا، قتل و غارت عام تھی، مدینہ پاک میں صرف تین دن قیام کی اجازت تھی اس سے زائد اگر کوئی ٹھہرے تو فی یوم ایک گنی (اشرفی) اپنے بدو کو دے بشرطیکہ وہ قیام پر راضی ہو۔ ہم چند خدام حضرت قدس سرہ کی برکت سے اور اللہ کے فضل و انعام سے انھیں خطرات میں اوّلاً سمندر کے کنارے کنارے اور اسکے بعد جبل غائر کی گھاٹیوں میں چھپتے ہوئے مدینہ پاک حاضر ہوئے۔"[1]

رفقاء کے مدینہ منورہ جانے کے بعد حضرت مولانا مکہ مکرمہ میں ہی مقیم رہے لیکن اس حال میں کہ ہر وقت گرفت کا خوف اور فتنہ و فساد ہونے کا اندیشہ اس سلسلے کا ایک واقعہ ایسا پیش آیا کہ حضرت مولانا انتہائی پریشان ہوئے۔ مولانا عاشق الٰہی صاحب میرٹھی لکھتے ہیں:-

"ایک دن حرم شریف میں نماز کا سلام پھیرا اور ایک شخص نے کہ نہ معلوم مجنون یا مغلوب الحال تھا شور مچانا شروع کیا قیامت ٹوٹے اور آسمان پھٹے اس حکومت پر کہ مولوی خلیل احمد جیسے مجرم مقتدی ہوں اور یہ ایسا اور ویسا شخص امام بنے وغیرہ وغیرہ جو منہ میں آیا کہا اس شخص کے تو اگلے دن مرنے کی اطلاع ملی اور حضرت کے متعلق اندیشہ ہوا کہ شریف کو تو سب اطلاع مل چکی ہے، عجب نہیں آپ پر بھی ہاتھ صاف ہو آپ کو یہ بھی گوارا نہ تھا کہ مسلمان حاکم کی شکایت انگریزی قنصل سے کر کے پناہ لیں اور نہ سکون سے رہنا نصیب تھا کہ خدا جانے اس کے بعد کیا فتنہ برپا ہو۔"[2]

حضرت مولانا کے رفقاء آخری ذی قعدہ تک مدینہ منورہ میں رہے اور آخری ذیقعدہ کو روانہ ہو کر ۴ ذی الحجہ کو مکہ مکرمہ پہونچے اور حضرت مولانا سے ملاقات کی، مولانا محب الدین

---

[1] مقدمہ اکمال الشیم ص ۳۳ ، [2] تذکرۃ الخلیل ص ۳۶۵

www.abulhasanalinadwi.org

کے اصرار کے باوجود حضرت مولانا محرم ۳۹ھ تک مقیم رہے اور محرم کے دوسرے عشرہ ہی میں مکہ مکرمہ سے چل کر ہندوستان پہونچے اور ۸ صفر ۱۳۳۹ھ کو سہارنپور تشریف لائے۔

امروہہ میں شیعہ سُنّی مناظرہ اور شیخ الہند کی وفات

ربیع الاول ۱۳۳۹ھ کو امروہہ میں شیعہ سنّی مناظرہ طے ہوگیا اور یہ مناظرہ شیعوں کے اصرار پر ہوا اس میں سہارنپور سے حضرت مولانا اور لکھنؤ سے مولانا عبدالشکور صاحب فاروقی پہونچے ان دونوں کے پہونچنے پر فریق مخالف کی خواہش ہوئی کہ مناظرہ نہ ہو اور اس نے دہلی سے مولانا محمد علی صاحب جوہر کو بلا کر مناظرہ کے التواء کی کوشش کی۔ حضرت مولانا کا اصرار تھا کہ جب مناظرہ طے ہوگیا ہے تو ضرور ہونا چاہیئے۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب جو اس مناظرہ کے عینی شاہد ہیں اور حضرت مولانا خلیل احمد صاحب نور اللہ مرقدہ کے ہمرکاب تھے اس مناظرہ کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:۔

"شیعوں نے بہت زور شور سے مناظرہ کا چیلنج دیا اور جب ہر دو حضرات بالا امروہہ پہنچ گئے جس کی ان کو توقع نہیں تھی تو بہت گھبرائے اور (مولانا) محمد علی کو بلا کر جلسہ کے التواء کی تقریریں خوب کرائیں کہ یہ اتحاد کا زمانہ ہے افتراق کا نہیں۔"

۱۷ ربیع الثانی ۱۳۳۹ھ مطابق ۱۹۲۰ء کو حضرت مولانا نے حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب کی خدمت میں حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مدظلہ العالی کو بھیجا اور ایک پرچہ ہمراہ جس میں یہ تحریر تھا۔

"اس وقت شیعوں کی طرف سے التوا ہرگز مناسب نہیں، آپ میرے نام ایک خط جلدی بھیجدیں کہ مناظرہ جاری رکھا جائے یا مناظرہ ملتوی نہ کیا جائے۔"

انہیں دنوں میں حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی کلکتہ تشریف لے جارہے تھے جس وقت ان کی گاڑی امروہہ کے اسٹیشن پر پہونچی تو حضرت مولانا کی طرف سے کلکتہ نہ جانے

www.abulhasanalinadwi.org

اور امروہہ رک جانے کا حکم پہونچا، حضرت مدنیؒ حضرت مولانا کا نہایت ادب و احترام کرتے تھے اور حضرت شیخ الہندؒ کی جگہ سمجھتے تھے اس لئے آپ کے حکم پر حضرت مدنیؒ اتر گئے۔

ادھر جب شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مدظلہ العالی دہلی پہونچے تو دیکھا کہ حضرت شیخ الہندؒ سخت علیل ہیں اور سخت دورہ پڑچکا ہے اس لئے وہ پرچہ خدمت میں پیش نہ کر سکے، صبح ہوتے ہوتے حضرت شیخ الہند وصال فرما گئے، آپ کا وصال ۱۸ ربیع الاول ۱۳۳۹ھ مطابق ۳۰ نومبر ۱۹۲۰ء کو ہوا اور تدفین دیوبند میں ہوئی۔ حضرت مولانا کو جب حضرت شیخ الہند کی وفات کا علم ہوا تو دل و دماغ کو اتنا بڑا دھکا پہونچا کہ کم کسی کے حادثۂ انتقال پر پہونچا تھا مگر اس حادثۂ انتقال کے ہوتے ہوئے بھی آپ نے مناظرہ ملتوی نہ کیا بلکہ جب تک شیعوں نے راہ فرار اختیار نہ کی آپ نے پیچھا نہیں چھوڑا۔ مولانا عاشق الٰہی صاحب میرٹھی اس مناظرہ کا حال تحریر کرتے ہیں:۔

"اخیر نومبر ۱۹۲۰ء کو امروہہ میں جو مشہور مناظرہ روافض کے ساتھ ہوا اس میں مولانا عبدالشکور صاحب کو مناظر بنا کر آپ نے کھڑا کیا اور خود جلسہ کے پورے وقت میں پاس بیٹھے رہے حتی کہ اثناء تواریخ مناظرہ میں ۳۰ نومبر مطابق ۱۸ ربیع الاول کو آپ کو حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب قدس سرہٗ کے سانحۂ انتقال کی اطلاع ملی مگر آپ میدان مناظرہ کو صرف اس لئے نہ چھوڑ سکے کہ فریق مخالف فرار پر محمول کرکے مخلوق پر اپنا رنگ جمائے گا آخر جب فریق مقابل خائب و خاسر ریل میں سوار ہو لیا تب آپ امروہہ سے چلے[۱]"

ارتداد کا فتنہ اور حضرت مولانا کی فکر و پریشانی

حضرت مولانا کو اللہ تعالیٰ نے تعلیمی اور تعمیری صلاحیتوں کے علاوہ دین کا درد اور جذبہ بھی عطا فرمایا تھا

---

[۱]: تذکرۃ الخلیل ص ۳۵۰

www.abulhasanalinadwi.org

اور جب بھی کہیں اسلام اور دین کے خلاف کوئی شورش ہوتی تو آپ فکرمند ہو جاتے اور دوسرے اہل فکر اور درد مند علماء کے ساتھ شریک ہو جاتے، کبھی آپ حضرت شیخ الہند کے ساتھ ملک کی آزادی کی کوشش میں لگتے ہوئے نظر آتے ہیں تو کبھی حضرت تھانوی کے ساتھ تبلیغ و دعوتِ اسلامی کے کام میں مشغول پائے جاتے ہیں۔ سنہ ۱۳۴۱ھ میں جب راجپوتانہ اور آگرہ سے ارتداد کی خبریں آنی شروع ہوئیں تو حضرت تھانویؒ کو اس کی فکر ہوئی، اور انہوں نے وفود بھیجنے شروع کئے، مظاہر علوم سے حضرت مولانا کے تلامذہ اور متعلقین جن پر آپ کو اطمینان تھا اس مبارک کام کے لئے منتخب ہوئے جنھیں مولانا اسعد اللہ صاحب مدظلہ، مولانا عبدالکریم صاحب گنگوہی اور حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کاندھلوی جو حضرت مولانا ہی سے مجاز تھے قابل ذکر ہیں۔ جتنی مدت تک یہ حضرات تبلیغ و اشاعت دین کا کام کرتے رہے حضرت مولانا پوری طرح باخبر رہے اور فکرمند و پریشان اس کام کے لئے انجمن ہدایت الرشید کی تشکیل فرمائی تھی اور اس انجمن نے ان اطراف میں خصوصاً علی گڈھ و متھرا کے اطراف میں چودہ مدارس قائم کئے جن میں بیک وقت مجموعی طور پر ساڑھے تین سو لڑکوں نے قرآن شریف کی تعلیم حاصل کی، اس سلسلہ میں حضرت تھانوی اور مولانا محمد الیاس صاحب کی انتھک محنتوں اور کوششوں نے بڑا مفید کام انجام دیا۔

مدرسہ مظاہر علوم میں بعض تبدیلیاں اور مبارک اضافہ

حضرت مولانا کو مدرسہ کی تعلیمی اور تعمیری ترقی کی برابر فکر رہی اور اس سلسلہ میں اسباق کی تبدیلی بھی فرمایا کرتے تھے، جن اساتذہ کو اہل سمجھتے اور مدرسہ کے لئے مفید جانتے خواہ ان سے ذاتی تعلق ہو یا نہ ہو ان کی خدمت و ترقی کی کوشش فرماتے، بعض دفعہ دوسرے اساتذہ شکوک و شبہات کا اظہار کرتے مگر آپ اس کا بالکل خیال نہ کرتے اور فرماتے :-

"جب کہ میرا اس ملہ اپنے خدا سے صاف اور درست ہے تو کسی کی پرواہ

www.abulhasanalinadwi.org

نہیں ہے کہ کون کیا کہتا ہے۔"

حضرت مولانا کے نزدیک آپ کے شاگرد رشید اور معتمد خاص حضرت مولانا محمد زکریا صاحب شیخ الحدیث مدظلہ، میں اس سے بڑھ کر صلاحیت تھی جو وہ ابتدائی اور دوسرے درمیانی علوم میں لگا رہے تھے، آپ کی خواہش تھی کہ حضرت شیخ کو حدیث کی کتابیں بھی پڑھانی چاہییں اس لئے آپ نے اسی سال ۱۳۴۱ھ میں بخاری شریف کے تین پارے از تیرہ ۱۳ تا پندرہ ۱۵ تک کی تدریس حضرت شیخ کے ذمہ فرمادی اور ایک سفر پر روانہ ہو گئے، واپسی میں پھر معلوم کیا کہ وہ پڑھانے لگے یا نہیں اس پر معلوم ہوا کہ حضرت شیخ نے اکابر اساتذہ کے ہوتے ہوئے انکے پڑھانے میں تکلف کیا اور احتراز سے کام لیا، آپ سخت ناراض ہوئے اور فرمایا:۔

"بہت اچھا انکار کر دیا تو ہماری پاپوش سے یوں چاہتے ہیں کہ ہماری خوشامد ہو۔"

حضرت شیخ الحدیث جن کی عمر اس وقت ۲۶ سال کی تھی اور اس وقت تک مشکوٰۃ بھی نہیں پڑھائی تھی عجیب پریشانی میں پڑے، حضرت مولانا کی ناراضگی سے پریشان ہوئے اور عرض کیا:۔

"حضرت توبہ توبہ مجھے تو یہ خیال ہوا کہ مدرسہ کی بڑی بدنامی ہے کہ دوسرے مدرسہ والے کیا کہیں گے کہ نوعمر لڑکے کو جس نے مشکوٰۃ بھی نہیں پڑھائی بخاری دے دی۔"

حضرت کی یہ بات سن کر حضرت مولانا نے بڑے جوش سے ارشاد فرمایا:۔

"نوعمر لڑکے کو میں ہی جانوں دوسرے لوگ کیا جانیں اگر کوئی الزام دے گا تو مجھے دے گا تمہیں تو نہیں دے گا۔"[1]

اس سوال و جواب کے بعد حضرت شیخ نے یہ درس حدیث قبول کر لیا اور

---

[1] آپ بیتی ج۲ ص۹۸

قلندر ہرچہ گوید دیدہ گوید کے مطابق وہی ہوا جس کو حضرت مولانا کی فراست ایمانی سمجھ رہی تھی نہ کوئی شورش ہوئی نہ کسی کی طرف سے کوئی اعتراض ہوا پورا سال اطمینان سے گذرا اور اگلے سال حضرت شیخ کو مشکوٰۃ کا سبق بھی مل گیا۔

بذل المجہود جلد اوّل کی طباعت

حضرت مولانا کا عزیز ترین مشغلہ بذل المجہود کی تصنیف اور تالیف کا تھا اس میں آپ نے جو محنت کی وہ ساری محنتوں پر غالب رہی، آپ کی تمنا تھی کہ اس کی طباعت بھی شروع ہوجائے اور اپنے عزیز ترین شاگرد حضرت شیخ کو اس میں لگا دیا جن کی محنت اور دوڑ دھوپ نے وہ وقت دکھایا کہ ۱۳۴۲ھ میں اس کی پہلی جلد طبع ہوکر آگئی، اس کی طباعت میں جو خرچ ہوا وہ حضرت مولانا نے اپنی جیب سے ادا کئے اور آپ کے متوسلین اور روحانی فرزندوں نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، اس کی طباعت سے حضرت مولانا کو بے انتہا خوشی اور مسرت ہوئی اور اس کی طباعت پر پھر وہ بزرگ یاد آگئے جو ترتیب و تالیف کے وقت یاد آئے تھے یعنی حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی اور مولانا محمد یحییٰ صاحب جو اگر ہوتے تو آپ کی مسرت میں اسی طرح شریک ہوتے جتنے آپ مسرور ہوئے۔

رنگون کا سفر

مدرسہ مظاہر علوم سے دلچسپی رکھنے والے اور فراغت پانے والے بڑی تعداد میں برما میں قیام پذیر تھے، ان میں بعض ایسے صاحب استعداد علماء تھے جنھوں نے پورے برما میں تبلیغ واشاعت اور علم دین کی خدمت کا کام اپنے ہاتھوں میں لے رکھا تھا اور بعض بڑے عہدوں پر فائز اور بڑے تاجروں میں تھے، درس وافتاء، تصنیف وتالیف کا کام جاری تھا اسکے علاوہ حضرت مولانا کے متوسلین بھی معتد بہ تعداد میں رنگون، مانڈلے اور دوسری جگہوں پر اپنے کاموں میں مشغول تھے، اور سب کی مدت سے یہ تمنا اور آرزو تھی کہ حضرت

www.abulhasanalinadwi.org

مولانا ایک بار برما تشریف لے جائیں تو ان سارے متعلقین کے دلوں کی آرزو پوری ہو اور استفادہ کرنے والوں کی تعداد بڑھے، حضرت مولانا اپنی مشغولی ضعف و نقاہت کی وجہ سے ہر بار انکار فرما دیتے تھے، جب اہل تعلق کا اصرار بڑھا تو حضرت مولانا نے شعبان ۱۳۴۲ھ میں قدم رنجہ ہونے کا وعدہ فرما لیا اور امتحان سالانہ کے بعد اپنے مخصوص خدام اور ذمہ داران مدرسہ کے ساتھ برما کا سفر کیا، آپ کی ہمرکابی میں مدرسہ کے ناظم مولانا عبداللطیف صاحب ساکن پور قاضی، مدرسہ کے اساتذہ میں مولانا منظور احمد خانصاحب سہارنپوری، مولانا محمد زکریا صاحب قدوسی گنگوہی تھے۔

حضرت مولانا نے پورا رمضان المبارک رنگون میں گذارا، آپ کے رمضان مبارک میں جو معمولات رہتے تھے اس سے اہل رنگون کو بڑا دینی فائدہ پہونچا، شب و روز کی تلاوت، عبادت، ملفوظات و ارشادات، توجہ اور بیعت و ارشاد سے رنگون کی فضا پُر انوار ہو گئی اور ایسی اصلاح ہوئی کہ نہ جانے کتنے انسانوں کی زندگیوں میں خوشگوار تبدیلی کا سامان ہو گیا، تجارت پیشہ حضرات، عہدیدار اور ملازم غرضکہ سبھی طبقوں سے تعلق رکھنے والوں کو زندگی کا مزہ آ گیا اور آپ سے تعلق قائم کر کے اللہ والوں میں شامل ہو گئے۔

عمومی فائدہ پہونچنے کے ساتھ ساتھ مدرسہ مظاہر علوم کو بھی بہت فائدہ ہوا، اہل برما نے دل کھول کر مدرسہ کی مدد کی اور گراں قدر عطیہ سے اس درسگاہ دین کو فائدہ پہونچایا۔ حاجی محمد یوسف رنگونی نے نہ صرف نقد عطیہ دیا بلکہ مدرسہ کے اساتذہ اور ملازمین کو ایک ایک جوڑا کپڑا ہدیہ میں پیش کیا۔

جلسۂ سالانہ اور حضرت مولانا عبدالقادر صاحب کی آمد

سالانہ جلسہ میں ہر سال علماء و مشائخ کا اجتماع ہوتا تھا، اس جلسہ میں میر رحیم بخش بہاولپوری اور حضرت مولانا عبدالقادر

www.abulhasanalinadwi.org

صاحب جو حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب رائپوری کے جانشین اور خلیفہ تھے تشریف لائے، حضرت مولانا سہارنپوری بھی اب اپنی عمر کی آخری منزلوں میں قدم رکھ چکے تھے، ضعف ونقاہت اپنی حد کو پہونچ گئی تھی اور آپ کا شہرہ دور دور ہورہا تھا، آپ کے اکابر ایک ایک کرکے اٹھ چکے تھے اب آپ ہی اپنے اکابر کی جگہ لے رہے تھے، آپ کی طرف رجوع عام تھا کہ بڑے بڑے علماء آپ سے بیعت ہونا فخر کی بات جانتے تھے۔

اس جلسہ میں مدرسہ کے ایک طالب علم نے ایک سو بارہ [۱۱۲] اشعار کی ایک نظم پڑھی جس میں مدرسہ کی خدمات اکابر مدرسہ اور اساتذہ کی منقبت تھی، جس میں حضرت مولانا کے ذکر کے بعد مولانا عبداللطیف صاحب، مولانا عبدالرحمٰن صاحب، شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب، مولانا اسعد اللہ صاحب کا ذکر خیر تھا۔ اس نظم کے شروع کے چار شعر حسب ذیل تھے ؎

سر پر ہے آج سایہ جنابِ خلیل کا
مقبول بارگاہ جنابِ جلیل کا

ہے مظہرِ جمال وہ حسنِ جمیل کا
کب دخل اسکے وصف میں ہے، قال وقیل کا

خورشید چرخ رشد و ہدایت ہے اسکی ذات
اخلاقِ احمدی کا نمونہ ہیں سب صفات

روشن ہیں انکے نام سے عالم میں شش جہات
صحبت ہے انکی باعث صد رحمت و نجات

اس پوری نظم کو مولانا سر رحیم بخش صاحب نے طبع کراکر مفت تقسیم کرایا۔

یہ جلسہ اس حیثیت سے اہم تھا کہ حضرت مولانا کی سرپرستی کے دور کا آخری جلسہ

www.abulhasanalinadwi.org

تھا جس میں آپ نے شرکت فرمائی، اس کے بعد ہی ۱۳۴۴ھ میں آپ نے ہجرت فرمائی اور ہندوستان کو بالکل خیرباد کہہ دیا۔

مولانا صدیق احمد کی وفات اور آپ کا تأثر

حضرت مولانا کے چچازاد بھائی مولانا صدیق احمد صاحب مفتی مالیر کوٹلہ جو حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی کے اجل خلفاء میں تھے اور بڑے صاحب حال اور باکمال شخصیت کے مالک تھے، مدرسہ مظاہر علوم کے ہمدردوں اور ممتحنین میں تھے، سالہا سال تک مظاہر علوم اور دار العلوم دیوبند کے ممتحن خاص تھے، حضرت مولانا کے بچپن کے ساتھی اور رفیق تھے، ایک دوسرے کو ایک دوسرے سے بڑا قلبی تعلق تھا، ۱۳۴۲ھ کو انتقال کر گئے، ان کے انتقال کی خبر حضرت مولانا کو ہوئی تو آنکھوں میں اندھیرا چھا گیا اور بڑے درد انگیز الفاظ ارشاد فرمائے۔ مولانا عاشق الٰہی میرٹھی تحریر کرتے ہیں:۔

"حضرت کو مولانا کے ساتھ کئی طرح سے محبت تھی کہ چچا زاد بھائی تھے، بچپن کے ہمجولی اور ہم عصر تھے، ہر معاملہ میں عرصہ دراز تک ساتھ ساتھ رہے تھے سمدھی بھی تھے کہ آپ کے صاحبزادے حافظ ابراہیم کا مولانا کی صاحبزادی سے عقد ہوا تھا، ہم مکتب اور پیر بھائی تھے اور ایک شیخ سے اجازت پائے ہوئے، دونوں حضرت امام ربانی کے خلیفہ تھے اس لئے جب آپ کے کانوں میں یکایک اس سانحہ کی خبر پہونچی تو گویا آپ کی کمر شکستہ ہو گئی، وطن میں خبر پہونچتے ہی اعزاء مالیر کوٹلہ گئے جب ان کی واپسی ہوئی تو حضرت نماز جمعہ کے لئے جامع مسجد جا چکے تھے ... اور خطبہ شروع ہو گیا تھا، سنن سے فارغ ہو کر حضرت چلے تو آنے والے صاحب نے مصافحہ کیا، میں نے دیکھا کہ حضرت وہیں بیٹھ گئے۔ اور مرض وفات کے مفصل حالات سنتے اور پوچھتے رہے۔[1]"

---

[1] تذکرۃ الخلیل صفحہ ۲۳۲

www.abulhasanalinadwi.org

اس کے بعد مولانا صدیق احمد صاحب کے مرض وفات اور انتقال کی کیفیت اس طرح تحریر کرتے ہیں:۔

"جولائی ۲۵ء میں حسب معمول مع اہل و عیال وطن آکر موسم انبہ کے ختم پر ستمبر میں واپس ہوئے تو گردن و شانہ کے درمیان خفیف درد ہو گیا جس کا علاج اول یونانی ہوا اور اس سے نفع نہ ہونے پر ڈاکٹری، چنانچہ چند روز بعد درد جاتا رہا۔ پنجشنبہ ۲۷ صفر ۴۴ھ کو داڑھی میں مہندی کا خضاب لگایا اور غسل فرما کر کپڑے بدل کر بعد نماز عصر معالج کا شکریہ ادا کرنے کے لئے چلے، دروازہ میں آکر کچھ ضعف معلوم ہوا اور وہیں بیٹھ گئے۔ ذرا دیر ہمت فرما کر اٹھے اور ڈاکٹر صاحب کی توجہ کا شکریہ ادا کر کے گھر آئے۔ کھانا کھایا اور مغرب کی نماز پڑھی۔ مسجد سے واپسی میں پھر ضعف محسوس ہوا کہ چلتے چلتے ٹھہر گئے اور پھر ہمت کر کے مکان کے بالاخانہ پر حسب عادت جا بیٹھے، عشاء کی نماز کو پھر مسجد میں آئے اور باجماعت ادا فرما کر مکان پہونچے، حسب معمول آخر شب کے لئے پانی بھر کر لوٹا رکھا، کوٹھری کو جس میں آپ کی مختصر اشیاء ضروریہ رکھی رہتی تھیں قفل لگایا۔ اور گیارہ بجے کے قریب چارپائی پر لیٹ رہے۔ مگر آرام نہ آیا تو بے چین ہو کر اٹھ بیٹھے اور ذکر جہر شروع کر دیا کچھ دیر بعد قضاء حاجت کو گئے اور واپسی میں ضعف زیادہ ہو گیا۔ فرمایا سینہ میں درد معلوم ہوتا ہے۔ آپ کے صاحبزادہ مولوی شفیق احمد نے سینکنا شروع کیا، مگر دیکھا کہ آواز پست ہوتی جا رہی ہے، دوبارہ قضاء حاجت کے لئے چوکی قریب رکھی گئی اور آپ فارغ ہو کر تکیہ سرہانے رکھ کر لیٹ رہے، اب ذکر کی آواز اتنی کمزور ہو گئی کہ بدشواری سنائی دیتی تھی، بارہ بجے شب کو دفعۃً بلند آواز سے اللہ کہا اور روح رفیق اعلیٰ سے جا ملی۔ اگلے دن جمعہ کو مالیر کوٹلہ کے گورستان میں دفن

www.abulhasanalinadwi.org

ہوئے اور اس طرح پر ایک نماز قضا کئے بغیر چند لمحات میں آخرت کا کٹھن سفر ختم فرمالیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون[۱]۔

مدرسہ کے نئے سرپرست

مدرسہ مظاہر علوم کے دو سرپرست شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری اور مولانا احمد صاحب رامپوری کے انتقال کے بعد اس کی بڑی ضرورت محسوس ہو رہی تھی .... کہ نئے سرپرست مقرر کئے جائیں اور چونکہ حضرت مولانا حجاز تشریف لے جانے والے تھے اس لئے اس کی ضرورت اور زیادہ شدید محسوس ہو رہی تھی، حضرت مولانا نے اس سلسلہ میں یہ اقدام فرمایا کہ مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوری اور شیخ رشید احمد صاحب و مولانا عاشق الٰہی صاحب میرٹھی کو سرپرستان میں لئے جانے کی تجویز پیش کی اور تحریر فرمایا:۔

"دو سرپرستان میں سے حضرت رائے پوری اور مولانا احمد صاحب کا وصال ہو گیا، مناسب ہے کہ مولانا عاشق الٰہی و شیخ رشید احمد و مولانا عبدالقادر صاحب کو سرپرستان میں لے لیا جائے، شیخ صاحب پہلے سے مدرسہ کے خیرخواہ اور خادم ہیں، مولانا عبدالقادر صاحب حضرت رائپوری کے خلفاء میں سے ہیں اور ذی رائے ہیں۔"

فقط خلیل احمد ۳ جمادی الثانی ۱۳۴۴ھ[۲]

مندرجہ بالا عبارت میں حضرت مولانا نے صرف دو اشخاص ۱۔ شیخ صاحب ۲۔ مولانا عبدالقادر صاحب رائپوری کے متعلق تعریفی الفاظ استعمال فرمائے، اور مولانا عاشق الٰہی صاحب کا صرف نام لیا۔ اس کی توجیہ حضرت شیخ مدظلہٗ اس طرح

---

[۱] تذکرۃ الخلیل ص۳۲۶ [۲] تاریخ مظاہر دوم ص۲۳

www.abulhasanalinadwi.org

فرماتے ہیں :-

"حضرت میرٹھیؒ کی وجہ تخصیص حضرت اقدس سہارنپوری نے اپنی تحریر میں اس وجہ سے نہیں لکھی کہ وہ خود حضرت کے خدام اور مجازین میں تھے ورنہ مولانا کا انتہائی مدبر اور منتظم ہونا سب کو معلوم ہے"[1]

مدرسہ کا انتظام ۳ رجمادی الثانی ۱۳۴۴ھ میں نئے سرپرستوں کا انتخاب کیا گیا، اور اس کے بعد ہی حضرت مولانا نے حج میں تشریف لیجانے سے پہلے مدرسہ کے انتظام و انصرام کے سلسلہ میں حسب ذیل تجویز فرمائی :-

"میری غیبت میں حافظ عبداللطیف صاحب ستر روپئے پر ناظم اور مولانا عبدالرحمٰن صاحب باضافہ پانچ روپیہ صدر مدرس ہیں۔ حافظ صاحب کے پاس تین گھنٹہ سبق رہے، اور باقی وقت میں مدرسہ کا انتظام"[2]

---

[1] تاریخ مظاہر دوم ص۲۳ حاشیہ [2] ایضاً ص۲۳ حاشیہ

www.abulhasanalinadwi.org

ساتواں باب

طرز تعلیم، معمولات درس، انتظام مدرسہ

در کفے جام شریعت بر کفے سندان عشق
ہر ہوسناکے نداند جام و سنداں باختن

www.abulhasanalinadwi.org

www.abulhasanalinadwi.org

ساتواں باب

طرز تعلیم، معمولات درس، انتظام مدرسہ

حضرت مولانا ۱۳۱۴ھ میں مدرسہ مظاہر علوم میں مدرس ہوئے اور شروع ہی سے صدر مدرس کے عہدہ پر فائز ہوئے ۱۳۱۴ھ سے ۱۳۳۶ھ تک پورے بائیس سال اس عہدہ پر فائز رہے۔ ۱۳۳۶ھ سے نظامت مدرسہ کا عہدہ بھی حاصل ہوا، اور ۱۳۳۸ھ سے سرپرستوں کی صف میں داخل ہوئے اور ہجرت تک جو ۱۳۴۴ھ میں ہوئی اس عہدہ جلیلہ پر متمکن رہے۔ اس طویل عرصہ میں آپ نے اپنی تعلیمی اور تعمیری، ذہنی اور دماغی صلاحیت اس مدرسہ کی ترقی میں صرف کر دی، تا دم آخر اس مدرسہ کی فکر رہی۔ اس مدرسہ کو اپنے گھر سے زیادہ اور مدرسین و طلبہ کو اپنے عزیز و اقارب سے بڑھ کر سمجھا، حضرت مولانا کا ایک خاص طرز تعلیم تھا، معمولات درس کے بڑے پابند تھے مدرسہ کے انتظام و انصرام میں منتظمین و ذمہ داروں سے بڑھ کر حصہ لیتے آپ کے ہاتھوں سے مدرسہ کو جو ترقی ہوئی وہ کسی اور کے ذریعہ نہیں ہوئی۔ طلبہ کی تعداد بڑھی اور بڑھتی رہی، تعمیر ہوئی اور روز افزوں ہوتی رہی، تعلیمی معیار بلند ہوا اور مثالی بن گیا۔ ہزاروں علماء اور فضلاء اس مدرسہ سے فارغ ہوئے۔

ہم اس باب میں حضرت مولانا کی علمی، تعمیری خدمات کا تھوڑا سا خاکہ پیش کرتے ہیں۔

www.abulhasanalinadwi.org

ابتدائی استعداد کی فکر

حضرت مولانا نے اپنے طویل تعلیمی اور تدریسی تجربہ کے مطابق یہ نظریہ رکھا کہ ابتدائی استعداد کا پختہ ہونا ضروری ہے ورنہ آخر تک کمزوری باقی رہتی ہے اور بعد میں یہ کمزوری رفع ہو ہی نہیں سکتی اس لئے مظاہر علوم میں بھی آپ نے یہ طریقہ رکھا کہ مدرسہ میں ہر طالب علم اچھی استعداد لے کر داخل ہو، مولانا عاشق الٰہی صاحب بیان کرتے ہیں۔

"عربی کے طلبہ کا دن بدن علمی ضعف آپ کو پریشان کرتا تھا کہ دورہ میں شریک ہونے والے بھی عبارت پوری صحت کے ساتھ نہیں پڑھتے اور اس کا بڑا سبب ان کی ابتدائی صرف و نحو کی کمزوری دیے توجہی تھی جس پر مزید تائید مدرسوں کے اس قانون سے ہو گئی تھی کہ شرح جامی تک وظیفہ نہ دیا جائے اور اس لئے باہر کے طلبا، بالخصوص اطراف بنگال کے جن کی ابتدائی استعداد نہایت کمزور ہوتی تھی وظیفہ کے خاطر بڑی بڑی کتابوں میں شریک ہو جاتے اور پھر انکو اپنی ابتدائی کمزوری کے دور کرنے میں شرم آنے لگتی تھی اس لئے قانون مدرسہ میں کہ بوجوہات چند در چند وہ بھی مصلحت پر مبنی تھا، آپ نے ترمیم نہیں کی مگر ایک درجہ ابتدائی کھولا جس میں میزان سے لیکر شرح جامی تک تعلیم دی جائے اور اس کی نگرانی حضرت مولانا صدیق احمد صاحب انبہٹوی کے حوالے فرمائی کہ ان کو خصوصیت سے ابتدائی صرف و نحو کے ساتھ مناسبت تھی اور اپنی طالب علمی کے زمانے سے اس کا اہتمام فرمایا کرتے تھے اس درجہ کے لئے آپنے وظائف علیحدہ مقرر کئے جو عطا کنندگان اسی مد کے لئے دیا کرتے ہیں[1]"

قرأت و تجوید کو اولیت

حضرت مولانا عربی تعلیم کے لئے ضروری سمجھتے تھے کہ قرآن کریم کو صحت الفاظ کے ساتھ پڑھا جائے، آپ اسکو

---

[1] تذکرۃ الخلیل صفحہ ۲۱۱

www.abulhasanalinadwi.org

عربی تعلیم کی ابتدائی منزل قرار دیتے تھے، آپ نے مدرسہ میں اس کا مکمل نظام قائم کیا درجہ کھولا ادھر پوری توجہ دی، ان مدارس میں عمومی طور پر بنگالی طلبہ زیادہ آتے تھے اور وہ آیات قرآنی کی ادائیگی میں غلطیاں کرتے تھے، اس لئے حضرت مولانا نے اس خامی کو دور کرنے کی پوری فکر کی، مولانا عاشق الٰہی صاحب میرٹھی لکھتے ہیں۔

"طلبہ میں بالعموم اور بنگالیوں میں بالخصوص کلام مجید پڑھنے میں صحت لفظی تک کا خیال نہ ہونا آپ کے لئے بہت تکلیف دہ تھا اس لئے آپ نے مدرسہ میں تجوید کے درجہ کا اضافہ کیا اور کئی قرار کی اول برس کے بعد قاری عبدالعزیز صاحب کو جو کہ جوان صالح وجیہہ تھے اور چار سال مدینہ منورہ میں تجوید سیکھ کر بہار پٹنہ بغرض تحصیل علم آئے تھے اس خدمت کے لئے انتخاب فرمایا کہ خود دینیات کی تکمیل کریں اور طلبہ کو فن تجوید کی کتابیں بھی پڑھائیں اور مشق بھی کرائیں، چنانچہ مدرسہ خوش الحانی وصحت لفظی کے ساتھ تلاوت کلام اللہ سے گونج اٹھا اور چند ہی ماہ میں اس ضرورت کی بہت کچھ مکافات آپنے آنکھوں سے دیکھ کر اس درجہ کو مستقل بنا دیا کہ اکثر طلبہ گو حافظ نہ ہوئے مگر قاری اور مجوّد ہو کر مدرسہ سے نکلے[1]

تعلیمی امور میں سختی

حضرت مولانا نے اپنی پوری مدت ملازمت و نظامت میں تعلیمی امور میں سختی کی، امتحان بھی سخت لیتے مگر صحیح جواب پر نمبر بھی اچھے دیتے تھے، تعلیمی امور میں طلبہ کی رعایت کے قائل نہ تھے نہ خود نرمی و رعایت کرتے نہ اس کو پسند فرماتے، مولانا عاشق الٰہی صاحب میرٹھی تذکرۃ الخلیل میں لکھتے ہیں۔

"حضرت طلبہ کے متعلق تعلیمی امور میں بہت سخت تھے اور امتحان میں کسی ادنیٰ

---

[1] تذکرۃ الخلیل صفحہ ۲۱

رعایت کو بھی پسند نہ فرماتے تھے۔ اسی طرح طلبہ کی عملی و اخلاقی حالت پر بھی سخت نظر ڈالا کرتے اور کیسا ہی کسی عزیز یا دوست کا بچہ ہو جب اس کی بد وضعی، یا آزادی کو محقق فرما لیتے تو بے تامل مدرسہ سے خارج کر دیتے اور جب تک وہ اپنی حالت پر نادم ہو کر سچی توبہ نہ کرے اس کے ولی و وارث کی کوئی سفارش نہ سنتے تھے"۔ چنانچہ ایک مرتبہ آپ نے اپنے ایک قریبی رشتہ دار کو اتنی بات پر کہ انھوں نے حضرت کی قرابت کے ناز پر اپنے استاذ کا احترام و آداب ملحوظ نہ رکھا تھا فوراً مدرسہ کی کتابیں واپس کرنے کا حکم دے دیا اور جب تک خود استاذ نے حضرت سے سفارش نہ کی اس وقت تک واپس کردہ کتابیں ان کو دوبارہ نہ دی گئیں۔[1]

طلبہ سے تعلق و محبت

تعلیمی امور میں سختی کے باوجود آپ نے طلبہ کے ساتھ ہمیشہ وہ معاملہ کیا جو ایک شفیق باپ اپنے بیٹے کے ساتھ کیا کرتا ہے طلبہ پر کسی قسم کی زیادتی برداشت نہ کرتے تھے ان کی تکلیف کو اپنی تکلیف ان کی راحت کو اپنی راحت جانتے تھے ایسے موقعوں پر جبکہ طلبہ پر کسی قسم کی زیادتی یا ان کی معمولی حق تلفی بھی دیکھتے تو بے چین ہو جاتے اور اس کے مکافات کی کوشش فرماتے تھے بعض دفعہ ایسے مواقع پر منتظمین تک سے جواب طلب کیا اور ترشروئی سے پیش آئے۔ مولانا عاشق الٰہی صاحب اپنا مشاہدہ اس طرح لکھتے ہیں۔

"ایک مرتبہ میں حاضر تھا کہ ایک طالب علم کی آپ کے پاس محرر مطبخ کے متعلق شکایت آئی جس کا خلاصہ یہ تھا کہ وہ طلبہ کو کھانا تقسیم کر رہے تھے اس طالب علم کو جلی ہوئی روٹی ملی جس کے لینے سے انکار کیا اور محرر مطبخ نے سختی سے جواب دیا کہ اب نخرے بھگ گئے کہ جلی اور روٹی سوجھنے لگی لینا ہو لو ورنہ جاؤ مجھ سے یہ نہیں ہو سکتا کہ اس کو اپنے حصہ میں لگا لوں یا جو روٹی جلے اس کا تاوان دیا کروں"۔

---

[1] تذکرۃ الخلیل ص ۲۲۳

حضرت یہ خبر سنتے ہی مطبخ میں آئے اور غصہ کی وجہ سے آپ کا چہرہ سرخ ہو گیا میں ساتھ تھا اور دیکھ رہا تھا کہ حضرت کے بدن اور آواز دونوں میں رعشہ ہے محرر مطبخ سے آپ نے واقعہ پوچھا اور جب انھوں نے خود ہی اس توقع پر صحیح صحیح بیان کر دیا کہ طلبہ کا نظام قائم رکھنے کے لئے محرر کی طرف داری کی جائے تو اس وقت آپ نے فرمایا منشی جی سنو!

مدرسہ انھیں پردیسی بے وطن، مسکین طلبہ کے دم سے قائم ہے اور تم اور میں دونوں انھیں کے طفیل میں روٹیاں کھا رہے ہیں اگر یہ نہ ہوں تو نہ مطبخ کی ضرورت، نہ تمھاری حاجت، مدرسین بھی فارغ، مدرسہ بھی خالی، یہ مسکین ہی محتاج سہی مگر مجھے اور تمھیں دونوں کو روٹیاں دے رہے ہیں، مجھے صرف یہ بتا دو کہ تمھیں ترش کلام کرنے کا کیا حق تھا اور تم کون تھے یہ کہنے والے کہ کتنے بہک گئے میں ان کا باپ بنا ہوا ابھی زندہ بیٹھا ہوں تم کو مطبخ سے جز و تنخواہ بنا کر دو خوراک ملتی ہیں آخر کیا وجہ تھی کہ جلی ہوئی روٹی تم اپنی خوراک میں نہ لگا سکے اور مہمان رسول کو مجبور کیا کہ یا تو یہی جلی ہوئی کھائے ورنہ فاقہ کرے اب تو اپنی خوراک اس کے حوالے کر دو اور آئندہ کے لئے خوب کان کھول لو کہ کسی طالب علم کے ساتھ کچھ بھی تیز یا ترش برتاؤ کیا تو کان پکڑ کر مطبخ سے نکال دوں گا، ہاں کسی طالب علم کی کوئی غلطی ہو تو مجھ سے کہو میں تحقیق کے بعد جو سزا مناسب سمجھوں گا دوں گا مگر دوسرے کو نہ دیکھ سکوں گا کہ وہ انھیں ترچھی نظر سے بھی دیکھے چونکہ پہلی غلطی ہے اس لئے اس وقت تنبیہ پر اکتفا کرتا ہوں کہ آئندہ اس کا پورا لحاظ رکھا جائے۔[1]

اساتذہ کا احترام لیکن طلبہ کے ساتھ شفقت و محبت کے ساتھ ساتھ اساتذہ کا احترام اور ان کا لحاظ بھی پیش نظر رہتا تھا۔ ان کو اپنے

---

[1] تذکرۃ الخلیل ص ۲۲۴ دار وارج ثلثہ

سے کمتر نہ جانتے وہ خدمت میں آتے تو خوش کلامی اور مسکراہٹ کے ساتھ پیش آتے اور بڑے چھوٹے کی تمیز نہ کرتے کسی استاذ کی بے اعتدالی یا سختی پر متنبہ کرنا ہوتا تو طلبہ کے سامنے نہ کرتے بلکہ حکمت و موعظت کا پہلو اختیار کرتے، اس سلسلہ کا ایک واقعہ مولانا عاشق الٰہی صاحب نے اس طرح لکھا ہے۔

"مولوی ظفر احمد کے مزاج میں غصہ تھا ایک مرتبہ طالب علم کے بے تکے سوالات پر ان کو پڑھاتے ہوئے غصہ آیا تو کتاب فلسفہ کی تھی طالب علم کے منہ پر ماری حضرت کے قریب ہی ان کی درسگاہ تھی اور حضرت نے سب دیکھ اور سن لیا تھا، اس وقت گرفت کرنے میں طالب علم کی جرأت بڑھنے کا اندیشہ تھا اور حضرت کو اس کا خاص اہتمام رہتا تھا کہ طلبہ کے قلوب میں استاذ کی عظمت قائم اور باقی رہے اس لئے ایسا کر دیا گویا سنا ہی نہیں۔ بعد عصر جب مولوی ظفر احمد صاحب مجلس میں آکر بیٹھے تو حضرت نے فرمایا مولوی ظفر کیا کتاب سے بھی مارا کرتے ہیں، کتاب تو اس کے لئے موضوع نہیں ہوئی پھر کتاب بھی مدرسہ کی جو کہ وقف ہے اور جس کی حفاظت ضروری، مولوی صاحب نے غلطی کا اقرار اور آئندہ کے لئے احتیاط کا عہد کیا تو آپ مسرور ہوئے تو پھر محبت کے لہجہ میں فرمایا بھائی آج کل طلبہ کو مارنے کا زمانہ نہیں ہے کیونکہ زمانہ فساد کا ہے قلوب میں تکبر بھرا ہوا ہے، بعض نادان مقابلہ سے پیش آنے لگتے ہیں اس سے تو بالکل ہی احتیاط کرو اور اگر کوئی زیادہ بک بک لگا دے اس کو مہتمم سے اطلاع کر کے درس سے اٹھا دو اس سے زیادہ سزا کی ضرورت نہیں[1]

درس و تدریس میں آپ کا نظریہ اور معمول

حضرت مولانا کا درس و تدریس میں ایک نظریہ تھا وہ پورے سال یکساں طور پر پڑھنے کا تھا۔

---

[1] تذکرۃ الخلیل ص ۲۲۵

www.abulhasanalinadwi.org

کے قائل تھے بہت سے مدرسین کا جو یہ قاعدہ ہے کہ شروع سال میں طویل طویل بحث کرتے اور آخر میں کتاب پوری کرنے کی خاطر ورق گردانی کر کے اور مختصر سے مختصر بحث کر کے کورس پورا کر دیتے ہیں، ایسے قاعدے اور طرز تعلیم کے آپ مخالف تھے فرماتے بھی تھے اور خود اپنے درس و تدریس میں اس توازن اور یکسانیت پر عمل بھی کیا۔ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب زید مجدہ ارشاد فرماتے ہیں۔

"میرے حضرت اس کے شدید مخالف تھے کہ ابتدا میں لمبی تقریریں کیجائیں اور آخر میں رمضانی حافظ کی طرح ورق گردانی کی جائے۔ اس سلسلہ میں حضرت قدس سرہ نے اکابر مدرسین کو مجمع میں ڈانٹا ہے کہ مجھے یہ طرز بہت ناپسند ہے میرے حضرت قدس سرہ کے یہاں جب تک ترمذی شریف بخاری شریف مستقل ہوتی رہی اور صبح کے پہلے دو گھنٹوں میں سبق تھا ماہ صفر کے کسی حصہ میں ترمذی شریف ختم ہو جاتی تھی اس کے ختم ہونے کے بعد اس کی جگہ بخاری شریف شروع ہو جاتی تھی اول کے چند ایام چھوڑنے کے بعد حضرت قدس سرہ جب سبق شروع کراتے تو جہاں سبق کے شروع کا نشان رکھا ہوا ہوتا تھا سبق کے شروع میں اس نشان کو نکال کر اور پانچ ورق گن کر پانچ ورق کے بعد وہ نشان رکھ دیتے تھے۔ مجھے بڑی حیرت ہوتی تھی اور بار ہا اس کو بہت غور سے دیکھا کہ دوسرے گھنٹے کے ختم پر وہ پانچ ورق بھی ختم ہو جاتے نہ تو کبھی گھنٹہ بجتا نہ کبھی ورق بچتا میں بہت کثرت سے اس منظر کو غور کرتا رہا اس میں احکام کے ابواب بھی آتے تھے اور رقاق و آداب کے بھی آتے تھے تقریر بھی کم و بیش ہوتی تھی لیکن ان پانچ ورقوں میں تخلف نہیں ہوتا تھا۔[1]

---

[1] آپ بیتی نمبر ۵ ص ۱۱ تا ص ۱۲

حضرت مولانا تعلیم و تدریس کا کام کس طرح کرتے تھے اور طلباء کے سامنے تعلیم کا کیا طریقہ استعمال فرماتے تھے آپ کے تلمیذ رشید حضرت شیخ الحدیث زید مجدہٗ اپنا مشاہدہ اس طرح پیش کرتے ہیں۔

"آپ کی تقریر مختصر اور جامع ہوتی تھی صاف اور عام فہم لفظوں میں عبارت کا ترجمہ کرتے اور مطلب سمجھاتے آواز زیادہ اونچی نہ تھی مگر پھر بھی ... طلبہ کے دائرہ تک بآسانی پہنچتی تھی مفہوم عبارت سمجھانے کے بعد آپ طلبہ کو شبہہ اور اعتراض کا موقع دیتے اور مسکرا کر اس کا جواب دیا کرتے تھے بات کرنے میں آپ کے دہن سے پھول جھڑتے اور تقریر گویا موتیوں کی لڑی ہوتی تھی اخیر زمانہ عمر میں آپ کی آواز مرتعش ہوگئی تھی مگر تسلسل وحلاوت وہی تھا جو جوانی کے زمانہ میں تھا بڑے درجہ کی پندرہ سولہ ضخیم کتابوں کا ختم سال سے قبل تمام کرا دینا آپ کے لئے معمولی بات تھی کامل چھ سات گھنٹے درس دینا اور دماغ و زبان سے کام لئے جانا آپ کی عادت بن گیا تھا۔[1]

آپ کے درس و تدریس کے معمول کو مولانا عاشق الٰہی صاحب میرٹھی اس طرح بیان کرتے ہیں۔

"حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے درس میں اول صبح کے دو گھنٹہ ترمذی شریف ہوا کرتی تھی اور اس کے ختم ہو جانے پر بخاری شریف شروع ہو جاتی تھی اور رجب کے وسط میں دونوں کتابوں سے باطمینان فارغ ہو جاتا تھا اس کے بعد فقہ و تفسیر کے اعلیٰ اسباق ہوتے اور اوقات مدرسہ میں ایک گھنٹہ آپ کا درس سے فارغ رہتا تھا جو فتاویٰ لکھنے یا دوسروں کے لکھے ہوئے کو دیکھنے اور سننے میں خرچ ہوتا تھا۔ ۱۳۲۰ھ سے جب مولوی محمد یحییٰ صاحب تشریف

---

[1] آپ بیتی نمبر ۶ صفحہ ۱۲۴

ے آ گئے تو آپ کا ایک گھنٹہ صبح کا اور ایک شام کا فارغ ہونے لگا اور یہ وقت اہور نظم مدرسہ میں صرف ہونے لگا۔ ۱۳۲۵ھ میں جب آپ نے ابوداؤد کی شرح بذل المجہود کی تالیف شروع فرمائی تو دو گھنٹے صبح کے تالیف کے لئے رکھے تھے اور ایک گھنٹہ شام کا فتادی کے لئے اور باقی گھنٹوں میں درس مگر ۱۳۴۲ھ میں صبح کا تمام وقت بذل کی تالیف میں مستغرق ہوگیا اور شام کا ایک سبق کا آپ درس دیتے تھے جو ہر سال بدل جاتا تھا کہ ایک سال ابوداؤد شریف ہوتی دوسرے سال مسلم شریف اور پھر نسائی شریف آخر کے دو سال ۱۳۴۳ھ ۱۳۴۴ھ میں صرف موطا امام محمد طلبا کے اصرار پر تبرکاً پڑھاتے اور صبح کا تمام وقت بذل میں خرچ ہوتا تھا اور شام کا خطوط کے جوابات اور فتاوی میں[1]۔

اسباق کی نگرانی

حضرت مولانا جب تک صرف مدرس رہے تو درس و تدریس پر پوری توجہ کی اور متوازن و معتدل طریقہ تعلیم اپنایا اور جب سے مدرسہ کی نظامت پھر سرپرستی کا منصب ملا تو مدرسین کی نگرانی اور ان کے اسباق پڑھانے کا معائنہ فرمایا کرتے اور ایسے وقت خاموشی سے درجہ میں پہنچ جاتے جب مدرسین (جو عام طور پر آپ ہی کے تلامذہ تھے اور متعلق تھے) درس میں مشغول رہتے حضرت شیخ الحدیث مدظلہ آپ کا معمول اور اس سلسلہ کا ایک واقعہ اس طرح تحریر فرماتے ہیں۔

"میرے حضرت قدس سرہ کا معمول بڑے اہتمام سے مدرسین کے اسباق کی نگرانی کرنا تھا مگر اس کا بھی بڑا ہی عجیب طرز تھا حضرت کا خاص معمول یہ تھا کہ خصوصی مہمانوں کو مدرسہ در دارالطلبہ دکھانے خود تشریف لے جاتے اور گشت کرتے ہوئے مدرسین کے اسباق کے سامنے دو دو چار چار منٹ قیام فرماتے اس سے اس ناکارہ کو بھی بہت سابقہ پڑا۔ ایک مرتبہ اس سیاہ کار کو بھی زور کا

---

[1] تذکرۃ الخلیل ص ۲۲۷

www.abulhasanalinadwi.org

بخار ہو رہا تھا اور مشکوٰۃ شریف کا سبق ہو رہا تھا، میرے حضرت قدس سرہٗ حجۃ کے سفیر ہندکو لے کر دارالطلبہ تشریف لے گئے۔ مجھے حضرت کی تشریف بری کا احساس نہیں ہوا، حدیث معراج کی بحث تھی دفعتہً حضرت قدس سرہ پر نظر پڑ گئی میری زبان لڑکھڑا گئی اور حضرت آگے بڑھ گئے بعد میں طلبا نے بتایا کہ حضرت تقریباً پندرہ منٹ سے کھڑے ہوئے تھے۔ اسی طرح دوسرے مدرسین کے اسباق میں بھی مہمانوں کے ساتھ جاتے رہے بعض سبقوں میں ۵ منٹ بعض میں ۱۰ منٹ تک کھڑے رہتے مدرس بیچارے کو کیا خبر کہ آج کوئی مہمان آوے گا اور حضرت اس کے ساتھ تشریف لے آویں گے لیکن مدرسین کو اس کا فکر مستقل سوار رہتا ہے[۱]

پڑھانے کا انداز اور تقریر

اثنائے درس میں حضرت مولانا کا انداز درس کیا ہوتا تھا آپ طلبہ کے اشکالات کا جواب کس طرح دیتے تھے، اس کی کیفیت حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کی تحریر پڑھ کر معلوم کیجئے۔

"میرے حضرت قدس سرہٗ کی تقریر بہت ہی جامع مختصر ایسی ہوتی تھی کہ شائقین سبق کے درمیان ہی میں نوٹ فرمالیا کرتے تھے، اگر کوئی اشکال حواشی و شروح کا کوئی کرتا تو حضرت ذرا تفصیل سے اس کا جواب دیتے"[۲]

درس کے لئے تشریف لے جانا

حضرت مولانا ہمیشہ مدرسہ قدیم جہاں آپ کا قیام رہتا دارالطلبہ کے دارالحدیث میں (جو صدر دروازے کے اوپر ہے اور ایک راستہ اس کے جنوبی جانب صدر دروازے کے باہر ہی سے ہے) تشریف لے جاتے تو دیکھنے والے اس منظر اور آپ کے وقار و سکون کا حال دیکھ کر مرعوب ہو جاتے اللہ تعالیٰ نے انکو محبوبیت، مقبولیت، ہیبت، جلال

۱۔ آپ بیتی نمبر ۶ صفحہ ۲۵ ۲۔ ایضاً صفحہ ۲۴

www.abulhasanalinadwi.org

حسن وجمال کی نعمتوں سے جیسا نوازا تھا اس کا لطف انھیں کو حاصل ہوا جنھوں نے آپ کی زیارت کی اور حسن وجمال کا مشاہدہ کیا، حضرت شیخ الحدیث آپ کی آمد ورفت اور تشریف بری پر طلبا کے استقبال کا حال ان سطور میں پیش کرتے ہیں۔

حضرت قدس سرہ کا معمول ہمیشہ جنوبی زینہ کی طرف سے جانے کا تھا اور اوپر جا کر ہمیشہ دار الحدیث کے پہلے دروازے سے داخل ہوتے طلبا ایکدم کھڑے ہو جاتے تپائیاں ہٹا دیتے حضرت کے لئے ایک دم راستہ کھل جاتا ہے[۱]

سند فراغت

حضرت مولانا کے دور تدریس وسرپرستی میں یعنی سنہ ۱۳۱۴ھ سے سنہ ۱۳۴۴ھ تک تقریباً ۸۰۳ فارغین مدرسہ کو سند فراغ عنایت فرمائی گئی ان میں اکثر حضرات وہ ہیں جنھوں نے ہندوستان وافغانستان کے حدود میں مدارس کھولے، درس وتدریس کا مشغلہ رکھا اور علم دین کے چشمے جاری کئے۔ غزنی سے لے کر بنگال تک آپ کے شاگردوں نے آپ کے حلقہ بگوش رہ کر علم دین کی خدمت کی اور چراغ سے چراغ جلتا رہا اور اس وقت آپ کے نور علم ومعرفت سے لاکھوں آدمی اپنے دماغ ودل کی بستیاں روشن کر رہے ہیں۔

مسلسلات کی سند

حضرت مولانا مسلسلات اور صحاح ستہ کی سندیں اور اجازت بھی دیا کرتے تھے دورۂ حدیث سے فارغ ہونے والوں کو آپ سند عطا فرمایا کرتے تھے سر پر دستار باندھنے کی عادت نہیں تھی مدرسہ کے علماء کے علاوہ بیرونی علماء بھی آپ سے مسلسلات کی سند حاصل کرنے کا اشتیاق رکھتے تھے اور جہاں آپ تشریف لے جاتے اہل علم اس نعمت کے حصول کی کوشش کرتے آپ کا طریقہ یہ تھا کہ جن کو آپ اس کا اہل سمجھتے ان سے اوائل حدیث سن کر اور مسلسلات خود سنا کر ان کو سند اجازت مرحمت فرمایا کرتے تھے حضرت شیخ الحدیث

۱؎ آپ بیتی نوشت

www.abulhasanalinadwi.org

مولانا محمد زکریا صاحب مدظلہ العالی مسلسلات اور حضرت مولانا کی اجازت کے متعلق تحریر فرماتے ہیں۔

"میں حضرت قطب عالم شاہ ولی اللہ صاحب نور اللہ مرقدہ کو مسند ہند کہا کرتا ہوں حضرت مسند الہند قدس سرہ کے تین رسالے "الفضل المبین فی المسلسل من حدیث النبی الامین" دوسرا رسالہ "الدر الثمین فی مبشرات النبی الامین" اور تیسرا رسالہ "النوادر فی احادیث سید الاوائل والاواخر" ان میں دوسرا رسالہ الدر الثمین تو مطبع مجتبائی میں ترجمہ کے ساتھ چھپا ہوا ملتا تھا لیکن پہلا اور تیسرا رسالہ نایاب قلمی میرے حضرت قدس سرہٗ کے پاس تھا ان تینوں رسالوں کو حضرت نے یکجائی ۱۳۲۰ھ میں چھپوایا تھا اور اس وقت سے حضرت قدس سرہ کا معمول یہ تھا کہ اگر کوئی سمجھدار ذی علم اس کی سند اور اجازت کی درخواست کرتا تو حضرت اس کو انفرادا یا اجتماعا پوری سن کر یا اوائل سن کر اجازت فرما دیا کرتے۔"[1]

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب زید لطفہ کو حضرت مولانا نے اپنے سفر حجاز ۱۳۴۴ھ سے قبل حضرت مولانا عبد الرحیم صاحب رائے پوری اور حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کاندھلوی اور مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی کے سامنے مسلسلات کی اجازت دی حضرت شیخ زید لطفہ اپنی اجازت کے ذکر کے بعد فرماتے ہیں۔

"حضرت قدس سرہ کی حجاز سے واپسی کے بعد سے آخر ۱۳۴۵ھ تک یہ سیہ کار سفراً و حضراً حضرت قدس سرہ کا ہمرکاب رہا اس لئے عموماً کوئی شخص اجازت لینے کے لئے آتا تو یہ ناکارہ بھی اس میں شریک رہتا بلکہ اکثر قراءت میں ہی کرتا مگر یہ اجازت عموماً انفرادا ہوتی۔"[2]

ہندوستان کے مختلف مدارس کے سند یافتہ علماء ہر سال حاضر خدمت ہوتے اور

---

[1] آپ بیتی نمبر ۵ صفحہ ۱۴۶ [2] ایضاً صفحہ ۱۴۸

www.abulhasanalinadwi.org

مسلسلات کی سند حاصل کرتے تھے ہندوستان کے علاوہ عرب کے اہل علم حضرات نے بھی آپ سے سند حاصل کی تھی رمضان ۱۳۲۸ھ کو جب آپ مدینہ منورہ میں حاضر تھے تو علماء مدینہ نے آپ سے شرف تلمذ حاصل کیا اور سند حدیث کی خواہش ظاہر کی چنانچہ آپ نے اپنی قیام گاہ پر درس دینا شروع کیا کچھ دنوں کے بعد بکثرت طلبا اور علماء کی آمد کی وجہ سے جگہ ناکافی ہونے لگی تو مسجد نبوی میں بعد عصر درس دینے لگے۔ مسلسلات کی اجازت کے لیے ایک بڑا مجمع اکٹھا ہونے لگا اور آپ مسلسلات پڑھ کر یا سن کر پڑھایا۔ کو باقاعدہ مسلسلات اور دلائل حدیث وغیرہ کی سند اور اجازت دینے لگے۔ حضرت مولانا سے سند مسلسلات حاصل کرنے والوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ کہ شمار وحساب سے باہر ہے۔

چند مشہور تلامذہ

حضرت مولانا کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کرنے والے بے شمار علماء اور فضلاء ہیں جن میں اہل تصنیف وتالیف بھی ہیں اور اصحاب درس وتدریس بھی۔ مدارس کے ناظم اور بانی بھی ہیں اور مشائخ طریقت بھی۔ بڑی سے بڑی تحریکوں کے چلانے والے بھی ہیں اور اصحاب دعوت وعزیمت بھی۔ ان میں ایسے ایسے ممتاز اور باصلاحیت علماء بھی ہیں جن سے لاکھوں نے علم دین حاصل کیا اور سلوک ومعرفت کے منازل طے کئے، ایسے بھی ہیں جن کی تحریک اصلاح وتبلیغ سے عرب وعجم کے بے شمار افراد کو یقین کی دولت اور اصلاح باطنی کی نعمت حاصل ہوئی دربادہ علم وعرفان سے ایک جہاں سرشار ہوا اور چراغ سے چراغ جلتے رہے، غرضیکہ آپ کے تلامذہ اور آپ کے متعلقین کے گوشوں سے علم وعرفان کی ایسی روشنی پھیلی جس کا سلسلہ ابھی تک چل رہا ہے اور جاری رہے گا۔

مدرسہ مظاہر علوم جس کی مدت العمر آپ نے آبیاری کی وہ آپ کی صدقہ جاری باقیات الصالحات میں ہے اس کے سارے ذمہ دار اور مدرسین جو آپ کی صدارت اور سرپرستی کے دور آخر میں رہے ہیں وہ آپ کے شاگرد رشید ہیں۔ مدرسہ کے سابق ناظم مولانا عبداللطیف صاحب آپ کے شاگرد بھی تھے اور داماد بھی۔ اب چند مشاہیر

www.abulhasanalinadwi.org

شاگردوں کے نام پیش خدمت ہیں۔

(۱) حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنیؒ

(۲) مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسریؒ

(۳) مولانا انور شاہ کشمیریؒ

(۴) حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوریؒ

(۵) مولانا عبدالشکور صاحب فاروقیؒ

(۶) مولانا عبداللطیف صاحبؒ ساکن پور قاضی سابق ناظم مدرسہ مظاہر علوم

(۷) حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی مظلہٗ شیخ الحدیث

(۸) مولانا عبدالرحمن صاحب کاملپوریؒ صدر مدرس مظاہر علوم
وخلیفہ اجل حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ

(۹) مولانا محمد اسعد اللہ صاحب رامپوری ناظم مدرسہ مظاہر علوم وخلیفہ ومجاز
حضرت تھانوی دشاعر مناظر اسلام

(۱۰) مولانا محمد زکریا صاحب قدوسی گنگوہیؒ مدرس مدرسہ وواعظ وخطیب

(۱۱) مولانا منظور احمد خاں صاحب سہارنپوریؒ مدرس مدرسہ مظاہر علوم

(۱۲) مولانا جمیل احمد صاحب تھانوی ہمشیرزادہ حضرت تھانوی
حالی مفتی جامعہ اشرفیہ لاہور

(۱۳) مولانا سعید احمد صاحب اجراڑویؒ مدرس مدرسہ ومفتی

(۱۴) مولانا عبدالکریم صاحب نواسہ حضرت شاہ عبدالغنی مجددی دہلوی مہاجر مکیؒ

(۱۵) مولانا عبدالحق صاحب مدنی نقشبندی

(۱۶) مولانا اشفاق الرحمن صاحب کاندھلوی

(۱۷) مولانا بدر عالم صاحب میرٹھیؒ مؤلف ترجمان السنۃ

(۱۸) مولانا شبیر علی صاحب برادر زادہ حضرت تھانویؒ

www.abulhasanalinadwi.org

(۱۹) مولانا فیض الحسن صاحب سہارنپوری

(۲۰) حکیم مولانا محمد ایوب صاحب سہارنپوری

(۲۱) مولانا محمد طیب صاحب رامپوری

(۲۲) مولانا لطیف الرحمٰن صاحب کاندھلوی

(۲۳) مولانا عبدالغنی صاحب بارہ بنکوی

(۲۴) مولانا ادریس صاحب کاندھلوی

(۲۵) مولانا صدیق احمد صاحب برادر حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی

ان علماء کے علاوہ مولانا عاشق الٰہی صاحب میرٹھی نے ۳۶ علماء کے اور نام تحریر کئے ہیں، ان علماء کے سوا وہ ایک بڑی تعداد ان علماء کی ہے جو آپ کی شاگرد ہوئی اور آپ کے زمانہ میں فارغ ہوئی اور عرب وعجم کے مختلف ممالک میں علمی و دینی خدمات انجام دے رہی ہے آپ کے شاگردوں اور شرف تلمذ حاصل کرنے والوں میں حرمین شریفین کے وہ علماء بھی ہیں جو علمی خدمات انجام دے رہے ہیں اور جن کے ناموں کا علم صرف خدا کو ہے

امتحان لینے کا طریقہ

حضرت مولانا اپنے مدرسہ نیز دوسرے مدرسوں کے امتحانات لیا کرتے تھے لیکن آپ کے امتحان لینے کا طریقہ دوسرے ممتحنین سے جدا تھا امتحان کا پرچہ سخت بناتے مگر نمبر دینے میں فیاض تھے سختی کے ساتھ نرم گوشہ بھی رکھتے تھے جس کی وجہ سے امتحان دینے والے طلبا آپ کو سخت گیر ممتحن نہیں سمجھتے تھے اور خود اعتمادی سے جوابات دیا کرتے تھے۔ ۱۳۲۷ھ میں جامع العلوم کانپور میں دینیات سے فارغ ہونے والے طلباء کا امتحان لیا، آپ کے امتحان کے پرچوں میں ادب، بلاغت اور صرف ونحو کے پرچے بھی تھے، اس امتحان میں مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی بھی شریک تھے، امتحان کے بعد مولانا اپنے وطن تھانہ بھون گئے اور راستے میں سہارنپور اترے اس وقت تک انھوں نے حضرت مولانا کی نہ تو زیارت کی تھی

www.abulhasanalinadwi.org

نہ خط وکتابت ہوئی تھی دل میں شوق پیدا ہوا کہ چلتے چلتے حضرت مولانا کی زیارت کرلیں کہ ممتحن رہے ہیں خدمت میں حاضر ہوئے اور زیارت کی، مولانا — زیارت کا حال اس طرح بیان کرتے ہیں۔

"زیارت کے ساتھ ہی جس چیز کو میں نے دیکھا وہ حضرت کے تبسم کے ساتھ خندہ پیشانی سے شفقت و عنایت فرمانا اور تھوڑی ہی دیر میں قبل ازیں کہ میں نتیجۂ امتحان کے متعلق کچھ عرض کرتا خود ہی یہ فرمایا کہ میاں ظفر تمھارے جوابات سے ہم بہت خوش ہوئے تم نے سب سوالات کے جوابات اچھے لکھے اور بالخصوص اردو کی عربی اور عربی کی اردو سب سے اچھی بنائی اس لئے ہم نے نمبر بھی تم کو اچھے دیئے اور یہ فرماکر حجرے میں تشریف لے گئے اور جوابات کے پرچوں کا پلندہ نکال کر باہر تشریف لائے اس میں سے میرے جوابات کا پرچہ نکالا اور میرے سامنے ڈال دیا کہ دیکھو تمھارے نمبر سب سے زیادہ ہیں اور کسی کے نمبر اس قدر نہیں ہیں، سب تم سے کم ہیں" [1]

حضرت مولانا کی خدمات اور مدرسہ کی ترقی وعروج کا زمانہ

حضرت مولانا نے درس وتدریس کے ساتھ ساتھ مدرسہ کی ہر طرح کی ترقی و عروج کی فکر کی اور آپ کے دور صدر مدرسی و نظامت اور سرپرستی میں مدرسہ کو دن دونی رات چوگنی ترقی ہوئی، مولانا عاشق الٰہی صاحب میرٹھی آپ کے فکر، مدرسہ کی تعمیر و ترقی کے لئے آپ کی محنت و مشقت اور تعمیری صلاحیتوں کا ذکر اس طرح کرتے ہیں۔

"جب ترقیات کو ماشاء اللہ اور ترقی ہوئی تو مدرسہ کا مکان ناکافی ہو گیا، کہ نہ مدرسین کے قیام کے لئے حجرات کافی اور نہ طلباء کی رہائش کے لئے جگہ وافی

---

[1] تذکرۃ الخلیل ص ۲۲۶

www.abulhasanalinadwi.org

طلبار شہر کی مسجدوں میں مقیم جن کے حالات علمیہ و عملیہ کی نگرانی محال اور مختلف محلوں میں ان کی روٹیاں مقرر کہ ہر معطی ان پر حکومت چلانے کو تیار اس رُلانے والی بوسیدہ حالت کو دیکھ کر حضرت نے محض توکلاً علی اللہ ایک وسیع زمین خرید کر عالی شان تعمیر کی بنیاد ڈال دی کہ اوپر کے حصے میں جدا جدا درسگاہیں ہوں اور نیچے کے طبقے میں طلبار کی رہائش کے لیے کافی مقدار میں حجرے مہمانان رسول کے لئے مہمان خانہ بننے کے لئے خلیل الٰہی آواز کا بلند ہونا تھا کہ پہلے ہی سال چار سو چھتر روپیہ ۳ آنے کی رقم آئی اور دوسرے سال آٹھ ہزار چھ سو چوسٹھ روپے تین آنے ۱۳۲۲ھ میں اس یادگار خلیل کا بنیادی پتھر حضرات سرپرستان کے ساتھ کثیر جماعت علمار و صلحار کے مبارک ہاتھوں رکھا گیا ادھر تعمیر جاری ہوئی ادھر اہل خیر کی عطا و سخا کے دریا بہہ پڑے کہ کام نے ایک دن رکنے کا نام نہ لیا حضرت مولانا تھے اور درسی کتابوں یا مدرسے کی چٹائیوں کے سوا کسی چیز سے کبھی واسطہ ہی نہ پڑا تھا خدا جانے انجینیری اور سیاق فن تعمیر کہاں سیکھا تھا کہ خود اپنی تجویز سے نقشہ بنایا اور خود کھڑے ہو ہو کر مستری سے از اول تا آخر تعمیر کرائی آخر ۱۳۳۱ھ میں دس سال کے اندر جب یہ قصر عالی مکمل ہوا تو دیکھنے والے ماہرین فن حیران ہو جاتے اور ستر چھتر ہزار کی لاگت کا تخمینہ کیا کرتے تھے حالانکہ اس میں چالیس ہزار بھی پورا صرف نہیں ہوا تھا۔[1]

حضرت مولانا کے زمانہ کی ترقی آپ کے حسن ذوق مدرسہ سے تعلق اور تعمیری صلاحیتوں کا تفصیل سے جائزہ لے کر مولانا میرٹھی اپنے تاثرات کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

"حضرت دنیا سے تشریف لے گئے مگر حضرت کی یادگار جس کی تعمیر میں مدرسہ سے فارغ ہو کر دوپہر اور شام کا وقت حضرت مستری کے پاس کھڑے ہو کر گزارا کرتے

---

[1] تذکرۃ الخلیل حصہ ۲ صفحہ ۲۰۷

www.abulhasanalinadwi.org

اور دھوپ کی پرواہ کرتے نہ بارش کی، ایک بڑا صدقہ جاریہ بن کر مدت دراز تک باقی رہے گا اور حضرت کی یاد اس طرح دلاتا رہے گا کہ زبانوں پر دعائیں ہونگی دلوں میں تشکر۔ ظاہر ہے کہ دنیا میں جو بھی آیا ہے وہ مرنے کے لئے آیا ہے مگر اس موت پر ہزار زندگیاں قربان جس کے ہر لمحے میں ایصال ثواب کے لئے وہ بہترین دینی یادگاریں قائم ہوں جو عالم دنیا و آخرت دونوں میں ہر دیکھنے والے کو دعا گو اور مسرور بنائیں اور برسہا برس آب و تاب کے ساتھ سرو قد کھڑی ہوئی اپنے بانی کے نام کا بزبان حال ترانہ گائیں کہ ؎

میں حقیر گدایان قوم را کایں قوم
شہان بے کمر و خسرواں بے کلہ اند [1]

حضرت مولانا کو مدرسہ سے اتنا عشق ہو گیا تھا کہ اول سے آخر زمانے تک آپ نے اس کی ترقی و تعمیر کے لئے اپنی ساری صلاحیتیں خرچ کر دیں، اپنے ضعف و ناتوانی کا بالکل خیال نہیں کیا اور بڑے سے بڑے انقلاب اور حادثہ کا مقابلہ کیا ہر نازک موقع پر سینہ سپر رہے ایسے موقعے بھی آئے کہ گھر میں فاقہ تھا مگر درس دینے میں غفلت نہ کی نہ چھٹی لی اور نہ سستی دکھائی۔ مدرسہ کے لئے ہر موسم میں سفر کئے رانڈیر، بمبئی، رنگون، بھاو نگر جونا گڑھ جیسے دور دراز علاقوں کا سفر کیا اور ذہن و دماغ قلب و جگر اور جسم کو اس مادر علمی کے سنوارنے اور نکھارنے میں گھلا دیا، تنخواہ کے معاملے میں بھی آپ نے گذشتہ اوراق میں پڑھا ہوگا کہ کتنے زاہد تھے، جب بھی تنخواہ بڑھنے کا موقع آتا تو دوسرے مدرسین کی تنخواہیں بڑھ جائیں اور حضرت مولانا کی تنخواہ میں، اس لئے اضافہ نہ ہوتا کہ مولانا اس اضافہ کو منظور نہ فرماتے ایک مرتبہ زبردستی اضافہ کیا گیا اور چالیس سے پچاس روپیہ ہوئے تو حضرت مولانا نے فرمایا۔

---

[1] تذکرۃ الخلیل ص ۲۰۷، ۲۰۸

www.abulhasanalinadwi.org

"چالیس روپیہ ہی کے قابل کام کرنا مشکل ہے اب پچاس کے قابل کام کس طرح انجام دوں"۔

حضرت مولانا مدرسہ کے ہر شعبہ کی نگرانی فرماتے وہ حسن وخوبی فرماتے کسی کام کو کسی پر نہ چھوڑتے بلکہ اپنی گرفت مضبوط رکھتے جن لوگوں کو اس دور کے دیکھنے اور مشاہدہ کرنے کا موقع ملا ہے یا حضرت مولانا سے کسی قسم کا تعلق رکھتے وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت مولانا کی توجہ وانہماک کا یہ عالم تھا اور آپ کی ہیبت متعلقین مدرسہ پر ایسی طاری تھی کہ کوئی مدرس چند منٹ کی غیر حاضری کو بھی حضرت مولانا سے چھپا نہیں سکتا تھا تعلیم سے لے کر طلباء کی حاضری تک حضرت مولانا کی نظر میں رہتی تھی۔ طلباء کا مطالعہ یا تکرار، پابندی نماز ہو یا تلاوت قرآن ہو صفائی و ترتیب ہو یا مطبخ اور اجناس کی مقدار، کتب خانہ کی محافظت ہو یا کسی اور شعبہ کی کارگزاری سب ہی حضرت مولانا کے علم میں رہتی تھی اور پورے مدرسہ کا نظام ادنیٰ سے اعلیٰ تک حضرت کے حکم اور اشارے پر چل رہا تھا اس کی وجہ یہ تھی کہ مدت تک آپ صدر مدرس رہے پھر ناظم ہوئے اور پھر سرپرستوں میں شمار کئے گئے مدرسہ کے سارے انتظام کا، مدرسین آپ کے تلامذہ اور متعلق تھے آپ سب کے شیخ تھے اور سب آپ کے فرمانبردار اور اطاعت گزار تھے وہ سعادتمند بیٹوں کی طرح آپ کی بات مانتے اور آپ شفیق باپ کی طرح سب کے ساتھ معاملہ کرتے نہ کوئی اختلاف تھا نہ حکم عدولی کا کسی میں جذبہ پرورش پا رہا تھا اس صورت حال نے مدرسہ کو ترقی دی اور حضرت مولانا کو آزادی کے ساتھ کام کرنے کا موقع ملا۔

آپ کے دم قدم سے مدرسہ کی ترقی

آپ کے دور صدر مدرسی نظامت اور سرپرستی سے مدرسہ مظاہر علوم کو جو فائدہ پہونچا اس کے متعلق صاحب تاریخ مظاہر لکھتے ہیں۔

حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ کے وجود باوجود سے مدرسہ کو جو باطنی و روحانی منافع پہنچے اس کا ادراک و احساس تو ہم کوربینوں کے لئے یقیناً مشکل بلکہ حیطۂ امکان سے خارج

www.abulhasanalinadwi.org

ہے لیکن ظاہری و مادی ترقیات کے پیش نظر ہم یہ بات کھل کر کہہ سکتے ہیں کہ حضرت کی مدرسہ میں تشریف آوری اور مستقل قیام اعلیٰ حضرت گنگوہی نور اللہ مرقدہ کی زبردست روحانیت اور بلندیٔ فکر پر قوی دلیل ہونے کے ساتھ ساتھ خود حضرت سہارنپوری کے صدق و اخلاص پر بیّن دلیل ہے۔ ۱۳۱۴ھ میں جب آپ دار العلوم دیوبند سے سبکدوش ہو کر سہارنپور آئے اور اعلیٰ حضرت گنگوہی کے حکم سے صدر مدرس بنائے گئے تو اس وقت طلبہ کی مجموعی تعداد ایک سو سینتالیس [۱۴۷] تھی لیکن جب آپ آخری سفر حج کے لئے ۱۳۴۴ھ میں تشریف لے گئے تو طلبا مدرسہ کی تعداد پانچ سو دو (۵۰۲) تھی جن میں صرف درجہ عربی سے متعلق ایک سو چوالیس (۱۴۴) تھے ایسے ہی تشریف آوری کے موقع پر ہر سال کے فارغین مدرسہ کا اوسط چار [۴] یا پانچ [۵] افراد کا تھا لیکن ۱۳۴۴ھ میں تعداد تیس [۳۰] تک پہنچ چکی تھی۔ مدرسہ کے اپنے ذاتی کتب خانہ (لائبریری) میں جو بیش از بیش اضافے ہوئے اور نادر و نایاب کتابیں فراہم ہوئیں وہ سب حضرت نور اللہ مرقدہٗ کے اعمال نامے میں حسنات جاریہ بن کر جمع ہیں کہ بڑے اہتمام اور شوق سے قیمتی قیمتی کتابیں خرید کر اور نقل کرا کر مدرسہ کو مرحمت فرمائیں ہیں۔ [1]

---

[1] تاریخ مظاہر جلد دوم ص ۱

www.abulhasanalinadwi.org

آٹھواں باب

آخری حج اور زیارت مدینہ

متاع وصل جاناں بس گراں است
گرایں سودا بجاں بودے چہ بودے ؟

www.abulhasanalinadwi.org

www.abulhasanalinadwi.org

آٹھواں باب

آخری حج اور زیارت مدینہ

اللہ تعالیٰ نے حضرت مولانا کو دیار حرم سے عشق نصیب فرمایا تھا مدینہ منورہ سے تعلق کا حال یہ تھا کہ ہر وقت اس کی زیارت کی تمنا دل میں رہتی اور اس کے تصور میں ڈوبے رہتے یہ عشق و محبت رسول کا جذبہ ہوش سنبھالتے ہی آپ کو ودیعت کردیا گیا تھا اور کوئی نہ کوئی موقع حجاز جانے کا تلاش کرتے رہتے، مدینہ منورہ کے فراق میں بے چینی سے دن کاٹتے، مولانا عاشق الٰہی صاحب حضرت مولانا کے شوق مدینہ اور زیارت آستانۂ نبوی کی تمنا کے متعلق لکھتے ہیں۔

"باوجود کوہ استقلال ہونے کے عشق رسول کی آگ آپ کی رگ رگ میں اتنا اثر کرگئی تھی کہ آپ نے بارہا عرب کا سفر صرف اسی شوق و آرزو میں کیا کہ ہر مرتبہ آپ کی ہجرت کا شور عوام کی زبانوں پر پہنچا آخر جب وقت آیا تو وہ پورا ہو کر رہا اور وہ آتش فراق بلقائے محبوب ٹھنڈی ہوئی جس نے آپ کو صرف ایک دروازہ کا بنا رکھا تھا۔ مجھے خوب یاد ہے کہ آپ مولانا تھانوی کا وعظ بڑے شوق سے سنتے اور کبھی کبھی فرمایا کرتے کہ مجھے تو مولانا کے وعظ میں اس شعر پر بڑا مزہ آتا ہے۔

ہمہ شہر پر ز خوباں منم و خیال ماہے
چہ کنم کہ چشم بدخو نکند بکس نگاہے

یہ بھی میں نے دیکھا ہے کہ آپ جب اس شعر کو سنتے تو چہرہ کا رنگ بدل جاتا اور وجد

www.abulhasanalinadwi.org

کی کیفیت آپ پر طاری ہوتی جس کو آپ ضبط فرمایا کرتے۔

اس عشق و مستی اور درد و سوز نے آپ سے سات حج کروائے اور ہر دفعہ اس مبارک دیار میں بس جانے اور اسی خاک پاک میں سوجانے کی تمنا لیکر حج کیے۔ آپ کے استاذ مولانا فیض الحسن صاحب سہارنپوری کبھی شوق طیبہ میں چند شعر کہے تھے وہ اشعار آپکے ذوق و شوق کی پوری ترجمانی کرتے ہیں۔

تمنا ہے کہ ہر ہر بال کی سو سو بلائیں لوں
مجھے ہاتھ آئے اگر گیسو تری زلف معنبر کا
تمنا ہے کہ صحرا پر ترے خاروں کے جا لوٹوں
رگ مجنوں کو پھر سودا ہوا ہے نوک نشتر کا

ساتواں اور آخری حج

حضرت مولانا کی ہمیشہ یہ تمنا رہی کہ حجاز تشریف لے جاکر مستقلاً مدینہ منورہ میں قیام اختیار کر لیں اسی تمنا میں بار بار حج فرماتے مگر کوئی نہ کوئی بات ایسی ہوجاتی کہ واپس آنا پڑتا اور یہ دل کی تمنا دل ہی میں رہ جاتی ۱۳۴۴ھ میں طویل قیام کے ارادے سے حج کا سفر کیا اور مدرسہ سے ڈیڑھ سال کی چھٹی لی اور مدرسہ کا انتظام فرما کر یعنی مولانا عبداللطیف صاحب کو ناظم اور مہتمم اور مولانا عبدالرحمن صاحب کاملپوری کو صدر مدرس منتخب فرما کر تشریف لے گئے۔

اعزہ اور احباب سے رخصتی ملاقات

آپ نے اس آخری سفر حج سے پہلے اپنے اعزا، رفقا، اور اہل تعلق سے سفر کر کے ملاقات کی، انبہٹہ، گنگوہ، دیوبند، کاندھلہ اور میرٹھ تشریف لے گئے جس جس سے ملاقات فرماتے اس سے ارشاد فرماتے میرا کہا سنا معاف کرنا میں عرب جا رہا ہوں کسی نے اگر جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ آپ کا سفر مبارک کرے اور بخیریت واپس لائے تو فرمایا۔

"بھائی جب میرا شباب تھا تو جب کبھی حاضر آستانہ ہوا ہوں یہی تمنا ساتھ لے کر گیا ہوں کہ وہاں کی پاک زمین مجھے نصیب ہو جائے، اب جبکہ تمام میرے ساتھ

www.abulhasanalinadwi.org

کے کھیلے ہوئے میرے ساتھ کے پڑھے ہوئے میرے ہم عمر عزیز دوست ایک ایک کرکے ملک بقا کو راہی ہو چکے ہیں کب تک زندہ رہوں گا اب اس موقع پر جارہا ہوں کہ شاید اب میرا وقت آگیا ہو اور مدینہ طیبہ کی خاک پاک مجھے نصیب ہو جائے اور جوار نبوی میں مجھ کو بھی جگہ مل جائے دعا کرو حق تعالیٰ ایمان کے ساتھ اٹھنا نصیب فرمائے اور مراد پوری کرے[1]

روانگی سے پہلے چونکہ یہ سفر طویل تھا اور حقیقتاً آخری تھا، اس لئے آپ نے اس طویل سفر سے پہلے کئی مقامات کے سفر کئے، جن سے بھی مل سکتے تھے ملے اور ان سے رخصت ہوئے۔ حافظ فخر الدین صاحب جو آپ کے مجاز تھے شدت تاثر میں عرض کرنے لگے کہ

حضرت کے اس مبارک ارادہ ہجرت سے خدام پریشان ہیں اور دریافت کرتے ہیں کہ ہم کیا کریں؟

اس دریافت کرنے پر آپ نے ارشاد فرمایا۔

"پریشان ہونے کی کوئی وجہ نہیں عادۃ اللہ اسی طرح جاری ہے اور سلسلہ اسی طرح چلتا رہا ہے کہ جب کوئی شخص وصال کرتا ہے تو اس کے خلفاء کام کرتے ہیں اور ان سے مخلوق ہدایت وفیضان حاصل کیا کرتی ہے پس میرے لوگوں کو چاہیے کہ میرے خلفاء میں سے جس کی طرف چاہیں رجوع کریں اور اپنا کام کرتے رہیں میں اگر ہندوستان ہی میں رہتا تو آخر کب تک زندہ رہتا"[2]

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب نے عرض کیا۔

حضرت کے طفیل میں کیا کیا کچھ کھایا اور کھاتے ہیں۔"

جواب میں ارشاد فرمایا۔

---

[1] تذکرۃ الخلیل ص۳۴۴ [2] ایضاً ص۳۴۹

www.abulhasanalinadwi.org

آپ طفیلیں میں کھاتے ہو چند روز بعد انشاء اللہ مستقل کھاؤ گے کہ لوگ خود پیش کریں گے۔"

مولانا عاشق الٰہی صاحب نے عرض کیا۔

"حضرت مبارک جگہ تشریف لے جا رہے ہیں اس کی تو مسرت ہے مگر اپنی بے کسی کا قلق ہے کہ مولانا مرحوم پوری حیات تھے تو حضرت کی مفارقت کا صدمہ وہاں حاضر ہو کر کم ہو جاتا اور طبیعت جب گھبراتی تو رائے پور جا کر سکون مل جاتا تھا اب جدھر نظر اٹھاتا ہوں کوئی اپنا نظر نہیں آتا اتنا کہہ کر میری آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہو گئے اور ہچکی بندھ گئی حضرت بھی باچشم نم ہوئے اور ذرا سکوت کے بعد فرمایا اللہ خلیفتی علیک انشاء اللہ تمھیں کہیں جانے کی ضرورت نہ ہوگی۔"[1]

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کی رفاقت و ہمرکابی

اس زمانہ میں آپ کے حکم پر حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب بذل المجہود کا کام کر رہے تھے اور لکھتے تھے اس لئے جب آپ تشریف لے جانے لگے تو حضرت شیخ کو اس خیال سے کہ مدرسہ کی بعض ذمہ داریاں ان کے سپرد کی گئی ہیں جن کی وجہ سے اس مبارک سفر میں ہمرکابی مشکل ہے، صدمہ ہوا، ان کی دلی خواہش تھی کہ اس سفر میں ہمرکابی نصیب ہو اور خدمت کا موقع ملے اس لئے کوشش کی کہ آپ کے ساتھ کسی طرح جانے کا موقع مل جائے اس کوشش اور اس کے نتیجہ میں حضرت مولانا کی گفتگو اور اس گفتگو کے بعد معیت کا شرف جس طرح حاصل ہوا اس کی تفصیل حضرت شیخ ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں۔

"۱۳۳۸ھ میں میرا حج کا ارادہ بالکل نہیں تھا کہ شادی ہو چکی تھی زمانہ بدستور تھا، حدیث کے اسباق شروع ہو چکے تھے لیکن شعبان ۱۳۳۸ھ میں حضرت قدس سرہ

---

[1] تذکرۃ الخلیل صفحہ ۳۹۴

نے اپنی غیبت کے لئے جو انتظامات لکھوائے اس میں اس سیہ کار کو صدر مدرس بنایا اور حضرت مولانا عبداللطیف صاحب کو ناظم مدرسہ وہ تحریر تھی تو بڑے راز میں حضرت مہتمم صاحب (اسکے) لکھنے والے تھے لیکن اس ناکارہ سے زیادہ راز نہیں تھا، اسلئے کہ وہ کاغذات اس ڈاک کے تھیلے میں رہتے تھے جو میرے پاس رہتا تھا اور جب میں نے یہ پڑھا کہ اس سیہ کار کا نام مدرس اول میں لکھا گیا تو میرا دماغ چکرا گیا اس لئے کہ میری نگاہ میں مدرس اول کے فرائض بہت سخت تھے میں نے حضرت قدس سرہ سے جب وہ اوپر پیشاب کے لئے تشریف لے جا رہے تھے اور یہ ناکارہ استنجا کا لوٹا لے کر ریا کار کی سے پیچھے پیچھے گیا اور جب حضرت استنجا سکھلا رہے تھے تو میں نے بہت سو کھا سامنہ بنا کر یوں عرض کیا کہ حضرت بذل کا کیا ہو گا حضرت نے بہت قلق کے ساتھ فرمایا۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا کیا ہو گا؟ تمہارے بغیر تو میں لکھ نہیں سکتا اور تمہارے جانے کی کوئی صورت نہیں، اہل وعیال ساتھ ہیں، طویل قیام ہے، میں نے عرض کیا کہ حضرت اب تو یہ خیال ہے کہ میں حجاز چلوں، حضرت قدس سرہ کا چہرہ اس وقت مجھے خوب یاد ہے خوشی سے کھل گیا، استنجا پاک کر کے وضو کر کے نیچے تشریف لائے اور بیٹھ کر فرمایا تمہارے خرچ کا کیا ہو گا، میں نے عرض کیا کہ حضرت اس کا تو بالکل فکر نہیں میں سنہ ۳۸ھ میں بھی قرض لے کر گیا تھا اب بھی لے لوں گا۔ حضرت نے فرمایا تمہاری مدرسہ میں تنخواہ بھی تو کچھ جمع ہے، میں نے عرض کیا کہ حضرت اس کی فکر نہ فرماویں خرچ کا انتظام ہو جائے گا اس تنخواہ کا لینا تو جائز نہیں، حضرت نے فرمایا کیوں؟ عرض کیا حضرت جن مہینوں کی تنخواہ نہیں لی ان میں اس نیت سے پڑھایا کہ تنخواہ نہیں لوں گا اب اس کے لینے کا کیا حق ہے، حضرت نے فرمایا تم نے کوئی درخواست مدرسہ کو دی کہ تم اجیر تھے مدرسہ مستاجر تمہیں یکطرفہ فسخ اجارہ کا کیا حق تھا جب تک کہ ہم قبول نہ کریں۔ میں نے عرض کیا حضرت اس میں اجارہ کی تو کوئی بات نہیں، ایک شخص کام کرتے ہوئے یہ نیت کر لے کہ لوجہ اللہ کر رہا ہوں اس کے بعد اسے معاوضہ لینے کا

www.abulhasanalinadwi.org

کیا حق ہے. حضرت قدس سرہ نے بہت شفقت سے مجھ سے یوں فرمایا کہ بذل میرا ذاتی کام تو نہیں مدرسہ ہی کا کام ہے اگر میں سرپرستان کی منظوری کے بعد تمھیں بکار مدرسہ اپنے ساتھ لے جاؤں اور آمد و رفت کے خرچ کے علاوہ وہاں کے قیام کی تنخواہ مدرسہ سے دلاؤں تو تم کیا کہو گے؟ میں نے عرض کیا حضرت یہ عرض کرونگا کہ بالکل جائز ہے۔ ؎

اس گفتگو کے بعد حضرت شیخ کا سفر بھی طے ہو گیا اور حضرت مولانا کے ہمراہ حجاز مقدس تشریف لے گئے لیکن جتنی تنخواہ مدرسہ سے لی تھی اور جو کچھ مدرسہ کا ان پر سفر کے دوران خرچہ ہوا تھا وہ ۱۳۸۰ھ تک قسط وار مدرسہ کو واپس کر دیا اور اپنی تنخواہ نہ لینے کی نیت کو پورا کر دیا۔

حیدرآباد میں

آپ کے سفر سے پہلے حیدرآباد کے اہل تعلق کا شدید اصرار تھا کہ آپ حیدرآباد تشریف لائیں. حیدرآباد جانے میں کئی فائدے تھے سب سے بڑا فائدہ مدرسہ کو تھا کہ اس سفر سے مدرسہ کو چندہ ملنے اور اس کی ترقی میں اہل حیدرآباد کی شرکت یقینی تھی اسی خاطر اہل تعلق کا اس سفر پر شدید اصرار بھی ہوا کہ حضرت کے نیاز بھی حاصل ہوں گے اور مدرسہ کا کام بھی بن جائے گا اس لئے آپ نے باوجود ضعف و نقاہت اور مشغولیت کے یہ سفر کیا، لوگوں کو آپ کی تاریخ روانگی کی اطلاع ہو گئی تھی اس سے نزدیک و دور کے سارے اہل تعلق آخری زیارت کی خاطر آرہے تھے اور آنے والے تھے

۱۶ شوال ۱۳۴۴ھ پنجشنبہ مطابق ۱۰ اپریل ۱۹۲۶ء کو حیدرآباد روانگی ہوئی اور یہ طے ہوا کہ باقی قافلہ والے سیدھے بمبئی جائیں گے جن میں آپ کی اہلیہ محترمہ اور ان کے بھائی حاجی مقبول احمد بھی تھے۔

جب آپ حیدرآباد روانہ ہوئے تو گاڑی کی عین روانگی کے وقت معلوم ہوا کہ حضرت

؎ آپ بیتی بحوالہ تاریخ مظاہر دوم صفحہ ۶۶ تا صفحہ ۶۸

www.abulhasanalinadwi.org

کا ایک بکس آپ کے حجرہ میں رہ گیا جس میں خصوصی کاغذات، کرائے اور امانتیں تھیں اس بکس کو لینے کے لئے حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مدظلہ اور مولانا زکریا قدوسی صاحب گاڑی سے اتر آئے اور اگلے روز وہ سامان لیکر اسی گاڑی سے حیدرآباد روانہ ہوئے۔

حضرت مولانا کا یہ سفر بظاہر طویل سفر تھا مگر نیت مدینہ منورہ میں مستقل طور پر قیام کی تھی اور لوگوں کو بھی اس کا احساس تھا اس لیے مختلف علاقوں سے کثیر تعداد میں متعلقین مخلصین اور عقیدت رکھنے والے حضرت الوداع کرنے کو جمع ہو گئے تھے حضرت شیخ فرماتے ہیں

"چونکہ حضرت قدس سرہ گویا عمر بھر کے واسطے الوداع فرما رہے تھے اس لئے نہ صرف قرب وجوار بلکہ دور دور کا مجمع الوداع کے واسطے آیا ہوا تھا اور سارا اسٹیشن اٹ رہا تھا۔"[1]

حضرت مولانا نے حیدرآباد میں ایک ہفتہ قیام فرمایا آپ کے ہمراہ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب بھی تھے جو ایک روز بعد حیدرآباد پہونچ گئے تھے، حضرت مولانا کے حیدرآباد میں قیام کرنے سے اہل تعلق کو بڑا دینی فائدہ ہوا۔ حضرت کے تلقین وارشاد اور بیعت وارادت سے بہت سے لوگ سرفراز ہوئے اور خود مدرسہ کو فائدہ پہنچا۔

حیدرآباد سے بمبئی حضرت مولانا مع اپنے رفقاء کے ۲۵ شوال بروز شنبہ نو بجے صبح کو حیدرآباد سے روانہ ہوئے اور دوسرے دن ۲۶ شوال یکشنبہ کو بمبئی پہنچے۔

بمبئی میں جب آپ پہنچے تو ایک بڑے مجمع نے آپ کا استقبال کیا آپ نے بمبئی میں اپنے دو سَو رفقاء کے ساتھ قیام کیا۔ یہ قیام بڑا پر کیف تھا اور دور دور سے اہل تعلق آ آ کر رخصتی ملاقات کرتے سب کی آنکھیں نم اور دل سوز وگداز میں ڈوبے ہوئے تھے اور فراق کے

---

[1] آپ بیتی نمبر ۴

www.abulhasanalinadwi.org

تصور سے لرزاں و ترساں سب کی زبان حال گویا تھی۔

حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شد
روئے گل سیر نہ دیدیم و بہار آخر شد

بمبئی سے مکہ مکرمہ

آپ بمبئی سے ۷ ذیقعدہ بروز پنجشنبہ ۱۳۴۴ھ مطابق ۲۰ مئی ۱۹۲۶ء کو زیانی نامی جہاز سے روانہ ہوئے۔

حضرت مولانا اپنے دو سو رفقاء کے ساتھ جب بمبئی سے روانہ ہوئے تو وہ منظر بڑا اثر انگیز تھا، پہونچانے والے اور رخصت کرنے والے اہل تعلق جو بڑی تعداد میں جمع ہوگئے تھے اس تصور سے کہ اب حضرت سے شرف نیاز شاید حاصل نہ ہو سکے، آبدیدہ ہو رہے تھے اور بعض کی ہچکیاں بندھ گئی تھیں خود حضرت مولانا آبدیدہ ہو رہے تھے، ہر شخص چاہتا تھا کہ حضرت کی نگاہ شفقت اس پر پڑ جائے اسی حال میں آپ کی ہندوستان سے گویا آخری روانگی ہوئی اور دیکھتے دیکھتے آپ کا منور چہرہ بے چین آنکھوں سے اوجھل ہوگیا اور زیانی جہاز جس پر آپ سفر کر رہے تھے بمبئی کی گودی سے لنگر اٹھا کر سوئے حجاز روانہ ہوگیا، پہونچانے والوں پر حسرت و یاس کی اور حضرت مولانا اور آپ کے ہمراہ جانے والوں پر ذوق و شوق اور انتظار کی کیفیت طاری ہوگئی۔

بمبئی سے مکہ مکرمہ تک کا نظام حضرت شیخ الحدیث اس طرح تحریر فرماتے ہیں۔

"۷ ذیقعدہ مطابق ۲۰ مئی پنجشنبہ کو زیانی جہاز میں سوار ہو کر ۱۷ کو کامران قرنطینہ کے لئے اترے کامران میں ایک شب قیام کے بعد ۱۸ ذیقعدہ کو جدہ روانگی ہوئی تیسرے دن ۲۰ کو جدہ پہنچے ۲ شب وہاں قیام رہا اور وہاں سے اونٹوں پر پچیس ۲۵ کو مکہ مکرمہ حاضری ہوئی۔ مکہ مکرمہ میں باب ابراہیم کے سامنے ایک گلی تھی اس گلی میں کئی مکانات بہت ہی بوسیدہ تھے اس زمانہ تک مکہ مکرمہ اور مدینہ پاک کے سارے ہی مکانات بوسیدہ خستہ حال پرانی وضع کے تھے باب ابراہیم کی اسی گلی میں ۱، ۲، ۳، مکان تھے۔ اس میں سے ایک مکان جو کسی بیوہ

www.abulhasanalinadwi.org

کا تھا ۱۳۴۵ھ میں بھی یہی مکان کرایہ پر لیا گیا تھا جو حضرت کے معلم سید مصطفیٰ نے پہلے سے لے رکھا تھا اور اس مرتبہ بھی انھوں نے یہی مکان کرایہ پر لیا اس کی دو منزلیں تھیں نیچے کی منزل میں خدام کا قیام تھا اور اوپر کی منزل میں حضرت کا اور اماں جی رحمۃ اللہ علیہا کا[۱]

مکہ سے عرفات تک

آٹھویں ذی الحجہ کو حضرت مولانا اپنے خدام و رفقاء اور اہل خانہ کے ساتھ منیٰ تشریف لے گئے آپ اور آپ کی اہلیہ محترمہ اونٹ پر تھیں اور بعض دوسرے خصوصی رفقاء دوسرے اونٹوں پر اور خدام آپ کے اونٹ کے ساتھ ساتھ پیدل چلتے۔ منیٰ میں مطوف کے خیمے میں قیام ہوا ایک خیمہ زنانہ جس میں اہلیہ محترمہ اور ان کی خادمہ تھیں اور ایک مردانہ جس میں حضرت مولانا اور خدام تھے حضرت شیخ الحدیث تحریر فرماتے ہیں۔

> حضرت قدس سرہٗ اور اماں جی کے اونٹ کے ہمراہ ہمارا سفر پیدل ہوتا تھا عرفات کے میدان میں دو چھوٹے چھوٹے خیمے ایک زیادہ چھوٹا جس کو چھولداری کہتے تھے جس میں اماں جی اور ان کی خادمہ رحمتی کاندھلوی ملاندی لی بیوی تھیں اور ایک بڑا خیمہ جس میں حضرت قدس سرہٗ اور ہم سب خدام تھے۔ حضرت قدس سرہٗ کا عرفات کے میدان میں تن تنہا دعاؤں میں حفظ اور دیکھ کر مشغول رہنا خوب یاد ہے اور ہم خدام بیٹھے ہوئے تھے[۲]

بیت اللہ شریف میں

حضرت مولانا کے تعلقات سارے اہل علم اور حکمراں طبقے کے لوگوں سے تھے ہر ایک آپ کی عزت کرتا تھا حضرت کا یہ ساتواں سفر حج تھا اس لئے تعلقات میں کافی وسعت پیدا ہو گئی تھی خانہ کعبہ کے کلید بردار شیبی صاحب آپ کا بڑا احترام کرتے تھے ایام حج کے بعد انھوں نے آپ سے

---

[۱] آپ بیتی نمبر ۴ ص ۲۴۵ [۲] ایضاً

www.abulhasanalinadwi.org

کعبہ میں داخل ہونے کی پیش کش کی جس کو آپ نے خوشی سے قبول فرمالیا حضرت شیخ الحدیث لکھتے ہیں۔

اس سفر میں حضرت کی برکت سے خانۂ کعبہ کی داخلی بھی نصیب ہوئی۔ شیبی صاحب نے تعلقات کی وجہ سے مخصوص خدام کے لئے کعبہ شریف کو کھولا تھا۔[1]

"ہندوستان سے حجاز کا سفر آپ نے جس طرح سے کیا اور جس ذوق و شوق اور کیف و سرور کے ساتھ حج ادا فرمایا اس کا صحیح لطف انھوں نے حاصل کیا جن کو اس مبارک سفر میں حضرت مولانا کی ہمرکابی کا شرف حاصل ہوا۔

مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ

۲۶ ذی الحجہ چہارشنبہ کو عصر کی نماز کے بعد مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ روانہ ہوئے، یہ سفر اور زیادہ پرکیف اور سرور انگیز تھا اس وقت آپ کی عمر ۷۵ سال کی تھی کمزوری و ناطاقتی بھی بہت زیادہ تھی مگر مشتاق اور بیتاب دل کے ساتھ آپ نے دیار محبوب کا سفر کیا اس سن میں جب ہر شخص آرام و راحت کو پسند کرتا ہے اور پُر مشقت سفر سے پرہیز کرتا ہے آپ نے اس عالم میں جس شوق و ذوق سے مدینہ کا سفر کیا وہ فرمان محبت کی تعمیل اور مقصد زندگی کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے۔

بایں پیری رہ یثرب گرفتم
نواخواں از سرودِ عاشقانہ
چوں آں مرغے کہ در صحرا سر شام
کشاید پر بہ فکر آشیانہ

آپ نے مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ تک کن کن منازل پر قیام کیا اور کس انداز سے سفر کیا اس کا صحیح حال اور مکمل جائزہ حضرت شیخ مدظلہ العالی کی تحریر میں پڑھئے جو

---

[1] آپ بیتی نمبر ۴ صـ ۲۲۵

آپ کا مشاہدہ بھی ہے۔

"۲۲ ذی الحجہ شنبہ مطابق ۳ر جولائی ۱۹۲۶ء سے تبریز[1] شروع ہوئی تھوڑے تھوڑے اونٹ جاکر جرول میں جمع ہوتے رہے ۲۴ر دوشنبہ کو روانگی طے تھی لیکن حکومت نے ۳۰ اونٹ جبرا لے لئے اس لئے ۲ دن کی مزید تاخیر ہوئی اور چہارشنبہ کو عربی ۹ بجے عصر پڑھ کر جرول سے چلے بعضوں نے وہاں سے چل کر تنعیم میں عصر کی نماز پڑھی اور عربی چھ بجے وادی فاطمہ پہنچے، اس میں کھجوروں کے بہت سے باغات تھے ملیبے سے جن کی چوڑائی تو کم تھی اور لمبائی بہت ایک چھوٹی سی نہر نہایت شیریں جس میں غسل بھی کیا اور کھجوریں بھی کھائیں اور وہاں سے جمعرات کے دن ظہر کے متصل چل کر جمعہ کی صبح کو عربی ۱۱ بجے عسفان پہنچے قافلے کے اونٹ عربی ۲ بجے تک پہنچتے رہے، وہاں ایک کنواں تھا جس کے متعلق کہا جاتا تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا لعاب دہن اس میں پڑا ہے یہاں بھی کھجوروں کے باغات تو بکثرت تھے لیکن باغ کی صورت سے نہیں بلکہ ۲۰۲ ۴۰۴ متفرق، یہاں متعدد کنویں تھے جن کا پانی بہت میٹھا تھا، کھجور مرغیاں بکریاں اور دنبے بہت کثرت سے اور ارزاں تھے۔ عسفان سے عربی ۸ بجے چلے اور مغرب سے قبل پہاڑ کی طویل چڑھائی طے ہوگئی اور عربی ۲ بجے شب دوشنبہ کو دف پہنچے مگر پہاڑ کی چڑھائی کی وجہ سے شب کے ۵ بجے تک قافلے پہنچتے رہے

---

[1] تبریز اونٹوں کے سفر کی ایک معروف چیز تھی کہ مکہ سے دو میل باہر جاکر قافلہ ایک شب کے لئے ٹھہر جاتا تھا تاکہ قافلے کے لوگوں میں سے کسی کی کوئی چیز رہ گئی ہو تو جاکر لے آئے اور رفقاء میں سے کوئی رہ جائے تو وہاں جاکر مل جاوے اور اصل سفر گویا مقام تبریز سے شروع ہوتا تھا۔ اب موٹروں کے سفر میں یہ چیزیں مفقود ہوگئیں لوگ یہ بھی نہیں جانتے ہوں گے کہ تبریز کیا چیز ہوتی ہے۔"

www.abulhasanalinadwi.org

یہاں کھجوریں بھی بکثرت ملیں اور باریک روٹیاں گھی میں تر بتر نہایت ارزاں فروخت ہوتی تھیں اور دودھ بھی بکثرت ملا۔ یہاں سے عصر کی نماز پڑھ کر چلے اور یکشنبہ کی صبح کو عربی ۹ بجے قدیمہ پہنچے یہ بڑی آبادی تھی یہاں حکومت کا عملہ امیر اور سپاہی کثرت سے تھے یہاں مکہ سے آنے والے متفرق راستوں کا مرکز تھا جدہ سے آنے والے بھی یہاں پہنچتے تھے یہاں پانی کی قلت بھی تھی اور کھارا بھی۔ یہاں سے ظہر کی نماز پڑھ کر عربی چھ بجے چلے اور دوشنبہ کی صبح کو عربی ۲ بجے رابغ پہنچے یہ پہلے تو ایک اچھا خاصہ شہر تھا مگر اس وقت نجدی اور شریف کی لڑائی کی وجہ سے بہت ویران اور مکانات گرے ہوئے پڑے تھے وہاں ایک بازار بھی تھا جس میں کھانے پینے اور کپڑے وغیرہ بھی بہت سی چیزیں ملتی تھیں وہاں کے بعض تاجر حجاج سے خطوط لے کر اور ڈاک کا محصول لیکر اپنے ملازموں کے ذریعہ ینبوع یا جدہ کے ڈاک خانے میں ڈلواتے تھے جملہ قافلوں کا ایک شب کا قیام یہاں لازمی تھا۔ حضرت قدس سرہٗ کا بھی مع رفقاء ایک شب قیام رہا اور منگل کی شام کو بعد عصر عربی ۵ بجے چل کر بدھ کی صبح کو ۱۲ بجے مستورہ پہونچے یہاں کے کنویں عام طور سے نہایت کڑوے جو چیز ان سے پکائی جاتی تھی وہ بھی کڑوی ہو جاتی لیکن حضرت نور اللہ مرقدہٗ کی برکت کی وجہ سے ہم لوگوں کو نہایت میٹھا پانی ملا۔ معلوم ہوا کہ حال ہی میں حکومت نے چند کنویں کھدوائے ہیں جو اللہ کے فضل سے شیریں نکلے ہیں اور ان کا پانی رابغ اور قدیمہ سے بھی زیادہ میٹھا تھا۔ بدھ کی شام کو بعد عصر ۹ بجے یہاں سے چل کر جمعرات کی صبح کو عربی گیارہ بجے بیر شیخ پہنچے یہاں بازار تو تھا مگر دودھ اس مقدار میں نہیں ملتا تھا وہاں سے عصر کی نماز پڑھ کر روانگی ہوئی اور جمعہ کی شب میں سحری کے وقت بیر بنی الحصان پہنچے جس کو بیر شیخ عبداللہ بھی اس وقت کہا جاتا تھا۔ کہتے ہیں کہ عثمان

www.abulhasanalinadwi.org

لونی بڑا سردار تھا جس کے، اولاد تھی اور بڑا رئیس اسی کی طرف یہ آبادی منسوب ہے۔

یہاں سے مدینہ پاک کے لئے کئی راستے ہیں جن کو بعض قافلے تین منزلیں کرتے ہیں اور اکثر چار منزل شفقی خلص ہوتو، بئر راشد، فریش۔ جس کو یہ درویش بھی کہتے ہیں۔ ذوالحلیفہ جس کو بیر علی بھی کہا جاتا ہے اور مدینۂ پاک یہ ساری منازل ایک راستے میں نہیں آتیں بلکہ بعض پہاڑ کی ایک جانب اور بعض پہاڑ کی دوسری جانب۔

حضرت نور اللہ مرقدہٗ کا قافلہ بیرعصان سے جمعہ کے دن ظہر کی نماز کے بعد روانہ ہوا اور شنبہ کی صبح کو خلص اترا اور وہاں سے ظہر کی نماز پڑھ کر روانگی ہوئی اور اتوار کی صبح کو فریش اترے یہاں سب متفرق قافلے جمع ہو گئے بعض قافلوں نے منزلیں کیں اور بعض نے نہیں یہاں سے اتوار کی شام کو چل کر دو شنبہ کی صبح کو چاشت کے وقت مدینہ منورہ زادھا اللہ شرفاً وکرامۃً میں حاضری ہوئی۔ ذی الحجہ کی چاند کی ۲۹ ہونے کی صورت میں ۲ محرم تھی اور ۳۰ ہونے کی صورت میں ۳ محرم ہے[1]

جذب وشوق اور کیف ومستی

حضرت مولانا نے جس جذب وشوق اور والہانہ طور پر یہ راستہ طے کیا اور دیار محبوب کے قرب پر ادب واحترام کا جو معاملہ کیا وہ حضرت مولانا ہی کا حق تھا اور آپ کی جیسی صاحب عزیمت صاحب درد وسوز اور صاحب کیف ومستی شخصیت ہی کر سکتی ہے۔ مدینہ منورہ جب چند میل رہ گیا تو آپ کی آتش شوق بھڑکی۔

منزل دوست چوں شود نزدیک
آتش شوق تیز تر گردد

---

[1] مقدمہ اکمال الشیم صفحہ ۳۵-۱-۲

www.abulhasanalinadwi.org

آپ کی زبان حال گویا تھی۔

اللہ اللہ می رودم راہے کہ باشد بے خطر
نے غم از رہزناں نے گیرودارے از عسس
چوں تبل دشت جبل از شوق می آید برقص
خامہ در راہ حجاز از باشد آہنگ جرس
ذوق شیریں کام باشد توشہ منزل نورد
شوق بے پروا خرام آمد رفیق زود رس

مدینہ سے چار میل کے فاصلہ پر ایک کنوئیں پر قافلے کو زمزم کا غسل کیا کپڑے تبدیل فرمائے خوشبو لگائی اور آستانہ محبوب پر حاضری کے لئے تیار ہو کر اونٹ پر سوار ہوئے چند قدم چلے ہی تھے کہ مولانا سید احمد صاحب برادر اکبر حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی نظر آئے سید صاحب موصوف حضرت مولانا کی آمد کی خوشی میں استقبال کی خاطر اتنی دور تشریف لے آئے ان کو دیکھتے ہی حضرت مولانا اپنی سواری سے اتر پڑے آپ کی دیکھا دیکھی دوسرے رفقا بھی اپنی سواریوں سے اتر آئے اور یہ جانتے ہوئے کہ مدینہ پاک ابھی چار میل ہے اور راستہ بھی ناہموار۔ حضرت مولانا کی ضعفت اور عمر کا تقاضہ بھی یہ تھا کہ یہ سفر سوار ہو کر کریں مگر شوق مدینہ اور دیار محبوب کی قربت اس کے حسن و جمال کا نقش اور ہیبت و جلال کا اثر کہ سوار ہونا گوارا نہ کیا اور پورا راستہ پیدل طے کیا۔ اور جب در محبوب پر پہنچے تو نہ ضعف تھا اور نہ تکان

کہاں ہم اور کہاں یہ نکہت گل
نسیم صبح تیری مہربانی

آستانۂ نبوی پر

حضرت مولانا نے ۵ محرم ۱۳۴۵ھ کو مدینہ پاک میں حاضری کی سعادت حاصل کی اور روضۂ نبوی کی زیارت سے اپنی نگاہوں کو شرف عطا کیا آپ کی وہ تمنا پوری ہوتی نظر آئی جو ہمیشہ کیا کرتے تھے آپ نے

www.abulhasanalinadwi.org

آستانۂ نبوی پر حاضر ہو کر محبت بھرے انداز میں اشک بار آنکھوں کے ساتھ سلام پیش کیا۔
جب آپ آستانۂ نبوی پر حاضر ہوگئے تو خود آپ کو اپنے اوپر رشک آنے لگا۔

خوشا کز گرد رہ سویت رسیدیم　　بدیدہ گرد از کویت کشیدیم
بمسجد سجدۂ شکرانہ کردیم　　چراغت را ز جان پروانہ کردیم
زدیم از اشک ابر چشم بے خواب　　حریم آستانہ روضہ ات آب
بسوئے منبرت رہبر گرفتیم　　ز چہرہ پایہ اش را زر گرفتیم
ز محرابت بسجدہ کام جستیم　　قدم گاہت بخون دیدہ شستیم
بپائے ہر ستوں قدر راست کردیم
مقام راستاں درخواست کردیم

www.abulhasanalinadwi.org

حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری نے حسب ذیل راستہ اور منازل ⊙ پر چلتے اور رکتے ہوئے مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کا سفر فرمایا سہولت کی خاطر یہ نقشہ درج ذیل کیا جاتا ہے۔

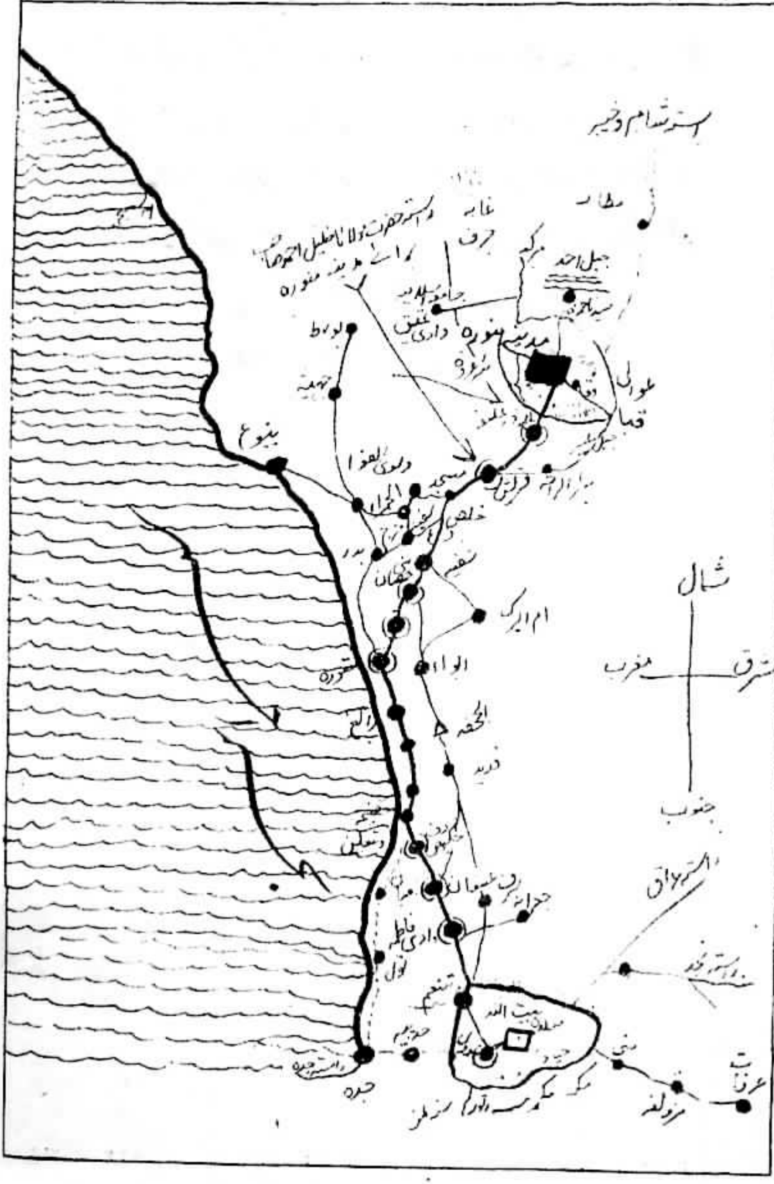

www.abulhasanalinadwi.org

نواں باب

مدینہ منورہ کا قیام - ہجرت کی نیت

فدایم ہزاراں بجان گرامی
چناں شہر خوبی چنیں شہر یارے

www.abulhasanalinadwi.org

www.abulhasanalinadwi.org

نواں باب

مدینہ منورہ کا قیام، ہجرت کی نیت

قیام گاہ

حرم نبوی کے باب النساء کے سامنے دینی علوم کا ایک مدرسہ ہے جس کا ابتدائی دور میں مدرسۃ الایتام نام تھا بعد میں اسکو مدرسۂ شرعیہ کے نام سے یاد کیا جانے لگا۔ اس مدرسہ کو حضرت مولانا سید احمد صاحب فیض آبادی، برادرِ اکبر حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نے قائم کیا تھا اس کا صدر دروازہ باب النساء کی طرف اور چھوٹا دروازہ جنوبی جانب ایک گلی میں کھلتا تھا جس میں مولانا سید احمد صاحب کا مکان تھا اس مکان کی ۳ منزلیں تھیں اوپر کی منزل میں مولانا سید احمد صاحب کے گھر والے مقیم تھے وسطی منزل میں حضرت مولانا تصنیف و تالیف کا کام کرتے تھے اور نچلی منزل میں خود مولانا سید احمد صاحب قیام پذیر تھے اس مکان کے متصل ہی ایک اور مکان تھا جس میں حضرت مولانا کی اہلیہ محترمہ کا قیام تھا۔

مندرجہ بالا مکان میں حضرت مولانا نے آخر تک قیام فرمایا۔

مدرسہ مظاہر علوم کی ذمہ داریوں سے استعفیٰ

حضرت مولانا نے اگرچہ ابھی تک ہجرت کی نیت نہیں کی تھی مگر اس کا ارادہ خواہش اور آرزو تھی اور مستقل قیام کی تمنا رہتی تھی مدینہ منورہ پہونچنے کے چند ہی دن بعد آپ نے مدرسۂ مظاہر علوم کے سرپرستوں کو ان الفاظ میں اپنا استعفیٰ روانہ کیا۔

"میں سہارنپور سے رخصت ہوا تھا تو میں نے ہجرت کی نیت نہیں کی تھی اور نہ ابتک

ہجرت کی نیت ہے کیونکہ مجھے معلوم نہیں کہ حق تعالیٰ شانہٗ کے نزدیک میں اس مقدس ارض (زمین) کے قابل ہوں یا نہیں اگر حق تعالیٰ شانہٗ کو مجھ جیسے ناکارہ کا قیام اس مقدس زمین میں منظور نہ ہوا تو اپنے سیاہ اعمال کے ساتھ واپس ہو جاؤں گا لیکن ابھی تک مجھ کو بحمد اللہ یہاں وابستگی ہے اور یہاں سے واپسی کے لئے مضطر نہیں ہوا لہٰذا یہاں کے قیام سے کسی طرح برداشتہ خاطر نہیں ہوا ہوں۔ اگر خدانخواستہ میں یہاں نہ ٹھہرایا گیا اور واپسی ہوئی تو بھی میں اس قابل نہیں رہا ہوں کہ مدرسہ کی کوئی خدمت بعوض تنخواہ بجا لا سکوں جو انتظامات عارضی کئے گئے تھے ان سب کو مستقل کر دیا جائے۔[1]

اطمینان وسکون اور فرحت وانبساط

اس استعفیٰ کے بعد حضرت مولانا نے پوری دل جمعی کے ساتھ اپنے معمولات شروع کر دیئے اب بھی جو خط لکھتے اطمینان و سکون اور خوشی و مسرت سے لکھتے اور مدینہ منورہ میں آسودۂ خاک ہونے کی تمنا ظاہر کرتے اپنے ایک مکتوب میں مولانا عاشق الٰہی صاحب میرٹھی کو لکھتے ہیں۔

"میں ابتدائے سفر سے اس وقت تک بحمد اللہ نہایت راحت و آرام سے ہوں۔ اور حق تعالیٰ شانہٗ کے اس بے انتہا انعام پر کہ مجھ جیسے ناکارہ کو یہاں پہنچا دیا نہایت شاداں و فرحاں ہوں۔

کہاں میں اور کہاں یہ نکہت گل
نسیم صبح تیری مہربانی

وصلی اللہ تعالیٰ علی سیدنا و مولانا محمد وآلہ وصحبہ وبارک وسلم"[2]

شیخ رشید احمد صاحب میرٹھی کو ایک مکتوب میں تحریر کرتے ہیں

---

[1] تاریخ مظاہر جلد دوم صـ۳۶ [2] تذکرۃ الخلیل صـ۱۵۴

www.abulhasanalinadwi.org

بحمد اللہ یہاں کے حالات اس قدر اطمینان بخش اور فرحت انگیز ہیں کہ پہلو گوں کو کسی قسم کا ذرہ برابر بھی اندیشہ نہیں تمام حجاز امن سے معمور ہے۔ جدہ سے مکہ تک اور مکہ سے مدینہ منورہ تک اور مدینہ منورہ سے جدہ اور ینبوع تک دو دو چار چار اونٹ بھی بہ اطمینان آتے جاتے ہیں اور کوئی واقعہ پیش نہیں آتا۔ ہم یہاں تقریباً ۲ ماہ سے مقیم ہیں ہمارے لئے بحمد اللہ دن عید اور رات شب برات ہے کسی امر کی وجہ سے ہمارے دل میں یہ داعیہ پیدا نہیں ہوا کہ ہم یہاں سے لوٹ جاویں۔

ہجرت کی نیت

مدرسہ مظاہر علوم سے قطع تعلق کے چند ماہ بعد پوری یکسوئی کے ساتھ مدینہ پاک کا قیام اختیار کر لیا اور ہجرت کی نیت کرلی صرف نیت ہی نہیں کی بلکہ اس کا اظہار اپنی زبان مبارک سے بھی اور خطوط کے ذریعہ بھی اپنے تعلق رکھنے والے عزیزوں دوستوں اور خدام کو کر دیا کہ ۔

"مجھے اپنے یہاں کے قیام کا یقین ہو گیا لہٰذا میں نے ہجرت کی نیت کرلی۔"

اس نیت کے بعد آپ مہاجر مدینہ ہو گئے اور آپ کی صحبت و خدمت سے اہل ہندوستان محروم ہو گئے وہ آفتاب علم و عمل جو ہندوستان میں مدتوں تک چمکتا رہا اور اپنی روشنی سے کشمیر سے لیکر بنگال تک اور پشاور سے لے کر مدراس تک منور کرتا رہا اب جوار نبوی کے پردہ حمایہ سے اپنی روشنی کو دوبالا کرنے لگا۔

عزیز ترین مشغلہ

مدینہ منورہ میں آپ کا عزیز ترین مشغلہ احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا بذل المجہود کی تکمیل کی طرف پوری توجہ مبذول کر دی۔ اس عزیز ترین مشغلہ میں آپ پوری طرح منہمک ہو گئے اور آپ کی طبیعت خوب لگی چنانچہ تین ماہ کے اندر ۲۵۰ صفحات کی شرح مدینہ میں آئی جو کتاب الجنائز سے شروع ہو کر کتاب الاطعمہ تک ۱۱ ربیع الثانی ۴۵ھ کو ختم ہوئی حضرت شیخ فرماتے تھے۔

۔ تذکرۃ الخلیل صہ ۲۸۱

www.abulhasanalinadwi.org

"حضرت نور اللہ مرقدہٗ مدینہ پاک پہنچ کر بذل المجہود کی تکمیل میں مشغول ہو گئے یہاں کے قیام میں بذل المجہود کی چوتھی جلد کتاب الجنائز تک ہوئی تھی وہاں پہنچ کر کتاب الجنائز سے املا شروع فرمایا چنانچہ جو مسودہ بذل کا مدینہ پاک میں شروع کیا گیا اس کے شروع میں لکھا ہوا ہے "۱۳ محرم ۱۳۴۵ھ یوم السبت فی المدینۃ المنورہ" حضرت قدس سرہٗ کی یکسوئی اور مدینہ پاک کی برکات کہ تقریباً ساڑھے سات ماہ میں ڈیڑھ جلد کی تکمیل ہو گئی[1]

بذل کی تکمیل پر جو ۲۱ر شعبان ۱۳۴۵ھ کو مکمل ہوئی آپ نے علماء مدینہ کی بڑی وسیع دعوت فرمائی اور دعوت نامہ طبع کرا کے علماء و مشائخ کی خدمت میں بھیجا تھا۔

بذل کی تکمیل کے بعد اس کی جگہ وفاء الوفاء وغیرہ متفرق کتابوں میں صبح کا وقت خرچ ہوتا جو مدینہ منورہ کے قیام میں حضرت مولانا کی خدمت میں جمع ہو گئی تھیں پھر رمضان المبارک آ گیا اور معمولات میں تبدیلی ہو گئی۔

مدینہ منورہ میں شب و روز کے معمولات

حضرت مولانا کے شب و روز کے معمولات اتنے مشغول اور پابند اوقات تھے کہ کوئی لمحہ بیکار نہ جاتا تھا۔

حضرت شیخ مدظلہ العالی جو آپ کے قیام مدینہ میں عرصہ دراز تک خدمت میں رہے تھے آپ کے معمولات اس طرح تحریر فرماتے ہیں۔

"اشراق کی نماز کے بعد حضرت نور اللہ مرقدہٗ اس دار التالیف میں تشریف لے جاتے اور ہندوستانی تقریباً ۱۱ بجے تک نہایت یکسوئی کے ساتھ بذل المجہود کا املا کراتے اور پھر اسی کمرے میں کھانا تناول فرماتے حضرت قدس سرہٗ کے مکان سے حضرت کا کھانا چلا جاتا اور اوپر سے حضرت مولانا سید احمد صاحب نور اللہ مرقدہٗ کا کھانا آ جاتا

[1] مقدمہ اکمال الشیم ص ۳۰

www.abulhasanalinadwi.org

یہ سیاہ کار بھی شریک دسترخوان تھا جس کو دونوں اکابر اپنا اپنا مہمان سمجھتے تھے جس کا اندازہ اس سے ہوا کہ اس یکسالہ قیام میں صرف ایک مرتبہ بخار کی شدت کی وجہ سے ناکارہ شریک دسترخوان نہ ہو سکا تو بعد ظہر دونوں اکابر کے یہاں سے اس ناکارہ کے لئے اہتمام سے کھانا علیحدہ علیحدہ آیا اور اس یک سالہ قیام میں اس سیہ کار کو خود اپنے کھانے کا انتظام کرنا نہیں پڑا کھانے سے فراغ کے بعد حضرت زنانہ مکان میں تشریف لے جاتے تھوڑی دیر قیلولہ کے بعد زوال سے قبل مسجد نبوی میں تشریف لے جاتے کہ زوال سے تھوڑی دیر بعد ظہر کی اذان ہو جاتی اور چند منٹ بعد ظہر کی نماز سے فراغ کے بعد حضرت قدس سرہ تقریباً ایک گھنٹہ قرآن پاک کی تلاوت فرمایا کرتے اور اس کے بعد وفاء الوفا کا مطالعہ فرمایا کرتے اور عصر کی نماز کے بعد جو ایک شغل پر ہو جاتی تھی مولانا سید احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مکان پر تحتانی منزل میں جو مولانا سید احمد صاحب کی قیام گاہ تھی مغرب تک تشریف فرما ہوتے یہ مجلس مجلس عامہ ہوتی تھی جس میں مقامی حضرات بھی تشریف لاتے اور آفاقی زائرین مدینہ بھی اور حضرت مولانا سید احمد صاحب بہت ہی مسرت اور ابتہاج کے ساتھ لطائف اور حکایات کے ساتھ سادی سبز چائے کے فنجانوں کا دور چلاتے. ایک چمچہ پر سید صاحب مرحوم نے مشک وعنبر پگھلا کر جما رکھا تھا جس کا نام چمچۂ قدرت تھا وہ خاص خاص فنجانوں میں خوب پھرایا جاتا ہے[1]

معمولات رمضان

حضرت مولانا نے اس آخری سفر میں ۳ رمضان گزارے پہلا رمضان مکہ مکرمہ میں اور دوسرا اور آخری رمضان مدینہ منورہ میں، اس مدنی رمضان میں آپ کے معمولات ایسے تھے کہ جوان سے جوان آدمی بھی

---

[1] مقدمہ اکمال الشیم صفحہ ۳

ان کو نہ نبھا سکے حالانکہ آپ عمر کی آخری منزل میں تھے ضعف اور نقاہت اپنی حد کو پہنچ چکی تھی لیکن ہمت جوانوں سے بڑھ کر پائی تھی اور اس میں یقین و توکل خوف خدا اور آخرت کی تیاری کا بڑا دخل تھا حضرت شیخ مدظلہ رمضان کے معمولات کا ذکر فرماتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"رمضان المبارک میں حضرت کے تمام معمولات تقریباً ختم ہو گئے چنانچہ صبح کو اشراق کے بعد دیر تک تلاوت فرماتے اور تھوڑی دیر قیلولہ کے بعد زوال سے پہلے مسجد میں تشریف لے جاتے اور ظہر بعد واپس مکان پر تشریف آوری ہوتی بعد ظہر اس ناکارہ کو قرآن پاک سناتے اور معمول کے مطابق بعد نماز عصر مولانا سید احمد صاحب کی قیام گاہ پر تشریف لاتے وہیں کھجور و زمزم سے روزہ افطار کرتے مغرب کی نماز کے بعد مدرسۃ العلوم شرعیہ کی چھت پر تشریف لے جاتے اور نوافل میں اس ناکارہ کو ڈیڑھ دو سپارے سناتے اتنے میں عشاء کا وقت شروع ہوتا نماز عشاء سے فارغ ہو کر پھر اسی جگہ آتے اور قاری محمد توفیق صاحب کی اقتداء میں تراویح پڑھتے یہ نماز بڑے اطمینان سے ہندوستانی وقت کے مطابق سوا بارہ بجے ختم ہوتی تھی اس کے بعد عربی ۶ بجے کے قریب آرام فرماتے اور اس ناکارہ کے لئے حکم تھا کہ آٹھ بجے اٹھا دینا مگر ایک دو دفعہ کے علاوہ مجھے یاد نہیں کہ حضرت کو بیدار کرنا پڑا بلکہ جب بھی میں پہنچا حضرت کو بیدار پایا۔ اس کے بعد مدرسہ میں پڑھنے والے دو طالب علموں سے قرأت نافع میں علیحدہ علیحدہ دو پارے سنتے کیونکہ حضرت کو ایک طویل عرصہ سے قرأت نافع کے سننے کا بڑا شوق تھا"[1]

حرم نبوی میں نماز کا اہتمام | حضرت مولانا کو حرم نبوی میں اگلی صف میں

---

[1] تاریخ مشائخ چشت صـ ۳۱۲

www.abulhasanalinadwi.org

نماز پڑھنے کا بہت زیادہ اہتمام رہتا تھا گرمی ہو جاڑا ہو یا برسات کا موسم ہو آپ کسی دشواری اور رکاوٹ کی پرواہ نہیں کرتے تھے اور پہلی صف میں پہنچ جاتے تھے مولانا سید اصغر حسین صاحب دیوبندی جو حضرت مولانا کے آخری سفر حج میں ساتھ تھے اپنا ایک واقعہ بیان کرتے ہیں۔

"احقر جس زمانہ میں مدینہ منورہ میں مقیم تھا گرمی نہایت شدید تھی اور مسجد نبوی کی پہلی صف میں نماز پڑھنا نہایت دشوار تھا مغرب اور عشاء بلکہ فجر کی نماز میں بھی ہزارہا نمازی اندرون مسجد کو چھوڑ کر صحن مسجد میں نماز ادا کرتے تھے لیکن میں نے دیکھا کہ حضرت ہمیشہ پنجو قتہ صف اول میں ممبر مبارک کے متصل نماز ادا کرتے تھے[1]۔ نماز کے بعد جب احقر مکان پر حاضر ہوتا تو بطور خوش طبعی و لطافت کے فرماتے کہو سید صاحب آج کون سی صف میں نماز پڑھی؟ احقر مطابق واقعہ کے چوتھی یا پانچویں صف میں نماز پڑھنا بیان کرتا اور کہتا تھا کہ حضرت پہلی اور دوسری صف میں گرمی ناقابل برداشت ہو جاتی ہے فرماتے بھائی یہاں تو ضعف اور بڑھاپے کی وجہ سے گرمی کا احساس ہی نہیں ہوتا۔"[2]

مواجہ شریف پر

حضرت مولانا جب بھی مواجہ شریف پر حاضر ہوتے تو قلب و دماغ کی عجیب حالت ہو جاتی، ادب و احترام، عشق و محبت، خوف و خشیت جذب و شوق، کیف و سرور کا عالم ہوتا، آنکھیں نیچی، آواز پست، قدموں میں لغزش قلب میں سوزش، سب سے الگ ڈرے سہمے ایک طرف کھڑے ہو کر سلام عرض کرتے اور آپ کا بن مو گویا ہوتا۔

مرحبا سید مکی مدنی العربی — دل و جاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی

من بیدل بجمال تو عجب حیرانم — اللہ اللہ چہ جمالست بدین بوالعجبی

---

[1] اس زمانہ میں موسم حج کے علاوہ نماز میں محراب نبوی میں ہوتی تھی اور حضرت کا مصلی محراب کے سامنے ہوا کرتا تھا (مصنف)

[2] تذکرۃ الخلیل صد ۳۶۳

www.abulhasanalinadwi.org

چشم رحمت بکشا سوئے من انداز نظر ۔ اے قریشی لقبی ہاشمی و مطلبی
ماہمہ تشنہ لبانیم و توئی آب حیات ۔ رحم فرما کہ زحد می گزرد تشنہ لبی
عاصیانیم زمانیکی اعمال مپرس ۔ سوئے مادوئے شفاعت بکن از بے سببی
سیدی انت حبیبی و طبیب قلبی ۔ آمدہ سوئے تو قدسی پئے درمان طلبی

مولانا عاشق الٰہی صاحب مواجہ شریف پر آپ کی کیفیت آپ کے احترام و ادب کا حال یوں بیان کرتے ہیں ۔

"آستانہ محمدیہ پر حاضری کے وقت حضرت کی عجیب کیفیت ہوتی تھی آواز نکلنا تو کیا مواجہ شریف کے قریب یا مقابل بھی آپ کھڑے نہیں ہوتے تھے ، خوفزدہ سودبانہ دبے پاؤں آتے اور مجرم و قیدی کی طرح دور کھڑے ہوتے بکمال خشوع صلوٰۃ و سلام عرض کرتے اور چلے آتے تھے[1]

ایک غلط العوام عقیدہ کی تردید

مدت دراز سے ایک اشتہار چھپا کرتا ہے جس کا عنوان "فرمان مصطفوی" ہے کہ خادم روضہ شیخ احمد کو بشارت ہوئی اور فلاں فلاں بشارت ہوئی اور اتنے اشتہار اسی عنوان کے چھپیں اور بٹیں ورنہ یہ ہوگا وہ ہوگا حضرت مولانا کو کئی متعلقین نے ادھر توجہ دلائی اور حقیقت حال معلوم کی آپ کا جب آخری قیام مدینہ تھا تو حافظ فخر الدین صاحب نے اس طرح کا ایک اشتہار آپ کی خدمت میں مدینہ منورہ بھیجا اور استفسار کیا کہ اس خواب و بشارت کی کیا اصل ہے تو آپ نے جواب لکھا ۔

"یہاں روضۂ اقدس کا خادم اس نام کا کوئی بھی نہیں اور تحقیق کر لیا کہ یہاں کسی شخص نے بھی ایسا خواب نہیں دیکھا اور نہ مدینہ منورہ کا کوئی شخص اس خواب یا قصہ سے واقف یہ اشتہار قطعی بے بنیاد ہے اور اس کی بعض باتیں

---

[1] تذکرۃ الخلیل صد ۳۹۱

تو بالکل قابل اعتقاد نہیں[1]

آپ نے نہ صرف یہ کہ یہ تحریر بھیجی بلکہ علمائے مدینہ کے اس پر دستخط کرا کے حافظ صاحب کو بھیج دی۔

قاضی القضاۃ ابن بلیہد سے ایک مکالمہ

حضرت مولانا کا جب مدینہ منورہ میں آخری قیام تھا اس وقت ابن سعود[2] کی حکومت تھی اور حجاز کے قاضی القضاۃ ابن بلیہد[3] تھے آپ سے ان کے خاصے تعلقات ہو گئے تھے اور وہ آپ کا بڑا احترام کرتے تھے باوجود اختلاف مسلک کے وہ آپ کے علم و فضل، زہد و تقویٰ اور تعلق مع اللہ کے بڑے قائل اور معترف تھے آپ کا قاضی صاحب سے ابتدائی تعلق ایک ایسے مسئلہ سے ہوا جو مدینہ منورہ میں بڑا اختلافی بنا ہوا تھا اور حنبلی و حنفی مسلکوں میں ایسا اختلاف پیدا ہو گیا تھا کہ دونوں طبقوں میں بڑی خلیج پیدا ہو گئی تھی یہ سلطان ابن سعود کا ابتدائی زمانہ تھا وہ جب بھی مدینہ منورہ آتے تو قاضی ابن بلیہد کے ساتھ حرم نبوی میں بیٹھتے ایک مرتبہ حضرت مولانا بھی

---

[1] تذکرۃ الخلیل صـ ۳۰۴

[2] عبدالعزیز ابن عبدالرحمن آل سعود ۱۲۹۳ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۳۰۹ھ تک کویت میں جلاوطن رہے ۱۳۱۹ھ/۱۹۰۱ء میں نجدی حکومت قائم کی اور ۱۳۴۳ھ/۱۹۲۵ء میں حجاز فتح کیا اور حجاز اور نجد کے بادشاہ کہلائے پورے حجاز و نجد میں ایسا امن قائم کیا جس کی مثال نہیں ملتی۔ بڑے بہادر، دیندار جری اور ذہین تھے ان کے وقت میں حجاز و نجد میں پٹرول نکلا اور سعودی مملکت قائم ہوئی۔ ۱۳۷۳ھ/۱۹۵۴ء میں انتقال ہوا اس کے بعد ان کے بیٹے شاہ سعود پھر شاہ فیصل شہید اور اب شاہ خالد بادشاہ ہیں۔

[3] عبداللہ بن سلیمان ابن بلیہد ایک نجدی عالم اور حنبلی مذہب کے فقیہ تھے اور جغرافیہ جزیرۃ العرب کے سلسلہ میں انکو بڑی معلومات تھیں سلطان ابن سعود کے شروع دور میں مکہ مکرمہ میں قاضی القضاۃ رہے ۱۳۵۹ھ/۱۹۴۰ء میں مکہ مکرمہ میں انتقال ہوا۔

www.abulhasanalinadwi.org

ان دونوں کے قریب بیٹھے تھے، اس زمانہ میں نجدی اپنے مسلک میں بہت سخت تھے جو شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام مبارک کے ساتھ سیدنا کہہ دیتا اس کو نجدی مشرک کہتے تھے اس کی وجہ سے بڑا انتشار پیدا ہو گیا تھا۔

حضرت مولانا نے ابن بلیہد اور سلطان کو قریب دیکھا تو موقع غنیمت جان کر کہا۔

آپ لفظ سیدنا کے متعلق کیا فرماتے ہیں۔؟

قاضی صاحب نے کچھ سکوت کیا اور پھر بولے کہ حدیث میں کہیں نہیں آیا۔

حضرت مولانا نے فرمایا کہ ہاں حدیث میں آیا ہے۔

قاضی صاحب نے حیرت سے پوچھا کہاں آیا ہے؟

آپ نے فرمایا انا سید ولد آدم ولا فخر

قاضی صاحب نے جواب دیا کہ ہاں اس طرح تو آیا ہے مگر نام مبارک کے ساتھ کہیں نہیں آیا۔

حضرت مولانا بولے اللہ تعالیٰ کے نام مبارک کے ساتھ جو تعالیٰ لگاتے ہیں کہیں قرآن شریف میں آیا ہے۔؟

قاضی صاحب نے کہا نہیں قرآن شریف میں کہیں نہیں آیا۔

حضرت مولانا نے جواب دیا کون کہا کرتا ہے کہ ہمارے نام کے ساتھ تعظیمی الفاظ استعمال کیا کرو ایک جگہ حدیث میں آگیا کافی ہے۔

سلطان اس مکالمہ کو بغور سن رہے تھے اب انھوں نے قاضی صاحب سے سوال کیا کہیں اس لفظ کی ممانعت آئی ہے؟

قاضی صاحب نے جواب دیا ممانعت نہیں آئی۔

سلطان نے کہا کہ ایک جگہ آ گیا اور ممانعت کہیں نہیں آئی تو اس پر تشدد کیوں کیا جاتا ہے۔

اس سوال وجواب اور سلطان ابن سعود کے دخل دینے سے یہ اختلافی مسئلہ حل

www.abulhasanalinadwi.org

ہو گیا اور انتشار و پراگندگی کا ماحول ختم ہو گیا اور پھر کسی نے کسی کو پریشان نہیں کیا۔[1]

سلطان ابن سعود کا اعتراف و حسن عقیدت

اس گفتگو کے بعد سلطان ابن سعود کے دل میں آپ کی صاف گوئی اور علم و عمل کا نقش بیٹھ گیا اور عقیدت پیدا ہو گئی ایک بار سلطان نے اپنی قیام گاہ پر تشریف لانے کی دعوت دی پہلے تو آپ نے عذر کیا مگر سلطان نے اصرار کیا تو منظور فرمالیا اور تشریف لے گئے اثنار گفتگو میں سلطان سے فرمایا مجھے کچھ عرض کرنا ہے اور وہ یہ کہ۔

میری سمجھ میں نہیں آیا کہ جمرک کے محصول کا جواز آپ کے یہاں کس دلیل سے ہے کہ شریعت تو تمام مکوس کو ظلم بتاتی ہے۔

سلطان نے سکوت کیا اور پھر جواب دیا کہ حضرت جواز تو کسی طرح نہیں مگر مصارف سلطنت آخر کس طرح نکلیں اور حجاز میں تو آمدنی کا کوئی ذریعہ نہیں۔

حضرت مولانا نے فرمایا۔

"بس میرا مطلب حل ہو گیا اب ملکی معاملات سے مجھے بحث نہیں نہ میں ان کے سمجھنے کا اہل ہوں"[2]

آپ کے قیام سے چند اصلاحات

حضرت مولانا کے طویل قیام سے مقامی علمار حکام اور عام باشندوں کے دلوں میں آپ کی عزت اور علمی مقام کا اعتراف پیدا ہو گیا سلطان سے لے کر ائمہ حرم حکام مدینہ قاضی اور امرار تک سب ہی آپ کی وقعت اور اکرام کرتے تھے آپ نے اس اکرام و احترام سے فائدہ اٹھا کر بعض ایسے احکام و معمول بہ مسائل میں تبدیل کرائی جن کی وجہ سے غیر حنبلی مسلک رکھنے والے خصوصاً حنفی مسلک کے حامل حضرات کو تنگی اور دشواری محسوس

---

[1] اقتباس از تذکرۃ الخلیل صد ۳۰۶ [2] تذکرۃ الخلیل صد ۳۰۲

www.abulhasanalinadwi.org

ہوتی تھی۔ ان مسائل میں اس جگہ صرف دو مسئلوں کا ذکر کیا جاتا ہے۔
نمبر ۱ــــــ جمعہ کی دونوں اذانوں کے درمیان فصل نہ کرنے کا معمول ، مسئلہ جس کی وجہ سے احناف جمعہ کی سنتیں نہیں پڑھ سکتے تھے۔

مولانا عاشق الٰہی صاحب میرٹھی لکھتے ہیں۔

"ایک مرتبہ قاضی ابن بلیہد آپ کو ہاتھ پکڑ کر اپنی قیام گاہ پر لے گئے۔ مختلف باتیں ہوتی رہیں جب انبساط تام ہو گیا تو حضرت نے فرمایا قاضی صاحب مسجد مبارک میں جمعہ کی پہلی اذان کے بعد متصل ہی دوسری اذان خطبہ کی شروع ہو کر خطبہ شروع ہو جاتا ہے جمعہ کی سنتیں پڑھنے کا وقت ہی نہیں ملتا مالکی اور حنبلی ان سنتوں کو ضروری نہیں سمجھتے مگر ہم احناف کے نزدیک تو مؤکدہ ہیں۔

قاضی صاحب نے یہ سن کر حضرت سے پوچھا کہ کس قدر فصل کافی ہے؟
حضرت نے فرمایا ۱۰ منٹ قاضی صاحب نے نائب الحرم کو جو وہاں اتفاق سے موجود تھے حکم دیا کہ پہلی اور دوسری اذان میں دس منٹ کا فصل کیا جائے اتفاق سے اگلے ہی روز جمعہ تھا اور نائب الحرم اس حکم کو باقاعدہ جاری نہ کر سکے مگر جب پہلی اذان ہو چکی تو خطیب کو ممبر پر جانے سے ذرا ٹھہرائے رکھا اور حضرت کو دیکھتے رہے جب حضرت نے چار سنتیں حسب عادت پورے اطمینان سے ادا کر لیں تب خطیب کو خطبہ کے لئے روانہ کیا اور دوسرے جمعہ سے باقاعدہ اس حکم کا اجرا ہو گیا کہ سنتیں پڑھنے والے بڑے سکون سے قبل الخطبہ سنتیں پڑھنے لگے۔[1]

دوسرا واقعہ ایک شافعی امام کا ہے جس نے رکوع سے پہلے آیت سجدہ تلاوت

---

[1] تذکرہ خلیل صفحہ ۳۰۰

www.abulhasanalinadwi.org

کر کے سجدہ نہیں کیا بلکہ رکوع کر لیا کہ یہ بھی قائم مقام سجدہ کے ہے سلام کے بعد حضرت مولانا نے مسئلہ بیان کر کے حنفی مسلک کا اظہار کیا اور فرمایا چونکہ حنفی مقتدی بھی ہیں اس لئے ان کی رعایت بھی کرنی چاہئے اس پر حضرت مولانا اور امام سے بحث ہوئی بات حکومت تک پہنچی حکومت نے حکم جاری کیا کہ جملہ مذاہب کی رعایت کرتے ہوئے امام کو نماز پڑھانی چاہئے۔

مولانا عاشق الٰہی صاحب اس واقعہ کی تفصیل اس طرح لکھتے ہیں۔

"سلطان کی تشریف آوری سے قبل ایک قصہ یہ پیش آچکا تھا کہ شافعی امام نے صبح کی نماز میں سجدہ تلاوت پڑھ کر رکوع کر دیا کہ یہ بھی قائم مقام سجدہ کے ہے سلام پھیرنے کے بعد حضرت نے امام صاحب سے فرمایا کہ یہ سجدہ ہم حنفیوں کے یہاں واجب ہے اور رکوع سے جب تک کہ اس کو سجدہ کے قائم مقام بنانے کی نیت نہ کرے ادا نہیں ہوتا اور بہتیروں کو معلوم بھی نہیں کہ یہاں سجدہ کرنا ہے اور یہ آیت سجدہ ہے لہٰذا احناف کے مذہب کی رعایت آپ پر واجب ہے امام نے روکھا جواب دیدیا کہ ہم پر کسی کے مذہب کی رعایت واجب نہیں ہم اپنے مذہب کے موافق عمل کریں گے حضرت نے فرمایا ایسا ہے تو آپکے پیچھے ہماری نماز نہیں ہوتی اور حضرت نے اعلان فرمادیا کہ جس شخص نے رکوع میں سجدہ کی نیت نہ کی ہو وہ اپنی نماز دوبارہ پڑھے چنانچہ بہتیروں نے نمازیں دہرائیں اس کے بعد حضرت نے مدرسہ میں اپنی علحدہ جماعت کا اہتمام کر لیا۔ حکومت کو اس کی خبر ہوئی تو امام سے بازپرس کی اور سوء ادب پر زجر کیا اور یہ الفاظ کہے کہ حضرت کے مقابلہ میں تمھارے علم کی حقیقت ہی کیا ہے اس کے بعد تمام ائمہ کے نام حکم جاری ہوا کہ جملہ مذاہب کی رعایت کرتے ہوئے نماز پڑھائیں اور حضرت سے معذرت کی اور اطمینان دلایا کہ آئندہ ایسا نہ ہوگا چنانچہ آپ پھر حرم شریف میں جانے لگے۔"

www.abulhasanalinadwi.org

www.abulhasanalinadwi.org

دسواں باب

علالت اور وفات

فقیرانہ آئے صدا کر چلے میاں خوش رہو ہم دعا کر چلے
جو تجھ بن نہ جینے کو کہتے تھے ہم سو اس عہد کو ہم وفا کر چلے

www.abulhasanalinadwi.org

باب

www.abulhasanalinadwi.org

دسواں باب

علالت اور وفات

۲۲ر شعبان ۱۳۴۵ھ کو بذل المجہود کی تکمیل کی خوشی میں مدرسہ شرعیہ میں ایک بڑی دعوت کا انتظام فرمایا اور اس کے لئے دعوت نامہ جاری کیا جو عربی میں تھا اس کا ترجمہ حسب ذیل ہے۔

حمد و صلوٰۃ کے بعد حضرت الشیخ ...... المحترم مدفیوضہم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ
اللہ تعالیٰ شانہٗ نے داعی پر یہ احسان فرمایا کہ تالیف بذل المجہود شرح ابی داؤد سے نوازا اور اس کا اختتام صاحب معجزات علیہ وعلیٰ آلہ افضل الصلوٰۃ وازکی التسلیمات کے مقدس شہر میں فرمایا اللہ تعالیٰ شانہٗ اس کو اپنی کریم ذات کے لئے خالص بنائے اور اس سے اسلام اور مسلمین کو نفع پہنچائے آمین ۲۲ شعبان ۱۳۴۵ھ کو جمعہ کی نماز کے بعد مدرسہ علوم شرعیہ میں تناول ماحضر کے لئے اپنی مسرتوں کی تکمیل کی خاطر تشریف آوری کی امید رکھتا ہوں والشکر للہ۔

والسلام الداعی خادم الطلبہ خلیل احمد عفی عنہٗ

زندگی کا آخری رمضان اور اس کی تیاری

بذل المجہود کے پایۂ تکمیل تک پہنچنے کے ساتھ ساتھ عمر کی آخری منزل تک آپ پہنچ رہے تھے۔ ضعف واضمحلال پوری طرح طاری ہو رہا تھا اور دنیا والوں سے انقطاع اور اپنے مالک و پروردگار سے تعلق واتصال بڑھ رہا تھا۔ یوں بھی ہر رمضان المبارک میں آپ کے معمولات اتنے مشغول اور زیادہ

www.abulhasanalinadwi.org

ہوتے تھے کہ سوائے تلاوت، ذکر و عبادت اور ضروری خطوط یا ضروریات زندگی کو پورا کرنے کے اور کوئی مشغلہ رہ نہ جاتا اس مرتبہ آپ کا طرز عمل اور طریقۂ زندگی اور زیادہ بدلا ہوا تھا رمضان المبارک سے بہت پہلے آپ نے اہل تعلق کو خطوط لکھوائے کہ وہ رمضان المبارک میں خط و کتابت سے پرہیز کریں خصوصاً خطوں کے جوابات کا انتظار نہ کریں۔ مولانا عاشق الٰہی صاحب میرٹھی لکھتے ہیں۔

"احقر کے پاس ۱۰ شعبان ۱۳۳۳ھ کا لکھا ہوا خط آیا تو اس میں تحریر فرمایا تھا اب رمضان شریف آگیا خطوط کا لکھنا دشوار ہے لہٰذا جواب کا انتظار چھوڑ دیجئے اور رمضان بعد مولوی زکریا وغیرہ احباب حج کے لئے روانہ ہوں گے اور بعد فراغ حج وطن کو واپس ہو جاویں گے پھر جواب کا ملنا نہایت ہی مشکل اور دشوار ہے بہرکیف اب آپ خیریت سے اطلاع کرتے رہیں اور ممکن ہوا تو کبھی کبھی میں بھی اپنی خیریت لکھ دیا کروں گا۔"[1]

علالت کی ابتدا

یہ عجیب بات ہے کہ حضرت مولانا کو بذل المجہود کی تکمیل کی انتہائی خوشی ہوئی اور آپ نے اس کا بڑا اہتمام فرمایا لیکن اس کے بعد ہی آپ علیل ہو گئے پہلے نزلہ ہوا پھر بخار آگیا اور اتنا تیز آیا کہ اپنے جائے قیام سے حرم تک آنا مشکل ہو گیا جسم کی طاقت جواب دینے لگی ضعف و نقاہت اتنی بڑھ گئی کہ نمازیں تک مکان پر پڑھنی پڑیں آپ کی علالت کے متعلق حضرت شیخ جو اس وقت حاضر خدمت تھے لکھتے ہیں۔

"بذل المجہود کے ختم کرتے کے ساتھ ہی سلسلہ علالت شروع ہو گیا تھا کبھی افاقہ کبھی شدت کہ دراصل حضرت کی قوت ذہنیت ہی بذل المجہود کے اختتام کے شوق و تمنا میں تھی۔"[2]

---

[1] تذکرۃ الخلیل صفحہ ۳۵۳ [2] مقدمہ المال الشیم صفحہ ۵۳

www.abulhasanalinadwi.org

رمضان کی آمد اور آپ کی محنت و عزیمت

رمضان مبارک آیا تو آپ نے سارے معمولات ختم فرما دیے اور پورا رمضان سخت مجاہدے محنت و عزیمت کے ساتھ گزارا دن بھر خود تلاوت فرماتے اور رات جو سماعت فرماتے شاید دو تین گھنٹے شب و روز سوتے ہوں اس رمضان میں آپ نے ایسی محنت فرمائی کہ دیکھنے والے حیرت میں پڑ جاتے کہ اتنا ضعیف و ناتواں شخص جو ابھی ابھی بیماری سے اٹھا ہے جس میں نہ چلنے کی طاقت ہے نہ بولنے کی وہ دن کے بارہ گھنٹے کلام الٰہی کی تلاوت کس ذوق شوق اور والہانہ طور پر کر رہا ہے اور جب رات آتی ہے تو اس کا ذوق عبادت اور شوق تلاوت و سماعت دوچند ہو جاتا ہے اور غذا کیا ہے ؟ دو چار فنجان چائے اور آدھی چپاتی جس مختصر غذا اور مسلسل محنت و عبادت، تلاوت کے ساتھ گزارا وہ جوان سے جوان اور محنتی سے محنتی شخص کے لئے عبرت و موعظت کا سامان ہے مولانا عاشق الٰہی صاحب آپ کی محنت و مشقت کا حال دو جملوں میں بیان کرتے ہیں۔

"وہ مبارک مہینہ اس مجاہدہ سے گزرا کہ بیان کرنے کی طاقت نہیں ہے"۔

ایک خواب اور اس کی تعبیر

حضرت مولانا نے علیل ہونے سے ایک دن پہلے خواب دیکھا کہ میں ایک مکان میں ہوں جس کے نیچے تہ خانہ ہے اور چھت اس کی تختوں سے پٹی ہے اس میں سے دو تختے نیچے کو جھکے ہیں اور نکل گئے ہیں جس میں بہت معمولات ہے اس تہ خانہ میں اتر رہا ہوں وہاں پہنچ کر کیا دیکھتا ہوں کہ وہ بہت بڑا اور اچھا خوبصورت قلعی کیا ہوا روشن مکان ہے اور اس میں ایک جانب دروازہ ہے جس سے روشنی وغیرہ آتی ہے لیکن ہونے کا ارادہ انھیں تختوں کی جانب سے جو جھکے آیا ہوں کر رہا ہوں۔ حضرت مولانا نے یہ خواب بیان فرما کر کہا اس کے بعد میرا خیال دوسری طرف چلا گیا اور پھر آنکھ کھل گئی اس خواب کے بیان کرنے کے بعد جی تو دتعبیر بھی بتلائی کہ۔

www.abulhasanalinadwi.org

وقت تو جب بھی ہو مگر یہ میرے لئے بشارت ہے کہ انشاء اللہ قبر میں سہولت ہوگی اور وہ دروازہ جنت کی طرف اشارہ ہے جیسا کہ احادیث سے ثابت ہے۔

خواب کے بعد ہی آپ نے اپنی اہلیہ محترمہ کو بلایا اور فرمانے لگے۔

جو کچھ تمھارے حقوق میرے ذمہ ہوں یا میں نے تم کو برا بھلا کہا ہو وہ سب اللہ واسطے معاف کر دو۔

اس کے بعد اپنے برادر نسبتی حاجی مقبول احمد صاحب سے جو ایک زمانے سے آپ ہی کے پاس رہتے تھے فرمایا۔

"میں تم پر بہت مرتبہ خفا ہوا ہوں اور اکثر برا بھلا کہا ہے تم بھی معاف کر دو۔"

فالج کا اثر

۲۷ رمضان مبارک کو حضرت مولانا پر فالج کا اثر ہو گیا نزلہ زکام اور اس کی وجہ سے ضعف و نقاہت کا اثر تو تھا ہی فالج کا مزید اثر پڑا تو آپ کا چلنا پھرنا مشکل ہو گیا عید کے دن بھی آپ معذور تھے کہ نماز عید کے لئے مسجد نبوی جو مکان سے بالکل متصل تھی تشریف نہ لے جا سکے، لیکن کبھی افاقہ ہو جاتا کبھی مرض عود کر آتا اسی حال میں رمضان کے آخری ایام گزرے عید آئی اور گئی، اور آپ کی طبیعت پوری طرح صاف نہ ہو سکی اور طبیعت میں اضمحلال بڑھتا ہی گیا۔ حضرت شیخ الحدیث صاحب مع اپنے رفقاء کے ذی قعدہ ۷۵ھ تک حضرت مولانا کی خدمت میں رہے تحریر فرماتے ہیں۔

"آخر ماہ مبارک میں کچھ فالج کا اثر ہو گیا تھا اس میں بھی کبھی افاقہ ہو جاتا اور کبھی وہ اثر عود کر آتا۔ عید الفطر کے دن بھی اس کا اثر غالب تھا اس لئے عید کی نماز کے لئے حرم شریف تشریف نہیں لے جا سکے لیکن پھر کچھ افاقہ ہو گیا اور حرم شریف لکڑی کے سہارے تشریف لے جانے لگے جب ہم لوگ مدینہ پاک سے واپس ہوئے تو اس وقت حضرت قدس سرہ حرم شریف میں معمولی تکلیف کے ساتھ تشریف لے جاتے تھے۔[1]

---

[1] مقدمہ اکمال الشیم

www.abulhasanalinadwi.org

مرض سے افاقہ

عید کے بعد مرض میں افاقہ ہو گیا مگر کمزوری باقی رہی۔ ۱۳ شوال کو اپنے ہندوستانی خدام کو اس مکتوب کے ذریعہ اپنے مرض اور افاقہ کا حال لکھا جو مولانا عاشق الٰہی صاحب میرٹھی کو تحریر فرمایا تھا۔ اس میں تحریر فرماتے ہیں۔

"اب الحمد للہ افاقہ ہے اور طبیعت رو بصحت ہے اس لئے اطلاعاً لکھتا ہوں آخر رمضان المبارک میں مجھے کچھ تپ لرزہ کی سخت شکایت ہوئی مگر دو روز بعد وہ تو بالکل جاتی رہی لیکن بائیں ٹانگ اور بائیں ہاتھ میں ایک خدر واسترخار کی کیفیت پیدا ہو گئی تھی جس کی وجہ سے چلنا پھرنا بالکل ناممکن ہو گیا تھا اس میں کسی قسم کا درد یا تکلیف بالکل نہیں تھی صرف قوت مشی اور قوت ماسکہ کام نہیں کرتی تھی اب الحمد للہ کہ بہت افاقہ ہے اور طبیعت گویا اچھی ہے۔ بے تکلف تو اب بھی چلنا یا پکڑنا نہیں ہوتا مگر تھوڑا بہت چل سکتا ہوں۔

حضرت شیخ کو رخصت کرنا اور خلافت واجازت سے نوازنا

حضرت مولانا محمد زکریا صاحب شیخ الحدیث مدظلہ، حضرت مولانا کی خدمت اور بذل المجہود کے سلسلہ کی تکمیل کی خاطر مدینہ منورہ ساتھ گئے تھے اور انھوں نے حضرت مولانا کی خدمت اور تکمیل بذل میں اتنا مشغول وقت گذارا کہ کوئی اور کام نہ کر سکے۔ مولانا سید ابو الحسن علی ندوی تحریر کرتے ہیں۔

"حج کا یہ سفر اور استاذ و مرشد کی مسلسل دہمہ وقت رفاقت ایک عالی استعداد، سراپا محبت واطاعت مسترشد کے لئے جس کے سفر کا اصل مقصد ہی شیخ کی خدمت واعانت اور استفادہ تھا جیسی روحانی اور باطنی ترقیات اور حصول کمالات کا ذریعہ بنی ہوگی اس کا اندازہ کرنا کچھ مشکل نہیں، شیخ نے مدینہ طیبہ کے طویل قیام میں بھی حضرت کی خدمت سے حاضر رہنے بذل کی

تالیف میں مدد دینے کے علاوہ کسی مشغلہ اور دلچسپی سے سروکار نہیں رکھا
اس مصروفیت و انہماک کی وجہ سے وہ مسجد نبوی کی حاضری اور بقیع کی
زیارت کے علاوہ کہیں آجا نہیں سکے[1]

حضرت مولانا کی دلی خواہش تھی کہ جو مسترشد ہمیشہ ساتھ رہا ہے اور خدمت و اعانت میں ہمہ وقت مشغول رہا ہے وہ اس ضعیف العمری میں بھی ساتھ رہے اس لئے کہ حضرت مولانا نے اب مدینہ منورہ کے قیام کو اختیار کر لیا تھا اور پھر رمضان مبارک سے علالت کا سلسلہ بھی شروع ہو گیا تھا اور آپ ایک حد تک معذور بھی ہو رہے تھے مگر مدرسہ مظاہر علوم (جس کی بنا سے لے کر حجاز کی روانگی تک ..... اس کی ترقی کے لئے آپ نے مسلسل کوشش کی تھی) کی وجہ سے حضرت شیخ کو بادل ناخواستہ روانہ کیا مولانا ابوالحسن علی ندوی لکھتے ہیں۔

"حضرت سہارنپوری مدینہ طیبہ میں مسلسل قیام کے ارادہ سے گئے تھے آپ کا واپسی کا کوئی ارادہ نہ تھا رفقائے خاص کو اس کا علم تھا اور کہتے تھے کہ آپ تو یہاں بقیع میں آسودۂ خاک ہونے کے لئے آئے ہیں مدرسہ کے شیرازہ کو مجتمع رکھنے اور اس دور پرفتن کے آفات و شرور سے اس کو الگ رکھنے کے لئے نیز ارشاد و تربیت کے اس سلسلہ کو جاری رکھنے کے لئے جو حضرت کی ذات سے وابستہ تھا شیخ کی واپسی ہندوستان ہی کو مناسب تھی[2]

اس مقصد کی خاطر آپ نے حضرت شیخ کو اولاً شیخ الحدیث کے عہدہ پر فائز کیا اور پھر خلافت و اجازت سے سرفراز فرمایا اور اس کے لئے بڑا اہتمام فرمایا چاروں سلسلوں میں بیعت و ارشاد کی عام اجازت عطا فرمائی اپنے سر سے عمامہ اتار کر مولانا

---

[1] سوانح مولانا محمد یوسف ص۹۶ [2] ایضاً ص۹۶-۹۷

www.abulhasanalinadwi.org

سید احمد صاحب فیض آبادی کو دیا کہ شیخ کے سر پر باندھ دیں جس وقت وہ عمامہ شیخ کے سر پر رکھا گیا شیخ پر ایسا گریہ اور رقت طاری ہوئی کہ چیخیں نکل گئیں، حضرت بھی آبدیدہ ہو گئے۔

اس رقت انگیز منظر کا اثر شرکاء مجلس پر بھی بہت پڑا اور سب ہی آبدیدہ ہو گئے ۱۶ر ذیقعدہ ۱۳۴۵ھ کو حضرت مولانا محمد زکریا صاحب شیخ الحدیث اور مجاز بیعت اور جانشین بن کر حضرت مولانا سے رخصت ہوئے رخصتی کا وہ منظر بھی عجیب تھا اور رخصت ہونے والے اور رخصت کرنے والے دونوں متاثر تھے۔

سوز و گداز اور موت کا استحضار و یقین

حضرت مولانا پر آخری ایام زندگی میں سوز و گداز رقت ولینیت، توجہ الی اللہ انقطاع عن الدنیا پوری طرح طاری ہو گیا تھا لقاء رب کا شوق بڑھ گیا تھا اور موت کا استحضار ہمہ وقت رہتا تھا مولانا عاشق الٰہی لکھتے ہیں۔

"آخر زمانہ میں آپ کا اندرونی سوز و گداز زیادہ بڑھ گیا تھا کہ ضبط نہ فرما سکتے اور بات بات پر رقت و گریہ طاری ہو جاتا تھا بزرگوں کی عمروں کا ایک بار ذکر ہو رہا تھا فرمانے لگے دو سال زندہ رہا تو اپنے شیخ کی عمر کو پہنچ جاؤں گا اتنا کہہ کر رو دیئے اور فرمایا سب چلے گئے ہیں ہی رہ گیا ایک مرتبہ کسی نے عرض کیا کہ حضرت ہندوستان کا کب تک ارادہ ہے؟ تو چشم پُرآب ہو گئے اور فرمایا اب تو بقیع کا ارادہ ہے، آخرت کا قیامت کا یا بزرگوں کا جس وقت بھی ذکر آتا تو آبدیدہ ہو جاتے اور آواز میں تغیر آجاتا تھا۔[1]

دوسری جگہ حضرت مولانا کی محنت شاقہ، گریہ وزاری کے متعلق لکھتے ہیں۔

"تعلقات سے یکسوئی ہونے لگی خلوت و تنہائی سے انس بڑھ گیا تلاوت کلام اللہ

---

[1] تذکرۃ الخلیل ص۴۵۴

www.abulhasanalinadwi.org

کی رغبت اتنی ہوئی کہ دیکھنے والے ترس کھاتے اور عرض کرتے کہ اس ضعیفی میں تعلیق ابوداؤد کی ناقابل برداشت محنت سے دماغ تھک گیا ہے۔ اب اس پر رحم فرمائیے مگر آپ جواب دیتے کہ دماغ سے کام ہی لینا کیا باقی ہے جو رعایت کروں اچھا ہے جس نے دیا ہے اس کے کام آؤں۔

جان دی دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

حضرت مولانا کا یہ معمول ہو گیا تھا کہ صبح کو کھانے سے پہلے ۲ یا ۳ پارے خود تلاوت فرماتے طعام کے بعد دو پارے اپنی اہلیہ محترمہ کو سناتے بعض آیات پر ایسا گریہ طاری ہوتا کہ بے ساختہ رونے لگتے تھے اور دیر تک اس کا اثر باقی رہتا تھا ان آیات کا ترجمہ گھر والوں کو سناتے تھے۔

اہلیہ صاحبہ کے ساتھ حسن معاملہ اور صبر کی تلقین

عمر کے پورے ہونے کے جتنے دن گزرتے آپ کا سوز و گداز بڑھتا رہا۔ اہلیہ محترمہ سے معاملہ بہتر سے بہتر ہونے لگا جب کبھی اپنی موت کا استحضار ہوتا اور اہلیہ محترمہ کی بیوگی کا خیال آتا تو دل پر ایک خاص اثر پڑتا اس لئے آپ ان کے ساتھ دلداری زیادہ سے زیادہ کرنے لگے اور موقع موقع پر انکے سامنے ایسا تذکرہ کرتے اور صبر و عزیمت کی تلقین کرتے کہ ان کا دل برداشتہ نہ ہو اور ان کو اس کٹھن منزل کے لئے تیار کر رکھیں ایک مرتبہ فرمانے لگے۔

"مدینہ منورہ میں رہ کر یہاں کے مصائب و تکالیف پر اگر کوئی صبر کرے تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے میں خاص طور پر اس کی شفاعت کروں گا۔"

اہلیہ محترمہ نے عرض کیا کہ مجھے تو کوئی تکلیف یا مصیبت نہیں ہے میں بحمد للہ بہت راحت سے ہوں۔

www.abulhasanalinadwi.org

آپ نے ارشاد فرمایا۔

"آخر کچھ تو ہے ہی۔ ہے روٹی ٹکڑے کی۔"

اس واقعہ کے بعد اور کبھی ایسے مواقع آئے کہ حضرت مولانا گاہے گاہے اپنی صابرہ و شاکرہ اہلیہ کو آنے والے کٹھن ایام میں صبر کی تلقین فرماتے رہتے تھے اسلئے کہ حضرت مولانا کو اب اپنی وفات اور بقیع میں آسودۂ خاک ہو جانے کا پورا یقین ہو گیا تھا۔

حج ۱۳۸۵ھ میں عدم شرکت

شوال سے ذی الحجہ ۱۳۸۵ھ تک طبیعت گو مضمحل رہی مگر کوئی ایسا مرض لاحق نہیں ہوا جس کی وجہ سے مسجد نبوی میں آنے جانے سے معذور ہو گئے ہوں، فالج کا اثر بھی تقریباً ختم ہو گیا تھا مسجد نبوی میں نمازوں میں شرکت، آستانۂ نبوی پر حسب معمول دبے پاؤں اور باادب حاضری ہوتی ۲۵ ذیقعدہ کو خدام اور رفقاء کا جو قافلہ رخصت ہوا تھا وہ مکہ مکرمہ میں جا کر مقیم ہو گیا اور حج کے ارکان ادا کئے، حضرت مولانا اب آخری عمر میں مدینہ سے نکلنا پسند نہیں فرماتے تھے کہ کہیں اور داعیٔ اجل کو لبیک نہ کہنا پڑے وہ ہر وقت اس تمنا اور آرزو بلکہ انتظار میں رہتے تھے کہ طائر روح قفس عنصری سے آزاد ہو کر آستانۂ نبوی کے سایہ میں ہی بسیرا کرے۔

تمنا ہے درختوں پر ترے روضہ کے جا بیٹھے
قفس جس وقت ٹوٹے طائر روح مقید کا

آپ بارہا فرمایا کرتے تھے۔

"اگرچہ میں اس سرزمین کے قابل تو نہیں مگر کیا عجب ہے کہ قبول کر لیا جاؤں اور قدرت کو کیا مشکل ہے کہ وہ اہلیت عطا فرما دے"[1]

---

[1] تاریخ مظاہر جلد دوم صد ۱۷۱

www.abulhasanalinadwi.org

۱۳۴۵ھ کا حج آپ نے اسی لئے نہیں کیا کہ اولاً معذور ہو رہے تھے اور اب حج آپ پر فرض نہ تھا کہ سات حج ادا فرما چکے تھے اس نفل حج کے لئے مدینہ منورہ کو چھوڑنا نہیں چاہتے تھے اس لئے رفقاء و خدام کو تو بھیجدیا اور خود مدینہ منورہ میں مقیم رہے اور شب و روز آپ کے اس حال میں گزرنے لگے کہ لکھنے والا قلم لکھتا ہے اور مشاہدہ کرنے والا گواہی دیتا ہے کہ ۔

"شوق لقا کہتا تھا جلد وہ دن آئے جس میں قفس عنصری کا جال ٹوٹے اور ادب کہتا تھا کہ چپ رہو سنت الہیہ کے غلام بنے ہوئے کام کئے جاؤ یہ دن کچھ عجیب حسرت اور مسرت سے مخلوط گزر رہے تھے کہ ان خوابوں کا اور رویائے مبشرات کا خیال آتا جو عرصہ سے بار بار دیکھ رہے تھے تو امید بڑھتی تھی کہ ضرور یہاں کی مٹی میں ملنا نصیب ہوگا اور شہنشاہ کی بے نیازی و جلالت شان پر نظر جاتی تھی تو خوف ہوتا تھا کہ دیکھئے کیا مقدر ہے بامید وصال حقیقی شاداں تھے تو خوف قطعیت و اندیشہ ہجر سے ترساں و لرزاں ۔

زجان دادن نی ترسم من اے جان
ازیں ترسم کہ از تو دور مانم[1]

حج کے بعد حضرت مولانا کے خدام اور رفقاء کا قافلہ ہندوستان روانہ ہوگیا اور ۱۷ ربیع صفر ۱۳۴۶ھ تک سہارنپور پہنچ گیا اور حضرت مولانا مدینہ منورہ میں مقیم رہے جتنا جتنا وقت گزرتا تھا آپ کی بے چینی اور تڑپ میں اضافہ ہوتا جاتا تھا ۔ آستانہ نبوی پر حاضری بڑھ گئی تھی اور خاک طیبہ میں آسودہ ہونے کا یقین بڑھتا جا رہا تھا، ہر وقت اسی خیال اسی کی تمنا، اسی کی آرزو رہتی ۔

ماہر چہ خواندہ ایم فراموش کردہ ایم
الا حدیث یار کہ تکرار می کنیم

---

[1] تذکرۃ الخلیل ص ۴۵۳

www.abulhasanalinadwi.org

زندگی کا آخری مکتوب

حضرت مولانا کو مدرسہ مظاہر علوم سے اتنی زیادہ محبت اور تعلق تھا کہ آخر زندگی تک اس کی ترقی کی فکر رہی،

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کو جب ذیقعدہ ۱۳۴۵ھ میں رخصت کیا تو ان کو شیخ الحدیث کا خطاب عطا فرمایا اور مدرسہ کا مشیر و شیخ بنایا اور ۱۳ ربیع الثانی ۱۳۴۶ھ کو مولانا سید احمد فیض آبادی سے ایک تحریر لکھوا کر مدرسہ بھجوائی جس میں مدرسہ کے انتظامی معاملات اور داخلی و خارجی امور کے متعلق تفصیلی ہدایات درج تھیں اسی میں حضرت شیخ کے متعلق حسب ذیل عبارت تھی۔

"مولوی محمد زکریا صاحب کاندھلوی واپس ہوتے ہیں میری رائے میں انکو بامنافہ تنخواہ شیخ الحدیث مقرر کیا جائے مدرسہ میں کوئی مدرس ایسا نہیں ہے کہ جس کو حدیث کے ساتھ مناسبت مولوی زکریا کے برابر ہو علاوہ شیخ الحدیث ہونے کے ان کو مددگار یا مشیر بھی بنا دیا جائے اور یہ لکھ دیا جائے کہ مولوی عبد اللطیف صاحب ناظم بلا مشورہ مولوی زکریا صاحب کاندھلوی کے کوئی امر متعلق انتظام مدرسہ وطلبہ نہ کریں فتنہ کا زمانہ ہے۔ دو شخصوں کی رائے سے انتظام قرین احتیاط ہے[1]"

مرض الوفات کی ابتدا

رمضان المبارک میں فالج کا جو اثر ہو گیا تھا وہ عید کے بعد ختم ہو گیا تھا مگر اپنے پیچھے ضعف و اضمحلال کو چھوڑ گیا جو بڑھتا ہی رہا حتیٰ کہ ربیع الثانی ۱۳۴۶ھ کے پہلے ہفتہ میں مرض نے دوسری شکل اختیار کر لی آپ کے سینہ میں درد اٹھا لیکن مالش کی گئی اس سے درد تقریباً دور ہو گیا۔ آپ پھر مسجد نبوی تشریف لے جانے لگے اور اپنے علمی کاموں میں مشغول رہے لیکن آپ کے درد سینہ اور ضعف و نقاہت کی وجہ سے اہل تعلق کو فکر رہی آپ کا خیال اس کے برخلاف

---

[1] تاریخ مظاہر جلد دوم صفحہ ۵

www.abulhasanalinadwi.org

تھا۔ لقائے رب کے شوق میں آپ مست وشادماں رہتے تھے گویا اپنے وطن جانے کی تیاری کر رہے ہوں۔

اسی درمیان بعض علمائے مدینہ کی درخواست پر عصر کی نماز کے بعد ابوداؤد شریف کا سبق بھی مولانا سید احمد صاحب کی قیام گاہ پر شروع کرادیا، یہ سبق صرف دو دن شنبہ اور یکشنبہ کو ہوا تھا کہ دوشنبہ کو ظہر کی نماز پڑھ کر مسجد نبوی سے واپس ہو رہے تھے کہ راستہ میں سینہ کے اوپر کے حصہ میں کچھ درد محسوس ہوا گھر پہنچ کر مالش اور سینک ہوئی عصر کے وقت تک درد تو بہت کم ہو گیا مگر ضعف ونقاہت بہت بڑھ گئی اس کی وجہ سے ابوداؤد شریف کا درس نہ ہو سکا اور اہل تعلق آپ کے درس سے محروم ہو گئے اس درد اور پھر اس کی وجہ سے اضمحلال جو ہوا اس سے سبھی حضرات کو فکر دامن گیر ہوئی لیکن اللہ کو کچھ اور ہی منظور تھا کہ عصر کی نماز تک مسجد نبوی میں نہ پڑھ سکے۔ مکان پر ہی مولانا سید احمد صاحب کی اقتدا میں کھڑے ہو کر ادا کی۔

شدت مرض

عصر کے بعد صورت حال اور بگڑ گئی بدن میں حرارت کم ہونے لگی اور ٹھنڈک بڑھنے لگی پسینہ بھی چھوٹنے لگا آپ کی ہمت جواب دینے لگی اور مغرب کی نماز کھڑے ہو کر پڑھنے کی طاقت نہ رہی مجبوراً آپ نے پلنگ پر بیٹھ کر نماز مغرب ادا کی، عشاء کی نماز کے لئے پلنگ سے اترنا مشکل ہو گیا اس لئے مغرب کی طرح عشاء کی نماز بھی پلنگ پر بیٹھ کر پڑھی اور ضعف ونقاہت کے ساتھ ساتھ کرب وبے چینی میں بھی اضافہ ہونے لگا آپ کی یہ رات بڑی بے چینی سے گزری، پوری رات آپ کی توجہ اللہ کی طرف رہی۔ تمام شب کلمہ واستغفار اور درود شریف پڑھتے رہے۔

سہ شنبہ کی صبح میں نماز فجر بھی پلنگ پر بیٹھ کر ادا کی، پورے دن دواؤں کا اہتمام جاری رہا مگر ؎

مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

ظہر کے وقت ضعف کا یہ حال ہو گیا کہ وضو کرنے کی بھی طاقت نہ رہی اس لئے

www.abulhasanalinadwi.org

تیمم فرما کر نماز ادا کی۔

بے ہوشی

عصر تک حضرت مولانا کو ہوش رہا، صرف ضعف و نقاہت کی وجہ سے بیٹھ کر نماز پڑھتے تھے لیکن عصر کے بعد ہوش میں بھی فرق آنا شروع ہوا اور رفتہ رفتہ بالکل غفلت طاری ہو گئی اب گویا تیزی کے ساتھ منزلِ آخرت کی طرف سفر فرمانے لگے۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مدظلہ عصر کے بعد کا حال اس طرح تحریر فرماتے ہیں۔

"عصر کے وقت ہوش و حواس میں اختلال شروع ہو گیا اور امام کی آواز پر خود رکوع نہیں کیا بلکہ جب حاجی مقبول صاحب نے رکوع کا لفظ کہہ کر اشارہ کیا تو رکوع کیا اور جب سجدہ کو کہا تو سجدہ کر لیا اس طرح چار رکعت بہ مشکل پوری کرا کے آپ کو لٹا دیا گیا اور اس کے بعد سکوت بڑھتا گیا کہ اس سے پہلے بات کا سمجھنا اور جواب دینا یا از خود کوئی نئی بات فرمانا برابر جاری تھا مغرب کے وقت مولانا سید احمد صاحب نماز پڑھانے کے لئے آئے تو بالکل غفلت تھی کہ نماز کے واسطے پکار کر اطلاع کی مگر کچھ جواب نہ ملا، نہ اٹھنے کی طاقت محسوس ہوئی، خدام نے اپنی نماز علیحدہ پڑھ لی مگر انتظار رہا کہ کچھ التفات یا افاقہ ہو تو نماز کے لئے عرض کیا جائے گا لیکن بالکل دنیا سے قطع تعلق ہو چکا تھا۔ اور سوائے پاسِ انفاس کے نہ کوئی حرکت تھی اور نہ کسی بات کا جواب، نہ سوال۔

انتقال

رات آئی تو سارے اہلِ تعلق کے لئے فکر و تشویش کو لائی بیہوشی مسلسل چل رہی تھی۔ لوگوں کو یقین سا ہو چلا تھا کہ حضرت مولانا ہم سے جدا ہونے والے ہیں اور جن کے خیر و برکت کے سایہ میں زندگی گزر رہی تھی اس سے بہت جلد محروم ہونے والے ہیں ہر ایک بارگاہ رب العزت میں دعا گو تھا کہ مبارک سایہ

www.abulhasanalinadwi.org

تا دیر قائم رہے لیکن "مرضیٔ مولیٰ ہمہ اولیٰ" وہی ہوتا ہے جو خدا کو منظور ہوتا ہے۔ یہ شب حضرت مولانا کی زندگی کی آخری شب تھی اور صرف آپ کی نہیں بلکہ ہر صاحب تعلق اور خادم کے لئے یہ شب آخری شب تھی کہ اس کے بعد سایۂ عاطفت اور ظل رشد وہدایت سر سے اٹھنے والا تھا۔

رات بھر بے ہوشی طاری رہی، دو ایک بار آب زمزم منھ میں ڈالا گیا تو اس کے اترنے میں بھی دقت پیش آئی اس کی وجہ سے اس کا منھ میں ڈالنا بھی چھوڑ دیا گیا رات گزری دن گزرا پورے چوبیس گھنٹہ عالم بے ہوشی میں گزرے آخر کار وہ وقت آہی گیا جس کا عمر بھر انتظار تھا۔

ع جس وقت کا دھڑکا تھا وہ وقت آگیا آخر

بہ چہار شنبہ ۵ ربیع الثانی ۱۳۲۶ھ کو بعد عصر با آواز بلند اللہ اللہ کہنا شروع کیا اور اللہ اللہ کہتے کہتے آنکھیں دفعتاً بند کر کے خاموش ہو گئے اور روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اور وہ بیقرار شخصیت جو عمر بھر اس تمنا میں تڑپتی رہی کہ محبوب کے قدموں پر اپنی جان دے، تمنا پوری ہوئی، اور وہ قرار حاصل کر کے بقیع پاک میں آسودۂ خاک ہوا۔

جان ہی دیدی جگر نے آج پائے یار پر
عمر بھر کی بیقراری کو قرار آ ہی گیا

تجہیز و تکفین

حضرت مولانا کی خبر انتقال بجلی کی طرح پھیلی اہل علم حضرات کو اس پر گہرا غم ہوا کہ ایک متبحر عالم، محدث، فقیہ جاتا رہا اور بزم علم سونی ہوئی تصوف و سلوک کے شیداؤں اور رہروان راہ عرفان کو دھکا پہنچا کہ ایک کامل شیخ اور پیر روشن ضمیر کے سایۂ عاطفت سے ہم محروم ہو گئے، دیکھتے دیکھتے قیام گاہ پر ایک جم غفیر جمع ہو گیا خدام اور علماء نے تجہیز و تکفین میں جلدی کی سید احمد نواب صاحب مزور نے غسل دیا ابوالسعود صاحب نے پانی دیا مولانا سید احمد صاحب فیض آبادی

www.abulhasanalinadwi.org

اور مولوی عبدالکریم صاحب نے مدد کی اور جنازہ تیار کیا گیا اور آستانۂ نبوی کے قریب باب جبریل کے باہر جہاں عموماً نماز جنازہ ہوتی ہے، آپ کا جنازہ رکھا گیا۔

نماز جنازہ

مسجد نبوی میں نماز مغرب ہوئی اور ایسی ہوئی کہ حضرت مولانا تو نہیں تھے آپ کے بجائے آج ان کا جنازہ آستانۂ نبوی کے قریب اقدام عالیہ کی طرف رکھا ہوا لوگوں نے دیکھا، نماز کے بعد مدرسہ شرعیہ کے صدر مدرس مولانا شیخ طیب نے نماز جنازہ پڑھائی اور جنازہ کو بقیع پاک کے سمت ایک جم غفیر لے کر چلا باوجود جلدی کرنے کے ازدہام اتنا بڑھ چکا تھا کہ کاندھا دینا مشکل ہو رہا تھا علمار بھی تھے اور طلبار بھی اہل تعلق بھی تھے اور بے گانے بھی اور سب بادیدۂ نم لے کر چل رہے تھے اور زبان حال سبھی کی کہہ رہی تھی۔

؎ عاشق کا جنازہ ہے ذرا دھوم سے نکلے

جنت البقیع میں

مغرب کے بعد نماز جنازہ ہوئی اور عشاء سے پہلے آپ کو ایک بڑے مجمع نے آغوش لحد میں اتارا، یہ منظر کتنا پراثر تھا ہر طرف آدمی ہی آدمی تھے، اہل بیت کے مزارات کے قریب آپ کو جگہ ملی مسجد نبوی سے لیکر جنت البقیع میں تدفین تک کا حال حضرت شیخ کے الفاظ میں سنیئے۔

بایں ضیق وقت کہ اطلاع کا موقع ہی نہ ملا جنازہ کے ساتھ اتنا ازدہام تھا کہ بہتیروں کو باوجود کوشش کے کندھا دینا نصیب نہ ہوا اور سریر کو صرف ہاتھ لگا دینا ہی غنیمت معلوم ہوا ہے

اے تماشا گاہ عالم روئے تو
تو کجا بہر تماشا می روی

آخر آپ کا جسد انور جو آتش محبت میں گھل گھل کر مشتِ استخوان رہ گیا تھا، قبۂ اہل بیت کے متصل عشائے سے قبل آغوش لحد کے سپرد کر دیا گیا اور وہ شب شب عروس قرار پائی کہ دیرینہ مراد جو صدہا مرتبہ آپ کی زبان اور قلم سے نکلی تھی کہ

www.abulhasanalinadwi.org

کاش میری مٹی بقیع کی خاک پاک میں مل جائے الحمدللہ کہ پوری ہوگئی

انا للہ وانا الیہ راجعون

للہ ما اخذ ولہ ما اعطی کل من علیہا فان ویبقیٰ وجہ ربک

ذوالجلال والاکرام [1]

ابھی چند گھنٹے پہلے دنیا کا آفتاب غروب ہوکر ساری دنیا میں اندھیرا کرگیا تھا اور اب عشاء سے پہلے علم وعمل، زہد وتقویٰ، رشد وہدایت کا آفتاب بقیع کی سرزمین پاک میں غروب ہوکر علم وعمل کی دنیا کو اندھیری کرگیا اللہ تعالیٰ آپ کی قبر کو روشن سے روشن تر کرے۔

آسماں اس کی لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

آپ کو اس زمین پاک میں جگہ ملی جو بقیع کہلاتی ہے وہ بقیع جو انبیاء کرام علیہم السلام کے مقابر کے بعد صدق واخلاص عشق ومحبت، درد وسوز، ایمان ویقین، ایثار وقربانی کا سب سے بڑا مدفن ہے۔

دفن ہوگا نہ کہیں ایسا خـــزانہ ہرگز

حضرت مولانا کے انتقال سے صرف مدینہ منورہ کے اہل تعلق ہی نہیں بلکہ دنیا کے بہت سے خطوں کے اہل تعلق اور تلامذہ مغموم اور متفکر ہوئے اور ایک بڑا خلا محسوس کیا گیا اس وقت کے بعض اخبارات اور رسالوں نے اپنے تاثرات کا اظہار کیا خصوصاً مدرسہ مظاہر علوم جو حضرت مولانا ہی کا ایک سرسبز وشاداب باغ ہے اپنے باغباں کے نہ ہونے سے بے برگ وبار معلوم ہونے لگا حضرت مولانا کی دیرینہ تمنا اور آپ کی زندگی کی عزیز خواہش

---

[1] مقدمہ الکمال الشیم ص۳۵

www.abulhasanalinadwi.org

پوری ہوئی جس خاک کے وہ پتلے تھے اسی کے پیوند ہو کر آسودہ ہوئے۔

آخر کو گل اپنی صرف در میکدہ ہوئی
پہنچی وہیں پہ خاک جہاں کا خمیر تھا

اور کہنے والے نے کیا خوب کہا۔

آفریں داغ تجھے خوب نباہی تو نے
مرحبا کوچۂ دلدار سے مرکر نکلا

حضرت مولانا کے انتقال پر تاریخ مظاہر میں جن تاثرات کا اظہار کیا گیا ان کے پڑھنے سے اہل مدرسہ کے گہرے تعلق کا پتہ چلتا ہے۔ ان تاثرات کو ہدیہ ناظرین کیا جاتا ہے

"مدرسہ کو اپنی ۶۴ سالہ تاریخ میں جن حوادث اور صبر آزما امتحانوں سے گزرنا پڑا ان اہم ترین حوادث میں سے دل ہلا دینے والا اور ناقابل برداشت سانحہ سال زیر بحث میں یہ پیش آیا کہ حضرت اقدس امام المناظرین، سید المتکلمین فخر المحدثین، شیخ المشائخ جامع الشریعۃ والطریقۃ مولانا الحاج خلیل احمد صاحب نے اس دار فانی سے رحلت فرما کر عالم بقا کو اپنے لئے پسند فرمایا ایک وقت وہ بھی تھا جب حضرت اقدس نور اللہ مرقدہٗ نے بحیثیت صدر مدرس ہونے کے مظاہر علوم میں تشریف لاکر مدرسہ کو موت و حیات کی کشمکش سے بچایا اور اندرونی مفاسد کا شکار رتھا عافیت و سلامتی کے ساتھ اس گرداب بلا سے نکالا تھا لیکن افسوس کہ آج

آں قدح بشکست وآں ساقی نماند

تلک الایام نداولھا بین الناس۔ حضرت اقدس کے علمی فیضان کا حال جس طرح افغانستان، قندھار، مصر و شام، حجاز و عراق کے علماء سے معلوم ہو گا وہیں روحانی ارتقا اور بلندی درجات و مراتب سے واقفیت دنیائے علوم و عرفان صبر و قناعت رضا و ریاضت کے متوالوں سے ہو گی۔[1]

---

[1] تاریخ مظاہر دوم صفحہ

آگے چل کر ان تاثرات کا اظہار کیا گیا۔

حضرت اقدس نور اللہ مرقدہٗ کی برسوں کی تمنا اور خواہش تھی کہ کسی طرح جنت البقیع کی مٹی نصیب ہو جائے بارہا فرمایا کہ اگرچہ میں اس سرزمین کے قابل تو نہیں مگر کیا عجب کہ قبول کر لیا جاؤں اور قدرت کو کیا مشکل ہے کہ وہ اہلیت عطا فرما دے۔"

اور آخر میں تحریر ہے۔

"آخر کار چہار شنبہ ۱۵ ربیع الثانی ۱۳۴۶ھ کو بعد عصر مدینہ پاک میں وصال فرمایا مولانا طیب مغربی صدر مدرس مدرسہ علوم شرعیہ نے مسجد نبوی میں نماز جنازہ پڑھائی اور اسی وقت تدفین عمل میں آئی۔ فرحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ

فقیرانہ آئے صدا کر چلے | میاں خوش رہو ہم دعا کر چلے
جو تجھ بن نہ جینے کو کہتے تھے ہم | سو اس عہد کو ہم وفا کر چلے

مادۂ تاریخ وفات "شد خلیل احمد شہید" ــــ اور "مولانا خلیل احمد قدس اللہ سرہٗ" سے نکلتا ہے۔

یہ حضرت اقدس نور اللہ مرقدہٗ کی کھلی کرامت ہے کہ مدرسہ سے ڈیڑھ سال کی لی ہوئی رخصت ہی آپ کی حیات طیبہ کی مدت ثابت ہوئی کہ ۱۵ شوال ۱۳۴۴ھ سے لے کر ۱۵ ربیع الثانی ۱۳۴۶ھ تک ڈیڑھ سال پورا ہوتا ہے اور یہی تاریخ آپ کے انتقال کی ہے۔

ہمارے جو اکابر اور اسلاف اپنے تدین و تقوی اور بے مثال کارناموں کی وجہ سے شہرۂ آفاق بنے ان میں حضرت اقدس مولانا خلیل احمد کی ذات عالی یقیناً اس لائق ہے کہ اسے کبھی فراموش نہ کیا جائے اور ان کا اسم سامی اس کا مستحق ہے کہ اسے ہمیشہ زریں حروف سے تحریر کیا جاتا رہے۔[1]

---

[1] تاریخ مظاہر صفحہ ۲

www.abulhasanalinadwi.org

اولاد

حضرت مولانا کا جب انتقال ہوا تو آپ کے گھر والوں میں مدینہ منورہ میں صرف آپ کی اہلیہ محترمہ تھیں باقی مولانا کی اولاد اس وقت کوئی نہیں تھی جیسا کہ معلوم ہو چکا ہے کہ حضرت مولانا نے دو شادیاں کی تھیں، پہلی شادی ۱۲۹۰ھ میں کی اور ان بیوی کا انتقال ۱۲۹۵ھ میں ہو گیا، ان بیوی سے ایک صاحبزادی اور ایک صاحبزادے تھے، صاحبزادے محمد ابراہیم ۱۳۲۰ھ میں والد ماجد کے سامنے ہی فوت ہو گئے اور صاحبزادی کے اولاد ہوئی جن میں ایک لڑکی جس کا نام عطیہ بی تھا ان کی نسل چلی اور حضرت مولانا کا سلسلۂ نسب انھیں سے چلا حضرت مولانا کی دوسری اہلیہ سے تین لڑکیاں ہوئیں، جن میں ایک لڑکی زبیدہ بی چار سال کی عمر ہی میں وفات پا گئی، دوسری دو صاحبزادیاں بھی حضرت مولانا کی زندگی ہی میں وفات پا گئیں۔

لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کو جسمانی اولاد کے بجائے روحانی اولاد بخشی، اگر چہ آپ کی جسمانی اولاد میں سوائے ایک نواسی کی نسل کے کوئی زندہ نہ رہا اور رلا و لد اور صاحب اولاد ہو کر مع اپنی اولاد کے سب یکے بعد دیگرے انتقال کر گئے، لیکن روحانی اولاد جس میں تلامذہ اور خلفاء ہیں، کثرت سے اپنے فیوض سے دوسروں کو فائدہ پہنچا رہے ہیں اور حضرت مولانا کے نام و کام کو حیات جاوید دے رہے ہیں۔ مولانا عاشق الٰہی صاحب میرٹھی لکھتے ہیں۔

"اس صلہ میں کہ آپ کی نسبی اولاد دنیا سے اٹھی حق تعالیٰ نے آپ کی روحانی اولاد کو بیش از بیش بنا دیا، آپ کا روحانی، علمی و عملی فیضان اور شریعت و طریقت کے مستفیدین تلامذہ و مریدین ہزارہا کی تعداد میں شرقاً و غرباً پھیلے، جو آپ کے مبارک نام اور آپ کی پاکیزہ مرشدانہ سوانح کو قیامت تک یاد رکھیں گے۔

www.abulhasanalinadwi.org

رہتا سخن سے نام قیامت تلک ہے ذوق

اولاد سے تو یہی کہ دو پشت چار پشت[1]

حضرت مولانا کی اہلیہ محترمہ جو آپ کی وفات کے وقت آپ ہی کے ہمراہ تھیں زیادہ دنوں تک بقید حیات نہ رہ سکیں اور ۷ر ذی الحجہ ۱۳۴۷ھ کو آپ کے انتقال کے ڈیڑھ سال کے بعد مدینہ منورہ ہی میں انتقال کیا اور آپ ہی کے پہلو میں سپرد خاک ہوئیں - انا للہ وانا الیہ راجعون۔

باقیات صالحات

حضرت مولانا کے انتقال کے بعد آپ کی یادگار میں تین کارنامے ایسے ہیں جو آپ کے باقیات صالحات میں شمار کئے جاتے ہیں۔

(۱) وہ عظیم مدرسہ جس کا نام مظاہر علوم ہے جس کی آپ نے زندگی بھر آبیاری کی اور اپنی ساری علمی تعمیری اور فکری صلاحیتیں اس پر خرچ کر دیں، اس کو آپ کے انتقال کے بعد بڑے اہل فضل وکمال اور ذی صلاحیت سرپرستوں کی سرپرستی اور کامل الاستعداد مدرسوں کی خدمات حاصل ہوئیں۔

(۲) آپ کے خلفاء، تلامذہ اور منتسبین جن کی تعداد بہت زیادہ ہے اور جن کی علمی اور روحانی خدمات سے بالواسطہ اور بلا واسطہ ایک عالم مستفید ہو رہا ہے، خلفاء کے حالات اس کتاب کے آخر میں آپ پڑھیں گے۔

(۳) آپ کی تصنیفات جو مختلف موضوعات پر اور مختلف زمانوں میں شائع ہوئیں جن میں سب سے بلند اور مفید تصنیف "بذل المجہود" ہے جس کا ذکر آپ پڑھ چکے ہیں آپ کی تصنیفات کا تعارف بھی آئندہ صفحات میں انشاء اللہ آپ ملاحظہ فرمائیں گے، یہی وہ باقیات صالحات ہیں جن سے مدت دراز تک آپ کا نام اور کام روشن ہوتا رہے گا۔

---

[1] تذکرۃ الخلیل ص ۹۸

www.abulhasanalinadwi.org

واقعات زندگی ایک نظر میں

ولادت		اواخر صفر سنہ ۱۲۶۹ھ مطابق اوائل دسمبر سنہ ۱۸۵۲ء		
دارالعلوم دیوبند و مظاہر علوم میں داخلہ		سنہ ۱۲۸۳ھ		
فراغت از مظاہر علوم		سنہ ۱۲۸۸ھ		
مختلف مقامات میں درس وتدریس	از	سنہ ۱۲۸۹ھ	تا	سنہ ۱۳۰۸ھ
بیعت از مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی		سنہ ۱۲۸۸ھ		
خلافت از حاجی امداد اللہ صاحب مکی		سنہ ۱۲۹۷ھ		
خلافت از مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی		سنہ ۱۲۹۸ھ		
دیوبند کی مدرسی	از	سنہ ۱۳۰۸ھ	تا	سنہ ۱۳۱۴ھ
مظاہر علوم کی صدر مدرسی	از	سنہ ۱۳۱۴ھ	تا	سنہ ۱۳۳۶ھ
کار نظامت	از	سنہ ۱۳۳۶ھ	تا	سنہ ۱۳۳۸ھ
سرپرستی مدرسہ	از	سنہ ۱۳۳۸ھ	تا	سنہ ۱۳۴۵ھ
مدرسہ سے انقطاع		۵ ذیقعدہ سنہ ۱۳۴۵ھ		
پہلا حج بھوپال سے تنہا		سنہ ۱۲۹۳ھ		
دوسرا حج بھاولپور سے		سنہ ۱۲۹۷ھ		
تیسرا حج سہارنپور سے اہلیہ کے ساتھ		سنہ ۱۳۲۳ھ		
چوتھا حج ” مولانا عبدالرحیم رائپوری کے ساتھ		سنہ ۱۳۲۸ھ		
پانچواں حج ” شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب کے ساتھ		سنہ ۱۳۳۳ھ		

www.abulhasanalinadwi.org

چھٹا حج سہارنپور سے علمائے مظاہر علوم کے ساتھ — سنہ ۱۳۳۸ھ

ساتواں اور آخری حج " " " — سنہ ۱۳۴۴ھ

ہجرت کی نیت — سنہ ۱۳۴۵ھ

انتقال — ۱۵ ربیع الثانی سنہ ۱۳۴۶ھ

www.abulhasanalinadwi.org

حیاتِ خلیل رح

یعنی

حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری نور اللہ مرقدہٗ

کی

مفصّل سوانح حیات

حصّہ دوم

(اوصاف وکمالات سے خلفاء ومجازین تک)

حسب ایماء

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی دامت برکاتہم

مرتّبہ

محمد ثانی حسنی ندوی مظاہری

ملنے کے پتے
مکتبہ اسلام گوئن روڈ لکھنؤ
کتب خانہ یحیوی مظاہر علوم سہارنپور

www.abulhasanalinadwi.org

نام کتاب: حیاتِ خلیل رح

مرتّب: محمد ثانی حسنی

بار اوّل: چار ہزار

کتابت: دلشاد احمد پرتاپگڈھی

مطبوعہ: فائن آفسٹ پریس الٰہ آباد

جلد: دوم

صفحات: (۱۲ + ۲۸۴)

قیمت: دس روپئے

باہتمام: مولوی غیاث الدین صاحب حسنی ندوی

www.abulhasanalinadwi.org

فہرست مضامین حصّہ دوم

گیارہواں باب

اوصاف و کمالات اور امتیازات و خصوصیات

۱۔ مقبولیت ومحبوبیت	۳۳۶
۲۔ نور ہی نور	۳۳۷
۳۔ بلند و بالا شخصیت	۳۳۸
۴۔ اتباع سنّت	۳۴۴
۵۔ عشق رسول	۳۴۸
۶۔ رخصت کے بجائے عزیمت	۳۵۲
۷۔ حق گوئی	۳۵۷
۸۔ استغناء	۳۶۲
۹۔ تواضع وانکساری	۳۶۳
۱۰۔ سخاوت و فیاضی	۳۶۸
۱۱۔ صبر واستقامت	۳۷۱
۱۲۔ شفقت و رحمت	۳۷۲
۱۳۔ غیرت وحمیّت	۳۷۷
۱۴۔ شب بیداری اور سحر خیزی	۳۷۸
۱۵ جلالتِ علمی	۳۸۰

www.abulhasanalinadwi.org

۱۶۔ رجوع عام و قبولیت تام ۳۸۷
۱۷۔ قوت نسبت ۳۹۰

بارہواں باب

معمولات و نظام الاوقات، عادات و مرغوبات اور سراپا

۱۸۔ تلاوت قرآن ۳۹۸
۱۹۔ معمولات و نظام الاوقات ۴۰۱
۲۰۔ قیامگاہ کے دن کے معمولات ۴۰۲
۲۱۔ رات کے معمولات ۴۰۴
۲۲۔ جمعہ کے دن کے معمولات ۴۰۶
۲۳۔ رمضان المبارک کے معمولات ۴۰۷
۲۴۔ سفر کے معمولات ۴۱۳
۲۵۔ مختلف معمولات ۴۱۴
۲۶۔ عادات و مرغوبات ۴۱۶
۲۷۔ سراپا ۴۱۹

تیرہواں باب

اخذ بیعت اور طالبین سلوک کی تعلیم و تربیت

۲۸۔ اثر انگیز بیعت ۴۲۳
۲۹۔ بیعت کا مقصد اور تصوف کی حقیقت ۴۲۷
۳۰۔ طلب صادق کا امتحان ۴۲۹

www.abulhasanalinadwi.org

۳۱- بیعت کرنے کا طریقہ ۴۳۰
۳۲- بیعت کے بعد کی ہدایات ۴۳۱
۳۳- تعلیم و تربیت کے مختلف طریقے ۴۳۲
۳۴- چند اصلاحی و تربیتی مکتوبات ۴۳۵
۳۵- آپ کی تعلیم و تربیت کے اثرات ۴۴۰
۳۶ بیعت کرنے کی اجازت ۴۴۱

چودھواں باب

افکار و خیالات اور دینی امور میں آپ کا مشرب و مسلک

۳۷- دین کے اصول و فروع اور اعتقادات کے بارے میں آپ کا مسلک و مشرب ۴۴۶
۳۸- کتاب و سنّت سے تعلق اور ان کا بنیادی کردار ۴۴۸
۳۹- علم سے زیادہ عشق و محبّت ۴۴۹
۴۰- سنّت نبوی اور حدیث پاک ۴۵۳
۴۱- شرک و بدعت کے معاملہ میں آپ کا سخت رویہ ۴۵۶
۴۲- ایک بڑا بہتان اور اس کا جواب ۴۵۷
۴۳- صحابہ کرام اور اہلبیت نبوی سے عقیدت و محبّت ۴۵۹
۴۴- فقہی مسلک اور معتدل رویہ ۴۶۰
۴۵- تصوف و سلوک اور صوفیاء کے اشتغال ۴۶۵
۴۶- شریعت کا اعتقادی و عملی احترام ۴۶۶
۴۷ عقلِ انسانی یا اتباعِ شریعت ۴۶۷

www.abulhasanalinadwi.org

۴۸۔ ختم نبوت کے متعلق آپ کی رائے اور اپنے مشائخ کے عقیدہ کا اظہار۔ ۴۶۸
۴۹۔ مذہبی تعلیم ہر حالت میں اہم اور ضروری ہے ۴۷۰
۵۰۔ حدود شرعیہ سے سرمو تجاوز یا تفریق و اختلاف غیر دانشمندانہ ہیں ۴۷۱
۵۱۔ موالات کفار غیر پسندیدہ عمل ہے ۴۷۲
۵۲۔ کفار سے اتحاد و اتفاق صرف معاشرتی امور میں ۴۷۳
۵۳۔ سلطان ابن سعود کے متعلق آپ کا خیال ۴۷۴
۵۴۔ حجاز میں امن توثیق ۴۷۷
۵۵۔ اہل نجد کے ایمان و عقیدے کی ضمانت ۴۷۷
۵۶۔ اصلاح کیسے کی جائے؟ ۴۷۸
۵۷۔ امت مسلمہ خود مستقل بالذات ہے وہ کسی دوسرے کی دریوزہ گر نہیں ۴۸۱
۵۸۔ نہ دنیا پرستی نہ رہبانیت ۴۸۳
۵۹۔ ظاہر ہو یا باطن شریعت کی اتباع ضروری ہے ۴۸۵
۶۰۔ سیاسی مسلک اور عملی کردار ۴۸۶

پندرھواں باب

ارشادات و ملفوظات

۶۱۔ بغیر بیعت کے فائدہ مکمل نہیں ہوتا ۴۹۳
۶۲۔ ناجائز نوکری کی ناجائز آمدنی ۴۹۳
۶۳۔ اپنا کام پورا کرو ۴۹۳

www.abulhasanalinadwi.org

۶۴۔ میرے دل میں کسی سے خلش نہیں	۴۹۳
۶۵۔ دوستوں کے حسن ظن پر جی رہا ہوں	۴۹۴
۶۶۔ مکروہ اور غیر مکروہ	۴۹۵
۶۷۔ خدا جانے کس کی بدولت بیڑا پار ہو	۴۹۵
۶۸۔ نام تو غلام محمد داڑھی کا صفایا	۴۹۵
۶۹۔ بدعت اور غیر بدعت	۴۹۵
۷۰۔ روضۂ نبوی کا موم	۴۹۵
۷۱۔ بزرگوں کی خدمت وصحبت لازمی ہے	۴۹۶
۷۲۔ ذکر بالجہر سے شہرت کا اندیشہ نہیں	۴۹۶
۷۳۔ ذکر با وضو ہونا چاہیئے	۴۹۶
۷۴ میرا تعلق داڑھی کے ساتھ ہے	۴۹۶
۷۵۔ سالک کو حرام ومشتبہ چیزوں سے بچنا چاہیئے	۴۹۷
۷۶۔ ہدیہ اور تحفہ مخلصین سے لینا چاہیئے	۴۹۷
۷۷۔ حرام اور مشتبہ مال رکھنے والے کی دعوت قبول نہ کرنا چاہیے	۴۹۷
۷۸۔ مراقبہ کی حقیقت نگہداشت ہے	۴۹۷
۷۹۔ غیر جنس سے اختلاط نہ رکھنا چاہیئے	۴۹۸
۸۰۔ جو عبادت خلوص اور دوام کے ساتھ ہو وہ تھوڑی بھی بہت ہے	۴۹۸
۸۱۔ تہجد صالحین کا شعار ہے	۴۹۸
۸۲۔ طریقت کا مقصود دنیا ومافیہا سے بے رغبتی ہے	۴۹۸
۸۳۔ کشف قبور اور کشوف کونیہ	۴۹۸
۸۴۔ سالک کے لئے دو چیزیں مضر ہیں	۴۹۸

www.abulhasanalinadwi.org

۸۵۔ اتباع سنت میں قرب الٰہی مضمر ہے ۴۹۹

۸۶۔ اللہ کے احسانات کا شکر ۴۹۹

۸۷۔ نماز میں لقمہ ۴۹۹

۸۸۔ شیخ کی نیابت اس کے خلفاء کرتے ہیں ۴۹۹

۸۹ اچھا ہے جس نے دیا اسی کے کام آئے ۵۰۰

۹۰۔ بیوی کو نصیحت ۵۰۰

۹۱۔ اشرف العلوم حدیث و فقہ ۵۰۰

۹۲۔ حدیث دانی کی شرط ۵۰۰

۹۳۔ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کے متعلق ارشاد ۵۰۰

۹۴۔ الم تنزیل اور سورۃ الدھر ۵۰۱

۹۵۔ میری نماز ۵۰۱

۹۶۔ جاہل عورتوں کا خیال ۵۰۱

۹۷۔ عورتوں کا مردانہ لباس پہننا ۵۰۲

۹۸۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حیات ہیں بلند آواز سے سلام بے ادبی ہے ۵۰۲

۹۹۔ سلوک کا مقصد ۵۰۲

۱۰۰۔ کثرت ذکر کے دو طریقے ہیں ۵۰۳

۱۰۱۔ حضرت گنگوہیؒ کی صاحبزادی کے متعلق خیال ۵۰۳

۱۰۲۔ اہل اللہ کی توجہ ۵۰۳

۱۰۳۔ کٹھ حجتی سے علم میں بے برکتی آتی ہے ۵۰۴

۱۰۴۔ علم سے مقصود عمل ہے ۵۰۴

۱۰۵۔ بغیر ہمت کے کوئی کام نہیں ہوتا ۵۰۴

www.abulhasanalinadwi.org

۱۰۶۔ تحقیق اور جستجو ۵۰۵
۱۰۷۔ خدمت حدیث پر تشکر و امتنان ۵۰۵
۱۰۸۔ فتویٰ دیتے وقت شرح صدر ۵۰۵
۱۰۹۔ حضرت گنگوہی کی خدمت میں حاضری کی برکت ۵۰۶
۱۱۰۔ متبع سنّت ہم ہوئے یا تم؟ ۵۰۶
۱۱۱۔ مسجد کی زیبائش جائز نہیں ہے ۵۰۶
۱۱۲۔ نماز کے لئے مشقت ۵۰۷
۱۱۳۔ نماز ظہر میں طوال مفصل ۵۰۷
۱۱۴۔ ذکر و شغل کے لئے رات کا وقت مفید ہے ۵۰۸
۱۱۵۔ تلاوت قرآن کے آداب ۵۰۸
۱۱۶۔ حرام و مشتبہ مال میں ظلمت ہوتی ہے ۵۰۸
۱۱۷۔ قبض و بسط کی حالت میں ۵۰۸
۱۱۸۔ نسبت سلسلہ ۵۰۹
۱۱۹۔ پاکی و طہارت ۵۰۹
۱۲۰۔ تصور شیخ کی مطلق ضرورت نہیں ۵۰۹
۱۲۱۔ تہجد کا اہتمام ۵۰۹
۱۲۲۔ دل و دماغ کی صحت کا خیال بھی ضروری ہے ۵۰۹
۱۲۳۔ صحابۂ کرام کے حالات سے مطابقت ۵۱۰
۱۲۴۔ علم مورث عمل ۵۱۰
۱۲۵۔ علوم دینیہ کی تدریس بھی طرق وصول الی اللہ سے ہے ۵۱۰
۱۲۶۔ اصل خیر و برکت ذکر کی مداومت میں ہے ۵۱۰

www.abulhasanalinadwi.org

۱۲۷۔ بڑوں کی ناخوشی سے نقصان ہوتا ہے ۵۱۱
۱۲۸۔ شانِ حضورؐ اور اتباع سنّت ۵۱۱

سولہواں باب

ہمعصر علماء ومشائخ کی رائیں

۱۲۹۔ آپس کے تعلقات اور باہمی ربط وضبط
۱۳۰۔ سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ ۵۱۶
۱۳۱۔ حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ ۵۱۶
۱۳۲۔ حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائپوریؒ ۵۲۲
۱۳۳۔ شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحبؒ ۵۲۵
۱۳۴۔ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ ۵۲۹
۱۳۵۔ شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد صاحب مدنیؒ ۵۳۴
۱۳۶۔ امام اہلسنت مولانا عبدالشکور صاحب فاروقیؒ ۵۳۷
۱۳۷۔ مولانا سید عبدالحی صاحبؒ سابق ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ ۵۴۰
۱۳۸۔ مولانا سید اصغر حسین صاحب دیوبندیؒ ۵۴۱
۱۳۹۔ السید احمد برزنجی مفتی شافعیہ مدینہ منورہ حجاز ۵۴۱
۱۴۰۔ علماء مدینہ کی نظر میں ۵۴۲
قاضی القضاۃ امیر ابن بلیہد ۵۴۲

www.abulhasanalinadwi.org

سترہواں باب

تصنیفات و تالیفات

۱۴۲۔ البراہین القاطعۃ علیٰ ظلام الانوار الساطعۃ	۵۴۷
۱۴۳۔ ہدایات الرشید الیٰ افحام العنید	۵۵۲
۱۴۴۔ مطرقۃ الکرامۃ علیٰ مراٰۃ الامامۃ	۵۵۶
۱۴۵۔ اتمام النعم	۵۵۸
۱۴۶۔ المہند علی المفند	۵۶۰
۱۴۷۔ تنشیط الاذان فی محل الاذان	۵۶۶
۱۴۸۔ المختنم فی زکوٰۃ الغنم	۵۶۷
۱۴۹۔ بذل المجہود فی شرح ابی داؤد	۵۶۸

اٹھارواں باب

چند خلفاء و مجازین

۱۵۰۔ حضرت مولانا حافظ قمر الدین صاحب سہارنپوریؒ	۵۷۹
۱۵۱ مولانا محمد یحییٰ صاحب کاندھلویؒ	۵۸۲
۱۵۲ مولانا عبد اللہ صاحب گنگوہیؒ	۵۸۶
۱۵۳ مولانا عاشق الٰہی صاحب میرٹھیؒ	۵۹۰

www.abulhasanalinadwi.org

۱۵۴۔ مولانا فیض الحسن صاحب گنگوہیؒ	۵۹۴
۱۵۰ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کاندھلویؒ	۵۹۸
۱۵۶۔ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مدظلہ العالی	۶۰۳

www.abulhasanalinadwi.org

گیارہواں باب

اوصاف وکمالات اور امتیازات وخصوصیات

داماں نگہ تنگ وگل حسن تو بسیار
گلچیں بہارتو زداماں گلہ دارد

www.abulhasanalinadwi.org

www.abulhasanalinadwi.org

گیارھواں باب
اوصاف وکمالات اور امتیازات و خصوصیات

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی نور اللہ مرقدہٗ نے حضرت مولانا خلیل احمد صاحب نور اللہ مرقدہٗ کے انتقال پر ان کے اوصاف وکمالات اور اس سلسلہ کے مؤثر واقعات ومشاہدات پر "خوان خلیل" کے نام سے جو رسالہ تحریر فرمایا تھا، اس کو مندرجہ ذیل الفاظ سے شروع فرمایا۔

"بعد الحمد والصلوٰۃ حضرت مولانا عارف جامی نے مشتریان یوسف علیہ السّلام کے قصہ میں نقل فرمایا ہے۔

چو یوسف شد بخوبی گرم بازار	شدندش مصریاں یکسر خریدار
بہ چیزیکہ ہرکس دسترس داشت	دراں بازار بیع او ہوس داشت
شنیدم کز غمش زالے برآشفت	تنیدہ ریسمانے چند و می گفت
ہمیں بس گرچہ من کاسد قماشم	کہ در سلک خریدارانش باشم

اسی مخلص بڑھیا کی تقلید ان سطور کی تحریر میں احقر نے اختیار کی ہے کہ ایک حبر ھمام وبحر قمقام یعنی۔

الشیخ مولانا خلیل احمد	مکسو حلۃ خلۃ الرحمٰن
وسمی ابراھیم یوسف وقتہ	من وجہہ کالقلب فی اللمعان

المتوفی فی ربیع الثانی ۱۳۴۶ھ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً و أفاض من برکاتہ علی اھل البلاد القریبۃ والشاسعۃ کے دریائے کمالات میں سے چند رشحات وقطرات ناظرین مشتاقین کے قلوب وابصار پر بصورت رسالہ پاشاں کرتا ہوں

۱؎ خوان خلیل صفحہ ۲

www.abulhasanalinadwi.org

میں حضرت تھانویؒ کے ان الفاظ کو تبرک کے طور پر یہاں نقل کر کے عرض کرتا ہوں۔

احب الصالحین ولستُ منھم
لعل اللہ یرزقنی صلاحا

میں حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ کے اوصاف و کمالات ان کے علمی مقام، ان کے حسن سیرت وصورت اور ان کی خصوصیات پر جو بھی لکھ رہا ہوں، وہ درحقیقت اہل علم، بزرگانِ دین اور حضرت مولانا نوراللہ مرقدہٗ کے عالی مقام کو سمجھنے والے حضرات کے مشاہدات، تاثرات اور اقوال پر مشتمل ہوگا جس کو صرف نقل کرنے والا ہوں۔ واللہ ولی التوفیق وھو حسبنا ونعم الوکیل۔

حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب کاندھلوی نے ایک بار مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی سے فرمایا۔

"میاں ظفر آج جتنے بھی تمھارے سامنے بزرگ ہیں گنگوہ میں ان سب کے ساتھ میری دل لگی اور ہنسی رہا کرتی تھی بجز حضرت مولانا خلیل احمد صاحب کے کہ ان کا ادب میں اس وقت بھی بہت کرتا تھا حالانکہ خود حضرت مولانا مجھ سے بہت بے تکلف تھے مگر میں کبھی بے تکلف نہیں ہوا۔"[1]

ایک مرتبہ مولانا محمد یحییٰ صاحب نے حضرت مولانا سے اپنی عقیدت واحترام اور حضرت مولانا کے کمالات باطنی اور خصوصیات ظاہری کا ذکر مولانا ظفر احمد صاحب سے ان الفاظ میں کیا۔

"میں حضرت مولانا گنگوہی کی خدمت میں بارہ سال رہا ہوں اور حضرت کے ساتھ جو تعلق مجھے اور حضرت کو مجھ سے تھا وہ بھی سب کو معلوم ہے اس صورت

---

[1] تذکرۃ الخلیل صفحہ ۳۹۵

میں غور کرلو کہ مجھے حضرت گنگوہی کی معرفت کس قدر ہو سکتی ہے اس پر جو میں نے حضرت کے بعد مولانا خلیل احمد صاحب کو اپنا شیخ بنایا اور ان کی طرف رجوع کیا ہے اس سے جو کچھ نتیجہ نکلتا ہے تم خود سمجھ سکتے ہو۔ میاں ظفر بات یہ ہے کہ خدا کے نزدیک مراتب کا کم زیادہ ہونا تو کسی کو معلوم نہیں لیکن میرے نزدیک معرفت و سلوک میں مولانا خلیل احمد صاحب کا درجہ سب سے بڑھا ہوا ہے، میں نے اعلیٰ حضرت حاجی صاحب کا ایک والانامہ حضرت کی بیاض میں خود دیکھا ہے، جس میں حضرت کی نسبت تحریر فرمایا تھا۔ تم میرے سلسلہ کے فخر ہو مجھے تم سے بہت خوشی و مسرت ہے۔[1]

اس سے بڑھ کر حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی کا وہ ارشاد گرامی ہے جو انھوں نے ایک بار مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی سے فرمایا۔

جب حضرت مولانا گنگوہی کا وصال ہو گیا تو میں نے حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سے عرض کیا کہ مجھے اب تک جو کچھ کبھی دریافت کرنا ہوتا تھا، حضرت گنگوہی سے دریافت کرلیا کرتا تھا۔ حضرت کے بعد اب جو کچھ دریافت کرنا ہو گا۔ وہ جناب والا سے دریافت کیا کروں گا اور جناب والا کو جواب کی تکلیف کرنا ہو گی۔[2]

مولانا سید عبدالحی صاحب مصنف "نزہۃ الخواطر" حضرت مولانا خلیل احمد صاحب کے صفات و کمالات کا ذکر ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

کان الشیخ خلیل احمد له الملکة القویة والمشاهدة الجیدة فی الفقه والحدیث والید الطولیٰ فی الجدل والخلاف والرسوخ التام فی علوم الدین والمعرفة والیقین

مولانا خلیل احمد کو فقہ و حدیث میں طاقتور ملکہ اور اعلیٰ بصیرت حاصل تھی، مناظرہ اور اختلافی مسائل میں یدِ طولیٰ دستگاہ، دینی علوم، معرفت اور یقین و توکل میں کامل رسوخ و پختگی حاصل تھی

---

[1] ، [2] تذکرۃ الخلیل صفحہ ۳۵۳

www.abulhasanalinadwi.org

مولانا ان اوصاف و کمالات اور علمی خصوصیات کے ذکر کرنے کے بعد ان کے متعلق یہ الفاظ استعمال کرتے ہیں۔

وکان دقیق الشعور، ذکی الحس صادعًا بالحق، صریحًا فی الکلام، فی غیر جفاءٍ شدید الاتباع للسنة. نفورًا عن البدعة کثیر الاکرام للضیوف. عظیم الرفق باصحابه یحب الترتیب والنظام فی کل شیٔ والمواظبة علی الاوقات، مشتغلًا بخاصة نفسه وبما ینفع فی الدین، متنحیا عن السیاسة مع الاهتمام بامور المسلمین والحمیة والغیرة فی الدین[۱]

آپ کا شعور و احساس بڑا عمیق اور باریک تھا، آپ بڑے حساس تھے حق بات کھل کر کہتے تھے صاف گو تھے لیکن تند خو اور ترش رو نہیں سنت کا بہت اتباع کرنے والے، بدعت سے بڑے نفور مہمانوں کا بہت اکرام کرنے والے اپنے متعلقین کے ساتھ بڑی نرمی کرنے والے تھے۔ ہر چیز میں نظام و ترتیب، اوقات کا اہتمام ملحوظِ نظر رہتا تھا اصلاح نفس اور دینی امور میں مفید اور سودمند باتوں میں مشغول رہتے تھے۔ سیاست سے مجتنب تھے باوجودیکہ مسلمانوں کے تمام امور سے دلچسپی لیتے تھے اور دینی غیرت و حمیت رکھتے تھے۔

حضرت مولانا کے فضل و کمال کے معترف صرف علماء ہند ہی نہ تھے بلکہ علماء عرب بھی قائل تھے۔

مصر کے مشہور عالم علامہ رشید رضا[۲] متوفی ۱۳۵۴ھ نے جب ہندوستان کا سفر کیا تھا

---

[۱] نزهة الخواطر ص ۳۶

[۲] علامہ محمد رشید رضا بغدادی الاصل اور حسینی النسب تھے۔ ۱۲۸۲ھ میں طرابلس الشام میں پیدا ہوئے اپنے وطن میں تعلیم حاصل کی ادب، حدیث، تاریخ و تفسیر میں ملکہ حاصل کیا۔ ۱۳۱۵ھ میں مصر گئے اور مفتی محمد عبدہ کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا اور رسالہ "المنار" نکالا اور افتاء کا کام بھی کیا پھر شام گئے لیکن زیادہ قیام نہ کر سکے اور مصر واپس ہوئے مدرسۃ الدعوۃ والارشاد کا قیام عمل میں لائے ہندوستان، یورپ اور حجاز کے سفر کئے ۱۳۵۴ھ میں ایک حادثہ کے شکار ہو گئے کثیر التصانیف تھے (باقی ص ۳۷۵ پر)

www.abulhasanalinadwi.org

تو دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ اور دارالعلوم دیوبند کی زیارت کے علاوہ مظاہر علوم سہارنپور بھی گئے تھے اس وقت حضرت مولانا مدرسہ مظاہر علوم کے صدر مدرس تھے۔ علامہ رشید رضا نے اس سفر میں حضرت مولانا سے اپنی ملاقات اور تاثر کا ذکر کیا ہے علامہ کے جو الفاظ ہیں وہ بعینہ درج ذیل کئے جاتے ہیں

ولم انس ولا انسى زيارة مدرسة مظاهر علوم في مدينة سهارنفور و لقاء ناظرها واكبر مدرسيها (مولوی) الشيخ خليل احمد الذي لم أر في علماء الهند الاعلام اشد منه انصافا ولا ابعد عن التعصب للشائخ والتقاليد وما ذلك الا لاخلاصه وقوة دينه ونور بصيرته	میں نہ بھولا ہوں نہ بھولوں گا مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور کی زیارت اور اس کے صدر مدرس مولانا خلیل احمد کی ملاقات (وہ مولانا خلیل احمد) جن سے زیادہ سختی سے انصاف پر کاربند اور مشائخ وصوفیہ اور ان کی رسم وروایات کے بارے میں تعصب سے کوسوں دور ہندوستان کے چوٹی کے علماء میں میں نے کسی کو نہیں دیکھا، دراصل یہ ان کے اخلاص قوت ایمانی اور نور بصیرت کا نتیجہ ہے۔

(رحلات الامام محمد رشید رضا ص ۷۹۔ تالیف الدکتور یوسف ایبش (بیروت))

آئندہ سطور میں مندرجہ بالا صفات وکمالات کی تفصیل مشاہدات وواقعات کی صورت میں ہدیۂ ناظرین کی جاتی ہے۔

(بقیہ ۳۳۴ کا) ان کی مشہور تصنیفات یہ ہیں ۱۔ رسالہ المنار ۲۔ التفسیر القرآن الکریم ۱۲ جلدیں۔ ۳۔ تاریخ الاستاذ الامام محمد عبدہ ۳ جلدیں ۴۔ نداء للجنس اللطیف ۵۔ الوحی المحمدی۔ ۶۔ یسر الاسلام واصول التشریع العام ۷۔ الخلافہ ۸۔ الوہابیون والحجاز ۹۔ محاورات المصلح والمقلد ۱۰۔ ذکری المولد النبوی ۱۱۔ شبہات النصاری وحجج الاسلام

لہ نزھۃ الخواطر ج ۸ صفحہ ۱۳۶

www.abulhasanalinadwi.org

آفاقہا گردیدہ ام، مہر بتاں ورزیدہ ام
بسیار خوباں دیدہ ام لیکن تو چیزے دیگرے

مقبولیت ومحبوبیت اللہ تعالیٰ نے حضرت مولانا کو محبوبیت و مقبولیت ایسی عطا فرمائی تھی کہ ہر کس و ناکس کا دل آپ کی طرف کھنچتا تھا۔ عوام کو تو آپ سے تعلق تھا ہی اس لئے کہ آپ میں شفقت و رحمت۔ خوش کلامی صلہ رحمی اور سادگی و خاکساری ایسی تھی کہ غریب سے غریب اور کم علم سے کم علم آدمی کو آپ سے وحشت تو درکنار بے حد محبت اور ادب و احترام تھا طبقۂ علماء میں سبھی کا حال یہ تھا کہ وہ آپ سے محبت رکھتے اور ان کے دل آپ کی طرف کھنچتے، حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی جو حضرت حاجی امداد اللہ صاحب کے مجاز تھے اور بہت سے امور میں خاص مزاج اور طریقہ کار رکھتے تھے وہ آپ سے تعلق اور انجذاب کا ذکر اس طرح فرماتے ہیں

"احقر کو بعض امور اجتہادیہ، ذوقیہ، متعلقہ معاشرت و انتظام میں مولانا سے رائے کا اختلاف تھا اور اس اختلاف کے ہوتے ہوئے میرا یہ خیال تھا کہ مجھ کو مولانا سے صرف اعتقاد عقلی ہو سکتا ہے انجذاب طبعی نہ ہوگا، مگر کیفیت یہ تھی کہ حاضری تو حاضری تصور کرنے سے اس قدر انجذاب ہوتا تھا کہ میری سمجھ میں نہ آتا تھا اور غالباً اسی کا اثر ہوگا کہ خواب میں بھی کبھی زیارت ہوتی تو اسی شان سے ہوتی یہ کھلی دلیل ہے محبوبیت کی کہ محب کو گمان بھی نہیں بلکہ احتمال عدم کا ہے طبیعت ہے کہ کھنچی چلی جاتی ہے اور میں اس کو اللہ تعالیٰ کا فضل اور رحمت اپنے اوپر سمجھتا ہوں کہ اس اختلاف کے ضرر سے مجھ کو محفوظ رکھا[1]"

---

[1] خوان خلیل صفحہ ۸۰

www.abulhasanalinadwi.org

نوری نور

حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی م ۱۳۱۷ھ کے ایک خلیفہ ومجاز صاحب جذب اور صاحب کشف و کرامت بزرگ تھے، انکا نام مولانا محب الدین تھا، وہ مکہ مکرمہ میں رہتے تھے، وہ جب بھی کسی کے متعلق کچھ فرمادیتے تھے، وہ صحیح ہوتا تھا، حضرت مولانا جب ۱۳۲۸ھ میں حج کے لئے تشریف لے گئے تو آپ کے ساتھ مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی بھی تھے، ان کا بیان ہے۔

"جس وقت حضرت (مولانا خلیل احمد صاحب) مسجد الحرام میں طواف قدوم کے لئے تشریف لائے تو احقر مولانا محب الدین صاحب کے پاس بیٹھا تھا، مولانا اس وقت درود شریف کی کتاب کھولے ہوئے اپنا ورد پڑھ رہے تھے کہ دفعۃً میری طرف مخاطب ہو کر فرمانے لگے اس وقت حرم میں کون آگیا کہ دفعۃً سارا حرم انوار سے بھر گیا۔ میں خاموش رہا کہ اتنے میں حضرت طواف سے فارغ ہو کر باب الصفا کی طرف سعی کے لئے چلے۔ تو مولانا محب الدین صاحب کے پاس کو آئے کہ وہی جگہ مولانا کے نشست کی تھی مولانا کھڑے ہو گئے اور ہنس کر فرمایا میں بھی تو کہوں آج حرم میں کون آگیا یہ کہہ کر مصافحہ ومعانقہ ہوا اور حضرت سعی کے لئے آگے بڑھ گئے۔ مولانا محب الدین صاحب اپنی جگہ بیٹھ گئے اور مجھ سے فرمایا۔ "میاں ظفر مولانا خلیل احمد صاحب تو نور ہی نور ہیں، ان میں نور کے سوا کچھ نہیں پھر فرمایا کہ میں نے مولانا رشید احمد صاحب کو نہیں دیکھا اور مجھ سے کہا گیا ہے کہ قطب الارشاد تھے مگر میں نے مولانا کے خلفا۔ کو دیکھ کر سمجھ لیا کہ واقعی وہ قطب الارشاد تھے جو ایسے ایسے کامل بنا گئے میں نے جرأت کر کے دریافت کیا کہ مولانا عبدالرحیم صاحب کیسے ہیں، فرمایا بڑے قوی النسبت ہیں کہ ان کے پاس جا ہے کوئی کیسا ہی دل لے کر آئے سب جھاڑ جھنکاڑ کو یکدم صاف کر دیتے ہیں۔"

۱؎ تذکرۃ الخلیل صفحہ ۳۵۴

www.abulhasanalinadwi.org

بلند و بالا شخصیت

اس سے پہلے کہ میں حضرت مولانا کے صفات و کمالات کا علیحدہ ذکر کروں جن سے ان کے بلند کردار اور سیرت پر روشنی پڑے ضروری سمجھتا ہوں کہ ان کی بلند و بالا شخصیت کے متعلق اس دور کے ایک بڑے صاحب دل اور فقیہہ و محدث حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی نور اللہ مرقدہٗ کے وہ بلند الفاظ نقل کر دوں جو انھوں نے حضرت مولانا کے حالات زندگی بیان کرتے ہوئے ان کی شخصیت کے متعلق استعمال کئے ہیں وہ فرماتے ہیں۔

"هو الثقة الثبت، الحجة، الحافظ، الصدوق محی السنة السنية، قامع البدع الشنيعة شعاره طريقة رسول الله ودثاره التقوى ومخافة الله، لا يخاف فی الله لومة لائم، ولا يزعجه عن الطريق القويم مهابة غوی الظالم حاز قصبات السبق فی ميدان الفضل والكمالات فاعيى الاقران ونشر الوية الجهاد فی سبيل الله بالحجج والبينات فابكم كل متشدق لسان، تبعث من افاداته عيون العلم والنهی وتفجرت من افاضاته انهار الاحسان والتقی اشرقت اراضی التحديث بانوار روايته وتلألأت افلاك التفقه باضواء درايته، ابوحنيفة زمانه وشبلی

وہ ثقہ، معتمد علیہ، حافظ حدیث اور صدوق و صفا میں بلند مرتبہ پر فائز ہیں۔ (ثقہ، ثبت، حجت، حافظ اور صدوق ہیں) سنت کی ترویج و احیاء کرنے والے اور بدعت کچلنے اور مٹانے والے ہیں، طریقہ نبوی صلعم ان کا شعار ہے، تقوی اور خوف خدا ان کا لباس ہے خدا کے دین کے بارے میں کسی ملامت کرنے والے سے وہ خوف نہیں کھاتے، ظالم اور گمراہ شخص کی ہیبت ان کو صراط مستقیم سے روگرداں نہیں کرتی، فضل و کمال کے میدان میں وہ سب سے آگے نکل گئے اور ہمعصروں کو پیچھے چھوڑ دیا، راہ خداوندی میں دلائل و بینات کی بنیاد پر جہاد کے پرچم بلند کئے اور ہر ایک زبان فصاحت و بلاغت کا مظاہرہ کرنے والے کی زبان گنگ کر دی انکے افادات سے علم کے چشمے ابلے، انکے فیوض و برکات سے تقوی اور تصوف و احسان کی نہریں

www.abulhasanalinadwi.org

عصره ود ورانه مولانا ابو ابراهيم خليل احمد الايوبي الانصاري نسبًا ومحتدًا والحنفي الرشيدي مشربًا ومذهبًا والجشتي القادري النقشبندي السهروردي طريقةً ومسلكًا لازالت بحار فيضه زاخرة على ممر الليالي والايام وشموس افاداته لامعة على رؤس الخلائق والانام[1]

پہونچیں درس حدیث کی زمین ان کی روایات حدیث کے انوار سے درخشاں ہوگئی اور فقہ کے افلاک ان کی درایت اور تفقہ سے جگمگا اٹھے وہ اپنے زمانے کے ابو حنیفہ اور اپنے دور کے شبلی تھے یعنی مولانا ابو ابراہیم خلیل احمد ایوبی انصاری النسب، مسلکاً حنفی، مشرباً رشیدی، طریقت وسلوک میں چشتی قادری، نقشبندی، سہروردی، تاقیام گردش لیل ونہار انکے فیوض وبرکات کے سمندر موجزن رہیں اور ان کے افادات کے نیر تاباں، تمام مخلوقات اور تمام انسانوں کے سروں پر درخشاں رہیں۔

حضرت مولانا کے حالات زندگی بیان کرتے ہوئے اور ان کے علمی کارناموں کا ذکر کرتے ہوئے اخیر میں حضرت مدنی لکھتے ہیں۔

ولم يزل حضرته، دام مجده مجدًا في نشر العلوم واحياء الدين وتقويم ما تعوج من امور الاسلام والمسلمين علما مضيئا للطلبة والسالكين ناصحا مخلصا للامة المحمدية اجمعين اماما لهداة والعالمين خادما للعالم الانساني والمهتدين، عاضًا بالنواجذ على سنن سيد المرسلين عليه افضل صلوات المصلين واكرم تسليمات

حضرت دام مجدہ مسلسل علوم کی نشر واشاعت دین کے احیاء، اسلامی امور اور مسلمانوں کے حالات میں پیدا ہونے والے بگاڑ کی اصلاح میں لگے ہیں، طلبہ وسالکین کے لئے روشن نشان راہ ہیں، امت محمدیہ کے سچے مخلص، خیرخواہ، علماء اور اصحاب رشد وہدایت کے امام، عالم انسانی اور ہدایت پانے والوں کے خدمت گزار رسول اللہ کی سنتوں کو مضبوطی سے تھامے ہوئے، اسلاف کرام کے طریقہ کار کے پیرو کمینوں کی ایجاد کردہ

---

[1] بذل المجہود المؤلف ۲۶

www.abulhasanalinadwi.org

المسلمين، متبعاً لما كان عليه السلف الكرام، مجتنبا عن جميع ما نشر عقده الشام مستنميا اوقاته فى ارضاء المفضل المنعام وعبادات رأسه حتى تتعل المصاجع بالنيام زهادات شاقة على النفس والشيطان واحتسابات تزيل الغفلة وتوقظ الوسنان و مراقبات تديم الشهود والاحسان واذكار تنور الجسد والجنان تسبك لعملة الطريقة وارشاد لطمأة خمور العشق والحقيقة دائلة ما قيل

...شغول سے اجتناب کرنے والے منعم وانعام کرنے والی ذات کی خوشنودی میں اوقات صرف کرنے والے اور اعلیٰ عبادتوں میں اس وقت مشغول رہنے والے جب سونے والوں کے بستر بوجھل ہوتے ہیں نفس اور شیطان پر نہایت شاق ریاضتوں اور خوابیدہ غفلت کو زائل کرنے والے اور خوابیدہ کو بیدار کرنے والے محاسبوں، حضوری اور کیفیات احسانی برقرار رکھنے والے مراقبوں، جسم وقلب کو منور کرنے والے اذکار راہ طریقت کے طالبکاروں کو سلوک کے منازل طے کرانے عشق اور معرفت حقیقت کی شرابہائے طہور کے پیاسوں کو ارشاد وہدایت دینے میں اپنے اوقات بسر کرتے ہیں انہیں جیسے لوگوں کے لئے کہا گیا ہے۔

يبيت يشد يا سحر الا يانى

وہ جاگ کر راتیں کاٹ دیتا ہے

وصان لسانه عن كل افك

دروغ گوئی بیہودہ سرائی سے زبان کو پاک رکھتا ہے

يغض عن المحارم والملاهى

منہیات اور لہو ولعب سے دور رہتا ہے

وصام نهاره لله خيفة

خالصتاً لوجہ اللہ دن کو روزہ رکھتا ہے

ومر ات جو رحمة عليه

اور اعضاء بدن ہمیشہ حفت کا دامن تھامے رہتے ہیں

ومر الا الله له وظيفة[1]

اور رضائے الٰہی اس کا وظیفہ اور اس کی ڈیوٹی ہے

---

[1] ترجمة المؤلف بذل الجهود صفحه ۳۳

حضرت مولانا جب [illegible]ھ میں حج کے لیے تشریف لے گئے تھے تو حرمین کے کئی ممتاز علماء سے سند حدیث بھی لی تھی اور حرم شریف میں درس بھی دیا تھا۔ ان ممتاز علماء میں اس وقت کے مفتی شافعیہ حضرت الشیخ احمد برزنجی تھے جو مدینہ منورہ میں مقیم تھے اور ان کی طرف اہل علم کا رجوع عام تھا۔ انھوں نے جب حضرت مولانا کو سند حدیث دی تو بڑے بلند القاب کے ساتھ حضرت مولانا کو یاد کیا وہ خود حضرت مولانا کی شان میں حسب ذیل الفاظ استعمال کرتے ہیں۔

صاحب الفضل والسماحة والمحامد لوجاهة الهمام الورع والتقي السميدع الفائز من مدارك التقى بأوفر نصيب والحائز من مسالك الهدى للسهم المصيب [illegible] البحر الباذخ والجبل الشامخ اللوذعي العالم و العلامة الفاضل حضرت جناب الشيخ خليل احمد حفظه الله تعالى بلطفه المؤبد	صاحب فضل وجود وسخا، صاحب علم، ذی شان تقوی شعار و پاکباز، روشن دل، ذی مرتبت، مدارک تقوی سے بھرپور حصہ پانے والے، راہ ہدایت میں تیر نشانہ پر لگانے والے، عزت، شان بلند، کمال اقبال مند، بحر زخار، فصیح اللسان، صاحب ادراک، باکمال، فاضل، علامہ حضرت شیخ مولانا خلیل احمد (اللہ تعالی اپنے ابدی لطف و کرم کا انھیں ڈھانپے رہے)

جب حضرت مولانا نے اپنی مشہور تصنیف "بذل المجہود شرح سنن ابی داؤد" لکھنی شروع کی تو اس پر ہندوستان اور عرب کے مشہور علماء اور ادباء و محدثین نے تقاریظ لکھیں اور کتاب و صاحب کتاب کو اپنا اپنا خراج تحسین اور خراج عقیدت پیش کیا راقم سطور یہاں پر ہندوستانی علماء اور اہل نظر کے وہ الفاظ نقل کرتا ہے جو آپ کی شان میں تحریر کئے گئے۔

مولانا اعزاز علی صاحب شیخ الادب دار العلوم دیوبند تحریر کرتے ہیں،

لہ مجموعہ مسلسلات مرتبہ

www.abulhasanalinadwi.org

المولى الحاج الشيخ السيد السند خليل احمد الذى تشرفت الاقطار والاماكن بذكر وصفه وتعطرت من طيب عرقه، سحاب علم اخصب الهند بدوام ديمه وبحر المواج لا يوتى الا ليقتبس من علمه وكرمه، مشهور صيته بين الاكابر والاعيان معمور حلقة درسه من الشيب والشبان علا قدره واشتهر بالحسن الجميل ذكره، اكرم به عالمًا عاملًا واماما لم يزل يلحم فضلا ويسدى نائلًا كم له من آثار مشهورة، ومناقب ماثورة، وحجات مبرورة[1]

مولانا الحاج سردار اتقیا اور سند اصفیا خلیل احمد جن کے اوصاف کے تذکرہ سے بلاد واماکن نے عزت و شرف حاصل کیا اور جن کے پسینہ کی خوشبو سے معطر ہو گئے وہ علم کا بادل ہیں جس کے مسلسل برسنے سے سرزمین ہند سرسبز و شاداب ہے، وہ موجزن سمندر ہیں جس کے پاس علم و فضل کو لینے آیا جاتا ہے اکابر و اعیان میں ان کی شہرت ہے جوانوں اور بوڑھوں سے ان کا حلقہ درس معمور ہے، ان کا ستارۂ اقبال بلند ہوا ان کا ذکر خیر گھر گھر ہوا، کیسے قابل فخر و قابل عزت وہ عالم و امام اور عمل کرنے والے ہیں، افضال و انعام کے ہمیشہ وہ تانے بانے تیار کرتے رہے کتنے ان کے مشہور کارنامے ہیں، کتنے ان کے مناقب ہیں اور کتنے ہی مبرور حج ہیں۔

حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب لکھتے ہیں۔

فهامة زمانه، امام اوانه، المتكلم الفائق على اقرانه، المولى الهمام العالم الاوحد الشيخ السيد السند مولانا خليل احمد[2]

اپنے زمانہ کا فہیم و دانا، اپنے وقت کا امام اپنے مقابل پر فائق، متکلم اسلام، بلند مرتبہ یگانۂ روزگار عالم مولانا السید السند خلیل احمد۔

مولانا انور شاہ صاحب کشمیری آپ کو "المولى الهمام العلام العارف، الفقيه المحدث شيخنا وشيخ الفقه والحديث مسند الوقت" (آقا و سردار، علامہ، عارف باللہ

---

[1] [2] تقاریظ بذل المجہود جلد اول

www.abulhasanalinadwi.org

فقیہہ و محدث، ہمارے شیخ، شیخ فقہ و حدیث اور مسند الوقت) کے القاب سے یاد کرتے ہیں۔

مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی نے آپ کی شان میں جو قصیدہ کہا چلتے چلتے وہ بھی ملاحظہ کر لیجئے۔

مولای سیدنا الخلیل المقتدی — غوث الزمان بکل یوم ثبور
میرے آقا، ہمارے سردار و مقتدی مولانا خلیل احمد — ہر ہلاکت و بربادی کے وقت غوث زمانہ

زاکی النجار سلالۃ الانصار — حلو الشمائل جابر المکسور
پاک نسب، انصار کے چشم و چراغ — شیریں خصال، غمخوار اور شکستہ دل کی دلبستگی کرنیوالے

بحر الندی علم الھدی بطل الوغی — یمحو الضلال بصارم مشھور
بحر جود و سخا، منارہ ہدایت، میدان کارزار کے ہیرو وہ — بے نیام تیز تلوار سے ضلالت کو مٹاتے ہیں

کشاف معضلۃ العلوم باسرھا — شیخ الوریٰ خلال کل عسیر
تمام علوم کی پیچیدگیوں کے گرہ کشا — مرشد خلق، ہر مصیبت اور تنگ حالت کے لئے حل پیش کرنیوالے

روی الانام بفیضہ متواترا — بلغ العلی بجھادہ المبرور
ہمیشہ انکے فیض سے ساری خلق سیراب ہوتی رہی — اور اپنی مبارک کوششوں سے وہ بلندیوں تک پہنچے

ان اشعار کے بعد "بذل المجہود" کی تعریف و توصیف میں چند اشعار اور ہیں جو طوالت کی وجہ سے چھوڑے جاتے ہیں۔

علمائے عرب و عجم کے ان تاثرات کو پڑھ کر بخوبی اندازہ ہوسکتا کہ حضرت مولانا کی شخصیت کتنی بلند و بالا اور شان کتنی عالی تھی۔

اب ہم حضرت مولانا کے مختلف اوصاف و کمالات کا الگ الگ ذکر کرتے ہیں

www.abulhasanalinadwi.org

اتباعِ سنت

حضرت مولانا کا سب سے بڑا وصف کمالِ اتباعِ سنت تھا کہ آپ زندگی کے ہر شعبہ میں خواہ وہ عبادات سے تعلق رکھتا ہو یا معاشرت سے قدم قدم پر سنت نبوی کی پیروی فرماتے اور کسی حال میں بھی اس بارے میں سرمو فرق نہیں آنے دیتے تھے، سنن و نوافل کا بھی بڑا اہتمام فرماتے، ہر وقت باوضو رہتے، عموماً سنتیں مکان پر ادا کرتے، آپ نماز کے ہر جزو میں سنت و استحباب کی رعایت کرتے ایک بار فرمایا کہ "جمعہ کے دن فجر کی نماز میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت تھی کہ الٓمٓ تنزیل السجدہ اور سورۃ الدھر پڑھا کرتے تھے شافعیہ نے تو اس کا واجب کی طرح التزام کر لیا ہے کہ کبھی ترک ہی نہیں کرتے اور حنفیہ نے اس کے ترک کا التزام کر لیا کہ کبھی نہیں پڑھتے دونوں فعل سنت کے خلاف ہیں، اولیٰ یہ ہے کہ جمعہ کے دن ان کو اکثر پڑھا جائے احیاناً ترک بھی کر دے۔"

آپ نماز میں کامل خشوع و خضوع اختیار کرتے، مولوی عبد اللہ جان لکھتے ہیں۔

"ایک خاص واقعہ جو میں نے حضرت کے متعلق ہمیشہ نوٹ کیا اور وہ میرے دل پر نہایت موثر رہا ہے یہ ہے کہ ادائے نماز کی حالت میں بمصداق کانک تراہ حضرت پر وقار اور خشوع و سکینہ کی ایک خاص حالت طاری رہتی تھی بحمد اللہ بچپن سے میری تعلیم و تربیت اور نشست و برخاست علماء کرام کی صحبت میں رہی ہے مگر حضرت کے سوا میرے ذہن میں اور کوئی مثال نہیں جس کو حضرت کی نماز کے مماثل کہہ سکوں"

حضرت مولانا کے نماز میں خشوع و خضوع اور کمال اتباع سنت کے متعلق مولانا عاشق الٰہی صاحب میرٹھی لکھتے ہیں۔

"حضرت کی نماز جس نے بھی دیکھی وہ کہہ سکتا ہے کہ شاید عمر بھر ایسی نماز نہ دیکھی ہوگی قیام کی حالت میں کیا مجال کہ ادھر اُدھر میلان ہو سیدھے ایسے سکون کے ساتھ کھڑے ہوتے تھے کہ حرکت نام کو نہ تھی پھر قیام بھی

www.abulhasanalinadwi.org

طویل ہوتا تھا اور عمر بھی ضعیفی و پیری کی تھی مگر آپ کا سکون دیکھ کر جوانوں کو شرم آتی تھی۔

ہر چند پیر و خستہ و بس ناتواں شدم
ہر گہ نظر بسوئے تو کردم جواں شدم

اس کے بعد رکوع بھی موافق سنت، سجدہ بھی موافق سنت، ہر رکن میں پوری تعدیل اور ہر جزو میں کامل سکون، سنن و آداب و مستحبات کی پوری رعایت کرتے جی چاہتا تھا حضرت کی نماز کو دیکھے جاؤں اور کتابوں میں جو تفصیل پڑھی ہے اس کا مجموعہ مفصل نظر میں ڈال لوں۔"

اپنے اس تاثر کا ذکر کر کے مولانا میرٹھی نے ایک ایسا واقعہ لکھا ہے جس کو پڑھ کر یہ تاثر بھی دل میں پیدا ہوتا ہے کہ آپ کی نماز صرف اپنوں کو ہی اپیل نہیں کرتی تھی، بلکہ جو بھی دیکھتا تھا خواہ وہ مسلمان ہو یا کافر متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا تھا وہ واقعہ یہ ہے

ایک بار آپ سفر میں تھے۔ اسٹیشن پر ظہر کی نماز کا وقت ہوا اور جماعت کا انتظام کیا گیا۔ آپ نے ظہر کی سنتیں حسب عادت کمال اعتدال کے ساتھ پڑھیں اور پھر فرضوں کی جماعت ہوئی چند انگریز بھی نماز کے منظر کو دیکھ رہے تھے جماعت سے فارغ ہو کر سب نے سنتوں کی نیت باندھی اور جب اس سے فارغ ہو گئے تو ایک انگریز نے ایک نمازی سے پوچھا کہ تم کس کی نماز پڑھ رہے ہو؟ کہا خدا کی نماز پڑھتے ہیں انگریز نے حضرت کی طرف اشارہ کر کے پوچھا اور یہ کس کی نماز پڑھ رہے ہیں؟ کہا یہ بھی خدا کی نماز پڑھتے ہیں تو وہ انگریز بے ساختہ بولا کہ ہاں یہ پادری تو بے شک خدا کی نماز پڑھتا ہے مگر تم خدا کی نماز نہیں پڑھتے معلوم نہیں کس کی پڑھتے ہو۔[1]

۱؎ تذکرۃ الخلیل ص ۲۲۲

www.abulhasanalinadwi.org

آپ کا اتباعِ سنت صرف عبادات تک محدود نہ تھا بلکہ معاشرتی امور ہوں یا عادات و اطوار ان سب میں آپ کا طریقہ، کار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی اور آپ کے اسوۂ حسنہ کو اختیار کرنے کا تھا، جب آپ بھاولپور میں تھے اس وقت آپ کی عمر ۲۵، ۲۶ سال کی تھی مگر اتباعِ سنت میں آپ کا درجہ سب سے بلند اور ممتاز تھا، ایک مرتبہ بھاولپور کے دورِ قیام میں کسی افسر نے افطار کی دعوت کی جس میں حکومت کے ارکان، عمائد، اور معزز حضرات بھی مدعو تھے میز اور کرسیوں کا انتظام تھا، ارکان حکومت میں اکثر حضرات پہلے سے ہی آکر کرسیوں پر بیٹھ گئے تھے، تھوڑی دیر میں حضرت مولانا اپنے خدام کے ساتھ تشریف لائے منظر کو دیکھا اور نہایت سادگی اور بے تکلفی کے ساتھ ایک طرف دری پر بیٹھ گئے اور فرمایا "اسلام میں کھانے پینے کا طریق یہی ہے کہ فرش پر بیٹھ کر کھایا جائے میز و کرسی کی ضرورت نہیں" حضرت مولانا کے اس قول و عمل کے بعد کسی کی بھی ہمت نہیں ہوئی کہ وہ اعتراض کرے بلکہ اس کا اثر یہ پڑا کہ سارے حضرات آپ کے ارد گرد آکر بیٹھ گئے اور سنت کے موافق دستر خوان بچھا اور سب لوگوں نے سنت کے مطابق بیٹھ کر افطار کیا۔

معمولی سے معمولی باتوں میں آپ سنت نبوی کا اہتمام فرماتے اور دوسروں کو تاکید فرماتے کہ وہ ہر موقعہ پر سنت کا اہتمام فرمائیں۔ کھانا کھانے سے پہلے اگر کوئی ہاتھ نہ دھوتا اور یہ کہتا کہ میں ابھی وضو کر کے یا غسل کر کے آیا ہوں یا میرے ہاتھ صاف اور پاک ہیں تو آپ فرماتے۔

"یہ تو کھانے کی سنت ہے طہارت یا نظافت کے لئے نہیں ہے مسلمان جب کھانا کھاوے تو بہ نیت ادائے سنت اول بھی ہاتھ دھووے اور بعد میں بھی۔"

مولانا عاشق الٰہی صاحب میرٹھی آپ کے اتباعِ سنت کے متعلق لکھتے ہیں۔

"ہر امر میں اتباعِ سنت آپ کی عادت تھی کہ کسی وقت بھی ذہول نہ ہوتا تھا، مدرسہ کی ایک ضرورت کے لئے آپ نے بندہ کے ساتھ ایک بار مولوی یحییٰ صاحب

www.abulhasanalinadwi.org

سہارنپور کو کلکتہ بھیجا تو میرے نام تحریر فرمایا، السلام علیکم قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یسروا ولا تعسروا وبشروا ولا تنفروا وتطاوعا ولا تختلفا ۔ والسلام خلیل احمد عفی عنہ[1]

اتباع سنت کے سلسلہ میں آپ سے بہت واقعات ثابت ہیں جن کی تفصیل کی گنجائش نہیں، سفر میں، حضر میں، خلوت میں جلوت میں، ہمیشہ آپ سنت کی پیروی کرتے اور ہر ہر عمل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت و شیفتگی کا ظہور ہوتا، مختصراً یہ کہ آپ کی پوری زندگی سنت کے مطابق گزری۔ سلام کرنے میں آپ پہل کرتے کوئی اگر جواب نہ دیتا یا دیتا تو آہستہ اس کے اس طرز عمل سے آپ ناراضگی کا اظہار کرتے اور فرماتے کہ "سلام کا جواب دینا واجب ہے"۔ گھر میں تشریف لے جاتے تو دروازہ پر کھڑے ہو کر فرماتے آؤں اور جب پردہ ہو جاتا تو السلام علیکم کہہ کر داخل ہوتے عورتوں میں مسنون سلام کا رواج کم تھا، آپ اس کی اصلاح فرماتے کہ سلام کا جواب کیوں نہیں دیا عورتیں جواب دیتیں کہ شرم آتی ہے آپ فرماتے دین میں شرم کیسی؟ یہ تو ضعف ایمان ہے اس کا نام شرم کس نے رکھا آپ کی کوشش سے سلام مسنون کا رواج عام ہو گیا اور عورتیں بھی مسنون سلام (السلام علیکم) کرنے لگیں۔

ایسا بہت کم ہوتا کہ کوئی دوسرا سلام کرنے میں سبقت لے جائے اکثر آپ ہی سلام کرتے، مولانا عاشق الٰہی صاحب لکھتے ہیں۔

"ایک مرتبہ آپ سلام کرتے ہوئے گھر میں تشریف لائے تو عورتوں نے بجائے وعلیکم السلام کے السلام علیکم کہا گویا پیر کو خود سلام کیا فرمایا کیوں ہمارا سلام قابل قبول نہیں تھا جو اس کا جواب نہ دیا عرض کیا حضرت جھوڑں

---

[1] تذکرۃ الخلیل ص ۳۴۲

www.abulhasanalinadwi.org

کو سلام میں ابتدا کرنا چاہیے۔ ہم کوشش کرتے ہیں کہ حضرت کے آتے ہی خود سلام کریں گے مگر حضرت اس کا موقع ہی نہیں دیتے اور ہم اپنے ۶۰م بد جلوی سے السلام علیکم کہتے ہیں۔ فرمایا اس میں چھوٹا بڑا کیا تھا، سنت تو یہ ہے کہ آنے والا اول سلام کرے اس لئے اس کا جواب دو وعلیکم السلام[1]

عشق رسول حضرت مولانا کو عشق رسول اور محبت نبوی کا وافر حصہ ملا تھا اور اس کا اظہار قدم قدم پر ہوتا تھا، یہی وہ عشق نبوی تھا جو بار بار آپ کو دیار محبوب لے جاتا تھا اور اس تمنا کے ساتھ لے جاتا تھا کہ مرنے کے بعد بھی جوار نبی نصیب ہو۔

تمنا ہے درختوں پر ترے روضہ کے جا بیٹھے
قفس جس وقت ٹوٹے طائر روح مقید کا

کبھی آپ کی آرزو و تمنا شیخ عبدالرحیم البرعی کے اشعار میں ڈھل جاتی اور دہن مولف کشا ہوتا۔

ومن لی ان ازورک بعد بعدٍ صباحا یا محمد او مساء
واشم تربة نفحت عبیرا وانظر قبة ملئت ضیاء

یہی وہ جذبۂ عشق و محبت تھا جس نے ایسے فتنہ و فساد کے دور میں مدینہ منورہ پہنچایا، جب مدینہ منورہ کے راستہ میں بدامنی پورے شباب پر تھی اور راستہ اتنا خطرناک اور اتنا وحشت ناک تھا کہ حاجی کا مدینہ منورہ پہنچنا مشکل سے مشکل تھا۔

۱۲۹۲ھ میں جب آپ اپنے پہلے حج کے ارکان ادا کر چکے اور مدینہ منورہ تشریف لے جانا چاہا تو حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی نے ارشاد فرمایا کہ مولوی خلیل احمد کو کیا ارادہ ہے سنتا ہوں کہ مدینہ منورہ کے راستہ میں امن نہیں اس لئے حجاج

---

[1] تذکرۃ الخلیل ص ۳۴۲

بکثرت وطن جا رہے ہیں حضرت مولانا نے اس کا جو جواب دیا وہ آب زر سے لکھنے کے قابل ہے۔ آپ نے عشق نبوی سے سرشار ہو کر عرض کیا۔

"حضرت میرا مقصد تو مدینہ طیبہ کا پختہ ہے کہ موت کے لئے جو وقت مقرر و مقدر ہو چکا وہ کہیں بھی نہیں ٹل سکتا اور اس راستہ میں آجائے تو زہے نصیب کہ مسلمان کو اور چاہئے کیا اللہ کا فضل ہے کہ اس نے یہاں تک پہونچا دیا اب اگر موت کے ڈر سے مدینہ طیبہ کا سفر چھوڑ دوں تو مجھ سے زیادہ بدنصیب کون؟"

زبان مبارک سے یہ الفاظ نکلنے تھے کہ حضرت حاجی صاحب کا چہرہ خوشی و مسرت سے کھل اٹھا اور فرمایا۔

"بس بس تمہارے لئے یہی رائے ہے کہ ضرور جاؤ اور انشاء اللہ تعالیٰ پہنچو گے۔"

یہ شوق و ذوق اور دیار محبوب کی زیارت اور بے قراری و بے تابی عشق نبوی کا نتیجہ تھی آپ بادۂ عشق نبی سے سرشار اور اسی میں بے تاب و بے قرار رہتے بقول میر درد کے۔

لاگ گر دل کو نہیں، لطف نہیں جینے کا
الجھے سلجھے کسو کا کل کے گرفتار رہو

آپ کے عشق نبوی کا ذکر مولانا عاشق الٰہی صاحب میرٹھی اس طرح کرتے ہیں۔

"عشق رسول کی آگ آپ کی رگ رگ میں اتنا اثر کر گئی تھی کہ آپ نے بارہا عرب کا سفر صرف اسی شوق و آرزو میں کیا کہ ہر مرتبہ آپ کی ہجرت کا شور عوام کی زبانوں پر مچا آخر جب وقت آیا تو وہ پورا ہو کر رہا اور وہ آتش فراق بلقائے محبوب ٹھنڈی ہوئی جس نے آپ کو صرف ایک دروازہ کا بنا رکھا تھا۔[1]"

---

[1] تذکرۃ الخلیل صفحہ ۱۵۳

www.abulhasanalinadwi.org

کہتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ حسب معمول ایک رات مدینہ منورہ کی گلیوں میں گشت لگا رہے تھے تو ان کو ایک جھونپڑی میں روشنی نظر آئی قریب گئے تو دیکھا ایک بوڑھی عورت روئی دھن رہی ہے اور یہ گاتی جاتی ہے۔

علی محمد صلوٰۃ الابرار　　صلی علیہ الطیبون الاخیار

قد کنت قوّا مابکیً بالاسحار　　یالیت شعری والمنا یا اطوار

ھل تجمعنی وحبیبی الدار

۱۔ محمد پر پاکیزہ نفوس کا درود ہو۔ پسندیدہ منتخب حضرات کا ان پر سلام ہو۔

۲۔ میں راتوں کو جاگتی، سحر کے آنسو بہاتی رہوں اے کاش! موت کی بھی تو شکلیں ہیں۔

۳۔ کیا ہمارے حبیب سے ہم کو دار آخرت ملا دے گی۔؟

اس بوڑھی عورت کے ان دردانگیز اشعار سے حضرت عمر بھی اشکبار ہو گئے اور زار و قطار رونے لگے جب ذرا دیر کو طبیعت سنبھلی تو اُٹھے اور اس ضعیفہ کو سلام کیا اور فرمائش کی کہ پھر وہ نغمۂ پُر اثر سنائے اس ضعیفہ نے جو عشق نبوی سے سرشار تھی اور فراق محبوب میں بے قرار و اشکبار اس نغمۂ عشق و محبت کو دہرایا حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر پھر گریہ طاری ہوا جب گریہ ختم ہوا تو فرمایا بڑی بی اپنی دعاؤں میں مجھ کو بھی یاد رکھنا اس ضعیفہ خاتون نے بے ساختہ ایک مصرعہ کا اضافہ کیا۔

وعمر فاغفرلہ یاغفار (اور عمر سو اس کو اے غفار بخش)

حضرت مولانا کا حال بھی کچھ ایسا ہی تھا کہ ہر نفس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد اور آپ کے دیار مقدسہ کی آرزو آپ کے دل کو بے چین اور آنکھوں کو اشکبار رکھتی۔

اذا ھبت الارياح من نحو طيبة　　اھاج فوادی طيبھا وھبوبھا

فلا تعجبوا من لوعتی وصبابتی　　ھوی کل نفس این حل حبیبھا

جب طیبہ کی جانب سے نسیم سحر چلتی ہے تو اس کے جھونکے اور اس کی خوشبو میرے دل کو بے کل کر دیتی ہیں۔ میری سوزش دروں اور میری وارفتگی پر حیرت نہ کرو۔ ہر شخص

www.abulhasanalinadwi.org

کو وہ جگہ عزیز ہوتی ہے جہاں اس کا حبیب ہوتا ہے۔

یہی وجہ تھی کہ آپ کو دیارِ حبیب کی ایک ایک چیز سے والہانہ محبت اور خاکِ طیبہ کے ایک ایک ذرہ سے بے پناہ عشق تھا۔

مولانا عاشق الٰہی صاحب میرٹھی لکھتے ہیں۔

"مدینہ منورہ کی مٹی تک آپ کو بہت پیاری تھی، زائرین کو آپ ابیارِ سبعہ کا پانی اور ترابِ مدینہ لے جانے کی ترغیب دیا کرتے اور فرماتے کہ ان میں شفا ہے مگر ساتھ میں یہ بھی فرماتے کہ مٹی کھانا نہیں کیونکہ ناجائز ہے ہاں لیپ وغیرہ میں استعمال کرلینا"[1]

آپ کو مدینہ کی کھجور سے جو محبت تھی وہ اس لئے نہ تھی کہ وہ میٹھا پھل اور غذائیت لئے ہوتا ہے بلکہ اس لئے اس سے عشق تھا کہ وہ دیارِ نبوی کا پھل اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا محبوب پھل تھا۔ آپ اس کو بڑے شوق سے تناول فرماتے ہدیۃً بھیجتے ساتھ لے جاتے اور اس کی قدر کرنے کا حکم فرماتے مولانا عاشق الٰہی صاحب میرٹھی تحریر کرتے ہیں۔

"تمرِ مدینہ سے حضرت کو گویا عشق تھا اور ہر نوع رغبت سے کھاتے تھے بالخصوص برنی، اور ہر نوع سے پوری واقفیت رکھتے تھے کہ یہ فلاں کھجور ہے اور اس کا یہ نام ہے اور اس کی یہ خاصیت ہے، آخری قیام میں چونکہ آپ کو کھجور کا پورا موسم دیکھنا نصیب ہوا اس لئے ابھی کچی ہی تھی کہ آپ نے ایک ڈبہ میں تازہ کھجور بنوا کے کپڑا سلوا کر نام اور پتہ لکھوا کر یہاں بھیجا کہ لو تم بھی کھاؤ"[2]

غرضکہ آپ کو حضور علیہ الف الف تحیہ سے نہایت عشق و فریفتگی تھی، آپ کی

---

[1] تذکرۃ الخلیل ص ۲۹۹ [2] ایضاً ص ۲۹۱

www.abulhasanalinadwi.org

نسبت سے دیار پاک کے در و دیوار، اس کے چمن کے گل و خار سے تعلق اور آب و ہوا سے الفت تھی، مواجہ شریف پر جاتے تو ہیبت و جلال سے لرزہ براندام ہوتے آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے آہستہ رو آہستہ خو سبک خرام جاتے اور دوسروں کو بھی آہستہ آواز میں سلام پیش کرنے کو کہتے۔

رخصت کے بجائے عزیمت

حضرت مولانا کا یہ ہمیشہ سے معمول تھا کہ وہ رخصت کے بجائے عزیمت کا پہلو اختیار کرتے، نماز میں، حج میں، روزہ میں، معاشرتی امور اور معاملات میں وہ کام کرتے جن کو انجام دینے میں جوان سے جوان اور دل گردہ رکھنے والا انسان بھی ہمت چھوڑ بیٹھتا، سنن و مستحبات کا اہتمام، کامل احتیاط، تقویٰ اور ورع کا التزام آپ کی زندگی کا وہ اہم باب تھا جس کی مثال صرف اسلاف کی زندگیوں میں ملتی ہے اس سلسلہ کے چند واقعات و مشاہدات پیش نظر کئے جاتے ہیں۔

"سخت ترین گرمی اور لو کا زمانہ تھا رمضان مبارک کا مہینہ تھا حضرت اقدس مولانا خلیل احمد صاحب قدس سرہ کی طبیعت ناساز چل رہی تھی پیچش کی شدید تکلیف تھی حضرت نے کئی روز تک دوا سے افطار پر قناعت کی کوئی غذا نہیں کھائی جمعہ کا دن آیا مولوی عبداللہ جان وکیل بھی مدرسہ جمعہ پڑھنے کے لئے آئے انھوں نے دیکھا کہ چہرہ نہایت پژمردہ ہے اور ضعف و نقاہت کے آثار نمایاں ہیں، وہ تو یہ حالت دیکھ کر ستون کے پیچھے ہو کر رونے لگے، مولانا حافظ عبداللطیف صاحب (ناظم مدرسہ مظاہر علوم) نے عرض کیا کہ حضرت کا کئی روز سے فاقہ ہے، تکلیف زیادہ ہے، روزہ قضا فرما دیتے آخر فقہا نے رخصت لکھی ہی ہے اور مولوی عبداللہ جان تو رو رہے ہیں، حضرت قدس سرہٗ کا چہرہ فوراً متغیر ہو گیا اور فرمایا کہ حافظ صاحب کیسی بات کہتے ہیں ارے روزہ! اور پھر رمضان کا روزہ، پھر ارشاد فرمایا

www.abulhasanalinadwi.org

کہ اللہ تعالیٰ مقلب القلوب ہیں کہ مولوی عبداللہ جان جیسا کوہ وفا انسان بھی متاثر ہوجائے[1]

اس سے بڑھ کر اور کیا عزیمت ہوگی کہ ایسے پرمشقت کاموں اور حالات کا انکشاف بھی گوارا نہ کرتے بلکہ اظہار اس کا ہوتا کہ کوئی بات نہیں۔ اخفاء حال بھی عزیمت کا ایک بلند درجہ ہے اور یہ اسلاف ہی کا حصہ ہے اس ضمن کا ایک واقعہ مفتی محمود صاحب مولوی لطیف الرحمٰن صاحب کاندھلوی سے نقل کرتے ہیں۔

"میں (مولوی لطیف الرحمٰن) ایک مرتبہ پیالہ لے کر حضرت اقدس سہارنپوری کے دولت کدہ پر گیا حضرت کے منتظم کار حاجی مقبول احمد صاحب آئے میں نے ان سے کہا کہ مطبخ کی دال کھائی نہیں جاتی تھوڑا سا سالن دیدیجئے انھوں نے جواب دیا کہ آج تو سالن ہے نہیں، میں نے کہا کہ حضرت کے سالن میں سے دیدو انھوں نے جواب دیا کہ حضرت کا سالن بھی نہیں آج گھر میں فاقہ ہے، اس پر میں نے کہا کہ اچھا میں بازار سے حضرت کے لئے کچھ لے آؤں اس پر انھوں نے فوراً میرے پیر پکڑ لئے کہ اللہ کے واسطے ایسا نہ کرنا۔ ورنہ میری آفت آجائے گی کہ گھر کا راز کیوں ظاہر کیا لیکن گھر سے باہر جب حضرت تشریف لاتے تو بڑے اعلیٰ لباس میں کہ کسی کو ادنیٰ شبہ بھی نہ ہو کہ گھر میں فاقہ ہے۔ ایک شاہانہ انداز میں تشریف لاتے تھے۔ یہ عمدہ اور اعلیٰ لباس تو غیرت الٰہی کی وجہ سے تھا کہ صورت حال سے کسی کو شبہ نہ ہو کہ ان کے پاس ہے نہیں صورت سوال نہ بن جائے اور حق تعالیٰ کا شکوہ وشکایت نہ ہو اور گھر کا فاقہ غایت تحمل اور اتباع سنت ہے"[2]

حضرت مولانا کے احتیاط وتقویٰ اور عزیمت کا حال یہ تھا کہ جو چیز آپ ہر طرح

---

[1] آپ بیتی نمبر ۶ صفحہ ۲۱۲ [2] ایضاً صفحہ ۲۰۱

www.abulhasanalinadwi.org

استعمال فرما سکتے تھے اور رخصت کو اختیار کر سکتے تھے اس کو بھی اپنے ذاتی کاموں استعمال کرنا خلاف عزیمت اور مخالف تقویٰ جانتے تھے حضرت شیخ الحدیث صاحب ظلہ العالی فرماتے ہیں۔

"حضرت سہارنپوری نور اللہ مرقدہ ۱۳۳۴ھ میں ایک سالہ قیام حجاز کے بعد جب سہارنپور تشریف لائے تو یہ کہہ کر مدرسہ کی تنخواہ بند کر دی تھی کہ میں اپنے ضعف و پیری کی وجہ سے مدرسہ کا پورا کام انجام نہیں دے سکتا۔ مگر اب تک چونکہ مولانا محمد یحییٰ صاحب میری جگہ اسباق پڑھاتے تھے اور تنخواہ نہیں لیتے تھے وہ میرا ہی کام سمجھ کر کرتے تھے اور میں اور وہ دونوں مل کر ایک مدرس سے زیادہ کام کرتے تھے اب چونکہ ان کا انتقال ہو چکا ہے اور میں مدرسہ کی تعلیم کا پورا کام نہیں کر سکتا۔ اس لئے قبول تنخواہ سے معذور ہوں۔[1]

دوسری جگہ ارشاد فرماتے ہیں جس سے حضرت مولانا کے کمال احتیاط کا پتہ چلتا ہے۔

"حضرت سہارنپوری نور اللہ مرقدہٗ اتنے سبق پڑھاتے رہتے اتنے تو مدرسہ کی قالین پر تشریف فرما رہتے تھے لیکن جب سبق کے بعد اپنے اعزہ میں ذی وجاہت شخص سے بات شروع کی تو قالین سے نیچے اتر گئے اور فرمایا کہ مدرسہ نے یہ قالین ہمیں سبق پڑھانے کے لئے دیا ہے ذاتی استعمال کے لئے نہیں۔

مدرسہ میں حضرت کی چارپائیاں مستقل علیحدہ دو رہتی تھیں، مدرسہ کی چارپائی یا بستر پر میں نے آرام فرماتے یا بیٹھتے نہیں دیکھا۔[2]

مدرسہ مظاہر العلوم میں ہر طرح کے لوگ آیا کرتے تھے علماء و مشائخ بھی اور

---

[1] آپ بیتی نمبر ۶ ص ۲۰۹ [2] ایضاً

www.abulhasanalinadwi.org

ر وسا. وامرا ء بھی جب بھی کوئی عالم یا دینی حیثیت سے قابل ذکر شخصیت آتی تو حضرت
ولانا مدرسہ دکھانے خود ساتھ رہتے، اس کا اکرام کرتے لیکن اگر کوئی امیر اور دنیا دار
یا عہدہ دار آتا تو آپ کی غیرت وحمیت دینی اور عزیمت اس بات سے ابا کرتی کہ
آپ اس کی تعظیم کریں اور اس کی خاطر داری کریں یہ پہلو عزیمت کا وہ پہلو ہے جس میں
علماء تک رخصت اختیار کر لیتے ہیں لیکن آپ کا ایسے موقع پر کیا طور وطریقہ رہتا وہ
سنئے! حضرت شیخ الحدیث صاحب مدظلہ تحریر کرتے ہیں۔

"مدرسہ مظاہر علوم میں بھی بسا اوقات کلکٹر وغیرہ اپنی انتظامی مطالح سے
آتے رہتے تھے میں نے اپنے حضرت قدس سرہ کو کبھی مدرسہ کے دروازہ تک
یا اس کے اندر آنے پر اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے نہیں دیکھا حضرت مہتمم صاحب
نور اللہ مرقدہ اور ان کے ساتھ ایک آدھ مدرس اور منتظم دفتر باہر ہی
نمٹ لیتا تھا۔[1]

عبادات خصوصاً نماز میں آپ کا درجۂ عزیمت کہیں بڑھ جاتا تھا اور آپ وہ مجاہدہ
رماتے جو اصحاب دعوت وعزیمت ہی کا حصہ ہے، مولانا عاشق الٰہی صاحب میرٹھی
لکھتے ہیں۔

"نماز تو آپ کی ہر جگہ قرۃ العین تھی پھر کیا پوچھنا نماز مسجد الحرام کا کہ آپکے
صدہا رفیقوں میں کوئی ایک بھی نہیں بتا سکتا کہ فلاں نماز میں آپ کی تکبیر
تحریمہ یا صف اول امام کی جانب یمین آپ سے فوت ہوئی ہو، سخت گرمی میں
جبکہ فرش صحن پر پاؤں رکھنے سے چھالے پڑتے تھے آپ ظہر میں انگلیوں کے
بل تیز چل کر مصلّی حنفی پر پہنچتے اور صف اول میں امام کا قرب لیا کرتے تھے
مجھے خوب یاد ہے ایک مرتبہ بعد مغرب بارش خوب زور کی ہوئی اور رفقاء

---

[1] آپ بیتی نمبر ۶ صفحہ ۲۲۳

www.abulhasanalinadwi.org

کی زبانوں پر آیا الاصلوا فی الرحال پر عمل کا وقت حق تعالیٰ نے دکھایا، مگر حضرت نے اذان کی آواز کان میں پڑتے ہی مجھ سے فرمایا چلو بھائی نماز کو، ہر چند کہ میری ہمت بھی پست تھی مگر لالٹین ہاتھ میں لے کر ساتھ ہو لیا اور حضرت نے پانی سے بھرا ہوا لوٹا ہاتھ میں اٹھا لیا، میں بالکل نہ سمجھا کہ باوضو ہوتے ہوئے اس کی کیا ضرورت ہے مگر حضرت نے فرمایا ممکن ہے پاؤں کو کیچڑ لگے اس لئے دروازہ پر پاؤں دھولیں گے کہ حرم شریف ملطخ نہ ہو اس سے قبل مجھے مکہ کی کیچڑ اور بارش کا منظر دیکھنے کا کبھی اتفاق نہ ہوا تھا نیچے اتر کر سڑک پر آئے تو زمین پاؤں کو پکڑے لیتی تھی ہر قدم پر میری تمنا ہوتی تھی کہ کاش حضرت رخصت پر عمل فرمادیں اور سمجھتا تھا کہ حضرت بھی اس تکلیف کو برداشت نہ کرسکیں گے مگر ہر قدم حضرت کا مجھ سے آگے رہا، ہر ایک کے سر پر چھتری جدا تھی اور میرے ہاتھ میں لالٹین تو حضرت کے ہاتھ میں پانی کا بھرا لوٹا بازار ختم ہوا تو سڑک پر تا دیوار مسجد الحرام پچیس ۲۵ تیس ۳۰ فٹ پھاٹ کا دریا بہہ رہا تھا اور اس زور سے پانی چل رہا تھا کہ دیکھ کر ڈر معلوم ہوتا تھا، یہاں حضرت ٹھہرے اور میں سمجھا کہ اب واپسی کا حکم فرمائیں گے مگر حضرت بولے چھتریاں تو اب بند کرلو اور پائنچے لو چڑھا، جوتے لے لو بغل میں اور ایک دوسرے کے ہاتھ میں ہاتھ ڈال لو کہ سنا ہے رَو میں پتھریاں آتی ہیں اور گرجانے کا ڈر رہتا ہے وہ پیارا منظر بھی اب تک نظر کے سامنے ہے کہ برہنہ پا گھٹنوں تک پائنچے چڑھائے قینچی کی طرح باہم ہاتھ ملائے چھتریاں بازو پر لٹکائے چلے اور بسم اللہ مجریہا کہہ کر رَو میں قدم ڈال دیئے چونکہ نشیب کا رخ تھا اس لئے چھوٹی بڑی کنکریاں پانی کے ساتھ بہتی ہوئی اس زور سے آتی تھیں جیسے مٹھیاں بھر کر کوئی گولیاں مارتا ہے آگے بڑھے تو گھٹنوں

www.abulhasanalinadwi.org

تک پانی آگیا اور قریب تھا کہ میرا پاؤں پھسلے مگر حضرت نے بازو تھام رکھا تھا کہ گرنے نہ دیا اور خدا خدا کر کے باب الصفا پر چڑھے وہاں پہنچ کر پہلی سیڑھی پر اول پاؤں دھوئے اور پورب کی الماری میں جوتے رکھے اس کے بعد بسم اللہ اللھم افتح لی ابواب رحمتك پڑھ کر حضرت نے مسجد میں قدم رکھا اور میں حضرت کا اتباع کرتا رہا۔[1]

حضرت مولانا کی زندگی میں اس طرح کے واقعات بکثرت پیش آتے رہے کہ آپ نے رخصت کے بجائے عزیمت پر عمل کیا اور کسی وقت کسی سخت سے سخت موسم میں بھی عزیمت سے پہلوتہی نہیں کی آپ جب حج کو تشریف لے گئے تو گرمی کے موسم میں ایک بار مکہ مکرمہ میں قیام کیا سخت گرمی تھی لُو چل رہی تھی، پہاڑ تپ رہے تھے لوگ مجبور ہو کر طائف جا رہے تھے کہ گرمی اور لُو برداشت کے باہر تھی۔ آپ سے آپ کے متوسلین اور رفقاء نے عرض کیا کہ آپ بھی چند دنوں کے لئے طائف جو ٹھنڈا مقام ہے تشریف لے چلئے مگر آپ نے ارشاد فرمایا۔

"بھئی ہندوستان چھوڑ کر تو مسجد حرام ہی کی خاطر آئے ہیں اس کو چھوڑ کر طائف جائیں تو ہندوستان ہی چھوڑنا کیا ضرور تھا سیر کے لئے تو وہاں بھی شملہ و منصوری موجود ہے ہم تو کہیں جاتے نہیں دکھ سکھ گذر ہی جائے گی۔"

حق گوئی

اظہار حق اور جرأت و بے باکی حضرت مولانا کا خاص شیوہ تھا، اور آپ نے زندگی کے ہر دور میں اس سے کام لیا گذشتہ اوراق میں آپ کی زندگی کے جو حالات بیان کئے گئے ہیں آپ نے پڑھا ہے کہ جہاں بھی تشریف لے گئے اور جب بھی اظہار حق کا کوئی موقع آیا تو آپ نے ایک

---

[1] تذکرۃ الخلیل صفحہ ۳۴۱، ۳۴۲

www.abulhasanalinadwi.org

لمحہ بھی سکوت اختیار نہیں کیا۔ بھاولپور تشریف لے گئے تو اہل اثر سے لے کر اہل علم تک کسی کے سامنے بھی اظہار حق سے پہلو تہی نہیں کی غرضکہ ہر جگہ آپنے حق گوئی سے کام لیا بھاولپور کا مشہور مناظرہ، بریلی میں اہل بدعت سے اختلاف رائے سہارنپور، میرٹھ اور دوسرے مقامات میں آپکا طریقہ حق گوئی اس کی مثال ہے۔ اس سلسلے کے بیشمار واقعات ہیں آپ حج میں تشریف لے گئے تو شریف حسین کے زمانے میں شرفاء مکہ کے سامنے کلمۂ حق اور ابن سعود کے دور میں سلطان کے سامنے بعض مسائل پر جرأت اور حق گوئی و بے باکی کا مظاہرہ، قاضی ابن بلیہد سے بعض مسائل پر علمی مباحثہ آپ پڑھ چکے ہیں اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ حضرت مولانا جرأت و بے باکی میں اور احقاق حق اور ابطال باطل میں اپنے مورث اعلیٰ ابو اسماعیل عبداللہ ہروی کے قدم بہ قدم تھے آپ کا طریقہ ان اہل دعوت و عزیمت کا طریقہ تھا جن کا وظیفۂ زندگی کلمۂ حق عند سلطان جائر تھا۔ آپ اقبال کے مصرعہ ؎

کہتا ہوں وہی بات سمجھتا ہوں جسے حق

پر عمل پیرا تھے، حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی ارشاد فرماتے ہیں۔

"باوجودیکہ اس احقر کے ساتھ مساویانہ بلکہ اس سے بھی زیادہ تر برتاؤ فرماتے تھے لیکن اظہار حق کا اس قدر غلبہ تھا کہ اگر میں نے استفادۃً کوئی بات پوچھی تو اس کے جواب میں کبھی تکلف نہیں فرمایا اور کبھی از خود متنبہ فرمایا"[1]

مولانا عاشق الٰہی صاحب میرٹھی نے آپ کی حق گوئی کے کئی واقعات تحریر کئے ہیں۔

"ایک بار آپ کسی تقریب نکاح میں میرٹھ صدر تشریف لائے لڑکے والے نے درخواست کی کہ تبرکاً دولھا کو کپڑے حضرت پہنادیں آپ وہاں تشریف لے گئے

---

[1] خوان خلیل صفحہ ۸

www.abulhasanalinadwi.org

جہاں دولھا غسل کے بعد کپڑے پہننے کا منتظر کھڑا تھا بندہ بھی ساتھ تھا کرتا پائجامہ تو آپ نے اٹھا کر دے دیا اچکن کا نمبر آیا تو آپ نے کہا دیکھنا کیا ریشم کی ہے؟ میں نے غور سے دیکھ کر عرض کیا کہ حضرت ریشم ہی معلوم ہوتا ہے آپ نے اسکو رکھ دیا اور فرمایا اس کا پہننا اور پہنانا حرام ہے پھر ٹوپی دیکھی تو وہ بھی مزق اسپر حضرت نے تیز لہجہ میں فرمایا یہ بھی حرام لڑکے والے کچھ محتاط نہ تھے انھوں نے حضرت کے انکار کی پرواہ نہ کی اور خود اٹھا کر دولھا کو پہنا دیا۔ حضرت کا چہرہ غصہ سے سُرخ ہو گیا مگر تحمل فرمایا اور مجھ سے یہ کہہ کر کہ چلو وہاں سے واپس ہو گئے اب قیام گاہ پر بھی نہ آئے اور رنج وافسوس میں بھرے ہوئے حاجی وجیہہ الدین صاحب کے مکان پر آ بیٹھے فرمایا یہ کیا تعلق ہے معصیت میں شریک کرنے کو بلاتے ہیں اس نکاح میں شریک ہونے والے سب گنہگار ہوں گے جہاں دولھا حرام لباس پہنے بیٹھا ہو کر کوئی عامل ہے اور کوئی اسپر راضی یہ سن کر سب میں ہل چل مچ گئی کہ برادری کا قصہ تھا، حضرت کے ساتھ کئی لوگوں کو تعلق تھا کہ نہ حضرت کو چھوڑ سکیں نہ برادری کو، دوڑے ہوئے گئے کہ کسی طرح دولھا کے کپڑے بدلوادیں مگر بہتیرے تھے کہ جن کو نہ حضرت سے تعلق تھا نہ اتباع شریعت کا اہتمام اس لئے وہ تبدیل لباس کو نحوست اور بدشگونی سمجھتے تھے اور کہتے تھے کہ جو دولھن کے یہاں سے جوڑا آیا ہے وہی لینا ضروری ہے مگر یہ دوڑ دھوپ کرنے والے سربرآوردہ اور مدبر تھے آخر کامیاب ہوئے اور حاجی وجیہہ الدین صاحب مصری کپڑے کی بیش قیمت اپنی اچکن نکال کر جلدی سے پہنچے کہ اس سے بہتر تو دولھا کو یہ جوڑا کیا ہندوستان میں بھی کہیں نصیب نہ ہوگا وہ پہنا کر اور ٹوپی کے بجائے عمامہ بندھوا کر حضرت کے سامنے لے آئے کہ حضرت اب تو تشریف لے چلیں، اس وقت آپ اٹھے اور شریک عقد ہوئے۔[1]

---

[1] تذکرۃ الخلیل صفحہ ۳۳۴

www.abulhasanalinadwi.org

دہلی میں ایک عقد کے سلسلہ میں آپ تشریف لے گئے وہاں آپ نے دیکھا کہ دولہا کا لباس ناجائز تھا اور شریعت کی رو سے وہ لباس دولہا کے لئے حرام کے درجے میں تھا آپ نے اس نکاح میں شرکت نہیں فرمائی اور وہاں سے اٹھ کر چلے گئے حضرت شیخ آپ کے اظہار حق، غیرت وحمیت دینی کا حال اس طرح تحریر فرماتے ہیں۔

"حضرت نے دولہا کے لباس حرام ہونے کی وجہ سے نکاح میں شرکت نہیں فرمائی حکیم جمیل الدین صاحب نور اللہ مرقدہٗ کے مطب میں تشریف لا کر بیٹھ گئے اور حضرت نے کمال تاثر سے فرمایا کہ ہم لوگ اسی لئے امراکی تقریبات میں شرکت کے قابل نہیں ہیں وہ لوگ اپنی رسومات میں اتنے پختہ کہ حرام وحلال کا لحاظ نہ کریں اور ہم شریعت میں پختہ ہو کر اپنی خوشی و ناراضی کی پرواہ نہ کریں تو ہم پہ طعن کرتے ہیں اللہ کا شکر ہے کہ ہم دعوتوں کے بھوکے نہیں اور نہ کسی کی تقریب میں شرکت کی امنگ، دلداری کو بھی جی چاہتا ہے مگر اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ معصیت کے مرتکب ہوں جس کا دل چاہے ہم کو چھوڑ دے مگر ہم سے توقع نہ رکھے کہ خدا و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر ان سے ملاپ کی خواہش رکھیں گے"[1]

خلافت کے زمانہ میں ہندوستان میں انگریزوں کے خلاف ایک ایسی فضا بنی ہوئی تھی کہ کوئی شخص بھی اختلاف رائے نہیں کر سکتا تھا اچھے خاصے لوگ حکومت کی نوکریاں چھوڑ چھوڑ کر آزادی کی اس جنگ میں شریک ہو گئے تھے اور برادران وطن کے ساتھ اتحاد کامل کی آواز بلند ہو رہی تھی اور اس سلسلے میں بعض لوگ اتنا آگے بڑھ گئے تھے کہ بعض اسلامی شعائر جن کے ادا کرنے سے برادران وطن کو اذیت پہنچتی تھی ترک کرنے کا فتوی بھی صادر کیا تھا ان میں ذبح بقر بھی شامل تھا۔ آپ نے اس سلسلے میں

---

[1] آپ بیتی نمبر ۶ صفحہ ۲۳۲

www.abulhasanalinadwi.org

کوئی رو رعایت نہیں فرمائی اور حق گوئی سے کام لیا اس بات کی کوئی پرواہ نہیں کی اور اتحاد میں رخنہ پڑے گا اور موجودہ دور کی تحریک کو نقصان پہنچے گا۔ مولانا عاشق الہی صاحب آپ کی حق گوئی اور اس مسئلہ کے بارے میں آپ کا طرز عمل اس طرح تحریر کرتے ہیں۔

"خلافت کے زمانہ میں ہندو مسلم اتحاد کی کوششوں پر ذبیحہ گاؤ کے ترک کرنے کی تحریک ہوئی اور بہتیرے علماء بھی اس خیال پر چلنے لگے مگر آپ نے بلاخوف لومۃ لائم ترک کی حرمت کا فتویٰ دیا جو اخبار وکیل امرتسر ۲۶ راپریل ۱۹۱۱ء میں بھی شائع ہوا اس وقت آپ پر بہتیرا سبّ وشتم ہوا اور مشہور کیا گیا کہ آپ گورنمنٹی آدمی ہیں اور تنخواہ پاتے ہیں مگر حق آخر حق ہی ہے چند ہی دنوں بعد موافقت کرنے والوں کو رجوع کرنا پڑا اور آخر صادق آیا۔"

بجا کارے کند عاقل کہ باز آید پشیمانی

ایک مرتبہ آپ کا حضرت صابر کلیریؒ کے مزار پر جانا ہوا آپ کے ساتھ مولانا نادر حسن صاحب بھی تھے جو حضرت گنگوہیؒ سے بیعت تھے مگر آپ کے ساتھ عقیدت و محبت کا تعلق رکھتے تھے سجادہ نشین نے چلتے وقت حضرت مولانا کی خدمت میں کچھ چیزیں ہدیہ کے طور پر پیش کرنی چاہیں۔ جب وہ آپ کی طرف بڑھے آپ نے دیکھ کر فرمایا کیا بات ہے سجادہ نشین صاحب نے کہا حضرت صابر صاحب کا تبرک ہے آپ نے بغیر کسی رورعایت کے فرمایا۔ سجادہ صاحب آپ کو معلوم بھی ہے کہ مَا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللهِ ہے اس کا لینا بھی حرام اور کھانا بھی حرام یہ فرماکر آپ آگے چل دیئے اور سجادہ صاحب خاموشی کے ساتھ اپنے حجرہ میں چلے گئے۔

مندرجہ بالا واقعات نمونے کے طور پر ناظرین کے سامنے پیش کئے گئے ورنہ ان واقعات کی تفصیل جو پیش خدمت کئے گئے ہیں یا جن کا ذکر نہیں کیا گیا اتنی زیادہ ہے کہ اس کے لئے ایک الگ دفتر درکار ہے اور کچھ واقعات آپ گذشتہ مختلف بابوں میں

www.abulhasanalinadwi.org

پڑھ چکے ہیں۔

استغناء حضرت مولانا میں استغناء اور قناعت کی صفت بہت زیادہ تھی اس سلسلے کے بھی بعض واقعات گذشتہ اوراق میں آپکی نظر سے گذر چکے ہیں۔ مثال کے طور پر ایک دو واقعات اور پیش کئے جاتے ہیں۔

"بمبئی میں حج کو جاتے وقت ایک سیٹھ صاحب نے آپ کی خدمت میں سو روپیہ ملازم کے ہاتھ بھیجے کہ مجھے حاضری کی فرصت نہیں اس لئے روپیہ آدمی کے ساتھ بھیجتا ہوں قبول فرمادیں آپ نے واپس فرمادیا کہ بحمداللہ مجھے ضرورت نہیں آخر وہ خود آیا اور معذرت کی تب آپ نے قبول کیا۔[1]

حضرت شیخ الحدیث فرماتے ہیں کہ۔

"میرے حضرت نوراللہ مرقدہٗ کا معمول حجاز میں چھوٹے سے چھوٹا اور بڑے سے بڑا ہدیہ قبول فرمانے کا نہیں تھا اول تو ہدیہ دینے والے پر اصرار کرتے کہ یہاں کے لوگ ہدیہ کے زیادہ مستحق ہیں مجھے اللہ تعالیٰ نے میری ضرورت سے زائد دے رکھا ہے اگر اس پر بھی کوئی شدید اصرار کرتا تو قبول فرماکر دس روپئے سے زائد کی رقم تو اہل حرمین میں سے کسی کو دیدیتے معلم اور اس کے بچوں کو بھی حضرت قدس سرہٗ نے علاوہ ان کے حقوق لازمہ کے بڑی بڑی رقمیں جو کہیں سے آئی ہوتی تھیں اسی طرح دوسرے اکابر اور مشائخ کو بہت جلد مرحمت فرمادیتے تھے اپنے پاس نہیں رکھتے تھے اور دس روپیہ سے کم کا ہدیہ ہوتا تو وہ اسی وقت اس ناکارہ کے حوالے ہوجاتا کہ یہاں کے دوکانداروں سے کوئی چیز خرید لاؤں یہ ناکارہ اکثر انگور یا اس قسم کی چیزیں خرید کرلے آتا جو مجمع کے ساتھ حضرت بھی نوش فرماتے اور خدام کے مزے تو ہوتے ہی۔[2]

---

[1] آپ بیتی نمبر ۶ صفحہ ۲۳ [2] ایضاً صفحہ ۲۳۳

www.abulhasanalinadwi.org

حضرت مولانا کے استغنیٰ اور قناعت کا حال یہ تھا کہ بڑے سے بڑے امیر سے جس کا تعلق بھی ہوتا تھا آپ صرف نظر رکھتے اور صرف دینی فائدہ کی خاطر اس سے ملتے اور اس کے ہدیہ کو قبول کرتے حتیٰ کہ وہ حضرات جو بیعت ہوتے اور کچھ ہدیہ پیش کرتے تو آپ اس وقت اس کو قبول نہ فرماتے حضرت شیخ ارشاد فرماتے ہیں۔

"بیعت کرنے پر حضرت کی خدمت میں اگر نذر پیش کی گئی تو حضرت نے کبھی قبول نہیں فرمائی کہ صورتاً یہ توبہ کرانے کا معاوضہ بن جاتا ہے اور اس رسم کے مشابہ ہے جو آج کل دنیا دار پیروں میں چل رہی ہے ہاں اس کے بعد انس ومحبت کا تعلق پیدا ہو کر اگر کوئی قلیل سے قلیل ہدیہ بھی پیش کرتا تو مسنون طریقہ پر آپ اسے بخوشی قبول فرماتے [1]

تواضع وانکساری

حضرت مولانا میں تواضع وانکساری حد درجہ تھی اللہ تعالیٰ نے آپکو جو علمی مقام اور دینی فضیلت عطا فرمائی تھی اس کے ساتھ تواضع وانکساری کا ہونا آپ کو جامع الصفات بنائے ہوئے تھا حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی آپ کی تواضع وانکساری کے متعلق فرماتے ہیں۔

"مولانا رحمۃ اللہ علیہ میں حضرات سلف کی سی تواضع تھی کہ مسائل واشکالات علمیہ میں اپنے چھوٹوں سے بھی مشورہ فرماتے تھے اور چھوٹوں کے معروضات کو شرح صدر کے بعد قبول فرما لیتے تھے"۔ [2]

اس کے بعد حضرت تھانوی نے حضرت مولانا کی تواضع وانکساری کے کئی واقعات لکھے ہیں مولانا عاشق الٰہی صاحب نے آپ کی تواضع کا حال اس طرح تحریر کیا ہے۔

"اپنے کسی ذی علم خادم کو اگر حضرت کی رائے سے خلاف ہوتا تو حضرت اس پر

---

[1] آپ بیتی نمبر ٦ صفحہ ٢٣٢ [2] خوان خلیل

www.abulhasanalinadwi.org

گرانی نہ لاتے اور عامیانہ تقلید میں اپنی موافقت پسند نہ فرماتے تھے بلکہ انکو بلا کر گفتگو فرماتے ایک بار کسی استفتا کا جواب حضرت نے لکھوا کر دستخطوں کے لئے مدرسین کے پاس بھیجوایا مولوی ظفر احمد صاحب کو شرح صدر نہ ہوا اور دستخط نہ کئے حضرت نے ان کو بلوایا اور فرمایا اپنا شبہہ ظاہر کرو ممکن ہے ہم ہی غلطی پر ہوں ایسا ہوا تو ہم رجوع کریں گے ورنہ تم موافق ہو جاؤ گے عرض کیا کہ حضرت کے سامنے ہم جاہلوں کی ہستی کیا مگر دستخط کا مفہوم چونکہ اظہار اطمینان ہے اور وہ حاصل نہ ہوا اس لئے میں نے عذر کر دیا تھا، فرمایا یہ تو عین مقصود ہے مگر میں نہیں چاہتا کہ کوئی فتویٰ یہاں سے ایسا جاوے جس پر یونہی ہی ہیں سے کسی کو اطمینان نہ ہو چنانچہ انھوں نے شبہ عرض کیا اور حضرت نے اس کا جواب دیا دو تین بار پھر اشکال کئے اور حضرت جواب دیتے رہے حتی کہ ان کو اطمینان ہو گیا اور جب دستخط کر دیئے تب حضرت نے فتوی روانہ کیا۔ مولوی ظفر نے عرض کیا کہ حضرت اس وقت تو تفقہ حضرت والا پر ختم ہے کہ حق تعالیٰ نے اسی کے لئے حضرت کو پیدا فرمایا ہے بے ساختہ فرمایا میاں ظفر یہ سب گنگوہ کی حاضری کی برکت اور اپنے حضرت کی جوتیوں کا صدقہ ہے اگر میں گنگوہ حاضر نہ ہوتا تو نہ معلوم کس کھیت کا بتھوا ہوتا۔[1]

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مدظلہ العالی آپ کی تواضع وانکساری کے متعلق حسب ذیل تاثر کا اظہار کرتے ہیں۔

حضرت اقدس سہارنپوری نور اللہ مرقدہ کے تواضع کے قصے تو حضرت قدس سرہٗ کی خدمت میں سترہ سالہ قیام میں نہ معلوم کتنے دیکھے اس لئے کہ رجب ۱۳۲۸ھ میں سہارنپور حاضری ہوئی تھی اور ذیقعدہ ۱۳۴۵ھ میں مدینہ پاک میں حضرت

---

[1] تذکرۃ الخلیل صفحہ ۳۰۴

نور اللہ مرقدہٗ سے مفارقت ہوئی ہر ہر موقع پر تواضع وانکسار نشست و برخواست میں خوب ہی دیکھنے کے موقع ملے اسفار میں بھی بہت دفعہ ہم کابی رہی خدام کے ساتھ سامان کے اٹھانے میں ذرا بھی حضرت کو تامل نہ ہوتا تھا۔ ریل پر اترنے میں چڑھنے میں کچھ سامان حضرت نور اللہ مرقدہ بے تکلف اٹھالیا کرتے تھے خدام عرض کرتے کہ ہمیں دیدیجئے، فرماتے کردہ بڑا سامان رکھا ہے اٹھالو، دعوتوں میں بھی حضرت کے ساتھ اکثر شرکت ہوئی کبھی امتیازی جگہ پر داعی کی درخواست کے بغیر بیٹھتے میں نے نہیں دیکھا۔ کیفما اتفق تشریف رکھنے کا ارادہ کرتے مگر داعی کی درخواست پر ممتاز جگہ بیٹھنے میں بھی انکار نہ کرتے تھے[1]"

ایک مسئلہ میں حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہ اور بعض علماء کا اختلاف ہوا تو حضرت حکیم الامت نے حضرت سہارنپوری نور اللہ مرقدہٗ کو حکم بنانے پر فریق ثانی کو راضی کرلیا جسکی تفصیل خوان خلیل کے حاشیے میں موجود ہے اس پر حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہٗ تحریر فرماتے ہیں کہ۔

> اس محاکمہ کی تمہید میں مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت قابل دید ہے وہی ہذا!
> "بندہ ناچیز باعتبار اپنے علم وفہم کے اس قابل نہیں کہ علماء اعلام کے اختلاف کا فیصلہ کرسکے مگر ہاں امتثالاً للامر الشریف اس مسئلہ میں جو کچھ خیال میں آیا عرض کرتا ہے الخ — حضرت حکیم الامت نے اس کے بعد تحریر فرمایا ہے کہ تواضع اور اظہار حق میں اس طرح جمع کرنا جس درجہ کا کمال ہے ظاہر ہے ۔

حضرت مولانا ایک بار تھانہ بھون تشریف لے گئے وہاں مولانا احمد حسن صاحب سنبھلی سے ایک مسئلہ میں مکالمہ ہوگیا اور طرفین میں ذرا تیزی پیدا ہوگئی۔ جب حضرت مولانا روانہ ہونے لگے تو مولانا احمد حسن صاحب کو خود سلام کیا اور مصافحہ کا ہاتھ بڑھایا

---

[1] آپ بیتی نمبر ۶ صفحہ ۲۸۲/۲۸۳

www.abulhasanalinadwi.org

اور فرمایا اگر مجھ سے کچھ گستاخی آپ کی شان میں ہو گئی ہو تو معاف فرما دینا۔

اسی طرح بذل المجہود کی تالیف میں جب کوئی اہل علم میں سے آتا اور ایک دو دن قیام کرتا تو حضرت مولانا اہتمام کے ساتھ بذل المجہود کا مسودہ اس کے حوالہ فرما دیتے کہ غور سے دیکھیں اور کوئی چیز قابل اصلاح ہو تو ضرور متنبہ فرما دیں۔

حضرت مولانا کی تواضع وخاکساری، بےنفسی وانکسار کا ایک واقعہ حضرت تھانویؒ خوان خلیل میں اس طرح تحریر فرماتے ہیں۔

"ایک سفر میں مولانا کی معیت میں بسواری ریل بھاولپور سے واپسی ہو رہی تھی اتفاق سے اس درجہ میں صرف میں اور مولانا ہی تھے اور رفقاء دوسرے درجہ میں تھے ظہر کا وقت تھا گرمی سخت تھی اور پسینہ کثرت سے نکل رہا تھا۔ مولانا غایت تواضع اور بےتکلفی سے پنکھا ہاتھ میں لے کر مجھ کو ہوا کرنے لگے میں اس کا تحمل کب کر سکتا تھا پریشان ہو کر پنکھا پکڑ لیا فرمانے لگے کیا حرج ہے کوئی دیکھتا تھوڑا ہی ہے یہ اس لئے فرمایا تھا کہ اس وقت درجہ میں کوئی تیسرا نہ تھا میں نے عرض کیا کہ دیکھتا تو ہے فرمایا کون دیکھتا ہے میں نے کہا کہ جس کے لئے میں آپ کا ادب کرتا ہوں وہ دیکھتا ہے ہنسنے لگے اور پنکھا چھوڑ دیا۔ کیا انتہا ہے اس بےنفسی کی کہ اپنے چھوٹوں کے ساتھ یہ برتاؤ اور اس سے بڑھ کر یہ کمال ہے کہ جب دیکھا کہ طبیعت پر گرانی ہے تو اپنے ارادہ پر اصرار نہیں فرمایا۔[1]

اس کے آگے حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہٗ اپنے مشاہدات وتاثرات کا اظہار فرماتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"مجھ کو متعدد سفروں میں مولانا کی معیت کا اتفاق رہا میں بکثرت دیکھتا تھا کہ محنت مشقت کا کام کرنے میں بوجھ اٹھانے میں نہ کسی رفیق کا انتظار فرماتے

---

[1] خوان خلیل صفحہ ۱۹

www.abulhasanalinadwi.org

تھے اور نہ کسی اجیر کا، ہر کام اپنے ہاتھ سے کرنے کو آمادہ ہو جاتے تھے گو خدام اس کی تکمیل نہ ہونے دیتے تھے مگر بعض اوقات خدام سے سبقت فرما جاتے تھے۔[1]

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مدظلہ العالی سہارنپور کے جلسہ کے بعد کا ایک واقعہ تحریر فرماتے ہیں جس سے حضرت مولانا کی بے نظیر تواضع و حلم و بردباری پر روشنی پڑتی ہے۔ پہلے خود چند الفاظ تحریر فرما کر حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا تأثر لکھتے ہیں۔

"شیخ پورہ کی دعوت کا ایک قصہ جس میں یہ ناکارہ خود بھی شریک تھا اور حضرت حکیم الامت تھانوی نور اللہ مرقدہ بھی شریک تھے اس کو حضرت نے تحریر فرمایا ہے۔ تحریر فرماتے ہیں کہ ایک بار سہارنپور میں بڑے جلسہ (سالانہ جلسہ مظاہر علوم) میں جانا ہوا جلسہ سے اگلے روز شیخ پورہ والوں نے حضرت مولانا سہارنپوری اور دیگر بعض مہمانوں کو مدعو کر دیا چلتے وقت سہارنپور کے ایک تاجر جانوں نے اگلے روز صبح کی دعوت کر دی مولانا نے دعوت منظور فرمالی اور شیخ پورہ چلے گئے، شب کو وہاں رہے صبح کے وقت جھاجوں پانی پڑ رہا تھا مگر چونکہ مولانا نے وعدہ کر لیا تھا اس وجہ سے اسی حالت میں واپسی ہوئی۔ جب سہارنپور اترے میں بھی (حضرت حکیم الامت) ہمراہ تھا راستہ میں وہ صاحب جو دعوت کر گئے تھے سڑک پر جاتے ہوئے ملے مولانا نے پکار کر بلایا اور اپنے آنے کی اطلاع کی تو آپ کہتے ہیں حضرت دعوت کا کچھ انتظام نہیں ہوا مجھ کو واپسی کی امید نہ تھی مولانا نے فرمایا اچھا بھائی پھر سہی، اس نے کل صبح کا وقت معین کیا اور تبسم سے فرمایا کہ ظالم نے شام کا وقت بھی تو نہ کہا، اس گفتگو سے میرے غصہ کی کچھ انتہا نہ تھی مولانا چونکہ بزرگ تھے ان کے سامنے کچھ نہ

---

[1] خوان خلیل ص ۱۹

www.abulhasanalinadwi.org

کہہ سکا مجھے بھی صبح دعوت میں شریک ہونے کا حکم ملا میں نے عرض کیا،
حضرت مجھے تو صبح صبح بھوک نہیں لگتی ہے فرمایا اگر بھوک ہو کھا لینا ورنہ مجلس
ہی میں بیٹھ جانا میں نے عرض کیا بہت اچھا صبح وقت پر پھر ہم سب گئے مگر
میں غصہ میں بھرا ہوا تھا کو ٹھے کے اوپر کھانا کھلایا میں عذر کرکے مولانا سے
رخصت ہو گیا اور اس دعوت کنندہ سے مولانا کے سامنے تو کہنے کا موقع نہ
ملا اس لئے نیچے بلایا اور اچھی طرح اس کے کان کھولے اور کہا کیا بزرگوں
کو بلا کر ایسی ہی تکلیف اور اذیت دیا کرتے ہیں تجھے تو یہ چاہئے تھا کہ اگر
مولانا شیخ پورہ سے تشریف نہ بھی لاتے تب بھی انتظام کرتا اس نے آئندہ کے
لئے توبہ کی[1]

سخاوت و فیاضی

حضرت مولانا کے اوصاف و کمالات میں ایک بڑا وصف جود و سخا کا بھی تھا فیاضی آپ کی فطرت ثانیہ تھی، جو کچھ آپ کے پاس آتا وہ دوسروں کے کام آتا آپ نے کبھی کسی سائل یا کسی چیز کے خواہشمند کی خواہش کو جس کا پورا کرنا آپ کے اختیار میں ہو رد نہیں فرمایا۔ ایک مرتبہ مولوی حبیب الرحمٰن سیوہاروی نے بجائے آپ سے کہنے کے حاجی مقبول احمد صاحب سے جو آپ کے منتظم کار اور برادر نسبتی بھی تھے عرض کیا کہ حضرت سے ایک عربی رومال لینے کا جی چاہتا ہے کچھ دنوں کے بعد جب مولوی حبیب الرحمٰن صاحب حاضر خدمت ہوئے اور حضرت مولانا سے نیاز حاصل ہوا تو آپ نے خود فرمایا۔

حافظ جی تم نے حاجی جی سے رومال کو کہا تھا۔

اور اتنا فرما کر وہ رومال جو آپ خود اپنے سر پر باندھے ہوئے تھے اتار کر مولوی صاحب کو دے دیا رومال قیمتی بھی تھا اور حضرت مولانا کا مستعمل بھی۔

---

[1] آپ بیتی نمبر ۶ صفحہ ۲۸۳/۲۸۲ بحوالہ ارواح ثلثہ

www.abulhasanalinadwi.org

مولوی عبداللہ جان صاحب اپنا ایک واقعہ بیان کرتے ہیں۔

"رمضان کا مہینہ تھا اتفاق سے میری ساری گھڑیاں مرمت کے لئے گئی تھیں جس کی وجہ سے ایک گونہ تکلیف تھی حضرت کے پاس حاضر ہوا تو سرسری طور پر اس کا ذکر آگیا حضرت خاموشی کے ساتھ اٹھے اور حجرے میں سے ایک جیبی گھڑی لاکر مجھ کو دیدی اس وقت تو میں نے بطیب خاطر لے لی کہ مستعار سمجھا تھا اور ضرورت بھی تھی مگر عید کے دن جب اس کو واپس کرنا چاہا تو حضرت نے فرمایا کیا واپس لینے کے لئے دی تھی تب مجھے معلوم ہوا کہ یہ عطا تھی،، اور میں نے اس کو اپنی ملک بنالیا مگر اس کو معمولی گھڑی سمجھا کچھ دنوں کے بعد گھڑی ساز میرے مکان پر گھڑیاں دیکھنے آیا تو میں نے یہ گھڑی بھی اسکو دکھائی اس نے کہا کہ تمھاری جتنی بھی گھڑیاں ہیں اس کے سامنے سب کھلونا ہیں اور یہ گھڑی اصلی انگلش لیور ہے جو بدرجہا قل سو روپیہ کے لگ بھگ قیمت کی ہے تب تو میری آنکھیں کھلیں اور اس گھڑی کی وقعت میری نظر میں ہوگئی پھر میں نے مختلف گھڑی سازوں کو دکھایا سب نے ایک زبان ہوکر کہا کہ یہ تو بڑی نادر الوجود گھڑی ہے[1]

مولانا عاشق الٰہی صاحب نے حضرت مولانا کے جود و سخا اور فیاضی کے کئی واقعات نقل کئے ہیں اور اپنے مشاہدات لکھے ہیں خود اپنا ایک واقعہ لکھا ہے کہ ایک بار مجھے بھی شوق ہوا کہ حضرت سے کوئی تبرک لیتا اور دبی زبان سے عرض کیا حضرت نے فوراً ہی چادر مبارک جس کو اوڑھ رہے تھے اتار کر لپیٹی اور خادم سے فرمایا بھئی یہ ان کے بیگ میں رکھ دینا

ایک دوسرے صاحب کا واقعہ لکھتے ہیں۔

ایک مرتبہ کوئی بزرگ تشریف لائے اور ان کو نعلین کی ضرورت تھی جیسے ہی حضرت کو

---

[1] تذکرۃ الخلیل صفحہ ۳۸۱

www.abulhasanalinadwi.org

یہ معلوم ہوا حضرت نے اللہ کرا مند سے جوتوں کا ایک نیا جوڑا لاکر نذر کیا اور ان
بزرگ نے اسی وقت اس عطیہ کو لے کر سر پر رکھ لیا[1]

حضرت مولانا جب کہیں باہر تشریف لے جاتے تو واپس آتے وقت اپنے ملنے والوں
اور متعلقین اور خدام کے لئے کچھ نہ کچھ تحفے بھی لاتے۔

شیخ محمد یعقوب صاحب جو پٹیالہ میں نائب تحصیلدار تھے اور حضرت مولانا سے عقیدت
کا تعلق رکھتے تھے ایک بار حاضر خدمت ہوئے اور مستعمل ملبوس کی خواہش ظاہر کی آپ
ململ کا کرتہ زیب تن کئے ہوئے تھے جو حج کے سفر میں بھی استعمال فرمایا تھا۔ شیخ محمد یعقوب
صاحب کو واپسی کی جلدی تھی اس لئے حضرت مولانا اٹھے حجرے میں تشریف لے گئے دوسرا
کرتہ پہنا اور وہ کرتہ جو زیب تن کئے ہوئے تھے شیخ صاحب کو عطا فرما دیا۔

اکرام ضیف بھی جود و سخا کا ایک حصہ ہے آپ کی خدمت میں مہمانوں کی بکثرت آمد
ہوتی تھی بہت سے حضرات گنگوہ سے حاضر ہوتے اور آپ کی خیریت معلوم کرنے کے بہانے
آپ کے یہاں قیام بھی کرتے اور ان میں بہت سے ایسے تھے جو کسی اطلاع کے بغیر اور ناوقت
بھی آجاتے آپ گھر تشریف لے جاتے معلوم ہوتا کہ صرف گھر والوں کی مقدار کے مطابق کھانا
پکا ہے وہ گھر کا سارا کھانا باہر مہمانوں کے لئے آجاتا اور گھر والے صرف پانی پی کر سو جایا
کرتے حضرت مولانا خود فرماتے ہیں۔

"میں دلداری کے لئے مہمانوں کے ساتھ بیٹھ تو جاتا تھا مگر یہ خیال آتا کہ بچوں
نے کچھ کھایا نہیں اس لئے میں بھی بھوکا اٹھ جاتا تھا"

اس صورتحال کے ہوتے ہوئے بھی کبھی حضرت مولانا کو کسی قسم کا تکدر پیدا نہ ہوا
بلکہ اگر کوئی شخص بے ملے چلا جاتا تو آپ کو رنج ہوتا غرضکہ خاطر داری، حسن سلوک اور
جود و سخاوت میں آپ کو ملکہ حاصل تھا۔

---

[1] تذکرۃ الخلیل صفحہ ۱۸۱

www.abulhasanalinadwi.org

صبر و استقامت

حضرت مولانا کی زندگی میں مختلف زمانوں میں ایسے سخت اور دلخراش حادثے گزرے ہیں جن پر صبر کرنا ایک صاحب استقامت اور خدا سے خاص تعلق رکھنے والے بندے ہی کا کام ہے آپنے ان مسلسل اور دلخراش حادثوں پر جس صبر و استقامت کا ثبوت دیا اور قضائے الٰہی پر جس طرح راضی رہے وہ آپکے تعلق باللہ اور فنا فی اللہ کا ثبوت ہے، آپ گزشتہ اوراق میں پڑھ چکے ہیں کہ ۱۲۹۵ھ سے لے کر ۱۳۰۵ھ تک آپ پر سات آٹھ حادثے ذاتی اور خاندانی گزرے پہلی بیوی کا انتقال، ماموں کا انتقال، استادوں کا انتقال والد اور والدہ کا انتقال ان میں سے ہر حادثہ آپ کے لئے سخت ترین تھا آپ نے ان سارے حادثوں پر صبر و سکون کے دامن کو ہاتھ سے جانے نہ دیا۔ ۱۳۲۳ھ میں آپ کے مرشد اور محبوب شیخ جن کا احترام اور جن کی اطاعت اور فرمانبرداری آپ کا وظیفۂ زندگی تھا یعنی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی نور اللہ مرقدہٗ نے وصال فرمایا اس حادثہ نے آپ کے ذہن و دماغ کی دنیا بدل دی آپ کے دیدہ و دل پر وہ اثر پڑا جو اس سے پہلے کے حادثوں میں کسی حادثہ کا نہیں پڑا تھا، آپ کے تاثر کا حال بھی ناظرین کی نظر سے گزر چکا ہے اس حادثے کے بعد ۱۳۲۸ھ سے لے کر ۱۳۳۰ھ تک آپ پر چند حادثے بڑے سخت گزرے ان میں سے ہر ایک حادثہ ایسا تھا جس سے آپ کا طبعی سکون و اطمینان اٹھ جانا چاہئے تھا اور زندگی کی بے ثباتی اور دنیا کی بے وقعتی ایسی بیٹھ جانی چاہئے تھی کہ کسی چیز میں مزہ نہ آئے کسی نے کیا خوب کہا ہے۔

حال دنیا را بہ پرسیدم من از فرزانۂ
گفت یا خوابے است یا بادے است یا افسانۂ
باز گفتم حال آنکس گو کہ دل در وے بست
گفت یا غولے است یا دیوے است یا دیوانۂ

لیکن باوجود اس کے آپ کو تعلق باللہ اور انقطاع عن الدنیا کا وہ درجہ حاصل تھا

www.abulhasanalinadwi.org

جس کی وجہ سے ان حادثات پر آپ کے صبر و شکر میں کوئی فرق نہیں پیدا ہوا، ان سارے حوادث پر آپ صابر و شاکر رہے اور تسلیم و رضا کے پیکر بنے رہے۔ ۱۳۲۸ھ ۱۳۲۹ھ میں آپ کی دو صاحبزادیاں جو شادی شدہ تھیں انتقال کر گئیں اور ۱۳۳۰ھ میں آپ کے جواں سال صاحبزادے حافظ محمد ابراہیم چالیس سال کی عمر میں اس دنیا سے رخصت ہو گئے، ان پیہم حادثوں کی وجہ سے جو تین سال میں جوان اولاد کے متواتر تین صدموں کی شکل میں پیش آئے آپ نے تسلیم و رضا کو پوری طرح اختیار فرمایا۔ صاحبزادے کی بیماری اور آپ کی تیمارداری اور تیمارداری میں مشقت اور اس پر صبر و استقامت اور انابت الی اللہ کا حال مولانا عاشق الٰہی صاحب اس طرح تحریر کرتے ہیں۔

"آپ کا اکلوتا جوان لڑکا حافظ ابراہیم مرحوم جب مرض الموت میں مبتلا ہو کر سہارنپور آیا تو اس کو کوئی اندرونی تکلیف ایسی تھی جس کے سبب وہ لیٹ نہیں سکتا تھا سات راتیں متواتر حضرت پر ایسی گزریں کہ دن بھر مدرسہ کے مشاغل سے فارغ ہو کر گھر میں جاتے تو پیچھے بیٹھ کر اپنا سینہ مریض کا تکیہ بناتے اور اس کی کمر چھاتی سے لگا کر بیٹھ جاتے ماں بیبی جس نے دن بھر کا تعب اٹھایا تھا فرماتے جاؤ چارپائی پر ذرا کمر سیدھی کر لو چنانچہ وہ لیٹ رہتی مگر نیند کس کو آتی پھر نصف شب گزرنے پر وہ آجاتیں اور حضرت سے کہتی تھیں کہ دن بھر کے تھکے ہوئے ہو ذرا تم بھی آرام کر لو چنانچہ وہ بیمار کو سہارا دے کر بیٹھ جاتیں اور چند منٹ کے لئے حضرت چارپائی پر لیٹ جاتے مگر اس حالت میں بھی حضرت کا تہجد اور تلاوت طویلہ کا معمول کبھی نہ چھوٹتا اور اس وقت میں جبکہ ماں کا نمبر ہوتا آپ وقت معمول پر چارپائی سے اٹھ کر اپنے خدا کے سامنے حاضری دیا کرتے تھے[1]"

---

[1] تذکرۃ الخلیل

مولانا عبد الغنی صاحب رسولوی جو حضرت مولانا کے شاگرد بھی ہیں، بیان کرتے ہیں۔

"آپ کے صاحبزادے ابراہیم بیمار تھے، سبق ہو رہا تھا گھر سے ان کے انتقال کی خبر آئی ہم لوگوں نے چاہا سبق بند کر دیں فرمایا "سبق پورا کر لو" اللہ اللہ یہ ادب یہ صبر۔"

شفقت و رحمت جہاں حضرت مولانا اپنے بزرگوں ہم عمروں اور ملنے جلنے والوں کے ساتھ ادب و احترام اور حسن سلوک کا معاملہ فرماتے تھے اسی طرح اپنے چھوٹوں پر شفقت و رحمت بھی بہت فرماتے تھے چھوٹی لڑکیاں آپ کے پاس آتیں تو آپ ان کے سر پر ہاتھ پھیرتے پاس بٹھاتے نام پوچھتے اور میٹھی میٹھی باتیں کرتے اگر ان میں کوئی غیر اسلامی باتیں دیکھتے تو پیار و محبت سے ان کو سمجھا دیتے اگر ان کا لباس غیر شرعی دیکھتے تو یہ نہ فرماتے کہ تم نے یہ کیوں پہنا بلکہ اس طرح فرماتے یہ کپڑے تمھاری اماں نے پہنائے ہوں گے ہا۔ بری وضع ہے اماں سے کہو ہمیں مسلمانوں کے سے کپڑے پہناؤ۔ پھر مٹھائی وغیرہ جو چیز ہوتی دیتے۔ اگر کسی عورت کو دیکھتے کہ وہ اپنی اولاد کو کوس رہی ہے تو بہت ناگواری محسوس کرتے اور فرماتے زبان سے جب کوئی لفظ نکالو تو اچھا لفظ نکالو بد دعا اگر پوری ہو گئی تو سر پکڑ کر روؤ گی۔

اگر وہ عورت یہ جواب دیتی کہ حضرت جب بچے بہت ستاتے ہیں تو زبان سے یہ سخت الفاظ نکل ہی جاتے ہیں تو آپ فرماتے تمھیں بھی تمھاری ماؤں نے پالا ہے وہ تم کو کوستیں تو آج نہ تم زندہ ہوتیں نہ اولاد کی صورت دیکھنا نصیب ہوتی، اور موت و زندگی تو اللہ کے اختیار میں ہے

ایک واقعہ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب تحریر فرماتے ہیں

سنہ ۴۴ء کے حج میں اعلیٰ حضرت شاہ عبد القادر صاحب نور اللہ مرقدہٗ بھی تشریف

www.abulhasanalinadwi.org

فرماتے تھے اور امبالہ کے ایک بزرگ حضرت رائپوری نور اللہ مرقدہٗ کے مخلص اور میرے والد صاحبؒ کے بھی مخلص اور ان دونوں کی وجہ سے اس سیہ کار پر بھی بہت شفقتیں فرمایا کرتے تھے یعنی حافظ محمد صدیق صاحب امبالوی بھی اس سفر میں ساتھ تھے ان کی بچی غالباً سات آٹھ سال کی عمر ہوگی مگر پنجاب کا نشو ونما یوپی سے بڑھا ہوا رہتا ہے اور پنجاب میں پردہ کا رواج بہت ہی شاذ ونادر ہے بالخصوص بچوں کے حق میں وہ بچی اگر زندہ ہو تو اللہ تعالیٰ اس کی ہر نوع کی مدد فرمائے دین ودنیا کی ترقیات سے نوازے مرگئی ہو تو اللہ تعالیٰ مغفرت فرما کر اپنے جوار رحمت میں زیادہ سے زیادہ قرب عطا فرمائے وہ اماں جی کو مسجد نبوی پانچوں وقت نماز کے لئے جایا کرتی تھی کہ اس کا مکان بھی حضرت قدس سرہٗ کے مکان کے قریب ہی تھا میں نے ایک دفعہ اس بچی کو یہ کہا کہ اری تو بڑی ہوگئی بغیر برقعہ کے نہ آیا کر اس نے منہ پھیر کر گویا عملاً انکار کیا۔ زبان سے کچھ نہیں کہا، مسجد میں جاتے آتے کبھی کبھی سڑک پر وہ نظر پڑجاتی تھی دوسرے دن جب وہ نظر پڑی تو میں نے چھوڑ کا کہ میں نے کہا تھا برقع بنانے کو تو نے بنایا نہیں اس نے کوئی حرکت تو نہیں کی مگر چپ ہو کر چلی گئی۔ ایک آدھ دن بعد وہ پھر نظر پڑی میں نے آواز دے کر اس کا نام لے کر کہا کہ میں نے تجھے کئی دفعہ برقع بنانے کو کہا تو نے اب تک بنایا نہیں۔ اب کے بغیر برقعہ کے دیکھا تو ایک دھول رسید کروں گا، وہ بجائے اماں جی کو نماز میں لے جانے کے روتی ہوئی گھر چلی گئی اور اماں جی کی اس دن حرم کی نماز اس کے انتظار میں فوت ہوگئی اس کو بلا کر پوچھا تو اس نے سارا قصہ سنا دیا اماں جی نے ناراضگی کا اظہار فرمایا کہ ابھی اس کی عمر ہی کیا ہے اور اس سے بڑھ کر ان کے بھائی میرے مخدوم جناب الحاج مقبول احمد جن کا ذکر پہلے بھی آچکا بہت ہی ناراض ہوئے مقدمہ میرے حضرت قدس سرہٗ تک پہنچا اماں جی نے بھی حرم کی نماز کے فوت ہونے پر بہت ہی ناراضگی کا اظہار فرمایا حضرت قدس سرہٗ

www.abulhasanalinadwi.org

نے اس لڑکی کو بلایا وہ واقعی یا مصنوعی بہت روتی ہوئی گئی حضرت نے بہت ہی شفقت سے نہت سے پیار سے اس سے فرمایا کہ پیاری بچی: بات یہ ہے کہ تو اس (زکریا) کو تو دیکھ ہی رہی کیسا مسٹنڈا بن رہا ہے اور وہ کسی کے قابو کا تو ہے نہیں اگر اس نے تیرے تھپڑ مار دیا تو تو گر پڑے گی اور اگر اس پر میں نے اس کے تھپڑ مارا تو اس پر تو کوئی اثر ہونے کا نہیں الٹی میری ہی انگلیاں دکھ جاویں گی اس لئے میری سمجھ میں تو یوں آوے اچھا بھی ہے کہ تو برقعہ ہی بنا لے[1]

حضرت مولانا کو اپنے مریدین اور مسترشدین سے باپ کی طرح محبت و شفقت تھی خصوصاً حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مدظلہ العالی سے مثالی محبت تھی یہ تو آپ پڑھ چکے ہیں کہ مولانا محمد یحییٰ صاحب کے انتقال کے بعد حضرت مولانا نے ان کی جگہ لے لی تھی اور باپ کی کمی کو محسوس ہونے نہیں دیا۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب حضرت کی محبت و شفقت کے متعلق تحریر فرماتے ہیں۔

> "حضرت قدس سرہ کی اپنی علوشان اور جلالت قدر کے باوجود اس سیہ کار کے ساتھ ابتداء زمانۂ تدریس میں تو میری یتیمی کی وجہ سے اور انتہاء اس سیہ کار کے بذل کے ساتھ اشتغال کی وجہ سے شفقتیں بھی اور تعلق بڑھتا ہی رہا کیونکہ میرے حضرت کو بذل کے ساتھ عشق تھا اور اس ناکارہ کو بھی بذل سے ابتدا ہی سے عشق ہی تھا اس وجہ سے حضرت کی شفقتیں بڑھتی ہی چلی گئیں درحقیقت بذل کی تالیف اس ناکارہ پر اللہ تعالیٰ کا ایک بڑا ہی احسان تھا کہ اس کی وجہ سے میری ساری گندگیوں اور کوتاہیوں پر حضرت التفات نہ فرماتے تھے"[2]

اس محبت و شفقت کے متعدد واقعات ہیں صرف ایک واقعہ خود حضرت شیخ کی

---

[1] آپ بیتی نمبر ۲ [2] آپ بیتی نمبر ۲ صفحہ ۲۴

www.abulhasanalinadwi.org

زبانی سنئے۔

حضرت قدس سرہٗ کا ہندوستان میں بھی اور مدینہ پاک میں بھی بہت کثرت سے یہ معمول تھا کہ جب کبھی کھانے میں یہ سیہ کار شریک ہوتا تو حضرت قدس سرہٗ کوئی بوٹی یا کباب کا ٹکڑا بہت شفقت سے دست مبارک سے مرحمت فرمایا کرتے تھے مجھے تو کبھی اس کی طرف التفات بھی نہیں ہوا کہ حضرت کی شفقتیں اس سے بہت زائد رہتی تھیں لیکن مدینہ پاک میں یہ ناکارہ تو دونوں وقت کھانے میں شریک ہوتا ہی تھا حضرت اقدس رائپوری نور اللہ مرقدہٗ بھی بسا اوقات کھانے میں یا کسی دوسری چیز کے کھانے میں شرکت فرماتے حضرت رائپوری نے مجھے ارشاد فرمایا کہ مجھ پر بڑا رشک آتا ہے کہ جب حضرت تجھے کوئی چیز کھانے کو مرحمت فرماتے ہیں تو پہلے اس چیز کو خوب گھورتے ہیں پھر مرحمت فرماتے ہیں کاش مجھے بھی اسی طرح سے گھور کر کوئی کھلاتا اس کے بعد میں نے بھی خیال کیا تو واقعی حضرت اقدس رائے پوری نے صحیح فرمایا تھا کاش اس قسی القلب پر بھی کوئی اثر ہو جاتا،

مدینہ پاک کے قیام میں جب یہ ناکارہ بذل لکھا کرتا تھا اور صبح کی چائے کے بعد سے مسلسل چھ گھنٹے حضرت کی خدمت میں حاضری ہوتی تھی تو ایک مرتبہ یہ نابکار ناپاک سیہ کار بذل لکھتے ہوئے نہ معلوم کن کن خرافات اور واہی تباہی خیالات میں مستغرق تھا، میرے حضرت قدس سرہٗ نے عبارت لکھواتے نہایت تیز و تند لہجہ میں ارشاد فرمایا "من بتو مشغول و تو با عمرو زید" مجھے اب تک بھی جب وہ منظر یاد آجاتا ہے تو ایک سناٹا چھا جاتا ہے میں ان لغو خیالات پر اور حضرت کے اس ارشاد پر پسینہ پسینہ ہو گیا میرا کرتہ اور پاجامہ پسینہ کے اندر بھیگ گیا۔[1]

---

[1] آپ بیتی نمبر ۲ صفحہ ۱۶

غیرت وحمیت

حضرت مولانا میں غیرت وحمیت کمال درجہ میں تھی وہ دین کے خلاف کیا ایک ادنیٰ سنت کے خلاف بھی نہ کوئی بات سن سکتے تھے نہ برداشت کر سکتے تھے بھاولپور کے قیام کے دوران سید چراغ شاہ کے ماتحت تھے وہ آپ سے اپنے عہدہ کی بڑائی کی بنا پر مذہبی چھیڑ چھاڑ کیا کرتے تھے وہ مذہبا شیعہ تھے سنی علماء اور سنی عقائد کے خلاف بحث کرتے تھے حضرت مولانا کو ان کی بحث اتنی ناگوار گزری کہ استعفا دیدیا اور استعفا منظور نہ ہونے کی صورت میں ان سے رابطہ اور تعلق منقطع کر لیا، اسی طرح اہل بدعت سے مناظرہ اور خلاف شریعت امور میں مقابلہ کیا اور کرتے رہے۔

دوسری غیرت وحمیت کی صفت آپ میں یہ تھی کہ کسی کو بغیر اس کے دریافت کئے ہوئے سلوک ومعرفت کی بات نہ بتاتے آپ کی خواہش رہتی کہ لوگوں میں طلب پیدا ہو اور دین کی قدر ہو، دین کی ناقدری اور بے التفاتی آپ کو پسند نہ تھی، اس سلسلہ کی غیرت وحمیت کا ایک واقعہ حضرت شیخ الحدیث صاحب مدظلہ العالی تحریر فرماتے ہیں۔

"ایک دفعہ میں نے حضرت سے عرض کیا کہ مولوی عبداللہ جان کو حضرت سے عشق تو ہے مگر یہ ذکر وشغل بالکل نہیں کرتے حضرت ان کو کچھ ذکر تلقین فرما دیں، حضرت نے فرمایا وہ پوچھیں تو بتلاؤں گا بغیر پوچھے کیوں بتلاؤں؟ میں نے عرض کیا کہ حضرت پوچھنے کی کیا بات ہے، جب وہ اپنے کو حضرت کے سپرد کر چکے ہیں محبت بھی بہت ہے، حضرت نے فرمایا وہ پوچھیں جب ہی تو بغیر پوچھے میں کیوں بتلاؤں، میں نے عرض کیا کہ میں کچھ لکھ دوں حضرت قدس سرہٗ نے فرمایا اپنی طرف سے جو چاہے لکھ دیجیو، میری طرف سے کچھ نہیں، میں نے عرض کیا حضرت میرے لکھنے سے کیا ہوتا ہے، اسی زمانے میں حضرت اقدس رائے پوری نور اللہ مرقدہٗ بھی مدینہ پاک میں تشریف رکھتے تھے اور عصر سے مغرب تک حضرت قدس سرہٗ کی

مجلس میں خادمانہ تشریف رکھتے تھے۔ حضرت رائپوری کے ساتھ بھی دس بارہ خادم ہمراہ تھے ایک مرتبہ حضرت رائپوری نے میرے حضرت سے بطور معذرت کے عرض کیا کہ حضرت ایسی بے حسی کا زمانہ ہے کہ اول تو ان لوگوں کو خود ہی احساس چاہئے تھا کہ جب میں خادمانہ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوتا ہوں تو ان کو بھی حاضر ہونا چاہئے تھا لیکن میں ان لوگوں کو ترغیب بھی دیتا رہتا ہوں پھر بھی حاضری کی توفیق نہیں ہوتی۔ حضرت قدس سرہ نے حضرت رائپوری سے ارشاد فرمایا کہ حضرت اس کا بالکل خیال نہ فرمائیں مجھے تو اس میں بہت غیرت آتی ہے میں نے تو اپنے شیخ یعنی قطب عالم گنگوہی کے متعلق بھی کبھی کسی کو ترغیب نہیں دی پھر اپنے صاحبزادے مرحوم کی بیعت کا قصہ سنا کر اس ناکارہ کی طرف ہاتھ سے اشارہ فرمایا کہ یہ تو ان بادشاہوں کا دستور ہے کہ جو ان کی طرف ذرا جھکے یہ اس کے پیچھے پڑ جاتے ہیں مجھے تو اس میں بڑی غیرت ہے میرے نزدیک تو کسی کی غرض ہو تو سو دفعہ آئے ورنہ میری پاپوش سے[1]

شب بیداری و سحر خیزی

حضرت مولانا کو بچپن سے شب بیداری و سحر خیزی کی عادت تھی حضرت گنگوہی سے بیعت ہونے کے بعد یہ عادت اور پختہ ہو گئی اور آپ رات کو اٹھنے کی خاطر اپنے پاؤں کے انگوٹھوں کو اس طرح باندھ لیتے تھے کہ نیند پوری طرح نہ آئے اور شب بیداری میں ناغہ نہ ہو آپ شب کو اٹھتے نوافل پڑھتے ضراعت و ابتہال [illegible] گڑگڑاتے مانگتے فریاد کرتے اس آہ سحر گاہی نے آپ کو خوف و خشیت الٰہی کی یہ نعمت عطا کی جس پر لاکھوں نعمتیں نثار، آپ کی اس عادت شریفہ کے متعلق مولانا عاشق الٰہی صاحب تحریر کرتے ہیں۔

---

[1] آپ بیتی نمبر ۲ صفحہ ۱۱

www.abulhasanalinadwi.org

"نوجوان بیٹے اور بیٹیوں کی وفات کے متواتر تین صدمے آپ کو پیش آئے اور متعدد بیماریاں بھی ہوئی کہ گھر میں یا آپ تھے یا آپ کی اہلیہ مگر تہجد کا معمول نہ بیماری میں چھوٹا نہ موت کی شب میں، مدنی راستہ میں آپ کو بخار ہوا اور شدید ہوا کہ بدن پر ہاتھ رکھنا مشکل تھا۔ آپ شغدف میں تھے اور فرط حرارت سے گویا بے ہوش تھے مگر نصف شب میں بخار ہلکا ہوا اور آخر شب میں حسب معمول آپ ہمت کرکے اٹھ کھڑے ہوئے کچھ کھڑے ہو کر اور کچھ بیٹھ کر نفلیں ادا کیں اور لیٹ رہے۔ شب میں قافلہ چلتا آپ شغدف ہی پر وضو کرتے اور پورے نوافل ادا فرماتے۔ راستے کے بارہ ایک بجے آپ کو ریل میں بیٹھنا ہوا کہ نہ ادھر اطمینان سے سونے کا وقت نہ ادھر آرام کا کافی وقت مگر نصف شب کے بعد کا وقت ریل میں ہوتا تو اندر ورنہ باہر اسٹیشن پر آپ آٹھ دس نوافل ادا فرماتے اور ریل آنے پر اس پر سوار ہو جاتے۔[1]

حضرت مولانا شب بیداری اور سحر خیزی کے اتنے عادی ہو چکے تھے کہ نیند بھی اختیاری بن گئی تھی جب چاہتے سوتے جب ارادہ کرتے آنکھ کھل جاتی، اللہ تعالیٰ کا آپ کے ساتھ معاملہ بھی ایسا تھا کہ آپ کو نیند پر قابو سا ہو گیا تھا خود فرمایا کرتے تھے۔

"مجھے سونے کے لئے صرف ارادہ کرنے کی ضرورت ہوتی ہے کہ بعض دفعہ نیند کا ارادہ کرنے کے بعد تکیہ پر سر رکھنے کی بھی مجھے خبر نہیں ہوتی۔

آپ نے اکثر سفر کے دوران اپنے ساتھیوں سے فرمایا کہ مجھے جاگنے میں تعب نہیں ہوتا اور نہ مجھے سونے میں دیر لگتی ہے اس لئے جب ضرورت ہو بے تکلف جگا لینا۔

آپ کا ہمیشہ معمول صبح صادق سے دو گھنٹہ قبل اٹھنے کا تھا اس میں کوئی تخلف یا تکلیف نہیں ہوتی تھی۔

---

[1] تذکرۃ الخلیل صفحہ ۳۶

www.abulhasanalinadwi.org

مدینہ منورہ میں آخری رمضان گزارا اور شب و روز مجاہدے میں صرف کئے تراویح کے بعد ہندوستانی حساب سے سوا بجے شب کو اور عربی اوقات کے حساب سے ۶ بجے سو جاتے تھے اور حضرت شیخ الحدیث صاحب مدظلہ کو حکم تھا کہ ۸ بجے یعنی سوا تین بجے ہندوستانی حساب سے مجھے جگا دیا کریں حضرت شیخ فرماتے ہیں۔

تمام رمضان میں صرف ایک یا دو مرتبہ مجھے اس کی نوبت آئی کہ حضرت کی آنکھ اس سے قبل نہ کھلی ورنہ ہمیشہ جب آٹھ بجے پہونچا تو حضرت کو یا وضو کرتے دیکھا یا استنجا کرتے ہوئے چنانچہ حضرت دو پارے اس وقت نفلوں میں سنتے۔[1]

مولانا عاشق الٰہی صاحب میرٹھی اپنا تاثر اس طرح بیان کرتے ہیں وہ لکھتے ہیں۔

"چھ چھ مہینہ متواتر و مسلسل سفر میں ساتھ رہنے کا مجھے اتفاق ہوا مگر میں نے ایک دن بھی نہیں دیکھا کہ نماز باجماعت ترک یا وقت مستحب سے ہٹی ہو یا ایک شب بھی تہجد کے لئے وقت معمول پر اٹھنے میں چند منٹ کی تاخیر ہوئی ہو۔"[2]

جلالت علمی

حضرت مولانا کی جلالت علمی کے متعلق کچھ لکھنا سورج کو چراغ دکھانا ہے مجھ جیسے بے بضاعت اور بے مایہ طالب علم کے لئے کسی طرح یہ زیب نہیں دیتا کہ اس بارے میں کوئی محاکمہ کروں یا کوئی بات لکھوں لیکن بزرگوں اور اہل علم کے فرمودات کو نقل کر دینا کوئی نامناسب بات نہ ہوگی ناظرین اسی باب کے شروع میں پڑھ چکے ہیں کہ حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی نے آپ کا تذکرہ ان الفاظ سے شروع کیا۔

هو الفقيه الثبت الحجة الحافظ الصدوق

محي السنة السنية قامع البدعة الشنيعة

---

[1] اکابر کا رمضان صفحہ ۱۶ ، [2] تذکرۃ الخلیل صفحہ ۳۵۹

www.abulhasanalinadwi.org

ان الفاظ کے بعد تحریر فرماتے ہیں۔

تبعث من افاداته عیون العلم والنهٰی

وتفجرت من افاضاته انهار الاحسان

والتقیٰ۔

اور پھر آپ کے صفات بیان کرتے کرتے تحریر فرماتے ہیں۔

ابوحنیفة زمانه وشبلیؒ عصره ودورانه

مولانا سید عبدالحی نزہۃ الخواطر میں آپ کا ذکر ان الفاظ سے شروع کرتے ہیں۔

کان الشیخ خلیل احمد له الملکة القویة والمشاهدة الجیدة فی الفقه والحدیث والید الطولیٰ فی الجدل والخلاف والرسوخ التام فی علوم الدین والمعرفة والیقین

حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ آپ کو بحرا لہام مجمع تمقام اور دوسری جگہ "جامع الفضائل العلمیۃ والعملیۃ" کے القاب سے یاد کرتے ہیں۔

ان بزرگوں کے علاوہ اور دوسرے علماء بھی جن کو علم حدیث علم فقہ اور دوسرے علوم و فنون میں ملکہ حاصل ہے آپ کو بلند الفاظ سے یاد کرتے ہیں۔

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی جو اپنے وقت کے شیخ المشائخ اور استاذ الاساتذہ تھے آپ کے شیخ و مرشد بھی تھے آپ کے ان عالمانہ شبہات کے جواب میں جو آپ نے ھدایہ جیسی مشکل فقہی کتاب پر کئے تھے جو بلند الفاظ استعمال کئے ہیں ان سے بھی آپ کی فضیلت علمی کا پتہ چلتا ہے مولانا عاشق الٰہی صاحب میرٹھی نے آپ کے شبہات اور ان کے جوابات کا ذکر تذکرۃ الرشید میں کیا ہے وہ ان الفاظ کے ساتھ ان سوالات کی ابتدا کرتے ہیں۔

"علامۃ العصر حضرت مولانا خلیل احمد صاحب مدظلہ کے ہدایہ جیسی ادق فقہی کتاب پر شبہات دیکھئے اور صدمات سے شکستگی کی حالت میں حضرت مولانا گنگوہی قدس سرہ

www.abulhasanalinadwi.org

کی قلم برداشتہ وہ جوابی تحریر جس کے سمجھنے میں اب بھی ذہین آدمی کو غایت خوض و تدبر کی حاجت ہے[1]

اس کے بعد مولانا میرٹھی نے چند شبہات کا ذکر کیا اور آگے چل کر وہ لکھتے ہیں۔

حضرت مولانا خلیل احمد صاحب مدظلہ کے عالمانہ شبہات کے وہ عجیب وغریب مراسلات جو حضرت قدس سرہ کی خدمت میں پیش ہوئے اور جوابات لطیفہ لیکر واپس آئے اتنے ہیں جن کا حصر نہ مقصود ہے نہ ہونا آسان نمونہ کے لئے چند استفسارات و جوابات بیان کردئیے ہیں اکثر مراسلہ شبہہ در شبہہ جواب در جواب ہو کر واپس ہوئے اس میں شک نہیں کہ بہت ہی لطف آمیز ہیں مگر یہ محل اس کا نہیں کہ بالتفصیل بیان کئے جاویں۔ حضرت مولانا قدس سرہٗ نے مراسلات میں کئی جگہ مولانا انبیٹھوی کی تصویب رائے اور ذکاوت و ذہانت کا تعریفی الفاظ میں اظہار فرمایا[2]

حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی نے آپ کی علمی جلالت ذہانت و ذکاوت تواضع و اظہار حق کا اعتراف کرتے ہوئے خوان خلیل میں چند واقعات اور سوالات اور آپ کے محاکمے اور افادات کا ذکر کیا ہے جن کے متعلق ضمیمہ خوان خلیل میں حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مدظلہ نے اس محاکمہ اور افادہ تحریرات فتویٰ اور آپس کی خط وکتابت کا ذکر اور تفصیل تحریر فرمائی جو اس طرح پر ہے۔

نمبر ۱ محاکمہ، تتمہ جلد رابع فتاویٰ امدادیہ کے آخر میں صفحہ ۳۲۲ پر بہت تفصیل سے لکھا ہوا ہے چار صفحات صفحہ ۳۲۲ سے مذکور ہے جس میں زید وعمر کے اقوال اور ان کے دلائل ذکر کئے گئے ہیں۔ ابتدا اس مضمون سے ہے محاکمہ متعلقہ مسئلہ تصویر از مولانا خلیل احمد صاحب۔

---

[1] تذکرۃ الرشید جلد اول ص۱۵۳ [2] ایضاً صفحہ ۱۵۴

www.abulhasanalinadwi.org

دوسرا سوال جو حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سے کیا گیا تھا اور اس کا جو جواب آپ نے دیا تھا اس کے متعلق حضرت شیخ تحریر فرماتے ہیں۔

بیان القرآن کے حاشیہ پر مختلف توجیہات کے بعد عربی عبارت ہے جس کے آخر میں درج ہے لکن الافادہ جامع الفضائل العلمیۃ والعملیۃ مولانا خلیل احمد انبھٹوی دامت برکاتھم

تیسرا سوال جو حضرت تھانوی نے خوان خلیل صفحہ ۹ پر تحریر فرمایا ہے اسکی نشاندہی حضرت شیخ نے ضمیمہ خوان خلیل میں ان الفاظ سے کی ہے۔

امداد الفتاوی جلد چہارم طبع ہند کے صفحہ ۲۲۷ سے صفحہ ۲۳۶ تک ہے عنوان اس کا یہ ہے بعضے از تحریرات سوہنا و مولانا خلیل احمد دامت برکاتہم کہ در جواب سوالات صاحب فتاوی صدور یافتہ بمناسبت مقام در آخر ملحق کردہ شد

اس کے علاوہ ایک طویل خط و کتابت ہے جس کا ذکر حضرت شیخ کرتے ہیں۔

جو ترجیح الراجح حصہ دوم کے ۱۸۱ سے شروع ہو کر صفحہ ۱۹۰ تک آٹھ صفحے ہیں

اسی طرح چند فتاوی بھی شائع ہوئے ہیں جن میں حضرت مولانا خلیل احمد صاحب کا بھی فتوی ہے جس کے متعلق حضرت شیخ ضمیمہ خوان خلیل صفحہ ۵۰ پر لکھتے ہیں۔

رسالہ الامداد شوال ۱۳۳۶ھ کے صفحہ ۳ سے شروع ہو کر صفحہ ۶۲ پر ختم ہوا جس میں فتوی سہارنپور حضرت سہارنپوری کی طرف سے اور فتوی دیوبند مفتی عزیز الرحمٰن صاحب کی طرف سے اور فتوی دہلی مفتی کفایت اللہ صاحب کی طرف سے بہت تفصیلی ذکر کیے گئے ہیں۔[1]

حضرت مولانا کو ہر علم و فن میں درک حاصل تھا اور آپ نے ان پر کتابیں بھی لکھیں لیکن آپ کو مناسبت حدیث اور فقہ سے زیادہ تھی جس کا ثبوت، زندگی بھر درس حدیث

---

[1] ضمیمہ خوان خلیل

www.abulhasanalinadwi.org

اور آپ کی مشہور کتاب بذل المجہود ہے اس کے علاوہ آپ کے بے شمار فتاویٰ جو مطبوع اور غیر مطبوع ہیں آپ کے تفقہ کی روشن مثال ہیں مولانا عاشق الٰہی صاحب میرٹھی آپ کے علم و تفقہ کے متعلق تحریر کرتے ہیں۔

"ہر چند کہ آپ نے تمامی علوم نقلیہ و عقلیہ میں کمال حاصل کیا مگر جوانس اور تناسب آپ کی طبیعت کو کلام الرسول اور علم فقہ کے ساتھ تھا وہ خود ہی اپنی نظیر ہے اور اس کی شہادت کے لئے حضرت کے چند ہزار وہ فتاوی جن سے مدرسہ کی ضخیم ضخیم چار جلدیں لبریز اور بھری ہوئی ہیں و نیز آخر عمر کا زریں کارنامہ جس کا نام بذل المجہود فی حل ابی داؤد ہے پیش کرنا کافی ہے. کہ بذل المجہود پانچ جلد بنکر مطبوع ہو چکی اور ہزاران ہزار تشنہ کامان حدیث کو سیراب کر رہی ہے[1]"

دوسری جگہ لکھتے ہیں۔

"حدیث کے بعد درجہ ہے علم فقہ کا اور اس میں آپ کی مجتہدانہ استعداد اور وسعت نظر تمامی ہم عصر علماء میں مسلم تھی کہ جن مسائل میں علماء کے اختلاف ہوتے وہ محاکمہ کے لئے آپ کے پاس بھیجے جاتے اور جن معرکۃ الآرا مباحث میں قلم اٹھاتے اہل علم گھبراتے تھے وہ آپ کی خدمت میں لائے جاتے تھے مدرسہ میں نیا ضخیم جلدیں موجود ہیں جن میں کئی ہزار فتاوی نقل ہیں اور یہ سب وہ ہیں جو خود حضرت کے لکھے ہوئے یا لکھوائے ہوئے ہیں یا دوسروں کے لکھے ہوئے اور آپ کے تصدیق کئے ہوئے ہیں ان کے علاوہ تمام خطوط میں جو مسائل آپ سے پوچھے جاتے اور خطاہی میں آپ ان کا جواب لکھوا دیا کرتے تھے وہ علیحدہ ہیں کہ ان کو جمع کیا جائے تو ایک بڑی کتاب بن جائے[2]"

---

[1] تذکرۃ الخلیل صفہ ۲۴ [2] ایضاً صفہ ۲۹۶

www.abulhasanalinadwi.org

مولانا عبدالغنی صاحب رسولوی تحریر کرتے ہیں۔

"حضرت مہاجر مدنی نور اللہ مرقدہ کا تفقہ میں بڑا اونچا مقام تھا جب کبھی حضرت تھانوی کو کسی مسئلہ میں الجھن ہوتی تو حضرت مہاجر مدنی کے جواب سے تشفی ہوتی"۔[1]

حضرت مولانا کی جلالت علمی اور علمی تبحر حدیث و فقہ پر دسترس کے سلسلہ میں جو کچھ اقتباس اور اشارات دیے گئے ہیں علماء اور بزرگوں کے تبصروں اور اعتراف سے ناظرین اندازہ لگائیں گے کہ حضرت مولانا کو اللہ تعالیٰ نے کیا علمی مقام عطا فرمایا تھا کہ اہل علم و فن بھی جن کے ملاء حدیث و فقہ پر لوگوں کو اتفاق ہے آپ سے رجوع کرتے تھے، آپ کے سوانح نگاروں نے آپ کے بعض فتاوے فیصلے محاکمے اور سوالات کے جوابات بھی تفصیل سے ذکر کئے ہیں جن کا یہاں ذکر کرنا باعث طوالت ہے جن کو ان کی تفصیلات سے دلچسپی ہے وہ حضرت مولانا کی تصنیفات فتاوے کا مطالعہ کریں اور لطف اندوز ہوں ورنہ اہل بصیرت کے لئے اتنا کچھ کافی ہے جو ذکر کیا جا چکا ہے۔

حضرت مولانا کے علمی مقام کو سمجھنے کے لئے آپ کے ان فیصلہ کن مناظروں کی روداد اور تفصیلات کا پڑھنا بھی کافی ہے جو آپ کے اور اہل بدعت کے درمیان اور آپکے اور اہل تشیع کے درمیان یا مشرکین کے درمیان ہوئے بھاولپور، بریلی سہارنپور، میرٹھ کے وہ جلسے جو اسی خاطر ہوئے تھے آپ کی فضیلت علمی پر دلالت کرتے ہیں جن کا کچھ نہ کچھ ذکر گزشتہ اوراق میں کیا جا چکا ہے، آپ کی ذہانت و ذکاوت اور فن مناظرہ میں آپ کے ذہن کی رسائی اور حاضر جوابی کے متعلق مولانا عاشق الٰہی صاحب لکھتے ہیں۔

---

[1] مکتوب ۲۸؍۶؍۷۶ء

www.abulhasanalinadwi.org

فن مناظرہ بالخصوص رد روافض ورد بدعات میں حضرت کو ید طولیٰ تھا آپ کی عادت نہ تھی کہ خود مناظرہ کی دعوت دیں یا چھیڑ چھاڑ کریں مگر جب دوسرے فریق کی طرف سے زور دیا جاتا تو اس وقت آپ شیر بن کر سامنے آتے اور مخالف کو جھوٹوں بھی یہ کہنے کا موقع نہ دیتے کہ مناظرہ سے بھاگ گئے فریق مخالف نے آپ کی مزدریات وقتیہ اور تنگی ود شواری حالات کو ٹٹول ٹٹول کر اس کی تدبیر کی کہ اس وقت آپ مناظرہ نہ کرسکیں گے اور ہمیں فرار کا الزام لگا کر اپنے معتقدین میں اپنی کامیابی کا شور مچانا نصیب ہوگا مگر آپ نے ہمیشہ اس چال کو سمجھا اور موقع ہی نہ دیا کہ آپ کی حقانیت پر کوئی دھبہ آئے۔[1]

کئی جگہ پر اسی طرح کے واقعات ہوئے کہ آپ کو مناظرہ کی دعوت دی گئی آپ میدان میں آئے اور دعوت دینے والے راستے سے ہٹ گئے رانڈیر کا ناتمام مناظرہ جس کو مولوی ظہور الحسن رامپوری نے منعقد کرنا چاہا تھا لیکن مناظرہ ہونے سے پہلے خود ہی غائب ہو گئے اس کے علاوہ مولوی دیدار علی الوری نے آپ کو سفر حج کے لئے جہاز پر سوار ہوتے ہوئے اس خیال سے دعوت مناظرہ دی کہ آپ جہاز نہ چھوڑیں گے اور مناظرہ کا میدان ہمارے ہاتھ رہے گا آپ نے جہاز چھوڑ دیا اور مناظرہ کو منظور کرلیا فریق مخالف آپ کے اس طرح عمل کرنے سے افسردہ خاطر ہوا اور مناظرہ نہ ہوسکا امروہہ میں شیعوں کی طرف سے دعوت مناظرہ دی گئی اور انجام کار فریق مخالف ہی میدان مناظرہ چھوڑ بیٹھا۔ اس کے علاوہ قادیانیوں سے بھی آپ نے مناظرہ کیا اور اس میں بھی آپ کی تحریر و تقریر نے کامیابی دی۔

مناظرہ کے متعلق یہ چند باتیں نشاندہی کے طور پر پیش کی گئیں۔

---

[1] تذکرۃ الخلیل صد ۱۳۲

www.abulhasanalinadwi.org

رجوع عام و قبولیت تام

حضرت گنگوہیؒ کے وصال کے بعد آپ کی طرف عام رجوع ہوا۔ عوام سے لے کر خواص تک ملازمین سے لے کر علماء تک آپ کے سلسلۂ بیعت میں داخل ہوئے اللہ تعالیٰ نے آپ کے سلسلۂ عالیہ کو جو قبولیت عطا فرمائی وہ کم ہی کسی کے سلسلہ میں آئی، حضرت مولانا کے دس خلفاء اور مجازین تھے جن میں اگر صرف دو ہی خلفا اور مجازین کے نام لے جائیں تو اس سلسلہ کی وسعت اور ہمہ گیری کے لئے کافی ہے ان میں ایک حضرت مولانا محمد الیاس صاحب نور اللہ مرقدہٗ کہ جن کی تبلیغی اور اصلاحی تحریک اس وقت دنیا کے تقریباً ہر حصہ میں پھیلی ہوئی ہے اور مولانا اور ان کے خلفاء کے ذریعہ عمومی اصلاح جو ہوئی اور ہو رہی ہے وہ بے مثال ہے۔ دوسرے حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مدظلہ العالی جن کے مریدین و منتسبین کی کثرت اور ان کے ذریعہ اس سلسلہ میں داخل ہونے والوں کی تعداد اتنی زیادہ ہے جو لاکھوں سے بڑھ چکی ہے اس دور میں اتنی زیادہ تعداد میں منتسبین اور کہیں نہیں ملتے،

بہرحال حضرت مولانا خلیل احمد صاحب کے سلسلہ کو جو قبولیت عام حاصل ہوئی ہے اور اس سے جو مبارک اور مفید نتائج برآمد ہوئے ہیں اور اتباع سنت، زہد و تقویٰ اور تعلق مع اللہ کی ایسی بہار آئی ہے کہ شاید باید۔

مولانا عاشق الٰہی صاحب میرٹھی آپ کی طرف رجوع عام کے متعلق لکھتے ہیں۔

> "عوام سے زیادہ آپ کی طرف علماء اور اہل ذوق کا رجوع ہوا کہ اس جماعت کے ایک شخص کی اصلاح گویا ہزاراں ہزار کی اصلاح تھی"

دوسری جگہ لکھتے ہیں۔

> "جہاں تک مجھے علم ہے اطراف ہند میں حضرت کے منتسبین بڑی تعداد میں پھیلے ہوئے ہیں اور آخر زمانہ میں تو اتنا رجوع بڑھا کہ ایک دفعہ میں کئی کئی سو کو آپ نے اس طرح بیعت کیا کہ عمامہ دور تک پھیلا دیا اور طالبین اس کو

www.abulhasanalinadwi.org

پڑے چلے گئے جو سفر بھی آپ کا ہوا جہاں آپ نے دینی مدارس کی بقاء اور زائرین کی تعلیم دین کا نفع اس سے اٹھایا وہیں سلسلۂ روحانیہ کی تخم ریزی بھی فرمائی اور بدعت و معاصی سے توبہ کرا کے اتباعِ سنت پر جمے رہنے کا عہد لیا۔[1]

حضرت مولانا جہاں بھی تشریف لے جاتے آپ کی خدمت میں عوام و خواص کا ایک جمِ غفیر حاضر ہوتا اور بکثرت لوگ بیعت ہوتے، آپ رنگون تشریف لے گئے وہاں علماء، تجار، ملازم پیشہ سبھی حضرات نے آپ سے انتساب کو اپنے لئے باعثِ فخر جانا سہارنپور سے دہلی تک کے سارے علاقے آپ کے گرویدہ اور آپ سے عقیدت کا تعلق رکھنے والے بیعت و ارادت سے مشرف ہونے والے تو اتنے زیادہ تھے جن کا شمار ہی نہیں ہو سکتا۔

آپ کے دوروں میں ہر دورہ بار آور ہوتا اور ہزاروں اشخاص کی اصلاح و تربیت کا ذریعہ بن جاتا لیکن ان میں سب سے زیادہ کامیاب اور مفید دورہ وہ تھا جو آپ نے اہلِ میوات کی خواہش پر اور مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی درخواست پر حجاز جانے سے پہلے کیا اس دورہ میں میواتی حضرات آپ کے ارد گرد پروانوں کی طرح جمع ہو گئے اور ان میں ہزاروں آدمی آپ سے بیعت ہوئے۔ اس دورہ کا حال مولانا عاشق الٰہی صاحب میرٹھی سے سنئے۔

> جب آپ نے ہندوستان چھوڑنے کی دل میں ٹھان لی تو باوجود ضعیف اور علیل ہونے کے آپ نے میوات جانے کا عزم کیا اور تشریف لے گئے یہ قدرتی ایک کشش تھی کہ آپ کا پہلا سفر اور ان لوگوں میں جانا ہوا مگر مخلوق آپکا نام ہی سن کر زیارت کے شوق میں گھروں سے نکل تو یہ عالم تھا کہ تعصب فوج

---

[1] تذکرۃ الخلیل صـ ۳۱۰

www.abulhasanalinadwi.org

ہی کے نہیں بلکہ گرد و نواح کے دیہات اور دور دور کے ہندو مسلمان بچے اور جوان ہزاروں ہزار کی تعداد میں گھروں سے نکل کھڑے ہوئے اور اس شوق میں کہ ہم زیارت کریں بستی کے باہر شہر کے دونوں طرف قطار باندھ کر دور تک پرے باندھ لیے حضرت کی موٹر وہاں پہنچی تو حضرت اتر لئے اور مخلوق پروانہ وار گری تو خدام کو اندیشہ ہوا کہ حضرت گر نہ جائیں مگر اللہ رے ہمت سبھی سے آپ نے مصافحہ کیا اور آگے بڑھے کہ دس ہزار کی تو بات ہی کچھ نہ تھی اور ہر شخص کی زبان پر بے اختیار یہ لفظ جاری تھے واہ واہ پیر کیا ہیں فرشتہ ہیں دل چاہتا ہے اس نور کے ٹکڑے کو دیکھتے ہی جاؤ۔ پیر بہت دیکھے مگر ایسا سوہنا پیر کبھی نہیں دیکھا۔

جمعہ کا دن تھا نماز ہوئی تو مسجد اندر باہر سے بلکہ چھت ساری پر اور راستے دور تک بند کہ کبھی سارے ملک کو یہ دن دیکھنا نصیب نہ ہوا تھا۔ نماز کے بعد وعظ شروع ہوا اور حضرت قیام گاہ پر تشریف لے آئے کہ واعظ مرعوب ہو دل کے دل وعظ چھوڑ کر حضرت کے پیچھے ہو لئے کہ کہیں تو وعظ میں یہ مزا کہیں آتا جو پیر کی صورت دیکھنے میں آتا ہے کہ نور کی شعاعیں نکل رہی ہیں گلاب کا پھول کھلا ہوا مہک رہا ہے خدا جانے کتنی دیر کا مہمان ہے بس پیر کی تو صورت دیکھتے ہی جاؤ جانے پھر دیکھنا نصیب ہو یا نہ ہو پھر اس بے شمار مخلوق نے الٹی پلٹی باتوں کی اپنی گنواری زبان میں پوچھ پاچھ جو شروع کی تو سننے والے پریشان ہوئے جاتے تھے مگر ہر بات کا جواب مسکرا کر دیتے اور ان کی دل لگتی دلیل سے ان کو سمجھاتے تھے آخر بیعت کا وقت آیا تو ایک پر ایک گرتا اور ہر شخص چاہتا تھا کہ یہ سعادت سب سے اول مجھے حاصل ہو مگر صدہا کا مجمع اور حضرت کے دو ہاتھ اس لئے عمامہ دور تک پھیلا دیا گیا اور ایک کافی نہ ہوا تو دوسرا اور تیسرا عمامہ اس میں باندھ دیا گیا اور دو طرفہ صف اس کو

www.abulhasanalinadwi.org

تھامے ہوئے دور تک چلی گئی ہے[1]

رجوع عام کے علاوہ خواص اور علما، اہل علم و فضل اہل دل اور اہل نظر کا آپ کی طرف خصوصی رجوع تھا آپ کے مریدین اور منتسبین میں اہل علم و فضل اتنی کثرت تھی کہ جس کی مثال ہم عصر مشائخ میں شاذ و نادر ہی ملے گی۔

قوت نسبت آپ کو اللہ نے بڑی قوت نسبت عطا فرمائی تھی، آپ بسا او اپنی قوت قلبیہ سے کام لیتے اور آپ کی اس قوت نسبت اثر دوسروں پر پڑتا اس سلسلہ کے دو چار واقعات نمونہ کے طور پر پیش خدمت اس سے اندازہ ہوگا کہ آپ کے علم و فضل کے ساتھ ساتھ قوت باطنی اور تصرف کا درجہ تھا آپ کی بسا اوقات توجہ سے سخت سے سخت دل کی کایا پلٹ ہو جاتی تھی وساوس اور خطرات کی اصلاح ہوتی تھی آپ کی نظر کیمیا اثر بعض دفعہ وہ اثر دکھا تھی کہ مخالف سے مخالف شخص بھی آپ کا قائل اور گرویدہ ہو جاتا تھا اس سلسلہ سہارنپور کا وہ مشہور مناظرہ جو مسلمانوں اور آریوں کے درمیان ہوا تھا آپ کی تو قوت قلبی کی وجہ سے مسلمانوں کے حق میں پلٹ گیا تھا، یہ مناظرہ خاص سہارنپو ہوا حضرت مولانا بنفس نفیس اس میں شریک ہوئے اس مناظرہ میں مسلمانوں کی طرف فریقوں کی تقریروں کو قلمبند کرنے کے لئے مولانا کفایت اللہ صاحب اور مولانا صاحب مقرر ہوئے مولانا کفایت اللہ صاحب لکھتے ہیں۔

"مجلس مناظرہ میں آریوں کی طرف سے ایک جوان خوبصورت گیروے کپڑے پہنے ہوئے سادھو تھا جو آرام کرسی پر لیٹا رہتا اور جب مسلمانوں کے مقرر تقریر کرنے کے لئے کھڑے ہوتے تو وہ گردن جھکا کر بیٹھ جاتا تھا۔ مقررین اسلام کی تقریریں نہایت پراگندہ اور خراب ہو رہی تھیں حتی کہ مولانا عبدالحق حقانی جیسے دور و تسلسل

---

[1] تذکرۃ الخلیل صفحہ ۲۲۹-۲۲۸

www.abulhasanalinadwi.org

کی تقریر بھی نہ ہو سکی تو میں نے صدر جلسہ مرزا عزیز بیگ کو ایک پرچہ پر لکھ کر دیا کہ مسلمانوں کی طرف سے جب مناظر تقریر کرنے کے لئے کھڑا ہوتا ہے تو یہ جوگی اثر ڈالتا ہے لہٰذا مولانا خلیل احمد صاحب کو اس کی اطلاع دیدو صدر جلسہ نے یہ پرچہ پڑھ کر حضرت کی طرف سرکا دیا اور حضرت نے پرچہ پڑھتے ہی گردن جھکالی کہ دونوں حق و باطل میں تصرف قلب کی جنگ ہونے لگی دو منٹ بھی نہ گزرے تھے کہ وہ سادھو بے قرار ہو کر آرام کرسی سے اٹھا اور میدان جلسہ سے باہر چلا گیا پھر کیا تھا مسلمانوں کی وہ تقریریں ہوئیں کہ گویا دریا کا بند کھل گیا۔ اور حالانکہ اس مناظرہ میں بہت کچھ بے عنوانیاں ہوئی تھیں مگر نتیجہ یہ نکلا کہ گیارہ آدمی مشرف بہ اسلام ہوئے اسی دن دوپہر کو کھانا کھاتے میں حضرت نے فرمایا اس کا تو مجھے یقین تھا اور ہے کہ اسلام غالب رہے گا الحق یعلو ولا یُعلیٰ مگر حق تعالیٰ کی شان بے نیاز ہے اس کا خوف ہر وقت اور ہر بشر کو ہے۔[1]

حضرت مولانا کی قوت قلبی اور باطنی تصرف توجہ کی کیمیا اثری کا ایک واقعہ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مدظلہ العالی بیان فرماتے ہیں بلکہ اپنا مشاہدہ تحریر کرتے ہیں۔

حضرت قدس سرہٗ ایک ضرورت سے مظفر نگر کسی صاحب سے ملنے کے لئے تشریف لے گئے یہ ناکارہ بھی ساتھ تھا مگر ان کے مکان پر پہنچے تو صاحب مکان وہاں موجود نہیں تھے گھر میں گئے ہوئے تھے اور ایک پیر صاحب ایک آرام کرسی پر نہایت جبہ قبہ پہنے ہوئے آرام سے لیٹے ہوئے تھے حضرت تشریف لے گئے، اور بہت دور ایک معمولی سی کرسی پر بیٹھ گئے چند ہی منٹ گزرے ہوں گے کہ وہ

---

[1] تذکرۃ الخلیل ص ۳۳۸

www.abulhasanalinadwi.org

پیرصاحب نہایت گھبرا کر یوں کہتے ہوئے کہ مجھے بڑا کرم ہے بڑا کرم ہے یہ لفظ تو
میں نے بھی کئی دفعہ زور سے سنے تھوڑی دیر بعد پیر صاحب مکان کے
اندر سے آئے حضرت کو بیٹھے ہوئے دیکھ کر بہت ہی ندامت اور قلق کا اظہار
کیا کہ حضرت اطلاع نہیں ہوئی ورنہ میں اسٹیشن پر حاضر ہوتا حضرت نے
ارشاد فرمایا اس کی کیا ضرورت تھی مجھے تو مکان معلوم تھا حضرت اپنی ضرورت
سے فارغ ہو کر واپس تشریف لانے لگے انھوں نے قیام طعام پر اصرار بھی
کیا حضرت نے فرمایا کہ مشغولی تھی فلاں ضروری بات کی وجہ سے آنا ہوا
تھا اور حضرت معذرت فرما کر اسٹیشن تشریف لے آئے[1]

سہارنپور میں مدرسہ کا ہر سال جلسہ ہوا کرتا تھا اور دور دور سے کثرت اہل
تعلق اور دینی جذبہ رکھنے والے حضرات تشریف لاتے اور اس بہانے حضرت مولانا کی
زیارت کرتے بابرکت صحبت سے فیض اٹھاتے اور آپ کی توجہ سے اصلاح نفس کا
فائدہ اٹھاتے ایک سالانہ جلسہ سے فارغ ہو کر آنے والے حضرات اپنے اپنے
گھروں کو واپس ہو رہے تھے ایک گاڑی میں جو پنجاب جا رہی تھی مہمانوں کی کثیر
تعداد سوار ہوئی اتفاق کی بات کہ اس ڈبے میں جو جلسہ سے فارغ ہونے والوں
سے بھرا ہوا تھا ایک سادھو بھی بیٹھا ہوا تھا جو ہردوار سے آ رہا تھا اژدہام کو دیکھ
سادھو نے پوچھا یہ کیسی بھیڑ ہے۔ حضرت مولانا کے ایک خادم نے جو اس گاڑی میں سوار
تھے جواب دیا کہ سہارنپور میں ایک بڑے بزرگ رہتے ہیں یہ سب لوگ ان کی
زیارت کو آئے تھے وہ سادھو حضرت مولانا کے حالات پوچھنے لگا اور اس کے بعد
سر جھکا کر بیٹھ گیا وہ خادم آگے کا حال اس طرح بیان کرتے ہیں۔

"کچھ دیر کے بعد مجھے محسوس ہوا کہ قلب پر ایک غیر مانوس اثر اور دباؤ پڑ رہا ہے

---

[1] آپ بیتی نمبر ۶ ص ۳۴۹

www.abulhasanalinadwi.org

اس کا ظاہری سبب کچھ معلوم نہیں ہوتا اور دل اندر سے گھبراتا اور اڑان ہوا جاتا ہے حیران تھا کہ دن ہے رات نہیں مجمع ہے تنہائی نہیں، ریل کا ڈبہ کھچا کھچ بھرا ہوا ہے جنگل یا بیابان نہیں ہے پھر یہ وحشت اور پریشانی کیوں ہے کہ طبیعت آپے سے نکلی جاتی ہے اور زبان گنگ اور سن ہوئی جاتی ہے اسی پریشانی میں تھا کہ دفعۃً حضرت کی شبیہ نظر آئی اور ۳۱۳ کا عکس دل پر پڑنا شروع ہوا اور اشارہ ہوا کہ پڑھو حسبی اللہ ونعم الوکیل چنانچہ زبان گنگ تھی مگر دل نے اس کا ورد شروع کیا اور گھبراہٹ اور اضطراب کے بادل پھٹنا شروع ہو گئے چند منٹ میں وہ کیفیت جاتی رہی اور قلب کو سکون نصیب ہوا کان میں آواز آئی سادھو کہتا ہے تمھارے گرو واقعی بڑے کامل اور بہت زور والے ہیں اس وقت میں سمجھا کہ یہ اثر ڈال رہا تھا اس لئے میں نے کہا بس تم میں اتنی ہی ہمت تھی ذرا کچھ کر کے دکھایا ہوتا وہ کھسیانا ہو گیا اور منہ موڑ کر بیٹھ گیا کہ پھر بات تک نہ کی ؎

"مظاہر علوم کے کسی جلسہ کے موقع پر مہمان بہت زیادہ ہو گئے اور کھانا اتنا پکا کہ آدھے کھانے والوں کو بھی کافی نہ تھا، مہمانوں کی کثرت تیار شدہ کھانے کی کمی، وقت کی تنگی اور دوبارہ مزید کھانا پکنے کی مشکل ایسی آگئی کہ جلسے کے منتظمین اور مدرسہ کے ذمہ دار گھبرا گئے کہ وقت اتنا زیادہ ہو گیا کہ مزید کھانا پکنے میں پورا دن لگ جائے گا اس کیفیت کا حال مولانا عاشق الہٰی صاحب اس طرح لکھتے ہیں۔

"حافظ عبداللطیف صاحب نے یہ حالت حضرت سے عرض کی اور یہ بھی کہا کہ باورچی بھی تھک گئے ان میں پکانے کی ہمت بالکل نہیں، حضرت نے فرمایا کھانے کو چادروں سے ڈھانک دو میں آتا ہوں چنانچہ حضرت نے تشریف لا کر کچھ پڑھا اور کھانے پر

؎ آپ بیتی نمبر ۶ ص ۳۴۱-۳۴۹

www.abulhasanalinadwi.org

دم کر کے دعائے برکت فرمائی اور حکم دیا کہ کپڑا دیگ کے منہ سے نہ اٹھایا جائے اور نیچے سے کھانا نکال کر کھلانا شروع کر دیا جائے، الحمد للہ کہ سب مہمان فارغ ہو گئے اور کھانا بہت زیادہ بچ رہا۔[1]

قوت قلبی کیمیا اثر نظر، کشف و کرامات اور تصرفات کے بے شمار واقعات ہونے کے باوجود حضرت مولانا کے یہاں ان کی کوئی وقعت نہیں تھی آپ کے اوصاف میں سب سے بڑا وصف اتباع سنت تسلیم و رضا اور استقامت کا وصف تھا آپ نہ ان کو اہمیت دیتے تھے نہ ادھر توجہ فرماتے تھے اور اگر اپنے منتسبین میں سے کسی میں ان کا کوئی اثر دیکھتے تو اس کی تربیت فرماتے۔ حضرت شیخ الحدیث تحریر فرماتے ہیں۔

"ان تمام واقعات کے ساتھ ساتھ اس بات کا لحاظ بھی ضروری ہے کہ میرے اکابر کے یہاں تصرفات کی کوئی وقعت کبھی نہیں ہوئی بلکہ ان کے روکنے کی کوشش ہوئی.... میرے چچا جان نور اللہ مرقدہٗ کے ابتدائی سلوک میں جو خطوط خوارق یا مکاشفات کے ہوتے تھے تو میرے حضرت (مولانا) خلیل احمد صاحب اُن کے جوابات میں یہ لکھوایا کرتے تھے کہ ان چیزوں کی طرف التفات ہرگز نہ کریں یہ ترقی سے مانع ہیں۔[2]

---

[1] تذکرۃ الخلیل صفحہ ۳۷۴ [2] آپ بیتی نمبر ۶ صفحہ ۲۵۵

www.abulhasanalinadwi.org

بارہواں باب

معمولات ونظام الاوقات

عادات ومرغوبات اور سراپا

كل امرءٍ فی امور الدھر مشتغل
وانت عن کلھا فی احسن الشغل

www.abulhasanalinadwi.org

www.abulhasanalinadwi.org

بارہواں باب

معمولات و نظام الاوقات عادات و مرغوبات اور سراپا

حضرت مولانا کا اٹھنا بیٹھنا کھانا پینا خاموش رہنا اور بات کرنا اتباع سنت میں ہوتا تھا شریعت کی اتباع آپ کی طبیعت ثانیہ بن گئی تھی جو بھی آپ کو دیکھتا آپ کے پاس بیٹھتا آپ کی باتیں سنتا تو وہ بے ساختہ کہہ اٹھتا کہ آپ سراپا اخلاق ہیں مجسم عشق نبوی اور علم و عمل کے جامع ہیں آپ کے چہرے کو دیکھ کر خدا یاد آجاتا اور آپ اقبال کے اس شعر کے مصداق نظر آتے۔

یقیں محکم عمل پیہم محبت فاتح عالم
جہاد زندگانی میں یہ مردوں کی ہیں شمشیریں

مولانا عاشق الٰہی صاحب تحریر کرتے ہیں۔

"قدرت نے آپ کو عادات طبعیہ اور معمولات جسدیہ کا کچھ ایسا بہترین مشغلہ نصیب فرمایا تھا کہ حاضرین و زائرین علماء و عوام کو آپ کے ہر لمحہ اور ہر آن کے حرکت و سکون میں اس کا علمی و عملی سبق ملتا تھا کہ انسان دنیا میں کس غرض کیلئے آیا ہے اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کس حیات طیبہ کی تعلیم کے لئے یہاں تشریف لائے تھے آپ کے مشاغل حسنہ دیکھ کر غبطہ ہوتا اور بے اختیار زبان سے نکلتا۔

کل امرء فی امور الدھر مشتغل
دانت عن کلھانی احسن الشغل[1]

---

[1] تذکرۃ الخلیل ص ۳۵۲

www.abulhasanalinadwi.org

تلاوت قرآن

حضرت مولانا نے قرآن مجید کی تلاوت کو ایسا مشغلۂ زندگی بنایا اور اس کو اپنے معمولات میں ایسا داخل کیا کہ آخر تک اس سے شغف رکھا اور اس کی تلاوت برابر فرماتے رہے، آپ نے اس نعمت کی ایسی قدر دانی کی اور اس کے ورد کا ایسا اہتمام کیا کہ گرمی سردی سفر حضر پریشانی اور اطمینان کے دور میں شب و روز اس کی تلاوت کی جن کو آپ کی خدمت میں رہنے کا موقع ملا اور انھوں نے آپ کے معمولات کا مشاہدہ کیا آپ کی خدمت میں رہے ان کا کہنا ہے کہ آپ کی زندگی میں کوئی دن ایسا نہیں گزرا جو قرآن کریم کی تلاوت سے خالی رہا ہو آپ جیسا مشغول انسان جس کا مشغلۂ زندگی متضاد علمی و عملی کاموں کا ہو ایک طرف گھنٹوں پڑھانا مریدین کی تربیت خانگی ضرورتوں کو پورا کرنا آنے جانے والوں سے ملاقات، مسائل کے پوچھنے والوں کو جواب دینا یا لکھنا بار بار اور مسلسل سفر کرنا اور اس پر کلام اللہ کی ایسی تلاوت کہ مشغول سے مشغول انسان کو رشک آئے مولانا عاشق الٰہی صاحب لکھتے ہیں۔

> آپ نے پورے قرآن مجید کا ختم اپنی نماز کا جز بنالیا کہ کم ازکم سوا پارہ ورنہ تو اڑھائی پارے بعد مغرب صلوٰة الاوابین کی چھ رکعت میں پڑھا کرتے جو کبھی سفر اور مرض میں بھی قضا نہ ہوتی تھی۔ اِلّا نادرًا اور کبھی ریل میں سفر اور ہجوم سواریان کی وجہ سے طویل نوافل کا اتفاق سے موقع ہی نہ ملا تو پارہ ہائے قرآن مجید کو بیٹھ کر ضرور پورا فرمالیتے تھے، اسی طرح تہجد کی بارہ نفلوں میں دوسرا ختم معمول تھا کہ دو پارے سے لے کر چار پارے تک جتنا وقت اور سکون کے ساتھ جس مقدار میں طبیعت کا لگاؤ پاتے وہ تلاوت فرماتے کہ اس کا بھی اس قدر اہتمام تھا جسکی نظیر ملنا مشکل ہے [1]

---

[1] تذکرۃ الخلیل صـ ۳۸

www.abulhasanalinadwi.org

حضرت مولانا نے تلاوت قرآن مجید کا زندگی بھر ایسا اہتمام رکھا کہ رات کی تاریکی
ں کہ جب ہاتھ کو ہاتھ نہیں سجھائی دیتا تھا سفر کی وجہ سے جسم کا جوڑ جوڑ دکھ رہا تھا کہ
ہو گئے، آہستہ قدم ٹٹولتے ٹٹولتے تاروں کی جھلملاہٹ میں آگے بڑھے ایک شکستہ حال
سجد جس کی سیڑھیاں بھی صحیح سالم نہ تھیں کو پالیا قدم اٹھایا مسجد میں داخل ہو گئے
ور نیت باندھ لی اور قرآن شریف کی تلاوت شروع کر دی۔

گاڑی رواں دواں ہے ہجوم ایسا کہ بیٹھنا بھی دشوار جو بیٹھا بیٹھا رہ گیا ہلنا
بھی مشکل ہکیسا وضو اور کیسی نفلیں، مگر قرآن کریم کی تلاوت اور اپنے رب کریم سے مناجات
کا ایسا شوق کہ کسی نہ کسی طرح اٹھ کر بہ ہزار دقت ریل کا دروازہ کھولا اور وضو کیا،
ماز پڑھنے کی کہیں جگہ نہ تھی، جاہل قسم کے مسافر جو ذرا ذرا سی بات پر لڑ بیٹھیں
مگر آپ نے اللہ کا نام لے کر جگہ بنائی اور پورے سکون و اطمینان کے ساتھ کھڑے ہو کر
بھی لمبی آٹھ رکعتوں میں تلاوت قرآن کا اپنا معمول پورا کیا۔

حج کا مبارک سفر اور منیٰ کا قیام شغدفوں کی ایسی کثرت کہ راستہ چلنا مشکل مگر
آپ کے معمول میں فرق نہ آیا دو شغدفوں کے بیچ میں تنگ جگہ میں کھڑے ہو کے
قرآن مجید کے اس معمول کو جو آپ کو اپنی جان سے زیادہ عزیز تھا پورا کیا۔

جہاز چل رہا ہے طوفان آیا ہوا ہے، جہاز ڈانوا ڈول ہے ہر شخص جہاز کی
حرکت سے بیزار اور اختلاج و استفراغ میں مبتلا ایک لمحہ کے لئے کھڑا ہونا مشکل سے
مشکل تر مگر آپ کے معمول میں ذرہ بھر فرق نہ آیا اپنے مولا کے سامنے کھڑے ہو کر گھنٹہ
سوا گھنٹہ دو ڈھائی پارے پورے سکون کے ساتھ پورے کر رہے ہیں۔ تلاوت
قرآن کے معمول کا یہ حال تھا کہ تلاطم کی وجہ سے جب آپ کھڑے ہو ہی نہیں سکتے تھے
تو لیٹے لیٹے پارہ سوا پارہ ضرور پڑھ لیا کرتے تھے۔

اور ان واقعات میں سب سے موثر واقعہ وہ ہے جو آپ کی صاحبزادی کی وفات
اور اس وقت آپ کی شب بیداری، تیمار داری اور اس پر تلاوت اور نماز کے

www.abulhasanalinadwi.org

معمول کے پورا کرنے کا ہے۔ اس واقعہ کو مولانا عاشق الٰہی صاحب تحریر کرتے ہیں۔

"آپ کی جوان لڑکی ہانی مرحومہ تپ دق میں مبتلا ہوئی اور جب اس کی زندگی سے یاس ہوئی تو آپ اس کو انبہٹہ لے گئے اوائل رمضان مدرسے کی چھٹیوں میں آپ وطن آئے تو اس کا پیمانۂ حیات لبریز ہوا مرحومہ کی دنیوی زندگی کی سب سے آخری رات آئی۔ تو اس نے بھی محسوس کرلیا کہ اب دن کی دھوپ یا شب کی چھاؤں کا دیکھنا نصیب میں نہیں اس لئے مرحومہ نے باپ سے خواہش کی کہ ابا آج آخری تکلیف اٹھالو اور یہ شب میرے پاس بیٹھ کے گزار دو کہ تمہارا چہرہ دیکھتی ہوئی رخصت ہوجاؤں مرحومہ کا محبوب شوہر مجنوں ہوچکا اور اسکے بقید حیات ہوتے ہوئے گویا مرجانے سے اس مرحومہ کے قلب پر ایسا صدمہ بیٹھا تھا کہ یہی بظاہر اس کے تپ کہنہ میں مبتلا ہونے کا سبب ہوا تھا، اس لئے حضرت کو اس لخت جگر کے ساتھ محبت بھی زیادہ تھی آپ کئی راتیں اس کی تیمارداری میں ایسی گزار چکے تھے کہ سونا برائے نام ملا تھا اور یہ تو وہ فیصلہ کن شب تھی جس کے متعلق حضرت بھی سمجھ چکے تھے کہ کل کا دن نور نظر کے مٹی میں چھپانے اور دفن و کفن میں مشغول ہونے کا ہے اس لئے ماں باپ دونوں اس کے پاس بیٹھ گئے، نصف شب گزری تھی کہ سانس میں تغیر پیدا ہوگیا اور سکرات شروع ہوگئی، رات کا سناٹا تھا اور حضرت کے لئے یہ جاں گداز نظارہ۔ یٰسین شریف پڑھتے تھے اور بیٹی پر دم کرتے جاتے، اس حسرتناک منظر میں وہ وقت آگیا جس میں حضرت کا اپنے مولا کے سامنے حاضری دینے اور اس کے کلام پاک کے تین جزء اس کو سنانے کا معمول تھا اسلئے آپ یہ بیوی سے کہہ کر کہ تم ہانی کے سانس دیکھتی رہو میں چند نفلیں پڑھ لوں اٹھ کھڑے ہوئے اور وضو فرماکر اپنے شغل میں لگ گئے جس کے پچاس برسوں سے عادی تھے اس حالت میں بھی آپ محافظ قرآن پاک کی حالت مستمرہ سے

غافل نہ رہے اور وہی تعداد پوری فرمائی جس کی عادت تھی۔ ہاں! ہر دو رکعت پر سلام پھیرتے اور اہل سے پوچھتے تھے کہ کیا حال ہے اور جب یہ جواب سنتے کہ ابھی سانس باقی ہیں تو پھر نیت باندھ لیتے اور تلاوت شروع فرما دیتے تھے آخر ادھر آپ کا معمول ختم ہوا اور ادھر مرحومہ کی سانس ختم ہوئی سلام پھیرنے پر جب آپ نے پوچھا کیا حال ہے تو جواب سنا کہ رخصت ہوگئی اور اللہ کو پیاری ہوئی تب آپ اناللہ پڑھ کر جنازہ کے سرہانے آ بیٹھے اور اہل سے فرمایا ابھی تو وقت باقی ہے نفلیں پڑھنا ہوں تو پڑھ لو

آنکس کہ ترا شناخت جاں راچہ کند — فرزند و عیال و خانماں راچہ کند[1]
دیوانہ ہر دو جہاں را بخشی — دیوانۂ تو ہر دو جہاں راچہ کند

معمولات اور نظام الاوقات

حضرت مولانا کے معمولات اور نظام الاوقات کا تین قسموں میں تقسیم کرنا مناسب ہے پہلا عمومی جو عام دنوں گھر پر رہا کرتے تھے دوسرے قسم کے معمولات سفر کے دوران رہتے تیسرے معمولات رمضان المبارک میں ہوا کرتے پہلے تو قیام گاہ کے معمولات پیش کئے جائیں گے اس کے بعد دوسرے اگرچہ آپ کے معمولات سفر میں حضر میں اور رمضان مبارک میں یکساں ہوتے تھے اور کوئی خاص فرق ان میں نہیں ہوتا تھا لیکن تھوڑی بہت تبدیلی اور کمی بیشی ہو جاتی تھی۔

حضرت شیخ الحدیث صاحب مدظلہ آپ کے معمولات کا اس طرح اظہار کرتے ہیں۔

حضرت قدس سرہٗ کا معمول بارہ مہینے صبح کی نماز کے بعد سے تقریباً اشراق تک سردیوں میں حجرہ کے کواڑ بند کر کے اور شدید گرمی میں مدرسہ قدیم کے صحن میں چارپائی پر بیٹھ کر اوراد کا معمول تھا اس میں مراقبہ بھی ہوتا تھا بارہ مہینے اشراق

---

[1] تذکرۃ الخلیل صفحہ ۴۰۵

www.abulhasanalinadwi.org

کی نماز سے فارغ ہونے کے بعد ۱۳۳۵ھ سے پہلے بخاری اور ترمذی شریف کے سبق کا وقت تھا لیکن ۱۳۳۵ھ کے بعد سے بذل کی تالیف کا وقت ہوگیا تھا جو ہر موسم میں ۱۱-۱۲ بجے تک رہتا۔[1]

قیام گاہ کے دن کے معمولات

فجر کی نماز کے بعد آپ حجرے میں تشریف لے جاتے اور اشراق تک مراقبہ فرماتے پھر اشراق کی نماز کے بعد قضائے حاجت فرماتے فارغ ہونے کے بعد وضو فرماتے اور درس کے مبارک مشغلہ میں مشغول ہوجاتے آپ کا درس درسگاہ میں ہوتا تھا۔ لیکن جب بذل المجہود کا کام شروع فرمایا اور اسباق کے درس سے فراغت ملی تو یہ وقت بذل کی ترتیب اور تالیف میں گزرنے لگا اسی دوران ڈاک آتی جو مدرسہ کا چپراسی لایا کرتا تھا اس ڈاک میں سے اپنے ذاتی خطوط نکال کر باقی خطوط مدرسہ کے مہتمم صاحب کے پاس بھیج دیتے تھے اور گیارہ بجے ان کاموں سے فارغ ہو کر اپنے مکان تشریف لے جاتے۔ مکان پر جاکر مہمانوں کے ساتھ کھانا تناول کرتے لیکن آخر زمانے میں جب ضعف و اضمحلال بڑھ گیا اور دانت باقی نہیں رہے تو اپنے گھر میں تنہا کھانا کھاتے اسکے باوجود اگر کوئی خاص مہمان آجاتا تو اس کے ہمراہ باہر کھانا کھاتے۔ کھانے کے بعد گھنٹہ یا سوا گھنٹہ قیلولہ کرتے قیلولہ کے بعد وضو کر کے مکان ہی پر سنت ادا کرتے اور جماعت کے وقت سے دس منٹ پہلے مدرسہ میں تشریف لاکر اپنے حجرے کے قریب، جو مسجد کے شمال جانب مدرسہ قدیم میں ہے نماز کے انتظار میں بیٹھے رہتے۔ مدرسہ قدیم کی مسجد میں ظہر کی نماز گرمیوں میں اولاً دو بجے پھر تین بجے ہوا کرتی تھی اور جاڑے میں اولاً ایک بجے اور پھر ڈیڑھ بجے ہوتی تھی اسی حساب سے آپ گھر سے تشریف لاتے اور جماعت میں شرکت فرماتے امامت عام طور پر دوسرے علماء کرتے تھے آپ مقتدی بن کر نماز ادا

---

[1] اکابر کا رمضان صہ ۱۱

www.abulhasanalinadwi.org

فرماتے بعد نماز ظہر درس میں مشغول ہو جاتے لیکن جب آپ آخر عمر میں درس کے کام سے فارغ ہو گئے تو ظہر کے بعد کا وقت تقریباً پون گھنٹہ تلاوت قرآن میں صرف ہوتا، تلاوت کے بعد ان خطوط کے جوابات لکھواتے جو صبح کے وقت آچکے ہوتے تھے، جوابات کے بعد فتاویٰ لکھواتے ان کاموں میں عصر کا وقت آجاتا تھا تو آپ چار رکعتیں نوافل کی پڑھتے، عموماً آپ کا وضو رہتا اس لئے عصر کے لئے نئے وضو کی ضرورت نہیں پڑتی تھی۔

نماز عصر کے بعد مجلس ہوا کرتی تھی موسم کے حساب سے مجلس کی جگہ بدلتی تھی اگر گرمی کا موسم ہوتا تو مدرسہ کے صحن میں مجلس لگتی اور اگر سردی یا بارش ہوتی تو حجرہ کے سامنے سہ دری میں یہ مجلس ہوتی، آپ تشریف رکھتے اور خدام و متعلقین، زائرین اور عقیدت کیش حضرات دور دور سے حاضر ہو کر شریک مجلس ہوتے تھے، آپ کے ہاتھ میں تسبیح ہوتی اور تسبیحات کا ورد جاری رہتا، بیچ بیچ میں آپ گفتگو فرماتے جس میں علمی باتیں، بے تکلف جملے اور آئے دن کے پیش آنے والے مسائل شامل رہتے، شرکاء مجلس میں، علماء، فقہا، طالبین سلوک، طلباء مدرسہ، وکلاء، تاجر اور ملازمت پیشہ حضرات سبھی ہوتے اور سوالات کے ذریعہ اپنے مسائل پیش کرتے غرض کہ یہ مجلس علمی ہونے کے ساتھ ساتھ پر لطف اور پر کیف بھی ہوتی تھی، اور ہر ایک کے تسلی و تشفی کا سامان اس میں ملتا تھا بہت سے لوگ تو صرف اس لئے حاضر ہوتے کہ آپ کی نورانی صورت کو دیکھیں گے اور شیخ وقت کی مبارک مجلس میں بیٹھیں گے کہ یہ بھی نفع سے خالی نہیں ہے، لایشقی جلیسہم کے مصداق بن کر خدا کی رضا حاصل کریں گے۔

عصر کی اسی مجلس میں کوئی اخبار آتا تو آپ اس کو دیکھتے یا نئی خبر کو پوچھا کرتے ہے جنگ عظیم کے زمانہ میں آپ کو مسلمان ملکوں کی خبروں کی بڑی فکر رہتی تھی، اور الات معلوم کرنے کا اہتمام رہتا تھا، عمومی طور پر آپ اخبار کی سرخیاں دیکھا یا سنا کرتے ے، تاکہ ضروری اور اہم خبریں معلوم ہو جائیں، آپ کے انہی معمولات و نظام الاوقات دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ آپ میں کتنی جامعیت، کتنا توازن، اور کتنی وسعت نظر

www.abulhasanalinadwi.org

تھی نہ آپ زاہد خشک تھے کہ ہر ایک آپ سے گھبرائے اور کترائے نہ اتنے بے تکلف تھے کہ ہر ایک بے خوف ہو جائے ہر چیز اپنی جگہ، علمی وقار بھی قائم تصوف و سلوک کا معیار بھی بلند سے بلند تر، زمانے سے اتنے باخبر کہ ہر نئی چیز پر نظر اتنے صاحب نظر کہ ہر ایک پر صحیح گرفت اتنے بااخلاق کہ دنیادار سے دنیا دار آدمی بھی مجلس میں آکر مستفید ہو اور اپنی اصلاح کرے غرض کہ آپ کے ان معمولات، آپ کے صفات، آپ کے علم و فضل اور معاملات کو دیکھ کر بے ساختہ زبان پر آتا ہے

در کفے جام شریعت در کفے سندان عشق
ہر ہوسناکے نداند جام و سندان باختن

رات کے معمولات

مغرب کی نماز ادا فرما کر چھ رکعتیں اوابین کی پڑھتے ان نوافل میں ایک یا سوا پارہ پڑھا کرتے تھے، اوابین کے بعد رات کا کھانا تناول فرمانے کے لئے اپنے مکان تشریف لے جاتے، کھانے کے بعد وہ مستورات آتیں جو آپ سے بیعت کا تعلق رکھتیں وہ آپ کے سامنے اپنے مختلف مسائل رکھتیں اور آپ ان مسائل کو حل فرماتے ان کے سوالات کے جوابات دیتے اتنے میں عشاء کی اذان ہو جاتی، آپ اذان سن کر مدرسہ تشریف لاتے اور کچھ دیر توقف فرما کر مسجد میں دو یا چار رکعتیں نفل ادا فرماتے پھر جماعت کے ساتھ نماز عشاء ادا فرماتے عموماً عشاء کی جماعت دیر میں ہوتی تھی، آپ اس کا اہتمام فرماتے کہ امام ایسا عالم ہو جو تجوید سے پوری طرح واقف ہو آپ کا یہ بھی معمول تھا کہ اگر امام نے کوئی خلاف تجوید آیت پڑھ دی تو بے تکلف سلام کے بعد امام کو متنبہ فرماتے اور قواعد تجوید بتایا کرتے تھے، امام عام طور پر آپ کے خدام میں یا شاگردوں میں کوئی ہوتا عموماً مولانا حافظ عبد اللطیف صاحب یا مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی امامت کے فرائض انجام دیا کرتے تھے اسی لئے آپ نماز کے بعد بلا رعایت ٹوکا کرتے تھے اور یہ حضرات آپ کی تنبیہ کو اپنے لئے باعث سعادت اور ذریعہ ترقی جانتے تھے۔

www.abulhasanalinadwi.org

عشاء کے بعد آپ کا یہ بھی معمول تھا اور اس کے آپ سختی سے پابند تھے کہ باہر سے آنے والے مہمانوں کی فکر فرماتے اور اگر کوئی خاص مہمان ہوتا تو ذرا دیر ٹھیرتے اور اس سے حال دریافت کرتے ورنہ منتظمین کو ہدایات دے کر مکان تشریف لے جاتے اور چند گھنٹوں کے لئے بستر پر آرام فرماتے اور رات کے آخر حصہ میں خود بخود اٹھ جاتے تھے کسی کو جگانے کی ضرورت پیش نہیں آتی تھی آپ سحر خیزی اور شب بیداری کے اتنے عادی تھے اور نیند آپ کے اتنے قابو کی تھی کہ اٹھنے میں کبھی تخلف یا تکلف نہیں ہوا جس کا تفصیلی حال اور کیفیت اس باب کے شروع میں نظر سے گزر چکی ہے، قرآن کریم کی آیت تتجافی جنوبهم عن المضاجع يدعون ربهم خوفا وطمعا جن نیک اور خدا رسیدہ لوگوں کے حق میں اتری ہے یقیناً آپ انھیں باخدا بندوں میں امتیازی شان رکھتے تھے۔ سفر ہو حضر ہو صحت ہو بیماری ہو ہر حال میں آپ کی سحر خیزی و شب بیداری کا معمول جاری رہتا تھا۔ نیم شب کے بعد سے تا نماز فجر کا معمول مولانا عاشق الٰہی صاحب یوں تحریر کرتے ہیں۔

حضرت کا معمول آخر شب میں دس یا بارہ نفلیں اور ان میں تقریباً دو پارے تلاوت فرمانے کا تھا، اس کے بعد آپ چارپائی پر داہنی کروٹ لیٹ جاتے اور کوئی پاس ہوتا تو اس سے باتیں کرنے لگتے تھے آخر میں چائے پینے کا معمول بھی اسی وقت ہو گیا تھا فجر ہوتے ہی دو سنتیں پڑھ کر مدرسہ میں تشریف لاتے اور حجرہ کے قریب دیوار سے لگ کر خاموش بیٹھ جاتے مہمان اور خدام بھی حاضر ہو جاتے اور سکوت کے ساتھ بیٹھ جاتے یہ مجلس عجیب پُرانوار ہوتی تھی کہ قلب مبارک سے بقعہائے نور نکل کر اہل مجلس کو ڈھانپتے اور سکینہ و رحمت الٰہیہ کی ٹھنڈی پھوار سب پر برسا کرتی تھی۔ کوئی ضروری بات ہوتی تو حضرت مختصر لفظوں میں فرمادیا کرتے ورنہ یہ پندرہ[۱۵] بیس[۲۰] منٹ خالص سکوت میں گزرتے اور جب اسفار ہو جاتا تو آپ مسجد میں پہلی صف اور یمین امام اختیار فرما کر نماز ادا

www.abulhasanalinadwi.org

کرتے، صحیح اور صاف پڑھنے والا امام آپ کو پسند تھا اور اس لئے اکثر قاری عالم کو آپ امام تجویز فرمایا کرتے تھے شروع میں مولانا عبداللطیف صاحب امام رہے اور پھر مولانا ظفر احمد صاحب، قاری عبدالعزیز صاحب وغیرہ اور آخر میں قاری سعید احمد[1]

جمعہ کے دن کے معمولات

جمعہ کے دن آپ کے معمولات میں کچھ تبدیلی ہو جاتی تھی، اس دن نہ اسباق ہوتے اور نہ کہیں آمد و رفت، صبح کی نماز کے بعد اشراق تک وہی معمول رہتا جو عام دنوں میں رہتا تھا، اشراق کے بعد آپ تشریف رکھتے اور آپ کے سامنے ہفتہ کے دوران آیا ہوا کوئی خاص خط یا مسئلہ یا کوئی مضمون پیش کیا جاتا تو آپ اس کا جواب تحریر فرماتے، اس کام سے فارغ ہو کر آپ جمعہ کی تیاری فرماتے سب سے پہلے خط بنواتے اور اس کے بعد غسل فرماتے، خط بنواتے وقت حلق راس کا معمول تھا باوجود اس کے کہ داڑھی گنجان نہ تھی کنگھا کرتے اور ایک مٹھی سے زائد کتروا دیتے تھے، ان سارے کاموں میں خواہ خط بنوانے کا ہو یا ناخن ترشوانے کا یا لبوں اور داڑھی بنوانے کا یا لباس پہننے کا ان سب میں اتباع سنت کا پوری طرح اہتمام کرتے تھے، غسل کے بعد کھانا تناول فرماتے اور پھر قیلولہ فرماتے ۱۲ بجے قیلولہ سے فارغ ہوتے اور وضو کر کے مدرسہ میں تشریف لاتے اور پھر نماز جمعہ کا خاص لباس زیب تن کرتے کپڑے پہنتے، چوغہ زیب تن کرتے، عطر لگاتے، جو عموماً عنبر کا ہوتا اس کے علاوہ گلاب، مشک حنا کا عطر بھی پسند کرتے، ایک بجے کے قریب دارالطلبہ کی مسجد تشریف لے جاتے اور پہلی صف میں امام کے قریب داہنی جانب ممبر کے سامنے کھڑے ہو کر تحیۃ المسجد ادا کرتے اور پھر جمعہ کی چار رکعت سنت پڑھتے اس کے بعد خطبہ کے انتظار میں بیٹھ جاتے اور اس درمیان تسبیح پڑھتے رہتے۔

---

[1] تذکرۃ الخلیل صہ ۳۱۴

www.abulhasanalinadwi.org

رمضان المبارک کے معمولات

رمضان مبارک کے شب و روز کے معمولات حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مدظلہ العالی نے اپنی کتاب "اکابر کا رمضان" میں تفصیل سے ذکر کئے ہیں جو چند سوالات کے جوابات کی شکل میں ہیں، ہم مندرجہ ذیل سطور میں انہی جوابات سے اقتباس کی شکل میں حضرت شیخ کے الفاظ ہی نقل کر رہا ہوں۔

حضرت قدس سرہٗ کے یہاں گھڑی کا اہتمام اور اس کے ملانے کے واسطے مستقل آدمی جو تمام سال رہتا تھا لیکن خاص طور سے رمضان المبارک میں گھڑیوں کے ڈاک خانہ اور ٹیلیفون وغیرہ سے ملوانے کا بہت اہتمام رہتا تھا۔ افطار جنتریوں کے موافق دو تین منٹ کے احتیاط پر ہوتا تھا۔

کھجور اور زم زم شریف کا بہت اہتمام ہوتا تھا سال کے دوران میں جو حجاج کرام زم زم اور کھجور کے جو ہدایا لاتے تھے وہ خاص طور سے رمضان شریف کے لئے رکھ لئے جاتے تھے۔ زمزم شریف تو خاصی مقدار میں رمضان تک محفوظ رہتا لیکن کھجوریں اگر خراب ہونے لگتیں تو انھیں رمضان سے پہلے ہی تقسیم کر دیا جاتا۔

افطار کے وقت آدھی یا پون پیالی دودھ کی چاء کا معمول تھا اور بقیہ اس سیہ کار کو عطیہ ہوتا تھا۔

افطار کے بعد تقریباً دس منٹ کا فصل ہوتا تھا تاکہ اپنے گھروں سے افطار کر کے آنے والے نماز میں شریک ہو سکیں۔

حضرت کا معمول مدرسہ میں افطار کا رہتا چند خدام یا مہمان پندرہ بیس کے درمیان میں افطار میں ہوتے تھے مدینہ منورہ میں مدرسہ شرعیہ میں افطار کا معمول تھا۔

مغرب کے بعد کی نوافل میں کما کوئی تغیر نہیں ہوتا تھا کیفاً ضرور ہوتا تھا۔ کہ معمول سے زیادہ دیر لگتی تھی عموماً سوا پارہ پڑھنے کا معمول تھا اور ماہ مبارک میں جو پارہ تراویح میں حضرت سناتے وہی مغرب کے بعد پڑھتے۔

www.abulhasanalinadwi.org

اوابین کے بعد مکان تشریف لے جاکر کھانا نوش فرماتے تھے تقریباً بیس پچیس منٹ اس میں لگتے تھے۔ کماً اس وقت کی غذا میں بہت تقلیل ہوتی تھی۔

میرے حضرت قدس سرہٗ کا آخیر کے دو سالوں کے علاوہ کہ ضعف ونقاہت بہت بڑھ گیا تھا، ہمیشہ تراویح میں خود سنانے کا معمول رہا، دارالطلبہ بننے سے پہلے مدرسہ قدیم میں تراویح پڑھایا کرتے تھے، دارالطلبہ قدیم بن جانے کے بعد پہلے سال میں تو حضرت کی تعمیل حکم میں میرے والد صاحب نے قرآن پاک سنایا تھا، اس کے بعد سے ہمیشہ حضرت قدس سرہٗ کا وہاں قرآن پاک سنانے کا معمول رہا۔

اکثر انتیس ۲۹ کی شب میں ختم قرآن کا معمول تھا چند روز تک شروع میں سوا پارہ اور اس کے بعد سے آخر تک ایک ایک پارہ کا معمول تھا۔

تراویح کے بعد پندرہ ۱۵، بیس ۲۰ منٹ حضرت قدس سرہٗ مدرسہ میں آرام فرماتے تھے جس میں چند خدام پاؤں بھی دباتے اور قرآن پاک کے سلسلہ میں کوئی گفتگو ہوتی مثلاً کسی نے غلط لقمہ دے دیا یا تراویح میں اور کوئی بات پیش آئی ہو اس پر تبصرہ، تفریح چند منٹ تک ہوتی، حضرت قدس سرہٗ کے پیچھے تراویح پڑھنے کے لئے دور دور سے حفاظ آتے۔

تراویح کے بعد چند منٹ کے قیام کے بعد مکان تشریف لے جاکر پندرہ بیس منٹ گھر والوں سے کلام فرماتے اور محلہ کی کچھ مستورات اس وقت آجاتیں ان سے بھی کچھ ارشاد فرماتے اس کے بعد ڈھائی تین گھنٹے سونے کا معمول تھا۔

تہجد میں عموماً دو پارے پڑھنے کا معمول تھا کبھی کم و بیش حسب گنجائش اوقات بذل المجہود میں جب نظائر والی حدیث آئی جو مصحف عثمانی کی ترتیب کے خلاف ہے تو حضرت قدس سرہٗ نے اس ناکارہ سے فرمایا تھا کہ اس حدیث کو ایک پرچہ پر نقل کر دینا آج تہجد اسی ترتیب سے پڑھیں گے، یہ فرط محبت اور فرط عشق کی باتیں ہیں۔

ع محبت تجھ کو آداب محبت خود سکھا دے گی

www.abulhasanalinadwi.org

تقریباً صبح صادق سے باختلاف موسم ڈیڑھ یا تین گھنٹے پہلے اٹھنے کا معمول تھا اور صبح صادق سے تقریباً آدھ گھنٹہ پہلے سحر کا معمول تھا پندرہ بیس منٹ میں فراغت ہوجاتی تھی یعنی طلوع فجر سے پندرہ ۱۵ بیس ۲۰ منٹ پہلے۔

سحر میں دودھ وغیرہ کسی چیز کا اہتمام تو نہیں تھا کبھی ہدایا میں پھینیاں آجاتیں تو بلا اہتمام سب گھر والوں کے لئے بھگو دی جاتیں، ایک آدھ چمچہ حضرت قدس سرہٗ بھی نوش فرما لیتے البتہ پلاؤ کبھی کبھی سحر میں حضرت کے یہاں پکائی جاتی تھی افطار میں کبھی نہیں پکائی جاتی تھی سحر میں تازی روٹی پکتی تھی چائے کا معمول تھا۔

صبح کی نماز اسفار میں پڑھنے کا معمول تھا نماز کے بعد تقریباً اشراق تک کواڑ بند کر کے اوراد کا معمول تھا اس میں مراقبہ بھی ہوتا تھا۔

اشراق کی نماز پڑھنے کے بعد ایک گھنٹہ آرام فرماتے اس کے بعد گرمی میں ایک بجے تک بذل لکھواتے اور سردی میں بارہ بجے تک اس کے بعد ظہر کی اذان تک قیلولہ کا معمول تھا۔

ظہر کی نماز کے بعد تراویح کے پارہ کو ہمیشہ حافظ محمد حسین اجراڑوی کو سنایا کرتے تھے کہ وہ اسی واسطے رمضان المبارک ہمیشہ یہاں کیا کرتے تھے کبھی کبھی ان کی غیبت میں اس سیہ کار کو بھی سننے کی نوبت آئی البتہ مدینہ پاک میں ظہر کے بعد پارہ کا سننا اس ناکارہ کے متعلق تھا اور میرے سفر حجاز سے واپسی پر چونکہ بذل بھی ختم ہو گئی تھی اسلئے ظہر کی نماز کے بعد مستقل ایک پارہ اہلیہ محترمہ کو سنانے کا دستور تھا اس پارہ کو جو ظہر کے بعد سنانے کا معمول تھا مغرب کے بعد اوابین میں اوراد کو پڑھتے تھے۔

۳۳ھ کے سفر حج سے پہلے عصر کے بعد میرے والد صاحب نور اللہ مرقدہ سے دور کا معمول تھا جو اسی پارہ کا ہوتا تھا جو تراویح میں سناتے۔

وصال سے دو سال قبل کہ ان دو سالوں میں امراض کا جو اضافہ ہو گیا تھا ان سے قبل میں نے کبھی آخری عشرہ کا اعتکاف ترک فرماتے نہیں دیکھا اور دار الطلبہ بننے سے

www.abulhasanalinadwi.org

قبل مدرسہ قدیم کی مسجد میں کرتے تھے اور دار الطلبہ بننے کے بعد یعنی ۱۳۳۵ھ سے دار الطلبہ میں فرماتے تھے اور اس عشرہ میں بھی بذل کی تالیف ملتوی نہیں ہوتی تھی بلکہ مسجد کلثومیہ کی غربی جانب جو حجرہ ہے اس میں بیس تاریخ کو تالیف سے متعلقہ سب کتابیں پہنچ جاتی تھیں جو صبح کی نماز کے بعد یہ ناکارہ اٹھا کر مسجد میں رکھ دیتا اور تالیف کے ختم پر پھر اسی حجرہ میں منتقل کر دی جاتیں۔

رمضان میں ان دو سالوں کے علاوہ جن میں میرے والد صاحب کے ساتھ دو ہوا تسبیح ہاتھ میں ہوتی تھی اور زبان پر اوراد آہستہ آہستہ کوئی خادم بات دریافت کرتا تو اس کا جواب مرحمت فرما دیتے کچھ لوگ دس پندرہ کی مقدار میں کاندھلہ اور میرٹھ سے رمضان کا کچھ حصہ گزارنے کے لئے حضرت کے پاس آجایا کرتے تھے مگر اعتکاف نہیں کیا کرتے تھے"[1]

یہ وہ معمولات تھے جن کو حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب نے تحریر فرمایا اب مولانا عاشق الٰہی صاحب میرٹھی حضرت مولانا کے معمولات رمضان کو اپنے الفاظ میں اس طرح پیش کرتے ہیں۔

"جب رمضان المبارک کا چاند نظر آتا جو نزول قرآن کا مہینہ ہے اور کثرت سے کلام اللہ کے لئے مخصوص ہے تب تو آپ کی جد وجہد کی کوئی حد ہی نہ رہتی تھی۔ تراویح میں سوا پارہ سنانے کا معمول تھا، ہر رکوع پر رکوع فرماتے اور بیس رکوع روزانہ کے حساب سے ستائیسویں شب کو ختم فرمایا کرتے مظاہر علوم کی مدرسی کے بعد مدرسہ قدیم کی مسجد میں آپ کا معمول محراب سنانے کا رہا اور دار الطلبہ بننے کے بعد دو سال[2] دار الطلبہ کی مسجد میں قرآن سنایا دو سال وہاں کی مسجد

---

[1] اکابر کا رمضان از صفحہ ۵ تا ۱۲۔ [2] ۱۳۳۵ھ سے دار الطلبہ میں شروع ہوا اس میں ایک سال کے علاوہ جس میں میرے والد صاحب نے سنایا ۱۳۴۲ھ تک سنایا (تحریر حضرت شیخ مدظلہ)

www.abulhasanalinadwi.org

میں محراب سنائی سننے والوں کا ہجوم بہت زیادہ ہوتا اور مشتاق دور دور سے رمضان گزارنے آتے ۔ بلکہ بعض حفاظ اپنا سنانا بند کر کے اقتدا کرتے آپ متوسط جہر کے ساتھ نہایت ٹھہر ٹھہر کر پڑھتے کہ ایک ایک حرف سمجھ میں آتا تھا چونکہ جوانی میں یاد کیا تھا نیز پڑھنے میں بھی استغراق ہوتا تھا اس لئے اٹکنے کی نوبت بھی آتی مگر غلط پڑھنے کی نوبت نہیں آتی تھی دفعۃً زبان رک جاتی یا متشابہ لگتا تو بتلانے والے جیسا کہ رواج ہے جلدی سے بولتے اور کبھی غلط بھی بتا دیتے تھے جس کو حضرت نہ لیتے اور خود سوچ کر یا دوبارہ صحیح بتانے والے کے صحیح بتانے پر آگے چلتے تھے بایں ہمہ آپ پر کبھی ناگواری کا اثر نہ ہوتا بلکہ سلام پھیر کر تسلی کے طور پر فرمایا کرتے کہ آخر جب حافظ بھولتا ہے تو سامع کو بھی بھولنا ضرور ہے اگر بھول کر کہیں بتا دیا تو تعجب ہی کیا ہے محراب سنانے کا معمول حضرت کا ہمیشہ رہا مگر عمر شریف جب ستر سال کو پہونچ گئی تو محراب سنانے کا تحمل دشوار ہو گیا اور حضرت فرمانے لگے کہ رکوع کرتا ہوں تو خیال ہوتا ہے کہ دوسری رکعت میں کھڑا نہ ہو سکوں گا مگر ہمت کر کے کھڑا ہو جاتا ہوں ... بیس رکعت اسی طرح پوری ہوتی ہیں کہ ہر رکعت میں گر جانے کا اندیشہ رہتا ہے اور سجدہ سے اٹھ کر کھڑا ہونا پہاڑ پر چڑھنے سے زیادہ مشکل معلوم ہوتا ہے اس حال میں بھی آپ دو سال نبھا گئے اور ہمت نہ ہارے آخر میں جب قوت نے جواب ہی دے دیا تو محراب سنانا چھوٹ گیا مگر اس کے بدلے دوسرے سے سننے اور خالی اوقات میں خود تلاوت کرنے کا شغل بڑھ گیا[1]

حضرت مولانا رمضان مبارک میں قرآن شریف سنانے یا پڑھنے میں اتنی زیادہ محنت کرتے تھے کہ دماغ تھک جایا کرتا تلاوت کے ساتھ ساتھ دوسرے دماغی کام بھی کیا

---

[1] تذکرۃ الخلیل

www.abulhasanalinadwi.org

کرتے اور اس پر ضعیفی کا عالم اُس کو دیکھ کر حضرت مولانا سید احمد صاحب مدنی اور شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب نے مدینہ منورہ میں آخر رمضان کو عرض کیا کہ !

حضرت دماغ کی رعایت بہت ضروری ہے حضرت دماغ سے بہت کام لیتے ہیں مگر حضرت بے ساختہ فرماتے کہ اب اس سے کام ہی کیا لینا باقی ہے جو رعایت کروں ایک مرتبہ فرمایا کہ ضعف کی وجہ سے حافظے پر اثر پاتا ہوں اس لئے مجھے ڈر ہے کہ کلام مجید نہ بھول جاؤں اس لئے اس کا اہتمام کرتا ہوں ایک دفعہ ارشاد فرمایا کہ دماغ چاہے جاوے یا رہے مگر کلام مجید نہیں چھوٹتا[1]

زندگی کے آخری رمضان میں جو آپ نے مدینہ پاک میں گزارا آپ کا معمول بڑا مشقت آمیز اور تھکا دینے والا تھا، حضرت شیخ الحدیث صاحب تحریر فرماتے ہیں۔

"اس آخر رمضان کا تو پوچھنا ہی کیا جو عمر شریف کا آخری رمضان تھا کہ غذا بھی سادہ چائے کا ایک فنجان اور بمشکل آدھی چپاتی رہ گئی تھی تلاوت و سماعت کا مجاہدہ بہت ہی بڑھ گیا تھا یعنی اول صبح کو سوا پارہ حفظ سناتے اور ظہر سے عصر تک مسلسل تلاوت کبھی دیکھ کر کبھی حفظ فرماتے بعد مغرب اوابین میں سناتے پھر عشاء کی نماز حرم میں پڑھ کر مولانا سید احمد صاحب کے مدرسہ میں تشریف لاتے اور قاری محمد توفیق صاحب مدرس تجوید کی اقتدار میں تراویح پڑھتے کہ نہایت اطمینان سے دو پارے پڑھتے جن میں عربی کے پانچ بج جاتے جو یہاں کے سوا بارہ بجنے کا وقت ہے[2]

مولانا عاشق الٰہی صاحب دوسری جگہ تحریر کرتے ہیں

"ماہ رمضان میں آپ کی تقلیل طعام زیادہ بڑھ جاتی تھی مگر معمولات میں کوئی فرق نہ آتا تھا نہ فتویٰ بند ہوتے تھے نہ خطوط کی آمد رکتی تھی اور نہ زائرین کی۔

---

[1] اکابر کا رمضان ص۱۵ [2] ایضاً ص۱۶

www.abulhasanalinadwi.org

ملاقات میں کمی آتی تھی اِس مدرسہ کی تعطیل رہتی تھی اور درس کا وقت تلاوت[1] کلام اللہ کی نذر ہو جاتا تھا آپ افطار میں تعجیل فرمایا کرتے تھے اور سحر میں تاخیر

سفر کے معمولات

حضرت مولانا کے معمولات میں فرق نہ تھا جو قیام گاہ پر رہتے وہی کم و بیش سفر میں بھی رہتے تھے۔ مولانا عاشق الٰہی صاحب آپکے سفر کے معمولات اس طرح تحریر کرتے ہیں۔

حالت سفر میں بھی آپ جماعت کا اہتمام فرماتے اور حتی الوسع ریل ٹھہرنے پر نیچے اتر کر نماز پڑھا کرتے تھے مگر ایسی صورت میں اکثر مولوی زکریا صاحب کی امامت کو پسند فرماتے کہ وہ نہایت مختصر قرأت و قیام و قعود کے عادی تھے باہر نماز پڑھنے میں دشواری معلوم ہوتی تو ریل ہی میں جماعت کرتے اور استقبال قبلہ کی ہر حال صورت نکال لیا کرتے تھے آپ نے مدنی راستہ میں اونٹ کی سواری سے اترنے اور جماعت کا اہتمام کرنے میں بھی کبھی تکاسل نہیں فرمایا اچھے اچھے جوان اور مستعد اونٹ سے اترتے ہوئے گھبراتے مگر آپ ہمیشہ وقت مستحب پر اترتے اور اتنے وضو کرتے کہ آپ کا اونٹ دور نکل جاتا تو آپ لپکتے اور اس سے آتا آگے بڑھ جاتے جتنا وہ وضو کرنے میں آگے نکلا تھا وہاں پہنچ کر با جماعت نماز ادا کرتے اور جب دیکھتے کہ اونٹ اب آگے نکل لیا تو پھر لپکتے اور زیادہ آگے نکل کر سنن مؤکدہ ادا فرماتے اور پھر لپک کر اونٹ پکڑتے اور اس پر سوار ہو جاتے تھے۔ اگر دوسری نماز کا وقت قریب دیکھتے تو پیدل چلتے رہتے اور وقت پر اس کو بھی با جماعت ادا فرما کر اونٹ پر سوار ہوتے تھے اس طرح کئی کئی میل آپکو پیادہ چلنا پڑتا مگر آپ تکان نہ مانتے تھے اور فرمایا کرتے تعب کی قدر یہاں آکر ہوتی ہے کہ دو رکعت میں جب اتنا بھاگنا پڑتا ہے تو چار میں کیا کچھ ہوتا۔[2]

---

[1] تذکرۃ الخلیل۔ [2] تذکرۃ الخلیل ص ۲۱۶

www.abulhasanalinadwi.org

حضرت مولانا کا ایک معمول یہ بھی تھا کہ میرٹھ حافظ فصیح الدین، حاجی وجیہ الدین شیخ رشید احمد صاحب کے خصوصی تعلق کی بنا پر ان کے بچوں کے حفظ قرآن کے ختم کی تقریب میں بھی، تشریف لے جاتے تھے۔ حضرت شیخ مولانا محمد زکریا صاحب اس سلسلے میں تحریر فرماتے ہیں۔

> حضرت قدس سرہٗ انیس کی صبح کو تشریف لے جاتے اور بیس کی صبح کو واپس تشریف لاتے ان کے ختم میں اس طرح شرکت فرماتے کہ مسجد میں فرض پڑھنے کے بعد اپنے مستقر تشریف لے جاتے اور اپنے امام کے پیچھے تراویح ادا کرتے اور تراویح اور وتر سے فراغ پر مسجد میں ان بچوں کے ختم پر شرکت فرماتے اول تو ختم کے دن ویسے ہی تاخیر بہت ہوتی پھر بھی کبھی آخر کی چار رکعت میں حضرت نوراللہ مرقدہٗ کی مسجد میں تشریف آوری کا انتظار ہوتا۔[1]

مختلف معمولات

حضرت مولانا کے مستقل معمولات کے علاوہ اور بھی دوسرے معمولات تھے ان میں کچھ معاملات سے تعلق رکھتے ہیں اور کچھ معاشرت سے جیسے نشست و برخاست، وعظ و تقریر، ملاقات، اکل و شرب، گھر میں آنا جانا، افہام و تفہیم، لباس، کلام وغیرہ۔

آپ نشست و برخاست میں بہت سادہ اور بے تکلف تھے آپ کا یہ معمول رہتا تھا کہ جب بھی کسی مجلس میں شرکت فرماتے تو کبھی اپنی آمد کا اظہار نہ فرماتے اور جہاں بھی جگہ ملتی بیٹھ جاتے اگر کوئی ذمہ دار آگے آنے کی درخواست کرتا تو انکار اور تکلف بھی نہ فرماتے نہ پیچھے اور عوام میں بیٹھنے سے گرانی ہوتی اور نہ آگے تشریف رکھنے پر اپنے اعزاز کا خیال ہوتا۔
خوشی کے مواقع پر مٹھائی وغیرہ کی تقسیم یا دوست احباب اعزا و اقارب کے جمع کرنے کو نہ آپ رد کرتے تھے اور نہ ایسے مجمع میں شرکت کرنے سے انکار فرماتے تھے لیکن منکرات یا خلاف شریعت کسی بات کو گوارا نہ فرما سکتے اور بے تکلف ٹوک دیا کرتے اگر کوئی آپ سے ملنے آتا تو آپ بڑے

---

[1] اکابر کا رمضان ص ۱۵

اخلاق و محبت سے ملتے اور اکثر معانقہ کرتے اور خندہ پیشانی سے پیش آتے، سلام کی خود ابتدا کرتے۔

جب بھی گھر میں داخل ہوتے تو آواز دیئے بغیر یا بے سلام کئے داخل نہ ہوتے بلکہ اس خیال سے کہ گھر میں کوئی اجنبی عورت ہو یا گھر کی کوئی عورت بے تکلفانہ انداز میں بیٹھی ہو دروازے پر کھڑے ہوتے اور فرماتے کیا میں آؤں اور جب پردہ ہوجاتا تو السلام علیکم کہتے ہوئے اپنے کوٹھے پر تشریف لے جاتے، باوجود پردہ ہوجانے کے آپ اپنے منھ پر رومال ڈال کر جاتے اور پیٹھ پھیر کر بیٹھتے۔

جب بھی کسی سے کچھ کہتے تو افہام و تفہیم سے کام لیتے سخت جملہ کہنا یا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں تشدد پسند نہ فرماتے اور نہ ایسی بات کہتے کہ سننے والے یا سننے والی کا دل ٹوٹ جائے۔ عورتوں کو سمجھانے میں ان کی عقل و فہم کی رعایت کرتے اور بہت سادہ اور صاف لہجے میں بات کرتے۔

جب بھی کسی کا انتقال ہوتا تو صرف تعزیتی خط پر اکتفا نہیں کرتے تھے بلکہ اظہار تعزیت کے لئے بنفس نفیس اس کے وارثوں کے پاس جاتے اور اس کے غم میں شرکت کرتے صبر و عزیمت کی تلقین کرتے کہ اس کے زخمی دل پر مرہم کا کام کرتا۔

وعظ و تقریر کا معمول نہ تھا کبھی کبھار کسی کے اصرار پر تقریر کر دیتے ورنہ عادت نہ تھی۔ آپ میں خشونت اور تقشف نہ تھا، ملنے جلنے والوں سے ہنس کر بات کرتے خدام تک سے بے تکلف رہتے ان کو ہنساتے لطائف سناتے۔

> ایک دعوت میں حضرت کے ہمراہ بعض مخلصین کھانا کھا رہے تھے ایک صاحب تبرک کے زیادہ شوقین تھے کہ جہاں حضرت نے ایک طشتری میں سے ذرا سا کھا کر دوسری طشتری کی جانب توجہ کی انھوں نے حضرت کے سامنے سے جھٹ طشتری اٹھا خود کھانا شروع کر دیا اور کہا حضرت کا تبرک، اسی طرح زردہ پلاؤ فرینی کئی طشتریوں پر انھوں نے ہاتھ صاف کیا آخر میں حضرت تھانوی نے دال

www.abulhasanalinadwi.org

کی ملشتری بھی انھیں کے آگے سرکادی اور فرمایا دال کا تبرک بھی تو کھا ؤ۔[1]

حضرت مولانا بعض دفعہ مزاح فرماتے اس سلسلہ کا ایک دلچسپ واقعہ مولانا عاشق الٰہی صاحب میرٹھی لکھتے ہیں۔

"مولوی ظفر احمد صاحب کے لڑکا تولد ہوا تو حضرت نے فرمایا مولوی ظفر ہم نے تمھارے بچہ کا تاریخی نام سوچا ہے مرغوب محمد مگر حساب کرکے تم خود دیکھ لو کتنے عدد ہوتے ہیں انھوں نے حساب لگایا اور عرض کیا حضرت آٹھ عدد زیادہ ہیں بے ساختہ فرمایا بس "ب" اور "و" کو حذف کردو "مرغ محمد" تاریخی نام ہے لوگ اس پر ہنسنے لگے تو فرمایا میاں کلب علی سے مرغ محمد بہر حال اچھا ہے۔[2]

آپ جس کام کا عزم کر لیتے اس سے پھرتے نہ تھے جس سے جو وعدہ کرتے ہر حال میں پورا کرتے، جب بھی کسی سفر سے واپسی کا ارادہ کرتے ہر حال میں واپسی ہوتی خواہ خدام روکنے کی جتنی بھی کوشش کرتے آپ نہ مانتے۔ آپ اکثر اپنے ملنے والوں کی درخواست پر ان کے یہاں گئے اور وقت مقررہ پر واپس ہوئے تو خدام نے اور زائد رکنے پر اصرار کیا آپ نے کسی طرح نہ مانا اور واپس ہوئے اہل تعلق کی رضامندی و ناراضگی کی پرواہ نہ کی بعض دفعہ کھانا چھوڑ دیا اور جس مقصد سے گئے تھے وہ مقصد فوت ہو گیا مگر اپنے عزم و استقامت میں فرق نہ آنے دیا۔

عادات و مرغوبات

آپ کے اخلاق، عادات حسنہ، مرغوبات و مالوفات، نشست و برخاست، اوصاف و کمالات اور رفتار و گفتار کو دیکھ کر آپ کی نفاست، پاکبازی، حسن و جمال، علم و فضل اور کمال اتباع سنت کا نقش دل و دماغ پر پڑتا ہے، آپ کے سب سے بڑے سوانح نگار مولانا عاشق الٰہی صاحب میرٹھی آپکے عادات و اطوار اور اعمال و کردار کے متعلق حسب ذیل الفاظ میں اپنا تاثر تحریر کرتے ہیں۔

---

[1] تذکرۃ الخلیل صفحہ ۳؎ [2] تذکرۃ الخلیل صفحہ ۳۰؎

www.abulhasanalinadwi.org

"الحاصل اکل و شرب، سکوت و تکلم، بول و براز، نوم و یقظہ اور حرکت و سکوت میں آپ کا سانچا اتباع سنت میں گویا ڈھلا ہوا تھا اور اس بنا پر اطاعت کے حکم اور عبادت کے تحت میں داخل تھا شریعت پر عمل آپکی طبیعت ثانیہ بلکہ فطرت اصلیہ بن گیا تھا کہ کبھی ذہول بھی ہوتا تو فطرت کا نور آپ کو فوراً متنبہ کر دیا کرتا تھا۔"[1]

عموماً آپ اپنا سر حلق کرایا کرتے تھے اور اس میں بھی داہنی طرف سے ابتدا کرنا پسند کرتے تھے، ناخن ترشوانے میں مسنون ترتیب کا لحاظ کرتے داہنے ہاتھ کی انگشت شہادت سے شروع فرما کر چھنگلیا تک پہونچتے اور پھر بائیں ہاتھ کی چھنگلیا سے انگوٹھے تک پہونچ کر آخر میں داہنے انگوٹھے کا ناخن ترشواتے تھے۔

لباس سادہ رکھتے مگر خوش پوشاک تھے نیچا کرتہ ٹخنہ سے اوپر پاجامہ اور صدری پہنتے سفید پوشاک زیب تن کرتے، سر پر عمامہ باندھنا آپ کی عادت تھی۔ عمامہ درمیانی رہتا نہ بہت لانبا نہ بہت مختصر عمامہ کا شملہ دو سوا دو بالشت پیچھے چھوڑتے عمامہ اکثر مشروع تھا گلبوری کا سبز یا کاہی ہوتا تھا ہمیشہ کھڑے ہو کر عمامہ باندھتے اور اس کے پیچھے دائیں جانب سے بائیں جانب کو لے جاتے۔ زیادہ گرمی میں ہلکی ٹوپی، جاڑے میں کشمیری چوغا پہنتے اور اچکن بھی زیب تن کرتے۔

جوتا سادہ یا ایک پھول کا پہنتے تھے جوتا بہت نرم و نازک ہوتا، بڑا رومال ہاتھ میں رکھنے کی عادت تھی جب ضعف ہو گیا تو چھڑی لے کر چلنے لگے۔

خوشبو بہت پسند تھی عطر اور اگر کا برابر استعمال کرتے تھے سفر میں بستر رکھنے کا دستور تھا تاکہ میزبان کو تکلیف نہ ہو، جاڑے میں مصلیٰ ایرانی قالین کا استعمال کرتے اور گرمی میں سوتی۔

---

[1] تذکرۃ الخلیل ص ۴۵۱

www.abulhasanalinadwi.org

کھانے میں شوربہ، چپاتی مرغوب تھی، گھی زیادہ پسند نہ تھا چاول سے زیادہ رغبت نہ تھی مگر پلاؤ کبھی تناول فرماتے خصوصاً رمضان میں سحری میں اس کا انتظام فرماتے، مرچ سے کوئی رغبت نہ تھی اور آخر میں بالکل مرچ کھانا چھوڑ دیا تھا تھولی اور گاجر کی سوّیاں پسند کرتے تھے شروع میں میٹھی چیزوں سے شوق تھا مگر آخر میں نمکین چیزوں سے رغبت بڑھ گئی تھی۔

"ہمیشہ فرش پر بیٹھ کر اور دسترخوان بچھا کر کبھی تنہا اور اکثر مہمانوں کے ساتھ تناول کرتے دسترخوان چمڑے کا ہوتا تھا یا گول چٹائی کا مدنی جس کو سفرہ کہا جاتا ہے آپ مہمانوں کو کھلا کر کھاتے اور ہر وقت مہمان پر نظر رہتی تھی پھلوں میں سیب، انگور، خوبانی اگر آپ کی خدمت میں آتے تو آپ ملنے والوں کو بلا کر کھلاتے اور اہتمام سے ان کے سامنے رکھتے آپ کے شوق کا یہ حال تھا کہ خود چھیلتے اور ملنے والوں کو اصرار کے ساتھ کھلاتے اکرام ضیف آپ کا خاص دستور تھا۔[۱]

پھلوں میں آم سے زیادہ شوق کرتے تھے اور اس میں بھی دیسی زیادہ مرغوب تھے انجیر سے بہت رغبت تھی، پنیر بھی بہت شوق سے نوش فرماتے اور دوسروں کو کھلاتے۔ چائے کی عادت تھی مگر بے نمک کی پیتے تھے جس میں دودھ غالب اور شکر زیادہ ہوتی تھی۔

کھانے سے زیادہ کھلانے کا شوق تھا، خود کم کھاتے دوسروں کو زیادہ کھلاتے اور کھلانے پر بہت خوشی کا اظہار کرتے خصوصاً آموں کے زمانہ میں اپنے ذاتی باغ سے جو انبہٹہ میں تھا منگواتے اور لوگوں کو دعوت دے کر بڑے برتن میں مختلف قسم کے آم رکھتے اور خود بھی کھاتے اور دوسروں کو کھلاتے آموں کے زمانہ میں کوئی دن

---

[۱] تذکرۃ الخلیل صـ ۳۱۲

www.abulhasanalinadwi.org

ایسا نہ گزرتا کہ آپ کے یہاں آم نہ ہوں اور آپ دوسروں کو نہ کھلا رہے ہوں۔

سراپا مولانا سید عبدالحی صاحب "نزہۃ الخواطر" میں آپ کا سراپا اس طرح پیش کرتے ہیں۔ کان جمیلا وسیما مربوع القامۃ مائلا الی الطول ابیض اللون یغلب فیہ الحمرۃ نحیف الجسم ناعم البشرۃ ازھر الجبین دائم البشر خفیف شعر العارضین یحب النظافۃ والاناقۃ

ترجمہ:۔ آپ حسین وجمیل تھے، قد میانہ، لمبائی کی طرف مائل تھا، رنگ سرخی مائل گورا تھا، جسم نازک تھا، کھال نرم وگداز تھی، روشن جبین تھے ہمیشہ خوش اور سکراتے نظر آتے، رخساروں پر بال کم تھے، نظافت اور سلیقہ پسند تھے۔

حضرت شیخ الحدیث نے آپ بیتی میں حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ "مولانا خلیل احمد صاحب گلاب کا پھول تھے"۔ جن جن لوگوں نے حضرت مولانا کو دیکھا اور آپ کے سراپا کا مشاہدہ کیا وہ سب اس بات پر متفق ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حسن سیرت کے ساتھ ساتھ کمال حسن صورت بھی عطا فرمایا تھا مولانا عاشق الٰہی صاحب میرٹھی آپ کا سراپا اس طرح تحریر کرتے ہیں۔

"قد طول کی طرف مائل رنگ صاف جس میں سرخی جھلکتی تھی بدن دبلا اور چھریرا نہایت نرم اور نازک آپ مصافحہ فرماتے تو معلوم ہوتا کہ ریشمی کم خواب ہاتھوں میں داب لیا ہے اور معانقہ کرتے تو گویا نرم ونازک روئی نے چھاتی سے لگا لیا ہے آپ کا چہرہ بدر کی طرح چمکتا اور بلا مبالغہ ایک تازہ گلاب کا پھول معلوم ہوتا تھا آپ کے بدن کا ہر عضو متناسب تھا اور کسی چیز کے متعلق بھی حسن شناس کو حرف گیری کا موقع نہ تھا آپ خندہ پیشانی تھے اور ہر وقت آپ کے دہن پر مسکراہٹ محسوس ہوتی تھی آواز آپ کی نہایت پیاری اور مردانہ تھی گو ضعف پیری کے سبب اس میں رعشہ اور خفیف لرزہ تھا مگر تقریر بے تکان اور مسلسل ہوتی تھی کوئی مضمون آپ ادا فرماتے تو مقدمہ اور تمہید کو اول دلنشین کرتے

www.abulhasanalinadwi.org

اور پھر مافی الضمیر ادا فرمایا کرتے آپ کی صاف گوئی مشہور تھی کہ جب کہتے ، بے لاگ لپیٹ بات کہتے تھے۔

www.abulhasanalinadwi.org

تیرہواں باب

اخذ بیعت اور طالبین سلوک کی تعلیم و تربیت

تم اور چارۂ غمِ فرقت خوشا نصیب
دکھ کو ہو دوا نصیب مرض کو ہو شفا نصیب

www.abulhasanalinadwi.org

www.abulhasanalinadwi.org

تیرھواں باب

اخذ بیعت اور طالبین سلوک کی تعلیم و تربیت

مولانا عاشق الٰہی صاحب تحریر کرتے ہیں۔

"جب تک آپ کے مرشد شیخ حضرت گنگوہی بقید حیات رہے آپ بیعت کرنے سے حتی الامکان بچتے تھے اگر کسی کے اصرار پر بیعت کرتے تو توبہ کرا کے یہ الفاظ کہلاتے کہ کہو۔ بیعت کرتا ہوں میں حضرت مولانا رشید احمد صاحب سے خلیل احمد کے ہاتھ پر" لیکن حضرت گنگوہی کی وفات کے بعد آپ نے بیعت کرنے میں بخل سے کام نہیں لیا اور بیعت فرمانے لگے آپ کا سلسلہ بڑھا، اور ہندوستان سے نکل کر حجاز تک پہنچا کر اہل حرمین شریفین نے بھی آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔"

اثر انگیز بیعت اللہ تعالیٰ نے آپ کے دست حق پرست اور زبان کو اتنی کشش اور تاثیر دی تھی کہ جس نے بھی آپ کے مبارک ہاتھوں پر توبہ کی اس کی زندگی میں مبارک تبدیلی پیدا ہو گئی۔

مولوی عبداللہ جان سہارنپور کے ایک مشہور وکیل تھے یورپ کے ممالک کا دورہ کئے ہوئے تھے، بیعت ہونے کے قائل نہ تھے بلکہ بڑی حد تک مخالف، انگریزی معاشرت سے متاثر اور تصوف پر معترض رہتے تھے، وہ ایک مقدمہ کے سلسلہ میں اول اول حضرت کی خدمت میں ایک مسئلہ پوچھنے حاضر ہوئے اور شافی جواب پاکر آپ سے متاثر ہوئے

www.abulhasanalinadwi.org

وہ خود بیان کرتے ہیں۔

"مجھے سب سے اول حضرت کی خدمت میں حاضری کا موقع اپنے پیشے میں کسی مقدمہ کی پیروی کے لئے مسئلہ طلاق کے متعلق روایات فقہیہ کی پوچھ گچھ کی ضرورت سے نصیب ہوا کہ میرا موکل حضرت کا رشتہ دار تھا اور میں اپنے اشکالات حل کرنے کے لئے مدرسہ مظاہر علوم میں پہنچا حضرت نے جس اطمینان و بشاشت کے ساتھ میرے ہر سوال کا جواب دیا اور اس کی سند کے طور پر مختلف اور مستند کتب فقہیہ سے اس کی تائید ثابت کر کے دکھلائی اس سے حضرت کے تبحر علمی اور صدق نیت کا میرے دل پر ایسا گہرا اثر ہوا کہ عین اسی محبت میں حضرت کی عظمت و محبت کا میرے دل میں گویا بیج بو یا گیا۔"

یہی مولوی عبد اللہ جان ہیں جن کو مولانا محمد یحییٰ صاحب نے اس پر آمادہ کیا کہ وہ حضرت مولانا سے بیعت ہو جائیں، وہ حضرت کے قائل ہو گئے تھے مگر بیعت و ارادت کے قائل نہ تھے، ایک دن تصوف پر اپنے اعتراضات لے کر حاضر خدمت ہوئے اور دریافت کیا کہ حضرت بیعت کی حقیقت اور ضرورت کیا ہے؟ حضرت مولانا نے جواب دیا۔

"بیعت میں مرید اللہ تعالیٰ سے اجتناب منہیات اور تعمیل اوامر شرعیہ کا عہد کرتا ہے اور مراد اس عہد کا گواہ بنتا ہے اور بس۔"

مولوی عبد اللہ جان صاحب وکیل کہتے ہیں، مراد کا لفظ پیر کے معنوں میں اسی روز میں نے پہلی دفعہ سنا اس جواب پر میں مبہوت سا ہو کر دم بخود رہ گیا۔"

اس کے بعد عبد اللہ جان صاحب وکیل بیعت و ارادت کے قائل ہو گئے اور انھوں نے حضرت مولانا سے بیعت ہونے کو عرض کیا آپ نے پہلے عذر کیا مگر وکیل صاحب کے اصرار پر راضی ہو گئے اور بعد عصر بیعت فرمایا وکیل صاحب کہتے ہیں۔

"حضرت مسجد میں تشریف لائے اور میں ساتھ تھا حضرت نے فرمایا آؤ پھر وہ کام کریں، چنانچہ بالکل تنہائی میں حضرت نے مصافحہ کے طور پر میرے اور اپنے ہاتھ

www.abulhasanalinadwi.org

ملا کر مجھے بیعت کیا اور آخری جملہ یہ کہہ کر کہ میں بیعت کرتا ہوں (حضرت مولانا خلیل احمد کے ہاتھ پر اپنے ہاتھ کھینچ لئے اور فرمایا کہ بس یہ ہے بیعت۔" میرے دل پر دوران بیعت میں مطلق کوئی اثر کسی قسم کا نہ تھا مگر اس آخری جملہ پر دفعتہً میری آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں اور خود مجھے محسوس ہونے لگا کہ میرا چہرہ بالکل زرد پڑ گیا ہے۔[1]

مولوی لطیف احمد صاحب حضرت رائے پوری سے بیعت تھے مگر طبیعت اتنی آزاد پائی تھی کہ کسی طرح خانقاہ میں نہ رک سکے اور سیر و سیاحت کی خاطر دور دراز علاقوں کی خاک چھانی اور غلط قسم کے لوگوں کے چکر میں رہے اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ ارتداد کی طرف میلانِ طبع ہو گیا ایک بڑے پادری کا رقعہ لے کر پادری مارٹن کے پاس گئے مگر ہدایت اور پھر اس پر استقامت قسمت میں لکھی تھی کہ دل کا میلان حضرت مولانا کی طرف ہوا کہ اس زمانے میں حضرت رائے پوری کا وصال ہو چکا تھا، انھوں نے ایک خط کے ذریعہ حضرت مولانا کو اطلاع کی اور اپنے میلان کا اظہار کیا، حضرت مولانا نے خط کے ذریعہ ان کو بیعت کر لیا بیعت کے بعد وہ کیا بنے انھیں کے الفاظ میں سنئے۔

"حضرت کا روحانی تصرف ہے جو آج یہ غلام مسلمان ہے ورنہ عرصے سے کسی گرجے کا پادری بنا بیٹھا ہوتا الحمدللہ کہ حضرت کی دعا سے میری تمامی دنیوی مشکلات کا خاتمہ ہو گیا۔[2]

اس طرح کے سیکڑوں واقعات ہیں جن کے لکھنے کے لئے دفتر چاہیے یہ نمونہ کے طور پر ذکر کئے گئے ہیں۔ حضرت مولانا کی اسی نسبت کی قوت اور جذب و کشش اور افادۂ عام کے متعلق مولانا سید عبدالحی صاحب مصنف "نزہۃ الخواطر" نے تحریر کیا ہے۔

کانت لہ قدم راسخۃ وباع طویل   آپ کو طالبین کی ہدایت وارشاد اور رشد

---

[1] تذکرۃ الخلیل ص۳۶۵ [2] ایضاً ص۴۲۱

www.abulhasanalinadwi.org

فی ارشاد الطالبین والدلالة علی معالم الرشد ومنازل السلوك والتبصر فی غوامض الطریق وغوائل النفوس صاحب نسبة قویة وافاضات قدسیة وجذبة الٰهیة نفع الله به خلقاً كثیراً وخرج علی یده جمعاً من العلماء والمشائخ و نبغت بتربیته جماعة من اهل التربیة والارشاد[1]	وہدایت اور منازل سلوک کی طرف راہنمائی میں رسوخ وکمال تھا اور طریقت کے اسرار اور نکتوں اور نفس کے شرور وآفات کے بارے میں بڑی گہری بصیرت تھی، آپ قوی نسبت کے حامل تھے، اضافات قدسی اور شوق الٰہی سے لبریز تھے، اللہ تعالیٰ نے آپ کی ذات سے بڑی مخلوق کو نفع پہنچایا اور آپ کے ہاتھ پر علما و مشائخ کی ایک بڑی جماعت نے تربیت پائی اور آپ کے تزکیہ وتربیت سے بہت سے اہل سلوک کمال کے درجہ پر فائز ہوئے۔

اور اس سے بھی بڑھ کر مولانا محمد یحییٰ صاحب کاندھلوی کی شہادت ہے جنھوں نے حضرت گنگوہیؒ کے دربار میں بارہ سال گزارے اور پھر حضرت مولانا خلیل احمد صاحب کی خلوت و جلوت کو دیکھا وہ شہادت مولانا عاشق الٰہی صاحب کے الفاظ میں پڑھیے۔

"مولوی محمد یحییٰ صاحب بھی خود صاحب بصیرت تھے اور بارہ برس امام ربانی کے پیشکار بن کر گزار چکے تھے کہ سب ہی چھوٹے بڑے اس دربار میں آتے اور حاضری دیا کرتے تھے مگر شروع سے ان کے قلب میں حضرت کی ایک خاص عظمت تھی اور اس وقت بھی جبکہ گنگوہ کا دربار قائم ہونے کے سبب کسی کو وہم بھی نہ تھا کہ چند روز بعد ہر مجاز کا دربار جدا قائم ہوگا فرمایا کرتے تھے کہ مولانا خلیل احمد صاحب سے تعلق رکھنے والا کبھی محروم نہیں رہ سکتا اور مولانا کی ایک شان خاص ہے، جو بیان میں نہیں آسکتی، یہی سبب ہے کہ اپنے جس مخلص کو بھی امام ربانی کے بعد

---

[1] نزہۃ الخواطر جلد ۸ صفحہ ۱۳۶

www.abulhasanalinadwi.org

انھوں نے مشورہ دیا یہی دیا کہ حضرت کی طرف رجوع کرو اور جس دوست کی خیر خواہی پر مٹے اس کو مجبور کیا کہ حضرت سے بیعت ہو اور آستانۂ خلیلیہ سے نہ ہٹو کہ یہاں سے محروم جانے والا کامیاب نہیں ہو سکتا[1]

بیعت کا مقصد اور تصوف کی حقیقت

حضرت مولانا اکثر بیعت کے وقت بیعت کے مقصد کی وضاحت فرماتے اور اس کی اہمیت پر تقریر فرماتے تھے۔ مولوی محمود الوافی صاحب اپنے نانا شاہ سراج الیقین صاحب سے بیعت تھے بعد میں حضرت مولانا سے تجدید بیعت کی آپ نے ایک مختصر مضمون ارشاد فرمایا اور وہ یہ تھا۔

"جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں برکت صحبت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بذریعہ ان ہی طاعات وعبادات مشروعہ صوم و صلوٰۃ وجہاد وغیرہ کے حصول نسبت کا ہو جاتا تھا اور ایک نظر اشرف وانور میں کل مقامات طے ہو جاتے تھے بعد اس کے جب اکابر امت مرحوم نے دیکھا کہ اس قوت قدسیہ کے مستور ہو جانے کے سبب اب یہ امور وصول الی اللہ کے لئے کافی نہیں ہوتے تو انھوں نے خاص خاص طرق ذکر کے نکالے تاکہ کثرت ذکر سے حق تعالیٰ کے ساتھ خاص تعلق پیدا ہو جاوے خواہ اس کو علاقہ محبت کا کہو یا بندگی اور نیاز مندی کا۔ تو مقصود اذکار واشغال سے یہ ٹھیرا کہ اسم کی کثرت اور تکرار سے مسمّٰی یعنی حق تعالیٰ کا حضور ہو جاوے۔ اسی کو حدیث شریف میں احسان سے تعبیر فرمایا ہے اور ان تعبد ربک کانک تراہ اس کا حاصل اور مدلول ہے باقی رہیں کیفیات اور حالات یہ امور زائدہ ہیں مطلوب ومقصود لذاتہ نہیں کسی کو ہوتی ہیں اور کسی کو نہیں ہوتیں شیخ محی الدین بن عربی

---

[1] تذکرۃ الخلیل ص۱۹۴

www.abulhasanalinadwi.org

نے فرمایا ہے الکیفیات تربی بہا اطفال الطریقۃ، طریق باطن کے بچے ان سے پرورش کئے جاتے ہیں پس طالب کو لازم ہے کہ مقصود کی طرف ملتفت اور متوجہ رہے اور غیر مقصود کے درپے نہ ہو[1]

مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی کو جب حضرت مولانا نے بیعت فرمایا تو تصوف وسلوک کی حقیقت اور مقصد پر اس طرح تقریر فرمائی۔

"سلوک کا مقصود یہ ہے کہ بندہ کا دل حق تعالیٰ کی مرضیات کا ایسا طالب ہو جائے جیسا کہ جسم غذا کا طالب ہے اور اس کو عبادت کی ایسی خواہش ہو جیسی جسم کو غذا اور پانی کی خواہش ہوتی ہے اور یہ اس وقت ہو سکتا ہے جب کہ دل حق تعالیٰ کی عظمت ومحبت سے پُر ہو جائے اور ماسوی اللہ کی محبت وعظمت سے خالی ہو جائے جب تک اغیار کی محبت وعظمت اس درجہ میں قائم ہے کہ عظمت ومحبت حق سے مزاحمت کرتی ہے اس وقت وہ مرضیات حق کا طالب نہیں ہو سکتا۔ اور نہ معاصی سے پوری طرح بچ سکتا ہے پس اب دو چیزیں ضروری ہوئیں، ایک تخلیہ کہ دل کو اغیار سے پاک کیا جائے اور دوسرے تحلیہ کہ دل کو محبت وعظمت حق سے پُر کیا جائے پہلے زمانے میں مشائخ ان دونوں کی الگ الگ تعلیم کرتے تھے مگر اب چونکہ عمریں قصیر ہیں اور افکار ومشاغل بھی زیادہ ہیں اس لئے اس وقت مشائخ نے ایسا طریقہ تجویز کیا ہے جس میں دونوں مقصود ساتھ ساتھ حاصل ہو جاتے ہیں اور وہ طریقہ کثرت ذکر ہے کہ طالب حق تعالیٰ کے ذکر میں اس درجہ مشغول ہو کر یاد الٰہی اس کے ہر بن مو میں سرایت کر جائے اس سے دل محبت وعظمت سے پُر ہو جاتا اور اغیار کی محبت وعظمت سے خالی ہو جاتا ہے اور اسی سے مرضیات الٰہیہ کا

---

[1] تذکرۃ الخلیل صد ۲۴۶

www.abulhasanalinadwi.org

شوق بڑھتا اور اس کی طلب دل میں مستحکم اور معاصی سے نفرت قوی ہو جاتی ہے کیونکہ جب وہ کسی معصیت کا ارادہ بھی کرتا ہے تو اس کے دل میں ایک وحشت و ضیق اور ظلمت و بے چینی ایسی پیدا ہوتی ہے جو غیر ذاکر کے دل کو محسوس نہیں ہوتی اس سے پریشان ہو کر وہ معصیت پر اقدام کرنے سے رک جاتا ہے اور اگر اتفاقاً معصیت کا صدور ہو جائے تو وحشت و دل تنگی ترقی پکڑ کر اس کو بہت جلد توبہ کی طرف مضطر کرتی ہے کہ بدوں سچی توبہ کے اس کو چین نہیں پڑتا اور کثرت ذکر کے دو طریقے ہیں ایک وہ جو مشائخ کا معمول ہے مثلاً ذکر نفی اثبات اور ذکر اسم ذات وغیرہ۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ جو دعائیں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف اوقات اور مختلف حالات کے متعلق ارشاد فرمائی ہیں ان کی مواظبت کی جائے۔ میرے نزدیک ان دونوں کو جمع کرنے کی ضرورت ہے[1]

طلب صادق کا امتحان

جب بھی کوئی بیعت کی درخواست کرتا تو آپ اس کے طلب صادق کا امتحان لیتے اور بعض دفعہ ایک عرصہ تک ٹالتے اور دوسری جگہوں پر بھیجتے، طالب صادق اس دوڑ دھوپ کے بعد بھی آپ ہی سے مرید ہونا چاہتا تو آپ اس کو بیعت کرتے۔ بعض دفعہ ایسا بھی ہوا ہے کہ بیعت ہونے کے لئے آنے والے کو پہلے ہی نظر میں آپ نے طالب صادق پایا اور بیعت فرما لیا۔ جن حضرات نے بھی آپ سے بیعت ہونے کا شرف حاصل کیا اور آپ کی ہدایات پر ذکر و شغل سے واسطہ رکھا انھوں نے پورا فائدہ اٹھایا اور بہتوں نے درجۂ کمال کو حاصل کیا آپ خصوصی طور پر اہل علم کے لئے طلب صادق کو بہت ضروری سمجھتے تھے اور ان کا امتحان لیا کرتے تھے۔

بعض دفعہ ایسا بھی ہوا کہ آپ نے بلا کسی کے اصرار کے مرید کر لیا اور آپ کا یہ فعل آئندہ کے لئے بڑا مفید ثابت ہوا آپ کو یہ محسوس ہوا کہ یہ شخص جس کو بغیر طلب صادق کے امتحان کے

---

[1] تذکرۃ الخلیل ص ۴۱۲ - ۴۱۳

www.abulhasanalinadwi.org

بیعت سے مشرف کر رہا ہوں اس کے ذریعہ ایک بڑا دینی نفع ہوگا ایک مرتبہ ایک جلسہ کے درمیان جبکہ مجمع بہت تھا آپ اچانک اٹھے اور کسی کو تلاش کرنے لگے لوگوں کو حیرت ہوئی کہ آپ ایسا کیوں کر رہے ہیں اور عادت کے خلاف ادھر ادھر کس کو تلاش کر رہے ہیں معلوم ہوا کہ آپ ایک صاحب کو ڈھونڈ رہے ہیں جنھوں نے آپ سے بیعت ہونے کر عرض کیا تھا اور وہ اس وقت سامنے نہیں تھے اس وقت لوگوں کو آپ کی اس فکرمندی اور تلاش و جستجو پر حیرت تو ہوئی مگر بعد میں ان کو معلوم ہوا کہ جس شخص کو آپ تلاش کر رہے تھے اور جلسے کے بعد اس کو بیعت بھی فرما لیا تھا وہ شخص اپنے گزشتہ دور میں بدعت میں مبتلا تھا لیکن بیعت ہونے کے بعد اس میں ایسا انقلاب آیا کہ خود بھی متبع سنت بنا اور اپنے خاندان والوں کو بھی کتاب و سنت کا متبع بنایا۔

بیعت کرنے کا طریقہ جب کوئی تنہا بیعت ہوتا تو اس کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیتے اور اگر مجمع ہوتا تو عمامہ یا کوئی رومال پھیلا دیا جاتا اور بیعت ہونے والے اس کپڑے کو اپنے دونوں ہاتھوں سے پکڑ لیتے بعض دفعہ ایسا بھی ہوا ہے کہ ایک کثیر مجمع بیعت کے لئے بیٹھ گیا اور ایک عمامہ کافی نہ ہوا تو دوسرا اور وہ کافی نہ ہوا تو تیسرا عمامہ ایک دوسرے سے باندھ دیا گیا اور جب مجمع نے ان کپڑوں کو اپنے ہاتھوں سے تھاما تو وہ ایک کھنکھجورے کی شکل میں بن گیا جو دور تک پھیلا ہوا تھا اور اس عمامہ کا ایک سرا آپ اپنے ہاتھوں سے پکڑ لیا اور ان الفاظ کے ساتھ بیعت فرمایا پہلے خطبۂ مسنونہ پڑھا پھر ان الذین یبایعونك پوری آیت تلاوت فرمائی پھر سب کو کلمہ طیبہ پڑھا کر ایمان کی تجدید کرا کے ان الفاظ میں توبہ کرائی آپ وہ الفاظ اپنی زبان سے کہتے، اور مجمع یا فرد واحد ان الفاظ کو دہراتا آپ فرماتے۔

"کہو عہد کیا ہم نے کفر نہ کریں گے شرک نہ کریں گے، بدعت نہ کریں گے، چوری نہ کریں گے، زنا نہ کریں گے، جھوٹ نہ بولیں گے، کسی پر بہتان نہ دھریں گے، پرایا مال ناحق نہ کھائیں گے اور کوئی گناہ چھوٹا ہو یا بڑا ہرگز نہ کریں گے اور اگر ہو جائے گا تو فوراً

www.abulhasanalinadwi.org

توبہ کریں گے بیعت کی ہم نے خاندان چشتیہ میں نقشبندیہ میں قادریہ میں، سہروردیہ میں خلیل احمد کے ہاتھ پر یا اللہ ہماری توبہ قبول فرما اور ہم کو اپنے نیک بندوں کی جماعت میں محشور فرما۔

بیعت کے ان الفاظ کے بعد آپ بیعت ہونے والوں کو معمولات اور ذکر و شغل بتلاتے اور اوامر کی اتباع اور نواہی سے بچنے کی ہدایت کرتے۔

بیعت کے بعد کی ہدایات

حضرت مولانا عام طور پر بیعت لینے کے بعد مختلف اوامر کی اتباع کی تلقین فرماتے تھے خصوصاً نماز باجماعت کی پابندی اسلامی اور شرعی صورت بنانے بدعت چھوڑنے اتباع شریعت کا لحاظ رکھنے کی تاکید کرتے اس کے بعد ہر نماز کے بعد کچھ وظیفہ پڑھنے کو بتاتے تھے مثلاً فجر اور مغرب کے بعد ۱۰۰ سو مرتبہ کلمۂ تمجید ظہر کے بعد لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم ۱۰۰ بار عصر کے بعد درود شریف تین سو بار عشاء کے بعد استغفار ۱۰۰ بار ہر نماز فرض کے بعد تسبیح فاطمہ روزانہ قرآن مجید کا ایک پارہ کی تلاوت اور حزب الاعظم کی ایک منزل کی ہدایت فرماتے اہل علم کے لئے تہجد اوابین کے ساتھ علم دین کی تعلیم یا کسی قسم کا اشتغال علم لازم قرار دیتے اور بہت سے حضرات کو بارہ تسبیح ذکر بالجہر یا اس کے مزاج کے مطابق کچھ اور وظیفہ بتلاتے۔

حضرت مولانا ہمیشہ طبائع کی رعایت فرما کر تعلیم دیا کرتے تھے مولانا عاشق الٰہی صاحب میرٹھی تحریر کرتے ہیں۔

"حضرت کی تعلیم سالکین کی طبائع کی رعایت پر مختلف ہوتی تھی جو کسی ایک صورت میں محدود نہیں تھی اور اس کا مدار محض آپ کی حذاقت تشخیص اور فہم خداداد پر تھا کہ کسی کو چشتیت کی تعلیم فرمائی اور کسی کو نقشبندیت کی کسی کو مراقبۂ صمدیت تلقین فرمایا کسی کو مراقبۂ معیت کسی سے ذکر کا کام زیادہ لیا کسی سے شغل کا کسی کو اوراد زیادہ تعلیم کیے کسی کو محض ایام بیض کے روزے اور

www.abulhasanalinadwi.org

تہجد و اوابین و اشراق کے نوافل مگر یہ مشترک سب میں ملحوظ رہتا تھا، کہ
عادات میں اور احوال مختلفہ کی ادعیہ ماثورہ میں سنت کا اتباع اور خیال
و دھیان ضرور رکھیں اور جادۂ شریعت سے چاول برابر بھی قدم نہ ہٹائیں،
اور سالکین کے لئے تو تاکید تھی کہ صغیرہ گناہ کو بھی سانپ بچھو سمجھیں اور گنجائش
چھوڑ کر عزیمت پر عمل کریں۔[1]

مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی جب حضرت مولانا سے بیعت ہوئے تو آپ نے مولانا ظفر احمد صاحب کو ذکر و شغل کی جو تعلیم دی وہ ان کے علم و فضل اور حالات و مزاج کا لحاظ رکھتے ہوئے دی مولانا خود اس تعلیم کا حال اس طرح ذکر کرتے ہیں۔

آپ نے اپنے دست مبارک میں میرے ہاتھ لے کر حسب معمول بیعت فرمایا اور پھر دو سو بار ذکر نفی و اثبات اور دو ہزار مرتبہ اسم ذات کی تلقین فرمائی اور خود باقاعدہ کر کے دکھلایا کہ چار زانو بیٹھ کر آنکھیں بند کر کے لاالہ کو کامل مد کے ساتھ گردن کی دائیں طرف لے جا کر الا اللہ قلب پر ہلکی ضرب کے ساتھ ختم کیا دو تین بار اس طرح کر کے دکھلایا اور فرمایا کہ مشائخ کا معمول یونہی ہے اور اسی طرح سکھاتے آئے ہیں اس طرح نفع زیادہ اور جلدی ہوتا ہے اس کے بعد ذکر اسم ذات بھی خود کر کے دکھلایا اور پھر فرمایا کہ حصن حصین سے ادعیۂ ماثورہ متعلقہ اوقات و حالات مختلفہ معلوم کر کے انکا بھی ورد کیا جائے اور چلتے پھرتے تسبیح ہاتھ میں رکھ کر پاس انفاس کی مشق کی جائے اوپر کے سانس میں اللہ اور نیچے کے سانس میں ہُو کا تصور کیا جائے۔ یہ بہت مثمر انوار و برکات ہے نیز ذکر اسم ذات میں یہ تصور کیا جائے کہ لفظ اللہ کے ساتھ نور منہ سے نکلتا ہے جو میرے سارے جسم کو محیط ہے اور پھر احاطے کو اس قدر وسیع کیا جائے گویا تمام عالم

---

[1] تذکرۃ الخلیل صفحہ ۴۲۶

www.abulhasanalinadwi.org

کو محیط ہے اور تم اس میں فانی ولاشئی ہو اور لا الٰہ میں یہ تصور کیا جائے کہ قلب سے تمام ظلمات علائق ما سوا اللہ کو پس پشت پھینک رہا ہوں اور الا اللہ میں یہ تصور کیا جائے کہ قلب انوار محبت وعظمت حق سے پر ہو گیا۔[1]

تعلیم وتربیت کے مختلف طریقے

حضرت مولانا ذکر وشغل بتاتے ہوئے مرید و سالک کی طبیعت مزاج مشغلہ اور وقت کی رعایت کرتے تھے آپ نے کبھی بھی کسی پر قوت وطاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالا نہ ایسا ذکر وشغل بتایا جس کو سالک پورا نہ کر سکے کسی کو ذکر بالجہر بتلاتے کسی کو وظیفہ کسی کو نوافل اور کسی کو ان سبھوں کی پابندی ہو لانا عاشق الٰہی صاحب لکھتے ہیں۔

"میرے علم میں آپ کا کوئی خادم بھی ایسا نہیں جسے آپ نے متقدمین کے موافق چوبیس ہزار دفعہ ذکر اسم ذات تلقین فرمایا ہو آپ زیادہ تر اول ذکر نفی واثبات اور اس کے ساتھ دو ہزار یا تین ہزار یا چھ ہزار جیسی بھی سالک کی طبیعت اور اسکی فرصت وگنجائش دیکھتے ذکر اسم ذات بتلاتے اور بعض کو صرف چار سو مرتبہ ذکر لا الٰہ الا اللہ کی تعلیم پر اکتفا فرماتے البتہ دو باتوں کی بہت تاکید فرمایا کرتے ایک یہ کہ ذکر میں عجلت نہ ہو بلکہ پورے اطمینان اور شوق کے ساتھ پورا کیا جائے، دوم مواظبت اور پابندی ہو کہ کسی حال میں ترک نہ کیا جائے۔"[2]

حضرت مولانا ذکر بالجہر کی تعلیم جب دیتے تھے تو ایسی درمیانی آواز سے ذکر کرنے کو فرماتے کہ سونے اور سننے والوں کو تکلیف نہ ہو لیکن بعض سالکین کو آزاد بھی کر دیتے تھے اس لئے کہ آپ کے نزدیک اس سالک کی ترقی اور فائدہ بھی اس میں مضمر ہوتا کہ وہ قوت کے ساتھ ذکر کرے چنانچہ حافظ فخر الدین صاحب کو ہدایت فرمائی۔

اذکار میں آواز متوسط بلند ہونا چاہیے مگر ضرب قوت کے ساتھ ہو اور اگر ذوق

---

[1] تذکرۃ الخلیل ص ۲۱۳ [2] ایضاً ص ۲۱۵

www.abulhasanalinadwi.org

وشوق میں آواز زیادہ بلند ہوجائے تو مضائقہ نہیں۔"

اگر کوئی شخص طبعاً ذکر بالجہر سے گھبراتا اور وہ عرض کرتا کہ ذکر بالجہر سے حجاب آتا ہے تو آپ فرماتے۔

"کہ بھائی یہ شیطانی وسوسہ ہے اس کو بہ تعوذ دفع کرو اور ہمت کے ساتھ اپنے کام میں لگو۔"

حضرت مولانا کے نزدیک ذکر باوضو ہونا چاہیے بلکہ سالک کو ہر وقت باوضو رہنا چاہیے آپ ہدایت فرمایا کرتے تھے کہ ذکر کرنے والے کو خوب ٹھیر کر ذکر کرنا چاہیے آخر شب میں اٹھنے کا اہتمام ضروری ہے کہ سلوک کا یہی پہلا زینہ ہے کسل و سستی کو پاس نہ آنے دیا جائے ہمت کو بلند رکھنا چاہیے جن مریدوں کو آپ ہونہار دیکھتے ان کی طرف خاص توجہ فرماتے۔ محبت شیخ کو بھی سالکین کے لئے ضروری قرار دیتے تھے کہ اس سے ترقی ہوتی ہے اور مرید اپنے شیخ کے رنگ میں رنگ جاتا ہے جس کا اشارہ بھی حدیث شریف میں المرء مع من احب میں آیا ہے، آپ محبت اور تعلق کو مرید کے دل میں پیدا کرنے اور بڑھانے کی برابر کوشش فرماتے اور خاص طور پر حکم دیتے کہ منتسبین اپنے شیخ سے ملنا جلنا بڑھائیں خطوط کے ذریعہ اپنے حالات کی اطلاع کرتے رہیں تاکہ شیخ ان کی طرف برابر متوجہ رہے اور ان کی تعلیم و تربیت کو دھیان میں رکھے۔

عورتیں جو آپ سے مرید ہوتیں اکثر ان کو تعلیم نہ فرماتے بلکہ ان کو پانچ وقت کی نماز، امور شرعیہ کی اتباع ایک پارے کی تلاوت، ایک منزل حزب الاعظم ہر نماز کے بعد تسبیح فاطمہ، کلمہ تمجید، لاحول ولاقوۃ الا باللہ، درود شریف اور استغفار کی تسبیحات بتلاتے ان وظائف کے ساتھ ساتھ شوہر کی اطاعت، بچوں کی تربیت، خانہ داری کے انتظام کی بھی تعلیم دیتے تھے اور فرماتے تھے کہ اللہ کا حکم سمجھ کر سنت کے موافق اس کو انجام دو کہ یہی بہت کچھ ہے۔

بعض خواتین جو اور زیادہ تعلیم کی خواہش مند ہوتیں تو تہجد، اوابین اور اشراق

www.abulhasanalinadwi.org

کے ساتھ ساتھ بارہ ۱۲ تسبیحوں کا ذکر اور پاس انفاس کی تعلیم بھی فرمادیا کرتے تھے۔

چند اصلاحی وتربیتی مکتوبات

حضرت مولانا اپنے منتسبین اور اہل تعلق کو زبانی ہدایات کے ساتھ ساتھ مکاتیب کے ذریعہ بھی اصلاحی اور تربیتی ہدایات فرمایا کرتے تھے۔ نمونہ کے طور پر دو چار مکاتیب یا کچھ ان کے حصے ہدیۂ ناظرین کئے جاتے ہیں ورنہ آپ کے اصلاحی مکاتیب کی اتنی تعداد ہے جن کا نقل کرنا ایک ضخیم جلد کا طالب ہے۔ حافظ فخرالدین صاحب جو آپ کے مجاز اور خلیفہ بھی تھے بیعت ہونے کے بعد اور بتلائے ہوئے ذکر و شغل کی پابندی کرنے کے بعد اثنار سلوک ہی میں ایک خاص کیفیت وحالت سے گزرے غمگین رہنے لگے طبیعت پر اضمحلال اتنا طاری ہوا کہ خوش طبعی اور ہنسی مذاق ختم ہو گیا لوگوں سے ملتے تو وحشت کھاتے تنہائی پسند اتنے ہو گئے کہ جنگل کی طرف نکل جاتے اور آبادی سے دور بھاگتے انھوں نے اپنی اس کیفیت اور اس حالت کو بذریعہ تحریر آپ کی خدمت میں پیش کیا آپ نے اس کا جواب عطا فرمایا۔

> "مبارک حالت ہے کہ حدیث شریف میں آیا ہے کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم متواصل الاحزان پس حزن خواہ اپنے نقصان پر ہو یا محبوب حقیقی سے مہجوری پر ہو یا خوف و رجا کی وجہ سے ہو، بہر حال اچھا اور عمدہ ہے نیز ذاکر کا قلب جب ذکر کے ساتھ منصبغ ہو جاتا ہے تو لذائذ دنیویہ سے طبع میں افسردگی پیدا ہو جاتی ہے الحمد للّٰہ ثم الحمد للّٰہ کہ یہ نعمت میرے لخت جگر کو نصیب ہوئی۔"

آپ کے ایک صاحب علم مرید کو اثنار ذکر و شغل میں وساوس وخطرات اتنے پیش آئے کہ وہ بھی آبادی سے بھاگنے اور بالکل تن تنہا رہنے اور بعض دفعہ جنگل کا رخ کرنے کا ارادہ کرتے انھوں نے آپ کو اپنی کیفیت تحریر کی آپ نے اس کا اس طرح جواب دیا۔

www.abulhasanalinadwi.org

"وساوس وخطرات کا کچھ فکر نہ کریں نہ اس کے دفعیہ کے درپے ہوں جب اطمینان قلب نصیب ہوگا یہ سب خطرات رفع ہو جائیں گے جس وقت فرصت ہوا کرے مراقبہ کر لیا کریں جنگل میں جاکر بیٹھنا اور کھانا پینا ترک کرنا راہبوں کا کام ہے اسلام میں یہ نہیں ہے۔"

ایک جگہ انھیں کیفیات اور خلوت پسند طبیعت کے علاج کے طور پر تحریر فرماتے ہیں۔

"آپ التزام اور استقامت کے ساتھ اپنا ورد اور وظائف پڑھتے رہیں اور پورے کرتے رہیں کیفیات کے پیچھے نہ پڑیں جنگل کے نکل جانے کا خیال صرف خیال ہی کے درجہ میں رہنا چاہیے البتہ کسی کسی وقت تفریح کے طور پر تھوڑی دیر کے لئے چلے جانے کا مضائقہ نہیں۔"

ذکر کے متعلق اور مراقبہ کی کیفیت اور نشست کو پوچھنے والے کو تحریر کرتے ہیں۔

"ذکر چار زانو بیٹھ کر کرنا چاہئے مراقبہ کے لئے کوئی بیٹھک مخصوص نہیں ذکر اسم ذات یک ضربی کرنا چاہئے۔"

آپ کے ایک مرید اپنے حالات اس طرح لکھتے ہیں۔ ذکر میں وہ لذت نہیں آتی جو پہلے آتی تھی اس لئے مواظبت دشوار ہے۔

آپ نے اس خط کا جواب اس طرح دیا۔

"مقصود اصلی ذکر ہے خواہ طبیعت لگے یا نہ لگے پراگندہ ومنتشر ہو یا دلجمعی اپنے معمولات کو ہر حال میں پورا کرنا چاہئے یہ غلط راستہ ہے کہ ذوق وشوق ہو تو اوراد پورے کئے جاویں ورنہ پورے نہ کئے جائیں، ذوق وشوق نہ مقصود ہے نہ اختیاری امر ہے جو اپنا کام ہے وہ کئے جاویں اور جو عطائے حق ہے اس کو اسی کے سپرد رکھیں بدون دلبستگی کے ذکر پر مداومت زیادہ مفید اور موجب اجر ہے، ذوق و شوق کے ساتھ ہر شخص کام کیا کرتا ہے اگر عبدیت اسی وقت معلوم ہوتی ہے کہ بلا

www.abulhasanalinadwi.org

ذوق و شوق بھی ذکر پر مداومت کی جائے۔

ایک صاحب نے آپ کی خدمت میں تحریر کیا کہ تہجد کی پابندی نہیں ہو پاتی آپ نے اس کا جواب دیا۔

تم نے لکھا کہ نماز تہجد نہیں ہوتی میں دعا کرتا ہوں کہ حق تعالیٰ تم کو ہمت اور توفیق دے بات یہ ہے کہ ہر کام ہمت سے ہوتا ہے جب آدمی آرام طلبی میں پڑ جاتا ہے اور دنیوی لذات کی طرف مائل ہو تو کوئی کام دینی و دنیوی نہیں ہو سکتا لہذا ہمت کر کے کام کرو۔"

ایک دوسرے مکتوب گرامی میں اوراد اور وظائف کا اہتمام کرنے اور دنیا میں انہماک سے منع کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔

"جب انسان کسی کام میں مشغول ہوتا ہے تو دوسری طرف سے مشغولی کم ہو جاتی ہے خصوصًا دین و دنیا باہم متضاد ہیں، دنیا میں انہماک شوق الی اللہ سے مانع ہوتا ہے اور اس کے چھوٹنے کے لئے تو ایک بہانہ چاہئے لہذا نہایت رغبت کے ساتھ اپنے وظائف و اوراد میں مشغول ہو جاویں حق تعالیٰ مدد فرمائیں گے۔

حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت مولانا سے بیعت تھے اور بعد میں مجاز بھی ہوئے۔ انھوں نے ایک بار ایک طویل عریضہ تحریر کیا جس میں اپنی عقیدت و محبت کا اظہار اور حضرت مولانا کی بلند الفاظ میں تعریف و توصیف اور اپنے حسن احوال اور کیفیات و واردات کا تفصیلی بیان تھا اور آخر میں تہجد کی پابندی کرنے کی دعا کرنے کی درخواست کی تھی اس مکتوب کا حضرت مولانا نے جو جواب مرحمت فرمایا اس کے جستہ جستہ ٹکڑے ملاحظہ ہوں۔

"تم نے جو کچھ میرے متعلق لکھا اور خیال کیا وہ میری حیثیت سے بہت بالاتر ہے، میں ہیچ ہوں مگر دعا گو ہوں، اللہ تعالیٰ شانہ اگر لطف و کرم کا معاملہ فرما دیں تو کیا عجیب ہے ورنہ خدا جانے کیا حال ہوگا۔

www.abulhasanalinadwi.org

اپنے مخلص دوستوں کے حسن ظن پر ایک قسم کا اعتماد کئے ہوئے بیٹھا ہوں جو تغیرات اور حالات پیش آویں ان کی طرف توجہ اور التفات کی ضرورت نہیں سب کیفیات بحمد اللہ بہتر ہیں اپنے اصلی کام میں مشغول رہنا چاہئے۔ رات کے اٹھنے کی مداومت بھی انشاء اللہ نصیب ہو گی اور کبھی کبھی اس کا فوت ہونا موجب نقصان نہیں[1]

ایک صاحب سید شمس الحسن جو آپ سے بیعت وارادت کا تعلق رکھتے تھے اور ذکر وشغل کے پابند تھے مگر حالات وواردات پیش نہیں آتے تھے اس کا ان کو رنج تھا اسی ملال کا ذکر کرتے ہوئے انھوں نے خدمت بابرکت میں خط لکھا آپ نے حسب ذیل جواب دیا۔

الحمد للہ کہ ذکر بارہ تسبیح آپ کا استقلال کے ساتھ جاری ہے مگر آپ کی حسرت اس پر کہ حالات وواردات سے طبیعت عاری ہے موجب افسوس ہے حق تعالیٰ شانہٗ کی یہ نعمت کیا کچھ کم ہے کہ اس نے اپنے لطف وکرم سے آپ کو مداومت ذکر بارہ تسبیح کی عطا فرمائی ہے ذکر منشور ولایت ہے جس کو ذکر کی توفیق دی گئی گویا فرمان ولایت اس کو مل گیا حالات وواردات نہ مقصود ہیں اور نہ ہر ایک کو پیش آتے ہیں یہ تو بچوں کا ایک کھیل ہے اور اس کی تمنا فضول ہے لہٰذا آپ اپنی حسن حالت پر حق تعالیٰ شانہ کا نہایت شکر ادا کریں اور اس نعمت عظمیٰ کو حقیر نہ سمجھیں کیونکہ شکر نعمت موجب مزید نعمت ہے اور ناشکری موجب سلب نعمت ہے، حق تعالیٰ شانہٗ ناشکری سے بچاویں۔"

آپ سے بیعت کا تعلق رکھنے والے ایک صاحب باوجود ذکر وشغل اور عبادت وریاضت کے اپنے گھر والوں کے حقوق ادا نہیں کر پاتے تھے ان کو حضرت مولانا نے ہدایت فرمائی۔

---

[1] اکابر کے خطوط

www.abulhasanalinadwi.org

"تم کو چاہئے کہ اپنی اہلیہ کے ساتھ اخلاق کا معاملہ کیا کرو کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے خیرکم خیرکم لاھلہ واناخیرکم لاھلی"

فقط والسلام

ایک دوسرے صاحب جن کا تعلق حضرت مولانا سے تھا اور آپ سے اصلاح لیتے تھے نہ معلوم کیا اسباب ہوئے کہ وہ دوسرے شیخ کی خدمت میں بھی جاکر اصلاح لینے لگے اور ان کے ذہن ودماغ میں انتشار و پراگندگی پیدا ہونے لگی انھوں نے پریشان ہوکر آپکی طرف رجوع کیا اور اپنا حال لکھا حضرت مولانا کو اس پر ملال ہوا اور فوراً جواب عنایت فرمایا اور ان کی اس حرکت پر ملامت کی اور بعد میں تحریر کیا۔

"جو کچھ انھوں نے بتلایا میرے نزدیک قبل از وقت ہے بلکہ مناسب بھی نہیں بہتر یہ ہے کہ تم اسم ذات یک ضربی تین ہزار مرتبہ پڑھا کرو اور اس سے پہلے تین سو مرتبہ نفی اثبات ملاحظہ اور ضرب کے ساتھ پڑھتے رہو باقی رہا دنیا میں رہ کر تارک الدنیا ہونا یہ ناممکن ہے البتہ دنیا کو دین کے لئے صرف کرو اپنے اہل وعیال کی خبرگیری اور اہل حقوق کے حقوق کی ادائیگی محض خداوند تعالیٰ کی رضامندی کے لئے کرتے رہو"

مولوی لطیف احمد صاحب کو جو آپ سے بیعت وارادت کا تعلق رکھتے تھے اور جن کی زندگی میں صالح انقلاب اور آپسے تعلق کی بنا پر ارتداد سے بچنے کی اور کمال ایمان حاصل کرنے کی صورت پیدا ہوئی ان کو آپ سے تعلق کی بنار پر اہل بدعت نے روحانی جسمانی تکلیفیں پہونچائیں اس پریشان کن اور تکلیف دہ اور اذیت ناک اور وحشت ناک صورت حال کے پیش نظر آپ نے ان کو تحریر فرمایا۔

"آپ کی تکلیف موجب کلفت اور موجب مسرت ہوئی، کلفت تو اس وجہ سے کہ دوستوں کی تکلیف موجب کلفت ہوا ہی کرتی ہے اور مسرت اس وجہ سے کہ جو کچھ تم صاحبوں کو تکلیف پہنچی ہے وہ فی سبیل اللہ تھی تم نے حدیث میں دیکھا ہوگا کہ

www.abulhasanalinadwi.org

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی انگشت مبارک مجروح ہوئی تھی تو آپ

فرماتے تھے ھل انت الا اصبع دمیت   فی سبیل اللہ مالقیت

اہل اللہ کو یہ تکالیف قدیم سے اٹھانا پڑی ہیں یہاں تک کہ قتل تک ہوئے ہیں اگر ہم کو

یا ہمارے دوستوں کو کوئی تکلیف پہنچے تو موجب مسرت ہونا چاہئے پس میراث پدر

خواہی علم پدر آموز ع

بعض منتسبین اہل وطن اور اعزہ کی طرف سے تکلیف دینے اور پریشان کرنے کی وجہ سے اپنا وطن چھوڑنے پر آمادہ نظر آئے تو آپ نے ان کو اس ارادہ سے باز رکھا اور تکلیف و پریشانی سے بددل ہونے سے منع کیا آپ نے تحریر فرمایا۔

"بھائی پریشانی سے دنیا میں کوئی بھی خالی نہیں ہے پریشانیاں تو انسان کے ساتھ پیدا ہوئی ہیں جب تک انسان رہے گا پریشانیاں اس کے ساتھ رہیں گی اس لئے منہ سر اڑائے پڑے رہو اپنی طرف سے کہیں جانے کا خیال نہ کرو کہ باہر جا کر خدا جانے کن پریشانیوں میں مبتلا ہو گے"۔

آپ کی تعلیم و تربیت کے اثرات

حضرت مولانا کو اپنے منتسبین سے ایسا تعلق تھا جیسے ایک شفیق باپ کو اپنی عزیز اولاد سے ہوتا ہے انکے تزکیۂ نفس اور جلاء قلب کی ہر وقت فکر رکھتے انکی تربیت زبانی بھی کرتے اور خطوط کے ذریعہ بھی اور اس بات کی ہمہ وقت فکر رکھتے کہ کسی کا قدم جادۂ اعتدال سے نہ آگے بڑھے اور نہ پیچھے ہٹے۔ آپ اپنے تعلق رکھنے والوں کو برابر ہدایت فرماتے رہتے کہ وہ برابر اپنے حالات سے مطلع کرتے رہیں اگر کوئی مرید اپنے حالات کی اطلاع کرنے میں تساہل برتتا اور غفلت و سستی سے کام لیتا تو آپ اس کو متنبہ فرماتے ایک صاحب جو آپ سے تعلق رکھتے تھے انھوں نے ایک بار ایک مدت تک اپنے حالات کی اطلاع نہ کی اور معمولات نہیں لکھے تو آپ نے ان کو شکایتاً خط لکھا اور تحریر کیا۔

"تم کو اس کا خیال نہیں ہوتا کہ مجھے انتظار رہتا ہے آئندہ کبھی ایسا نہ کرو"۔

www.abulhasanalinadwi.org

آپ کے یہاں نہ رہبانیت کا سبق ملتا نہ خشونت و تقشف کا۔ آپ کے یہاں نہ تعصب کا پتہ چلتا ہے اور نہ تحزب کا۔ ہر چیز میں اعتدال ہر قول و عمل میں توازن۔ ہر ارشاد اور حکم میں جامعیت، آپ کی پوری تعلیم کا مغز اور روح اتباع شریعت اور کتاب و سنت کی پیروی تھی۔ مولانا عاشق الٰہی صاحب تحریر کرتے ہیں۔

"حضرت کے تعلق میں خداداد برکت بہت زیادہ تھی کسی کا کوئی شغل ملازمت و صنعت بشرطیکہ خلاف شریعت نہ ہو آپ نے کبھی نہیں چھڑایا نوکری نہیں چھوڑنے دی، بیوی بچوں کے ساتھ محبت میں کمی نہیں آنے دی کھانا پینا کم نہیں کرایا چلہ کشی کبھی نہیں کرائی جنگل یا دریا کے کنارے کبھی نہیں بھیجا، دماغ میں خشکی کبھی نہیں آنے دی اور طاقت سے زیادہ بوجھ کبھی نہیں ڈالا بلکہ ہمیشہ ان صورتوں سے منع کیا یہاں تک کہ اپنے پاس رہنے پر بھی کبھی زور نہیں دیا ہمیشہ بہت ہلکا کام بتایا کہ تمامی تعلقات مباحہ بحال رکھتے ہوئے بشاشت کے ساتھ انجام پا جائے مگر اس کا ثمرہ اتنا کثیر دیکھا برسہا برس مجاہدوں میں پڑنے والے بھی وہ بات نہ پا سکے آپ کے سلسلے میں نہ وجد و حال کی دھوم دھام تھی نہ گریہ و بکا کا شور و غل نہ مکاشفات کا ورود تھا نہ واردات کا صدور۔"[1]

بیعت کرنے کی اجازت

حضرت مولانا کے یہاں سالک کی ترقی و تکمیل کا کوئی وقت نہ مقرر تھا نہ محدود یہ تو سالک کی محنت ذکر و شغل پر دوام اور اہتمام اور اس کے نتیجے میں حضور بے کیف کی کیفیت پیدا ہونے پر منحصر تھا آپ کس منزل پر بیعت کرنے کی اجازت مرحمت فرماتے اور اجازت و خلافت کی ذمہ داری کب اور کس کو سپرد کرتے یہ مولانا عاشق الٰہی صاحب کے قلم سے لکھے ہوئے الفاظ میں پڑھئے۔

---

[1] تذکرۃ الخلیل صفحہ ۲۴۰

www.abulhasanalinadwi.org

آپ اکثر ذکر ہی کے ساتھ مراقبہ تعلیم فرما دیتے تھے مثلاً یہ کہ ذکر میں لفظ اللہ کے ساتھ یہ تصور کرو کہ منہ سے ایک نور نکل رہا ہے جو ذاکر کو اور تمام عالم کو محیط ہے اور جب اس کے اثرات ظاہر ہوتے لگتے تو مراقبہ معیت تعلیم فرماتے کہ ذکر کے وقت حق کا تصور کرو کہ اللہ میرے ساتھ ہے اور پھر اس تصور کو ہر وقت اور ہر حال قائم رکھو کہ اللہ ساتھ ہے مگر نہ جسم ہے نہ جہت نہ کوئی صورت ہے نہ کوئی کیفیت ان تصورات کے قائم ہو جانے پر طالب کی جو حالت ہوتی تھی اس کو وہی خوب جانتا ہے جس پر گزری اور جس نے اس طریق کو طے کیا ہے۔ مجھے جہاں تک علم ہے ان تصورات کے قائم ہو جانے پر حضور مع اللہ کی شان پیدا ہو جاتی تھی اور پھر حضرت منتظر رہتے تھے کہ اس میں قوت اور شان تمکین پیدا ہو جائے کہ کسی وقت بھی ذہول وغفلت نہ ہو اور کوئی مشغلہ خواہ دنیا کا ہو یا دین کا اور کوئی حادثہ خواہ موت کا ہو یا ولادت کا اس حضور کو نہ مٹا سکے اسی کو اصل نسبت فرمایا کرتے اور اسی کے پختہ ہو جانے پر بیعت کی اجازت عطا فرمادیا کرتے تھے۔ جب تک اس حضور کا تمکن اور جذر قلب میں بیٹھ جانا حضرت نے اپنی فراست و روحانیت سے جانچ نہیں لیا کتنے ہی حالات عجیبہ اور واردات حسنہ سالک پر کیوں نہ پیش آئے ہوں مگر آپ مجاز طریقت ہرگز نہ بناتے ہاں دلدہی فرماتے اس کے شوق کو بڑھاتے واردات سے اس کی نظر ہٹاتے۔[1]

---

[1] تذکرۃ الخلیل ص ۴۱۶

www.abulhasanalinadwi.org

چودھواں باب

افکار و خیالات اور دینی امور میں آپ کا
مشرب و مسلک

مثلِ خورشیدِ سحر فکر کی تابانی میں — بات میں سادہ و آزادہ معانی میں دقیق
اس کا اندازِ نظر اپنے زمانہ سے جدا — اس کے احوال سے محرم نہیں پیرانِ طریق

www.abulhasanalinadwi.org

www.abulhasanalinadwi.org

چودھواں باب

افکار و خیالات اور دینی امور میں آپ کا مسلک و مشرب

حضرت مولانا صرف ایک علمی و دینی شخصیت کے مالک ہی نہ تھے بلکہ ایک صاحب استعداد مدرس، وسیع النظر مصنف، بلند پایہ منتظم اور عالی مرتبت شیخ ... اور روشن ضمیر عالم تھے۔ بلا شبہ آپ کا شمار ان ممتاز مشائخ اور اصحاب قلب و نظر کی فہرست میں ہوتا ہے، جن کو خدا نے اپنے اپنے دور کی علمی و دینی قیادت اور امامت کا درجہ عطا فرمایا تھا۔

حضرت مولانا ایک طرف مسند درس پر جلوہ افروز نظر آتے ہیں اپنی زبان گہربار سے علمی موشگافیاں کرتے دکھائی دیتے ہیں تو دوسری طرف مسند ارشاد پر متمکن ہیں ہزاروں حلقہ بگوش مریدان باصفا اور طالبین سلوک ہیں جو آپ کی توجہ، تعلیم و تربیت ملفوظات اور باطنی نکات سے اپنے قلب و نظر کو روحانی سکون دے رہے ہیں علماء و عوام کا ایک وسیع حلقہ ہے جو آپ کو اپنے گھیرے میں لئے ہوئے ہے آپ کے مشوروں سے اہل سیاست آپ کے نظریے اور طرز فکر سے اہل دعوت و عزیمت بھی مستغنی نظر نہیں آتے۔ ہمعصر علماء و مشائخ اور اہل قلب و نظر آپ کے علم و فضل، آپ کی اصابت رائے آپ کے تدبر کے معترف اور آپکی شان میں بلند الفاظ استعمال کرتے نظر آتے ہیں، علماء زمانہ کے اعتراف کے علاوہ خود آپکے افکار و خیالات اور آپ کا مشرب و مسلک آپ کی وسعت نظر اور روشن ضمیری کی دلیل ہے زیر نظر باب میں آپ کے افکار و خیالات کو پیش کیا جاتا ہے۔

www.abulhasanalinadwi.org

حضرت مولانا دین کے اصول وفروع اور اعتقادات میں سلف صالحین اور اپنے مشائخ

دین کے اصول وفروع اور اعتقادات کے بارہ میں آپ کا مسلک ومشرب

اہل سنت کے پیرو تھے آپ اس طبقۂ علماء سے تعلق رکھتے تھے جس نے ہمیشہ احیاء سنت کا عظیم کام انجام دیا ہے اس طبقہ کے سرگروہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ تھے اور ان کے بعد ان کے خلفاء نیز حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور ان کا خاندان خصوصاً حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث حضرت شاہ اسماعیل صاحب شہید شیخ الاسلام حضرت مولانا عبدالحی صاحب بڈھانوی حضرت مولانا شاہ اسحاق صاحب دہلوی اور مشرقی یوپی میں حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے خاندان کے علماء اور ان کے خلفاء اور مجازین نیز منتسبین نے اپنی کوششوں جد وجہد اپنے علم وفضل اور تربیت وسلوک کے ذریعہ ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں احیاء سنت کا کام انجام دیا اور جہاں تک ان کو خدا نے توفیق بخشی شرک وبدعت کی بیخ کنی کی ان اسلاف کے سچے جانشینوں نے آخر آخر زمانہ تک ان کے نقش قدم پر چل کر کتاب وسنت کی شمعیں جلائیں اور شرک وبدعت کے چراغ گل کئے۔ ان بزرگوں میں حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی، شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب، حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری کے اسماء گرامی ناقابل فراموش ہیں۔ یہ سب سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی کے حلقہ بگوش اور معتمد علیہ خلفاء میں سے تھے حضرت حاجی صاحب نے اپنی زندگی کے آخری لمحے تک ان سب پر مکمل اعتماد کیا اور ہمیشہ محبت بھرے الفاظ میں ان کو یاد کیا ایسے دور میں جبکہ ان بزرگوں کی جد وجہد اہل بدعت وشرک کے خلاف جاری تھی اور ہندوستان میں اہل بدعت کی طرف سے تحریراً وتقریراً ایک ہنگامہ برپا تھا الزام تراشیوں اور سخت ترین خطابوں سے ان بزرگوں کو نوازا جارہا تھا اور حضرت حاجی صاحب نے

www.abulhasanalinadwi.org

جس طرح اپنے ان محبوب خلفاء و مجازین کا ساتھ دیا وہ ان سب کے لئے سرمایۂ امتیاز ہے، ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں۔

"عزیزی جناب مولوی رشید احمد صاحب کے وجود بابرکت کو ہندوستان میں غنیمت کبریٰ نعمت عظمیٰ سمجھ کر ان سے فیوض و برکات حاصل کریں کہ مولوی صاحب موصوف جامع کمالات ظاہری اور باطنی کے ہیں اور ان کی تحقیقات محض للّٰہیت کی راہ سے ہیں ہرگز اس میں شائبۂ نفسانیت نہیں[1]

دوسری جگہ حسب ذیل بلند کلمات تحریر فرمائے۔

و نیز ہر کس کہ از یں فقیر محبت و عقیدت و ارادت دارد مولوی رشید احمد صاحب سلمہٗ و مولوی محمد قاسم صاحب سلمہٗ را کہ جامع جمیع کمالات علوم ظاہری و باطنی اند بجائے من فقیر رقم اوراق بلکہ بمدارج فوق از من شمارند اگرچہ بظاہر معاملہ برعکس شد کہ او شاں بجائے من و من بمقام او شاں شدم صحبت او شاں را غنیمت دانند کہ ہم چنیں کساں دریں زماں نایاب اند و از خدمت بابرکت ایشاں فیض یاب بودہ باشند و طریق سلوک کہ دریں رسالہ نوشتہ شد در نظر شاں تحصیل نمائند ان شاء اللہ تعالیٰ بے بہرہ نخواہند ماند اللہ تعالیٰ در عمر شاں برکت دہاد و از تمامی نعمائے عرفانی و کمالات قربت خود مشرف گرداناد و بمراتبات عالیات رساناد و از نور ہدایت ایشاں عالم را منور گرداناد و تا قیامت فیض او شاں جاری داراد و بحرمت النبی و آلہ الامجاد[2]

تیسری جگہ تحریر فرماتے ہیں۔

"فقیر آپ کی محبت کو اپنی نجات کا ذریعہ سمجھتا ہے اور الحمد للہ، اللہ تعالیٰ نے آپ کی محبت کو میرے دل میں ایسا مستحکم کر دیا ہے کہ کوئی شئے اسکو ہلا نہیں سکتی[3]

---

[1] کلیات امدادیہ فیصلہ ہفت مسئلہ صفحہ ۸۳ [2] حاشیہ براہین قاطعہ صفحہ ۲۷۲ [3] مکاتیب رشیدیہ

www.abulhasanalinadwi.org

ان الفاظ کے بعد اور زیادہ زور دار الفاظ میں آگے چل کر تحریر فرماتے ہیں۔

"کسی کو مقدور نہیں کہ فقیر کے سامنے آپ کے خلاف زبان ہلاوے کیونکہ اس بارہ میں اس کو سوائے میرے ملال و رنج کے کیا فائدہ ہوگا دوسرے جو کوئی فقیر کو دوست رکھتا ہے وہ ضرور آپ سے محبت رکھتا ہے۔ تو اس کے خلاف کبھی کوئی تحریر آپ کے پاس جائے تو اس کو باور نہ کرنا۔[1]

کتاب و سنت سے تعلق اور ان کا بنیادی کردار

حضرت مولانا کو احساسات و خیالات کی جو تابندگی اور زندگی ملی تھی وہ کتاب و سنت سے تعلق ان پر مداومت اور مواظبت ان سے محبت اور عشق کا نتیجہ تھی آپ نے قرآن کریم کی تلاوت کو معمول بنایا تھا خود آپ کو اس کتاب حکیم سے جو تعلق تھا اور اس کی عظمت و محبت کا جو بیج آپ کے دل میں بویا گیا تھا اس کی تفصیل گزشتہ اوراق میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ سخت سے سخت حالات اور پریشانیوں میں بھی اس سے بے اعتنائی نہیں برتی اور اس کی تلاوت اس پر غور و فکر کا معمول حرز جاں بنائے رہے آپ اس کو نہ صرف اپنے لئے بلکہ سب کے لئے ہر درد کی دوا ہر مرض کا علاج ہر زخم کا مرہم ہر ٹوٹے ہوئے دل کی صدا ہر گمراہ کی ہدایت کا سامان سمجھتے تھے۔

آپ قرآن کریم کی ظاہری شکل و صورت اس کے الفاظ اور الفاظ کی حرکات و سکنات اور اس کی تلاوت کو بھی اہم سمجھتے تھے اور اس کے اصول و آداب، عظمت و جلال اس پر غور و فکر کے بھی قائل اور اس کے احکام و اوامر کو اپنانے اور منہیات سے بچنے کی دعوت دیتے تھے۔ ظاہری ادب و لحاظ تجوید اور قواعد کو اہمیت دینے میں آپ کا حال یہ تھا کہ ہمیشہ قرار کو امامت کے لئے پسند فرماتے اور قرأت میں کوئی

---

[1] مکاتیب رشیدیہ

www.abulhasanalinadwi.org

کوتاہی دیکھتے تو متنبہ فرماتے ایک مرتبہ مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی سے جو عالم بھی تھے اور قاری بھی ارشاد فرمایا۔

"مولوی ظفر تم مد میں کمی کرتے ہو ذرا اور بڑھایا کرو۔"

ایک مرتبہ فرمایا۔

"تم کبھی تو ضاد کو صحیح نکالتے ہو جس سے معلوم ہوتا ہے کہ صحیح مخرج پر قادر ہو اور کبھی 'دمغم' پڑھتے ہو یہ کیا واہیات ہے جب قادر علی المخرج ہو تو اس کو ہمیشہ صحیح کیوں نہیں نکالتے اس کی پوری طرح مشق کرو۔"

اسی طرح آپ کو اس کا اہتمام رہتا تھا کہ وصل یا وقف پر بھی توجہ دی جائے اور اس کے جو طریقے سلف سے ثابت ہیں ان پر عمل کیا جائے آپ فرمایا کرتے تھے۔

"آج کل قراء اس کی رعایت نہیں کرتے مگر خیر و برکت اتباع سلف میں ہے۔"

قرآن شریف پر غور و خوض اور فکر و تدبر کا حال یہ تھا کہ جب بھی عذاب کی آیت آتی آپ کے چہرے کا رنگ بدل جاتا آنکھیں نم اور دل خوف و خشیت سے لبریز ہو جاتا اور جب ثواب یا انعام کی آیت آتی یا جنت یا اہل جنت کا ذکر آتا تو خوشی و مسرت اور طلب و خواہش سے رواں رواں جھوم اٹھتا اور آپ سراپا ذوق و شوق اور کیف و مستی بن جاتے، ایسے وقت آپ کی کیف و مستی اور ذوق و شوق دیکھنے کے قابل ہوتا

علم سے زیادہ عشق و محبت آپ علم سے زیادہ عشق و محبت کے قائل تھے یہی آپ کی وہ متاع گرانمایہ تھی جس نے آپ کی پوری زندگی کو درد و سوز اور کیف و سرور کی دولت سے مالا مال کر دیا تھا۔

کہتے ہیں کہ حضرت مولانا فضل رحمٰن گنج مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک روز مولانا محمد علی صاحب مونگیری سے فرمایا۔ تم نے کوئی عشق کی بھی دوکان دیکھی ہے، مولانا محمد علی نے سکوت کیا آپ نے فرمایا ہم نے ادو دو دکانیں دیکھی ہیں، ایک شاہ غلام علی صاحب کی اور دوسری حضرت شاہ آفاق صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کہ اس دوکان میں عشق

www.abulhasanalinadwi.org

کا سودا بکا کرتا تھا[1]

ہماری اس صدی کے آغاز میں اگرچہ انگریزوں کے دم قدم سے مادیت کے قد
اس ملک میں جم گئے تھے اور اہل دل بڑے درد سے کہ رہے تھے۔

ع وہ جو بیچتے تھے دوائے دل وہ دوکان اپنی بڑھا گئے

پھر بھی عشق الٰہی کی کہیں کہیں دوکانیں موجود تھیں جہاں سے جذب و شوق ا
درد و محبت کا سودا ملتا تھا ان دوکانوں میں دو دوکانیں خاص طور پر مرجع خاص
عام تھیں ایک گنگوہ میں (حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی کی خانقاہ) اور ایک
گنج مرادآباد میں (حضرت مولانا فضل رحمٰن گنج مرادآبادی کی خانقاہ) دونوں نے
اپنی جگہ درد و محبت اور اتباع سنّت کا بازار گرم کر رکھا تھا اور اس جنس نایاب کو وقف
عام کر دیا تھا[2]

اور پھر گنگوہ کی بارگاہ درد و محبت سے حضرت مولانا خلیل احمد صاحب نے درد
محبت کی متاع گراں مایہ حاصل کر کے سہارنپور میں عشق و محبت کی بارگاہ سجائی ا
اس کا بازار گرم کیا۔

کہتے ہیں کہ

"اس زندگی کی آبرو اور اس باغ ہستی کی ساری بہار اور سارا وقار اس دنیا
کا سارا ہنگامۂ وجود اسی درد و محبت کے دم سے ہے اس کے بغیر یہ محفل سونی
اور یہ گھر بے چراغ ہے خرمن کائنات میں یہی ایک کام کا دانہ ہے اگر یہ نہیں تو پھر
سب خس و خاشاک ہے۔

درخرمنِ کائنات کردیم نگاہ
یک دانۂ محبت است باقی ہمہ کاہ

---

[1] فضل رحمانی حصہ دوم صہ ۷۹ [2] تذکرہ مولانا فضل رحمٰن گنج مرادآبادی صہ ۱۰

www.abulhasanalinadwi.org

اہل دل نے تو اس دن کو اپنی عمر میں شمار کرنے سے انکار کر دیا ہے۔ جو عشق و
تی کے بغیر گزر گیا امیر خسروؒ نے ایسے سب اہل دل کی ترجمانی فرمائی ہے۔

ناخوش آں وقت کہ بر زندہ دلاں بے عشق رفت
ضائع آں روز کہ بر مستاں بہ ہشیاری گزشت[۱]

یہی درد و محبت یہی عشق الٰہی یہی کیف و مستی اور یہی تعلق مع اللہ کی کیفیت
رت مولانا خلیل احمد صاحب کا حاصل زندگی اور سرمایۂ حیات تھی آپ اس کے داعی
ں کے مبلغ اور اس کے قاسم تھے آپ کی دوکانِ درد و محبت سے بے شمار انسانوں
ے یہ متاعِ گرانمایہ حاصل کی اور آپ کے گم کئے ہوئے عشق الٰہی کے بازار سے ہزاروں
ش نصیب لوگوں نے اِن نایاب لعل و گہر سے اپنے دامنوں کو بھرا اور آگے چل کر انھوں
ان کو دوسروں میں تقسیم کیا اور آج بھی اس چشمۂ صافی سے لاکھوں انسان سیراب
رہے ہیں۔ یہی وہ درد و محبت اور عشق و مستی ہے جس کو اقبالؒ نے اس طرح
ر کیا۔

عشق دم جبرئیل عشق دل مصطفیٰ — عشق خدا کا رسول عشق خدا کا کلام
عشق کی مستی سے ہے پیکرِ گل تابناک — عشق ہے صہبائے خام عشق ہے کاس الکرام
عشق فقیہہ حرم عشق امیر جنود — عشق ہے ابن السبیل اس کے ہزاروں مقام

آپ کے نزدیک یہی محبت اور یہی عشق زندگی کا حاصل شریعت کی منزل اور طریقت
مقصود ہے اسی کے لئے ذکر و شغل کرائے جاتے ہیں اسی کے حصول کے لئے مجاہدات
ضیات سے کام لیا جاتا ہے۔ آپ فرماتے ہیں۔

"طریقت سے مقصود یہ ہے کہ دنیا و مافیہا کی طرف سے بے رغبتی ہو اور اللہ و رسول کی محبت دل میں جاگزیں ہو، بس اس سے ادھر یا ادھر نظر نہ ہٹانا چاہئے۔"

۱؎ تذکرہ شاہ فضل رحمن صد۱

www.abulhasanalinadwi.org

آپ ہمیشہ اس کی کوشش فرماتے کہ آپ سے تعلق رکھنے والے حضرات اسی عشقِ الٰہی اور محبت خداوندی کی دولت سے مالامال ہوں اور ان سے ان کے دل آباد ہوں اور عشق ان کے دلوں میں اتنا رچ بس جائے کہ زندگی کے کسی لمحہ بھی یادِ الٰہی اور ذکر خداوندی سے غفلت نہ ہو اور اس کی کیفیت وکمیت اتنی بڑھ جائے کہ حد سے سوا ہو جائے یہاں تک کہ بے کیف وکم ہو جائے۔

ما ہرچہ خواندہ ایم فراموش کردہ ایم
الّا حدیثِ یار کہ تکرار می کنیم

اس عشق ومحبت اور درد وسوز کا یہ لازمی نتیجہ ہوتا ہے کہ آدمی مرضیات الٰہی پر چلنے لگتا ہے اور اتباع شریعت کو شیوۂ زندگی بنالیتا ہے اپنے محبوب کی یاد میں شب وروز بسر کرتا ہے۔

آپ اس کو محبت خداوندی کا نتیجہ سمجھتے تھے اور آپ کی یہ کوشش ہوتی تھی کہ آپ کے سارے منتسبین اس بادۂ عشق ومحبت سے مخمور اور اس سے اپنے دلوں کو معمور رکھیں۔

مولانا عاشق الٰہی صاحب میرٹھی لکھتے ہیں۔

"یہ محبت جب قلب میں اس درجہ پیوست ہو جاتی ہے کہ محبوب کا خیال ہمہ وقت قائم رہنے لگے اور کسی وقت بھی دل سے نہ ہٹے تو اس کا نام نسبت یادداشت ہے اور ایسی حالت ہو جاتی ہے جیسے دن میں انسان سب کچھ کرتا اور اس کا یقین رکھتا ہے کہ سورج نکلا ہوا ہے اور جو کچھ کر رہا ہوں اسی کی روشنی میں کر رہا ہوں اسی کا نام یقین اور حضور ہے۔"

آپ اپنے متعلقین کے دلوں میں عشق ومحبت کی یہ آگ لگا کر اور ان کے دلوں کو سراپا درد وسوز بنا کر نسبتِ یادداشت اور کمال یقین وحضور کی کیفیت پیدا کرنا چاہتے تھے آپ کے متعلق آپ کے سیرت نگار لکھتے ہیں۔

www.abulhasanalinadwi.org

آپ کی ساری تعلیم کا خلاصہ صرف یہی تھا اور جس طرح آپ نے اس حال پر اپنی عمر شریف کے ایام و لمحات گزارے آپ چاہتے تھے کہ آپ کے منتسبین بھی اسی کے عاشق بن کر اپنی زندگیاں ختم کر دیں اور اس کے سوا کسی دوسرے رنگ کا مزہ بھی نہ چکھیں حضرت امام ربانی مولانا گنگوہی قدس سرہٗ نے آپ کی نسبت کے متعلق جو ارشاد فرمایا وہ اس کی شہادت ہے فرماتے ہیں۔ "اللہ تعالیٰ شانہٗ نے میرے قرۃ العین سعید ازلی خلیل احمد کو نسبت صحابہ سے نوازا ہے اور یہ کہ تمھاری نسبت کو میری نسبت سے زیادہ قرب و مناسبت ہے"[1]

سنت نبوی اور حدیث پاک

سنت نبوی اور حدیث پاک سے آپ کو جو تعلق تھا اور جو شغف اور زندگی بھر جو انہماک رہا وہ آپکی کتاب زندگی کا روشن باب تھا اس معاملے میں بڑا حساس دل رکھتے تھے سنت نبوی کے خلاف کسی عمل و قول کو آپ برداشت نہیں کر سکتے تھے آپ نے اپنی پوری زندگی حدیث کی خدمت میں صرف کر دی تھی۔ جب آپ کے قویٰ مضمحل ہو گئے اور حدیث کی خدمت میں مشغول رہنے کی وجہ سے صحت نے جواب دے دیا تو بعض حاضر باشوں نے عرض کیا کہ حضرت کچھ آرام فرمالیں اور اپنی صحت کا بھی خیال رکھیں تو آپ کی زبانِ مبارک سے نکلا۔

جان دی دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

آپ نے اپنی زندگی کے چالیس بیالیس سال حدیث کے درس میں صرف کئے دس سال ابوداؤد کی شرح "بذل المجہود" میں لگائے اور اسی ذوق و شوق میں اپنی عمر ختم کر دی اور جب یہ مبارک کام پورا ہوا اور بذل المجہود کی تکمیل ہو گئی تو آپ نے علماءِ مدینہ اور اپنے احباب، خدام کی دعوت فرمائی کہ آپ کا رواں رواں اس مبارک کام کی تکمیل پر خدائے تعالیٰ کے شکر و امتنان میں چور تھا اس وقت کی خوشی کا کیا ٹھکانہ تھا اس کی کیفیت کا

---

[1] تذکرۃ الخلیل

www.abulhasanalinadwi.org

اندازہ وہی کر سکتے ہیں جو اس وقت موجود تھے آپ نے اس خوشی میں فرمایا۔

"اس قابل تو ہوں نہیں مگر ہوس تھی اور ہے کہ خدام حدیث کی جماعت میں شامل ہو جاؤں اللہ کا انعام ہے کہ اس نے کام لیا۔

کہاں میں اور کہاں یہ نکہت گل
نسیم صبح تیری مہربانی

اللہ تعالیٰ نے آپکو حدیث اور صاحب حدیث علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے جو محبت اور تعلق عطا کیا تھا اس کا ثبوت آپ کے ان الفاظ سے ہوتا ہے۔

"میں نے حق تعالیٰ سے تین دعائیں کی تھیں (۱) عرب میں حکومت اسلامی دیکھ لوں (۲) بذل المجہود تمام ہو جائے (۳) بقیع میں دفن ہو جاؤں الحمد للہ دو کی قبولیت دیکھ لی اور تیسری کا انتظار ہے۔"

حضرت مولانا نے دو کی قبولیت تو اپنی آنکھوں سے دیکھی اور تیسری کا جو انتظار تھا وہ ۱۵ ربیع الثانی ۱۳۴۶ھ کو دوسروں نے دیکھی کہ آپ نے جوار نبی میں جان جان آفریں کے سپرد کی اور بقیع پاک میں اہل بیت کے پڑوس میں سپرد خاک ہوئے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا حال یہ تھا کہ زیارت کی فضیلت ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔

"زیارت قبر سید المرسلین ہماری جان آپ پر قربان اعلیٰ درجہ کی قربت اور نہایت ثواب اور سبب حصول درجات ہے بلکہ واجب کے قریب ہے گو شد رحال اور بذل جان و مال سے نصیب ہو اور سفر کے وقت آپکی زیارت کی نیت کر لے اور ساتھ میں مسجد نبوی اور دیگر مقامات و زیارت گاہ متبرکہ کی بھی نیت کر لے بلکہ بہتر یہ ہے کہ جو علامہ ابن ہمام نے فرمایا ہے کہ خالص قبر شریف کی زیارت کی نیت کرے پھر جب وہاں حاضر ہوگا تو مسجد نبوی کی بھی زیارت حاصل ہو جائے گی اس صورت میں جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم زیادہ ہے اور اسکی

www.abulhasanalinadwi.org

موافقت خود حضرت کے ارشاد سے ہو رہی ہے کہ جو میری زیارت کو آیا میری زیارت کے سوا کوئی حاجت اس کو نہ لائی ہو تو مجھ پر حق ہے کہ میں قیامت کے دن اس کا شفیع بنوں اور ایسا ہی عارف ملا جامی سے منقول ہے کہ انھوں نے زیارت کے لئے حج سے علحدہ سفر کیا اور یہی طرز مذہب عشاق سے زیادہ قریب ہے[1]

حدیث نبوی میں آپ کے شغف اور انہماک و دلچسپی کا حال یہ تھا کہ جہاں بھی حدیث کی کسی قلمی کتاب کا پتہ چلتا تو آپ ہر قیمت پر اس کی نقل کرواتے یا اسکو خریدتے اور اس کو حاصل کرنے کی کوشش کرتے۔

جمادے چند دادم جاں خریدم
بحمد اللہ بس ارزاں خریدم

آپ کی اس کوشش کا نتیجہ یہ نکلا کہ حدیث کی نایاب و نادر کتابوں کی اشاعت ہوئی اور وہ ضائع ہونے سے بچ گئیں مثال کے طور پر آپ کی چند کوششوں کا ذکر کیا جاتا ہے۔

(۱) مصنف عبد الرزاق کی جلد سوم و چہارم نقل کرائی اور بنفس نفیس خود اس کی تصحیح فرمائی۔

(۲) کتب خانہ آصفیہ حیدر آباد سے بیہقی نقل ہو کر گنگوہ آئی تو آپ نے خاص طور پر اس کو گنگوہ سے منگوا کر اس کی آٹھ جلدیں منجملہ دس جلدوں کے نقل کرائیں۔

(۳) مصنف ابن شیبہ سندھ میں کسی صاحب علم کے پاس قلمی موجود تھی آپکو اس کا کسی طرح علم ہوا تو اس کو منگوا کر نقل کروایا۔

غرضکہ علم حدیث اور فن رجال سے آپ کو انتہائی عشق تھا اور اس علم و فن کی کتابوں کو خوب ہی جمع فرمایا تھا مولانا عاشق الٰہی صاحب میرٹھی تحریر کرتے ہیں۔

جس طرح درس حدیث اور تالیف شروح احادیث کا آپ کو شغف تھا اسی طرح

---

[1] المہنو ص ۵

www.abulhasanalinadwi.org

حدیث کے قلمی و نایاب نسخوں کے محفوظ کرنے کا بھی حد درجہ شوق تھا کہ یہ ثمرہ ہے صاحب جوامع الکلم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت صادقہ کا جس میں آپ فنا تھے اور چاہتے تھے کہ سرور عالم وعالمیاں کا کوئی قول یا فعل بھی ایسا نہ رہے جس کے علم وعمل سے محروم رہوں اور اس کے ساتھ ہی اس کی اشاعت کا عشق تھا کہ تمامی امت محمدیہ تک پہونچ کر اس کا نفع متعدی ہو اور مختلف مقامات کے صدہا کتب خانوں میں جمع ہو کر اضاعت سے ہر طرح محفوظ ہو جائے مجنوں صحرا میں بیٹھ کر بھی انگلیوں سے ریت پر لیلیٰ کا نام لکھا کرتا تھا کہ اسی سے اس کی طبیعت کو تسلی ہوتی تھی پھر کیا پوچھنا محبت رسول کا کہ کلام الرسول کی خدمت جس نوع کی بھی ہو عین ثمرۂ ایمان ہے[1]

شرک و بدعت کے معاملے میں آپ کا سخت رویہ

حضرت مولانا کا شرک و بدعت کے معاملہ میں جو رویہ اور طرز عمل رہا ہے وہ آپ کے کامیاب مناظروں اور براہین قاطعہ کی تصنیف و تالیف سے پوری طرح واضح ہو جاتا ہے اس معاملہ میں آپ نے کسی نرمی اور چشم پوشی سے کام نہیں لیا آپ بلا خوف لومۃ لائم ہر ایسے موقع پر سیف بے نیام بن کر سامنے آئے اور اپنی زبان سے اپنے قلم سے اپنی تقریروں اور ارشادات سے اپنی تحریروں اور مکتوبات سے مقابلہ کیا مولوی عبدالسمیع صاحب بیدل نے جب انوار ساطعہ لکھی تو اس کا آپ نے براہین قاطعہ لکھ کر جواب دیا اس کتاب نے آگ پر تیل کا کام کیا ہندوستان کے ان تمام حلقوں میں ہلچل مچ گئی جو شرک و بدعت کے داعی یا حلقہ بگوش تھے انھوں نے عوام اور جہلا کو آپ کے خلاف بھڑکایا۔ حضرت سید الطائفہ حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو آپ کی طرف سے بدظن کرنے کی کوشش کی گئی لیکن آپ اس شور و غوغا کے بعد بھی کتاب و سنت

---

[1] تذکرۃ الخلیل صـ ۲۹

www.abulhasanalinadwi.org

کے لئے سینہ سپر اور بدعت وشرک کے حق میں تیغ جوہر دار بنے رہے اور آپ نے اس بارے میں مولانا اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کے نقش قدم پر چل کر احیائے سنت کا مشغلہ رکھا اور اپنی زندگی کے عزیز ترین لمحات اور محبوب ترین اوقات صرف کئے اور جس طرح مولانا اسماعیل صاحب شہیدؒ باوجود راہ حق میں شہید ہونے کے اہل بدعت کے طعن وتشنیع سے اس وقت تک محفوظ نہ رہے اسی طرح آپ بھی کا فرسانہ زبانوں سے محفوظ نہیں۔

حضرت مولانا اس بارے میں بڑے ذکی الحس تھے وہ کسی حال میں شرک و بدعت کے ادنیٰ روادار نہ تھے نہ اپنے منتسبین اور متعلقین کے حق میں یہ برداشت کرتے تھے کہ ادنیٰ شائبہ بھی شرک و بدعت کا پایا جائے اگر کسی میں اس کا اثر بھی دیکھتے تو متنبہ فرماتے اور سنت کی پابندی کا حکم فرماتے تھے آپ کا یہی احساس اور یہی عشق سنت نبوی اور یہی عمل و کردار تھا جس نے آپ کی پوری زندگی کو حدیث کی خدمت، شرک و بدعت کی مخالفت سنت کی حمایت کی دولت سے نوازا اور جوار نبویؐ میں آخری زندگی گزارنے کا حوصلہ دیا اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بقیع پاک میں اہل بیت کے پہلو میں آسودۂ خاک کیا اللہ نے آپ کی خدمت حدیث، حمایت سنت اور مخالفت شرک و بدعت کو ایسا قبول فرمایا کہ زندگی بھی مقبول ہوئی اور موت بھی مقبول ہوئی اور حشر بھی انشاء اللہ مقبول ہوگا۔

ایک بڑا بہتان اور اس کا جواب

مبتدعین نے اہل حق پر سب سے بڑا بہتان یہ رکھا کہ یہ حضرات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی افضلیت واعلیت کے قائل نہیں اور ان کی عبارتوں سے حضور پرنور کی شان عالی میں تنقیص کا پہلو نکلتا ہے آپ نے اس سلسلہ میں اپنے مسلک و عقیدہ کا اظہار ان الفاظ میں کیا:۔

"ہمارا اور ہمارے مشائخ کا عقیدہ یہ ہے سیدنا و مولانا وحبیبنا وشفیعنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمامی مخلوق سے افضل اور اللہ تعالیٰ

www.abulhasanalinadwi.org

کے نزدیک سب سے بہتر ہیں اللہ تعالیٰ سے قرب و منزلت میں کوئی شخص آپ کے برابر تو کیا قریب بھی نہیں ہو سکتا آپ سردار ہیں جملہ انبیاء و رسل کے اور خاتم ہیں سارے برگزیدہ گروہ کے[1]

آگے چل کر اہل بدعت کے الزام اور بہتان کا جواب پوری وضاحت کے ساتھ ان الفاظ میں دیتے ہیں:۔

"ہم اور ہمارے بزرگوں میں سے کسی کا بھی یہ عقیدہ نہیں ہے اور ہمارے خیال میں کوئی ضعیف الایمان بھی ایسی خرافات زبان سے نہیں نکال سکتا اور جو اس کا قائل ہو کہ نبی کریم علیہ السلام کو ہم پر بس اتنی ہی فضیلت ہے جتنی بڑے بھائی کو چھوٹے بھائی پر ہوتی ہے تو اس کے متعلق ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ وہ دائرہ ایمان سے خارج ہے اور ہمارے تمام گذشتہ اکابر کی تصنیفات میں اس عقیدہ واہیہ کا خلاف صریح ہے اور وہ حضرات جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احسانات اور وجوہ فضائل تمام امت پر بتصریح اس قدر بیان کر چکے اور لکھ چکے ہیں سب تو کیا ان میں سے کچھ بھی مخلوق میں سے کسی شخص سے ثابت نہیں ہو سکتے اگر کوئی شخص ایسے واہیات خرافات کا ہم پر یا ہمارے بزرگوں پر بہتان باندھے وہ بے اصل ہے اور اس کی طرف توجہ بھی مناسب نہیں ہے اس لئے کہ حضرت کا افضل البشر اور تمامی مخلوقات سے اشرف اور جمیع پیغمبروں کا سردار اور سارے نبیوں کا امام ہونا ایسا قطعی امر ہے جس میں ادنیٰ مسلمان بھی تردد نہیں کر سکتا اور باوجود اس کے بھی اگر کوئی شخص ایسی خرافات ہماری جانب منسوب کرے تو اسے ہماری تصنیفات میں موقع و محل بتانا چاہیئے تاکہ ہم ہر سمجھ دار منصف پر اس کی جہالت، بدفہمی اور الحاد و بد دینی ظاہر کریں۔[2]"

---

[1] المہند [2] المہند

www.abulhasanalinadwi.org

صحابہ کرامؓ اور اہلِ بیت نبویؐ سے محبت وعقیدت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق ومحبت اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کمالِ اتباع تو معلوم ہو چکا ہے کہ حضرت مولانا میں کتنا تھا، کہ شب و روز اسی فکر میں رہتے تھے کہ کوئی عمل سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے خلاف نہ صادر ہو اس محبت و عقیدت کا بین ثبوت اہل بدعت سے ہر مناظرہ اور سنت کی حفاظت کے لئے ہر تحریر تھی۔

صحابہ کرام سے محبت کا یہ حال تھا کہ ردِ شیعیت میں کئی مناظرے کئے۔ قیام بہاولپور کے دوران اور اثنائے قیام بریلی میں رفض و شیعیت کے خلاف کتابیں لکھیں اور زبانی بات کی اور امروہہ کا معرکۃ الآرا مناظرہ صحابہ کرام سے گہرے تعلق کا پتہ دیتا ہے مولانا عبدالشکور صاحب فاروقی جو پورے ہندوستان میں شیعہ علماء سے مناظرہ کرتے رہتے تھے آپ سے خصوصی تعلق رکھتے تھے اکثر سہارنپور حاضر ہوتے اور ایک ہفتہ قیام کرتے اور حضرت مولانا سے ادبیات کی سند بھی لی تھی اور حضرت مولانا سے اس طرح استفادہ کرتے جیسے طالب علم اپنے استاذ سے کرتا ہے حضرت مولانا بھی ان سے شفقت ومحبت کا معاملہ کرتے اور ان کی ہمت افزائی کرتے امروہہ کے مناظرہ میں ان کو خاص طور پر بلایا اور مناظرہ کے لئے کھڑا کیا اور انکی تائید میں بلند الفاظ ارشاد فرمائے۔

بعض حضرات نے حضرت مولانا سے اس وقت سوال کیا جبکہ لکھنؤ میں مولانا عبدالشکور صاحب کی رفض و شیعیت کے خلاف جد وجہد جاری تھی کہ حضرت اس سے امن لکھنؤ برباد ہو رہا ہے تو حضرت مولانا نے فرمایا کہ صحابہ کرامؓ کی عزت و ناموس بچانے کے لئے امن لکھنؤ کیا اگر امن عالم بھی برباد ہو جائے تو کچھ پرواہ نہیں۔

حضرت مولانا کو جس طرح صحابہ کرامؓ سے محبت وتعلق تھا اسی طرح اہلِ بیت سے

www.abulhasanalinadwi.org

عقیدت تھی وہ دو انتہا پسند فرقوں پر سخت تنقید فرماتے ہیں نہ وہ اہل تشیع کو پسند کرتے ہیں نہ خوارج کو وہ ایک جگہ ان دونوں متحارب فرقوں کے عقیدے بتلا کر اپنا عقیدہ اس طرح ظاہر فرماتے ہیں :-

"شیعہ صحابہ کرام رضؓ کی اہانت واجب اور تفسیق و تکفیر کو فرض اعتقاد کرتے ہیں اور خوارج خذلہم اللہ اہل بیت کرام کی تذلیل کو واجب اور تضلیل کو فرض اعتقاد کرتے ہیں لیکن ہم معشر اہل السنۃ والجماعت عموماً اپنے اعتقاد میں پیروی اپنے مذہب، اہل بیت نبوت کی محبّت اور تعظیم کو ایسا ہی واجب اور جزو اسلام اعتقاد کرتے ہیں جیسا کہ صحابہ کی محبّت اور تعظیم کو واجب اعتقاد کرتے ہیں اور ان کی جناب میں گستاخی کو ایسا ہی حرام اور ناجائز سمجھتے ہیں جیسا کہ صحابہ کرام کی جناب میں گستاخی کو، غرض شیعہ و خوارج کو اس باب میں اپنے اعتقاد کی میزان کے دونوں پلوں میں برابر وزن کرتے ہیں۔" لہ

فقہی مسلک اور معتدل رویہ

قرآن و حدیث میں درک و اشتغال اور ان سے والہانہ شیفتگی کے ساتھ ساتھ آپ کو فقہ میں بھی ملکہ حاصل تھا آپ کو اس بار میں جس وسعت نظر، ملکۂ تام، اعتدال و توازن کا وافر حصہ ملا تھا اس کا اندازہ آپ کے ہزاروں فتاویٰ اور سوالات کے جوابات سے صحیح طور پر لگتا ہے، آپ فقہ میں حنفی مسلک رکھتے تھے اور اسی مسلک کو کتاب و سنت سے زیادہ قریب اور فطرت کے مطابق جانتے تھے لیکن آپ تقلید جامد کو پسند نہ فرماتے تھے آپ مجتہدانہ اور محققانہ شان رکھتے تھے آپ نے کسی امام یا محدث پر ایسی تنقید نہیں کی جس سے اس کی شان میں تنقیص کا پہلو نکلتا ہو، ہمیشہ آپ نے ان کا احترام و عقیدت سے نام لیا آپ نے کبھی حنفی مسلک ثابت کرنے میں کتاب و سنت سے انحراف یا جادۂ اعتدال سے

لہ ہدایات الرشید الی افحام العنید صفحہ

www.abulhasanalinadwi.org

ہٹنے، یا تحزب سے کام نہیں لیا زندگی بھر ہر مسلک حق کا اعتراف کیا اور احترام و محبت سے اس کا ذکر فرمایا اپنے پسندیدہ مسلک کو کتاب وسنت کی روشنی میں ثابت کیا، حنفی مسلک میں آپ عموماً "شامی" سے کام لیتے اور اس کو ترجیح دیتے مگر آپکے اعتدال و توازن کا حال یہ تھا کہ صاحب "شامی" جب کسی قول کو اسلاف سے ثابت کرتے تو آپ اس کو حجت و دلیل مانتے تھے اور جس قول کو وہ ذاتی حیثیت سے پیش کرتے تو آپ اس کو حجت نہ مانتے اور اس قول کی تحقیق و تنقید کرتے اور کہتے ھم رجالٌ ونحن رجال ان کی رائے ہم پر حجت نہیں جب تک اسلاف کے قول سے مؤید نہ ہو۔

حضرت مولانا کے اس طرز فکر اور طرز عمل سے ہم کو اعتدال و توازن اور عدم تعصب و تحزب کا سبق ملتا ہے ورنہ فقہی مسلک کے اختلاف نے حاملین مسلک کو ایکدوسرے کے خلاف ایسا صف آرا کر دیا تھا کہ ایک فقہی مسلک کا حامل دوسرے فقہی مسلک رکھنے والے کو اپنا مخالف جانتا تھا اور اس پر سخت تنقید کرتا تھا حتیٰ کہ مخالف مسلک کے امام کو بھی ہدف ملامت بنانے میں کوتاہی سے کام نہیں لیتا تھا اور اس مخالفت اور تنقید و تنقیص کی انتہا تکفیر و تفسیق کے حدود تک پہونچ جاتی تھی اور آج بھی جب کہ ایمان و یقین اور اصول دین اور مبادیات اسلامی کی بھی خیر نہیں ہے اور لوگوں کے ہاتھوں سے ایمان و اسلام کا دامن بھی چھوٹتا نظر آرہا ہے بعض ایسے متحزب اور اپنے فقہی مسلک میں انتہا پسند حضرات پائے جاتے ہیں جو دینی جزئیات اور فقہی اختلاف میں اتنے سخت ہیں کہ فریق مخالف کو کسی حال میں معاف نہیں کرتے اور تکفیر و تفسیق کے مظاہر دیکھنے میں آتے رہتے ہیں۔

حسب ذیل سطور پڑھئے جو مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی کے قلم سے نکلی ہیں جن میں ان مناظر کی تصویر کشی کی گئی ہے:۔

"ہندوستان میں بھی پچھلے دنوں زوال حکومت کے بعد مسلمانوں پر آفات و مصائب کے جو پہاڑ ٹوٹے ان قصوں میں! ور تو جو کچھ ہوا سو ہوا

www.abulhasanalinadwi.org

ساتھ ہی اسلام اور مسلمانوں کی رسوائی کی بعض ناگوار صورتیں اس شکل میں جو پیش آئیں کہ مسجدوں میں دنگے ہورہے ہیں جوتے چل رہے ہیں گتھم گتھی ہورہی ہے ایکدوسرے کو معمولی معمولی باتوں پر مسجدوں سے نکالنے پر اصرار کررہا ہے بسا اوقات بے غیرت مسلمانوں کو اپنے دینی مسائل کے جھگڑوں میں انگریزی حکام کے سامنے فیصلہ طلب کرنے کے لئے حاضر ہونا پڑا ہے[1]

اسلام کی روح اور دین کے مغز سے بیگانہ ہوکر صرف اس پر لڑرہے تھے کہ گو آہستہ آمین کہنا بھی حدیثوں سے ثابت ہے لیکن زیادہ قوی حدیثوں سے ان کا دعویٰ تھا کہ زور سے آمین کی آواز کہنا بھی حدیثوں سے ثابت ہے لیکن یہی بہتر ہے یا بجائے ناف یا زیرناف کے نماز میں سینے پر ہاتھ باندھنا خیال کرتے تھے کہ زیادہ اچھا ہے رکوع میں جاتے ہوئے یا اس سے اٹھتے ہوئے کوئی دونوں ہاتھوں کو نہ اٹھائے تو وہ بھی کہتے تھے کہ اسکی نماز ہوگئی تاہم اٹھانا ہاتھوں کا کہتے تھے کہ زیادہ ثواب کا کام ہے یہ سب کچھ ماننے کے باوجود ان ہی چند مسئلوں میں جو غل غپاڑے ہوئے ہنگامے مچائے گئے، جگ ہنسائیاں ہوئیں وہ بڑی دردناک داستان ہے فقہی اختلاف کے غلط استعمال کی یہ بڑی ہولناک تاریخی مثال ہے[2]

اس صورت حال کا اور صحیح اندازہ لگانے کیلئے مناسب ہوگا کہ اب سے اسّی پچاسی ۸۰ ۸۵ سال پہلے کا ایک منظر پیش کیا جائے جو دہلی کی جامع مسجد میں ہر جمعہ کی نماز کے بعد پیش آیا کرتا تھا جو علمائے احناف اور دوسرے مسلک کے علماء کے درمیان لڑائی کی عکاسی کرتا ہے یہ وہ دور ہے جبکہ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب نوراللہ مرقدہٗ دارالعلوم دیوبند میں مدرس دوم تھے۔ مولانا سید عبدالحی صاحب رائے بریلوی نے ۱۳۱۲ھ میں دہلی و سہارنپور کا سفر کیا۔ انہوں نے ایک جمعہ کی نماز جامع مسجد دہلی میں پڑھی اور مختلف

---

[1] مسلمانوں کی فرقہ بندیوں کا افسانہ صفحہ ۱۱۸ [2] ایضاً صفحہ ۱۱۹

www.abulhasanalinadwi.org

متقررین کی تقریریں سنیں وہ اپنا مشاہدہ اس طرح بیان کرتے ہیں :۔

" نماز کے بعد چار جگہ وعظ ہونے لگا منبر پر مولوی محمد اکبر وعظ کہتے ہیں، یہ بزرگ حنفیوں کا خوب خاکہ اُڑاتے دل کھولکر تبرا کرتے ہیں اس بات پر فخر کرتے ہیں کہ ہدایہ پڑھانے سے توبہ کی ہے فرماتے تھے کہ آج کون ہے کہ جس نے ہدایہ پڑھانے سے توبہ کرکے کلام مجید کی تعلیم شروع کی ہو، سب جہنم میں جائیں گے اور وعظ میں ہر ہر بات پر اپنی بڑائی بیان کرتے ہیں ہر آیت کو اہل دہلی اور اپنے اوپر اتارتے ہیں اہل دہلی کو ظالمین اور مشرکین سے ملاتے ہیں اور اپنے تئیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عیاذاً باللہ ۔۔۔ دوسرے صاحب مُنذنہ کے پاس بھی اسی طور پر حنفیہ کا خاکہ اڑا رہے تھے لیکن کف لسان کے ساتھ ۔ تیسرے صاحب دوسری جانب مُنذنہ کے محدثین و متبعین سب کی خبر لے رہے تھے ۔ الخ اُو قیام تعظیمی کے منع کرنے پر سخت سست کہہ رہے تھے ۔ چوتھے صاحب حوض پر کچھ مناجاتیں اور نعتیہ غزلیں پڑھ کر لوگوں کو اپنی طرف راغب کر رہے تھے الغرض ایک ہڑبونگ تھا اس ہڑبونگے پن کو دیکھ کر نہایت افسوس ہوا خدا کی مرضی میں کسی کو دخل نہیں جب سلطنت اسلام جاتی رہی تو جس کا جو جی چاہے کہے اور کرے[1]،،

حضرت مولانا انھیں حالات سے گزرے اور انھیں مناظر کو دیکھا اور کلفت محسوس کی جس نے آپ کے دل میں توازن و اعتدال پیدا کر دیا اور تکفیر و تفسیق کی گرم بازاری سے نفرت پیدا ہوئی آپ نے فقہ کتاب و سنت کے ذریعہ حاصل کی کلام و فلسفہ کی راہ سے حاصل نہیں کی تھی جس کی وجہ سے آپ میں تحزب و تعصب نہیں آیا یہی وہ امتیازی شان تھی جس نے آپ کو ہر طبقہ خیال اور ہر مکتب فکر میں مقبول اور محبوب بنا دیا

---

[1] دہلی اور اس کے اطراف صفحہ ۶۸ - ۶۹

www.abulhasanalinadwi.org

اور سب ہی نے آپ کی طرف رجوع کیا۔ مولانا عاشق الٰہی صاحب میرٹھی لکھتے ہیں۔

"آپ کی مجتہدانہ استعداد اور وسعت نظر تمامی ہمعصر علماء میں مسلم تھی کہ جن مسائل میں علماء کے اختلاف ہوتے وہ محاکمہ کے لئے آپکے پاس بھیجے جاتے اور جن معرکۃ الآرا مباحث میں قلم اٹھاتے اہلِ علم گھبراتے تھے وہ آپ کی خدمت میں لائے جاتے تھے"[1]

آپ کی وسعت نظر، اعتدال و توازن اور عدم غلو کا حال یہ تھا بعض دفعہ بعض مسائل میں اپنے ہم مسلک علماء اور فقہاء کی رائے سے بھی اختلاف کرتے تھے اور جو خود تحقیق کے بعد صحیح سمجھتے وہ رائے رکھتے تھے حتیٰ کہ بعض مرتبہ اپنے شیخ و مرشد حضرت گنگوہی نور اللہ مرقدہٗ کی رائے سے بھی اختلاف کیا اور یہ فرمایا کہ معصوم بجز رسول کے کوئی نہیں۔

آپ عموماً مختلف فیہ مسائل میں محتاط رویہ اختیار کرتے تھے اور اسی کو ترجیح دیتے تھے۔

آپ فقہی مسائل میں امام ابو حنیفہ کے پیرو تھے صرف پیرو ہی نہ تھے بلکہ امام صاحب کے متعلق بڑے بلند الفاظ استعمال کرتے تھے اور انکے تفقہ ان کی ذکاوت حسن ادب، ذہانت، تبحر علمی اور درایت کے بڑے قائل تھے آپ ان کے متعلق فرماتے تھے :۔

"اللہ نور سے بھردے امام ابو حنیفہ کی قبر کو کہ بڑا کام کر گئے"

کبھی کبھی فرماتے :۔

"امام اعظم درحقیقت اعظم ہی ہیں ان کی ذکاوت اور حسن ادب اور دقت استنباط تک بڑوں بڑوں کی رسائی نہ ہوسکی"[2]

---

[1] تذکرۃ الخلیل ص ۲۹۶ [2] تذکرۃ الخلیل

www.abulhasanalinadwi.org

ایک جگہ پوری وضاحت سے تحریر کرتے ہیں۔

"ہم اور ہمارے مشائخ تمام اصول و فروع میں امام المسلمین ابو حنیفہؒ کے مقلد ہیں خدا کرے اسی پر ہماری موت ہو اور اسی زمرہ میں ہمارا حشر ہو[1]

تصوّف وسلوک اور صوفیا کے اشغال

حضرت مولانا تصوف وسلوک اور درجۂ احسان کے حصول کے طریقوں میں اپنے مشائخ کے متبع تھے آپ کی پوری زندگی درس وتدریس کے ساتھ ساتھ تربیت سلوک میں گزری آپ اس کی اہمیت وضرورت ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں لیکن اس شرط کے ساتھ کہ اتباع شریعت اور پیروی سنت کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹے۔

"انسان جب عقائد کی درستی اور شرع کے مسائل ضروریہ کی تحصیل سے فارغ ہوجائے تو ایسے شیخ سے بیعت ہو جو شریعت میں راسخ القدم ہو، دنیا سے بے رغبت ہو آخرت کا طالب ہو نفس کی گھاٹیوں کو طے کر چکا ہو، خوگر ہو نجات دہندہ اعمال کا، اور علیحدہ ہو تباہ کن افعال سے، خود بھی کامل ہو دوسروں کو بھی کامل بنا سکتا ہو ایسے مرشد کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر اپنی نظر اس کی نظر میں مقصور رکھے اور صوفیا کے اشغال یعنی ذکر و فکر اور اس میں فنائے تام کے ساتھ مشغول ہو اور اسی نسبت کا اکتساب کرے جو نعمت عظمیٰ اور غنیمت کبریٰ ہے، جس کو شرع میں احسان کے ساتھ تعبیر کیا گیا ہے اور جس کو یہ نعمت میسر نہ ہو اور یہاں تک نہ پہونچ سکے اس کو بزرگوں کے سلسلہ میں شامل ہو جانا ہی کافی ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ آدمی اس کے ساتھ ہے جس کے ساتھ اس کو محبت ہو (المرء مع من احب) وہ ایسے لوگ ہیں جن کے پاس بیٹھنے والا محروم نہیں ہو سکتا (اولئک قوم لا یشقیٰ جلیسھم)[2]

---

[1] المہند علی المفند   [2] ایضاً

www.abulhasanalinadwi.org

شریعت کا اعتقادی و عملی احترام

حضرت مولانا کے نزدیک صرف شریعت کا نام لینا اور اس کا دم بھرنا کافی نہیں

آپ شریعت کا اعتقادی اور عملی احترام اور اس کی اتباع کو ہر مسلمان کے لئے ضروری اور لازمی قرار دیتے تھے اتباع شریعت آپ کے نزدیک اسلامی زندگی کا حاصل اور مقصود ہے عقیل سے عقیل اور فہیم سے فہیم مسلمان چاہے وہ جتنا بھی پڑھا لکھا ہو اگر اتباع شریعت سے عاری ہوتا تو آپ کی نظر میں اس کی نہ کوئی وقعت ہوتی اور نہ عزت و احترام آپ کے نزدیک ایک جاہل اور کم عقل مسلمان جس کے دل میں ایمان و یقین ہو اور وہ اس پر عامل ہو اس ذکی و عاقل عالم و فاضل مسلمان سے جس کے دل میں اتباع شریعت کا جذبہ اور عملی احترام نہ ہو، بہتر ہوتا۔ آپ اپنے ایک مکتوب میں پہلے اپنے ایمان ویقین کی گواہی دیتے ہیں اور پھر دوسروں کے لئے اس کو ضروری قرار دیتے ہیں اور ان کی ترقی و فلاح کا ذریعہ اتباع شریعت کو بتاتے ہیں آپ تحریر کرتے ہیں۔

> "میں بحمد اللہ پکا مسلمان ہوں اور کفر و کفار کے متعلق وہی خیالات رکھتا ہوں جو ہر پکے مسلمان کو رکھنے چاہئیں۔ میرے نزدیک سب سے اول مسلمانوں کے لئے ہر حالت میں شریعت کا اعتقادی و عملی احترام ہے محض زبانی احترام کافی نہیں۔ مسلمانوں کی دینوی ترقی و فلاح کا ذریعہ بھی کامل اتباع شریعت ہی ہو سکتا ہے جب تک اتباع کی روح مسلمانوں میں بالاتفاق پورے طور پر موجود نہیں ہوگی اس وقت تک مسلمان دینوی مصائب و آلام سے نجات نہیں پا سکتے۔[1]

عقل انسانی یا اتباع شریعت

موجودہ دور کا سب سے بڑا مرض یہ ہے کہ اسلام اور شریعت اسلامی کو عقل انسانی کے تابع کر دیا گیا ہے اور دین کو زندگی کے مسائل میں دخیل ہونے نہیں دیا جاتا۔ بعض

---

[1] اکابر کے خطوط

www.abulhasanalinadwi.org

رہنما اور رہبر صفائی کے ساتھ کہتے ہیں کہ دین ایک فرسودہ نظام ہے جس کے یہاں جدید مسائل کا جو آئے دن بدلتے رہتے ہیں کوئی حل نہیں ضرورت ہے کہ دین خصوصاً دین اسلام کو زمانے کے مسائل سے ہم آہنگ کیا جائے اسی میں موجودہ دور کے مسلمانوں کی ترقی کا راز پنہاں ہے اگر اسلام کو جدید نہ بنایا گیا اور زمانہ کا لحاظ رکھ کر اس کو پیش نہ کیا گیا تو مسلمانوں کے لئے ترقی کی راہیں مسدود رہوں گی۔ حضرت مولانا اس طرز فکر کے مخالف تھے وہ عقل انسانی اور نئے نئے پیدا ہونے والے اور بدلتے ہوئے مسائل کو شریعت اسلامی کے تابع کرنے کے داعی تھے ان کا کہنا ہے کہ مسلمانوں کے لئے مشکلات کا حل اور مصائب سے نجات بلا چوں وچرا اتباع شریعت میں ہے اللہ و رسول کے احکام اور قرآن وحدیث عقل انسانی کے تابع نہیں ہیں بلکہ بڑے سے بڑا ذہین اور دانائے روزگار بھی احکام شریعت کی اتباع کا محتاج ہے اور اسی اتباع میں دنیا و آخرت کی فلاح اور اس کے خلاف کرنے میں ناکامیاں اور خسران لازمی ہے خصوصاً مسلمانوں کے لئے یہ دستور العمل ہے جو قیامت تک کے لئے ہر حالت میں ہر ملک میں ہر زمانہ میں صحیفۂ کامیابی اور ذریعہ فوز و فلاح ہے آپ صاف صاف فرماتے ہیں۔

"اگر دنیاوی مصائب دور کرنے کے لئے اتباع شریعت سے غافل ہو کر عقل انسانی پر اعتماد کیا گیا تو یقیناً مسلمانوں کے لئے ناکامیاں اور غیر متوقع مشکلات و تکالیف رونما ہوں گی"[۱]

اور آگے چل کر اس خیال پر ان الفاظ کے ساتھ زور دیتے ہیں۔

"اگر پابندی اسلام نظر انداز کر کے دنیوی بہبودی کی تدبیریں کی گئیں تو فتن کو اور ترقی ہوگی اور مسلمانوں کے لئے بدترین مصائب اور غیر متوقع آلام پیدا

---

[۱] اکابر کے خطوط

www.abulhasanalinadwi.org

ہوں گے ہمارے لئے صحیح راستہ وہی ہے جس کی مذہب ہدایت کرے۔"[1]

ختم نبوت کے متعلق آپ کی رائے اور اپنے مشائخ کے عقیدہ کا اظہار

حضرت مولانا کا دور بعض حیثیتوں سے بڑا نازک اور انتشار و پراگندگی کا دور تھا زوال حکومت کے بعد مختلف باطل فرقوں کا زور اور غیر اسلامی عقیدوں کی شہرت کا دور تھا ایک طرف مشرکین اپنا زور دکھا رہے تھے دوسری طرف بدعتی اپنے عقیدوں کو خالص اسلامی قرار دے کر عام کر رہے تھے تیسری طرف قادیانیت ختم نبوت کے خلاف صف آرا ہو رہی تھی، بدعتی حضرات اہل حق علماء پر طرح طرح کے الزامات لگا رہے تھے جو سراتا پا غلط تھے ان میں حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی کی تحذیر الناس کی ایک عبارت سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کر رہے تھے کہ مولانا ختم نبوت کے قائل نہیں ہیں بلکہ قادیانیت کے ہم نوا ہیں حضرت مولانا خلیل احمد صاحب نے اس غلط خیال کی تردید کی اور کھل کر قادیانیت کے خلاف کام کیا مناظرے کئے اور اپنی تحریر و تقریر سے اس فتنہ کی آگ کو بجھانے کی کوشش کی اہل بدعت کے اعتراض کا جواب دیا اور حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت کی تشریح کی آپ نے اس طرح کے ایک سوال کا جواب دے کر اپنے اور اپنے مشائخ کے عقیدہ، مسلک اور احساسات و خیالات کی اس طرح وضاحت کی۔"

"ہمارا اور ہمارے مشائخ کا عقیدہ یہ ہے کہ ہمارے سردار و آقا اور پیارے شفیع محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں آپ کے بعد کوئی نبی نہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین۔ لیکن محمد اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں اور یہی ثابت ہے

---

[1] اکابر کے خطوط

www.abulhasanalinadwi.org

بکثرت حدیثوں سے جو معنیٰ حد تواتر تک پہنچ گئیں اور نیز اجماع امت سے ہو حاشا ہم میں سے کوئی اس کے خلاف کہے کیونکہ جو اس کا منکر ہے وہ ہمارے نزدیک کافر ہے اس لئے کہ منکر ہے نص صریح قطعی کا ہاں ہمارے شیخ و مولانا مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے دقت نظر سے عجیب دقیق مضمون بیان فرما کر آپ کی خاتمیت کو کامل و تام ظاہر فرمایا ہے جو کچھ مولانا نے اپنے رسالہ تحذیر الناس میں بیان فرمایا ہے اس کا حاصل ہے کہ خاتمیت ایک جنس ہے جس کے تحت میں دونوں داخل ہیں ایک خاتمیت باعتبار زمانہ وہ یہ کہ آپ کی نبوت کا زمانہ تمام انبیاء کی نبوت کے زمانہ سے متاخر ہے اور بحیثیت زمانہ سب کی نبوت کے خاتم ہیں اور دوسری نوع خاتمیت باعتبار ذات جس کا مطلب یہ ہے کہ آپکی نبوت ہے جس پر تمام انبیاء کی نبوت ختم و منتہی ہوئی اور جیسا کہ آپ خاتم النبیین ہیں باعتبار زمانہ اسی طرح آپ خاتم النبیین ہیں بالذات کیونکہ ہر وہ شے جو بالعرض ہو ختم ہوتی ہے اس پر جو بالذات ہو اس سے آگے سلسلہ نہیں چلتا اور جبکہ آپ کی نبوت بالذات ہے اور تمام انبیاء علیہم السلام کی نبوت بالعرض اسلئے کہ سارے انبیاء کی نبوت آپ ہی کی نبوت کے واسطے سے ہے اور آپ ہی فرد اکمل اور یگانہ اور دائرۂ رسالت و نبوت کے مرکز اور عقد نبوت کے واسطہ ہیں پس آپ خاتم النبیین ہوئے ذاتاً بھی زماناً بھی اور آپ کی خاتمیت صرف زمانہ کے اعتبار سے نہیں ہے اس لئے کہ یہ کوئی بڑی فضیلت نہیں ہے کہ آپ کا زمانہ انبیاء سابقین کے زمانہ سے پیچھے ہے بلکہ کامل سرداری اور غایت رفعت اور انتہا درجہ کا شرف و فضل اسی وقت ثابت ہوگا جبکہ آپ کی خاتمیت ذات و زمانہ دونوں اعتبار سے ہو ورنہ محض زمانہ کے اعتبار سے خاتم الانبیاء ہونے سے آپ کی سیادت و رفعت نہ مرتبۂ کمال کو پہنچے گی اور نہ آپ کو جامعیت و فضل کل کا شرف حاصل ہوگا اور یہ دقیق مضمون جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جلالت شان اور عظمت

www.abulhasanalinadwi.org

کے بیان میں مولانا کا مکاشفہ ہے۔ ہمارے خیال میں علماء متقدمین اور اذکیاء متبحرین میں کسی کا ذہن اس میدان کے نواح تک نہیں گھوما ہاں ہندوستان کے بدعتیوں کے نزدیک کفر و ضلال بن گیا یہ مبتدعین اپنے چیلوں اور تابعین کو یہ وسوسہ دلاتے ہیں کہ یہ تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے کا انکار ہے افسوس صد افسوس قسم ہے اپنی زندگی کی ایسا کہنا نچے درجہ کا افترا اور بڑا جھوٹ و بہتان ہے جس کا باعث محض کینہ و عداوت و بغض ہے اہل اللہ اور ان کے خاص بندوں کے ساتھ اور سنت اللہ جاری ہے انبیاء و اولیاء کے ساتھ [1]

مذہبی تعلیم ہر حالت میں اہم اور ضروری ہے

ہندوستان میں خلافت کا چرچا تھا تو باہمی اتحاد اور برادران وطن سے موالات کا ایسا چکر چلا کہ بعض پڑھے لکھے حضرات بھی انتہا پسندی کا ایسے شکار ہوئے کہ کسی ایسے کام کے کرنے سے اور کسی ایسے خیال کے اپنانے سے اتنی احتیاط کرنے لگے کہ برادران وطن سے موالات کے جذبے کو ذرا بھی ٹھیس نہ پہنچے اور ان کا دل ہمارے کسی عمل سے ملول نہ ہو ان کی انتہا پسندی اتنی بڑھ گئی کہ مذہبی تعلیم سے بھی کنارہ کیا جانے لگا دینی مدارس اور اسلامی مکاتب کو بھی فرقہ وارانہ اور جذبۂ موالات کی راہ میں ایک روڑا سمجھنے لگے حضرت مولانا کو یہ صورت حال ایک لمحہ کے لئے نہ بھائی آپ نے ایسے ہنگامی حالات اور پر آشوب ماحول میں جبکہ کوئی بھی اس طرح کی حق بات سننے کا روادار نہ تھا اور بڑے سے بڑا آدمی بھی حق بات کہتے ہوئے گھبراتا تھا اعلان حق کیا اور اپنے دلی احساسات اور خیالات کا برملا اظہار کیا اور انتہا پسند خیالات پر ڈنکے کی چوٹ پر تنقید کی آپ نے تحریر فرمایا۔

---

[1] المہند علی المفند ا

www.abulhasanalinadwi.org

"مذہبی تعلیم جس کا بیڑا میرے اکابر نے اٹھایا اور جس میں تمام عمر منہمک رہے ہیں اس کو نہایت ضروری اور مہتم بالشان سمجھتا ہوں اور ہر اس تحریک کا سختی سے مخالف ہوں جو اس میں نقصان پہنچانے والی ہو میں نے سنا ہے کہ بعض علماء اسلام جوش کے ساتھ یہ فرماتے ہیں کہ مدارس دینیہ بند کر دو اور سب کے سب خلافت کی طرف متوجہ ہو جاؤ میرے نزدیک یہ نہایت غلط راستہ ہے دونوں امر فرض کفایہ ہیں علماء اور ہادیان ملت کو دونوں کی طرف توجہ فرمانا اور دونوں کو یکساں سمجھنا ضروری سمجھتا ہوں۔[1]

حدود شرعیہ سے سرمو تجاوز یا تفریق واختلاف غیر دانشمندانہ ہے

خلافت کی تحریک کے دور میں پورے ہندوستان میں اسی کا تذکرہ اور اسی کے لئے دوڑ دھوپ جاری تھی اور اس معاملہ میں بعض انتہا پسندوں نے اتنا سخت رویہ اختیار کر لیا تھا اور ان پر مسئلہ خلافت اور آزادئ وطن کا جذبہ ایسا طاری تھا کہ حدود شرعیہ کا احترام بھی کما حقہٗ باقی نہیں رہا تھا اور انھوں نے ان لوگوں کے خلاف جو اس طرز فکر اور طریقۂ عمل کو پسند نہ کرتے تھے توہین آمیز رویہ اختیار کر لیا تھا۔ حدود شرعیہ سے ایسا تجاوز اور یہ غیر اسلامی عمل اور غیر معقول رویہ آپ کو بالکل پسند نہ آیا آپ نے صاف صاف تحریر فرمایا۔

"ہر ایسے امر کو جو مسلمانوں میں تفریق واختلاف کا باعث ہو یا حدود شرع سے متجاوز ہو مثلاً کسی جزوی اختلاف پر یا محض گمان مخالفت پر کسی زندہ یا مردہ مسلمان کی تذلیل وتوہین یا تقلید یورپ میں ایسے اصولوں پر عمل جو اسلام کی تعلیم کے مطابق نہیں ان سب کو نہایت مکروہ اور غیر مستحسن خیال کرتا ہوں۔"[2]

---

[1] اکابر کے خطوط [2] ایضاً

www.abulhasanalinadwi.org

اسی مکتوب میں آگے چل کر آپس کے نزاع کو وہ سخت ناپسندیدہ خیال کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں۔

"حالات حاضرہ میں مسلمانوں کے لئے صبر و استقلال کی ضرورت ہے اور نیز اس کی بھی سخت ضرورت ہے کہ آپس کی فضول منازعت و منافرت بالکل ترک کی جائے کہ ارشاد ہے ولا تنازعوا وتفشلوا صبر و تحمل اور اخلاص کے ساتھ مسلمانوں کی بہبودی کے لئے جد و جہد کرنا نہایت مبارک ہے اور کامیابی انشاء اللہ ضرور ہم رکاب رہے گی۔"[1]

موالاتِ کفار غیر پسندیدہ عمل

حضرت مولانا کفار و مشرکین سے موالات کے سخت مخالف تھے خواہ وہ موالات وقتی ہوں یا عارضی آپ کے نزدیک موالات بہر حال موالات ہیں اور اس میں کسی طبقہ یا مذہب کی تفریق کے قائل نہ تھے اس زمانہ میں مسلمان دو حصوں میں بٹے ہوئے تھے ایک طبقہ اہل کتاب سے موالات کا قائل تھا دوسرا طبقہ برادران وطن سے۔ آپ اس افراط و تفریط کے خلاف تھے آپ کے نزدیک مخالف اسلام ہر جماعت سے موالات کرنا غیر اسلامی فعل اور خدا کی ناراضگی کا سبب ہے آپ صاف صاف تحریر کرتے ہیں۔

"کفار کے ساتھ موالات خواہ وہ نصاریٰ ہوں یا مشرک قطعاً حرام ہے اس میں کسی مسلمان کو چوں چرا کی گنجائش نہیں اور تعلقات خواہ وہ تعلقات بطور قرابت کے ہوں جیسے نکاح اہل کتاب کی عورتوں کے ساتھ یا بطور لین دین کے ہوں یا بطور ملازمت کے اور کسی دوسری طرح سے ہوں اگر وہ شرعاً ناجائز ہے تب تو ان کا ترک واجب ہے ہی اور اگر وہ فی نفسہٖ جائز ہی ہوں تب بھی مسلمانوں کے لئے ہر ملک اور ہر زمانے میں عموماً اور ممالک اسلامی اور

---

[1] اکابر کے خطوط

www.abulhasanalinadwi.org

بلاد مقدسہ کے خطرے کی حالت میں خصوصاً ان سب کا ترک مفید و مستحسن سمجھتا ہوں بالخصوص جبکہ مسلمانوں کے حقوق کے خلاف دشمنان اسلام کی تقویت یا ایسی تدابیر میں معاونت کا باعث ہول جن سے مذہب و عظمت اسلام کو کسی قسم کا نقصان پہونچنے کا اندیشہ ہو بشرطیکہ حدود استطاعت سے خارج نہ ہو قال اللہ تبارک وتعالیٰ لایکلف اللہ نفسا الا وسعھا

میرے نزدیک انما ینھٰکم اللہ عن الذین قاتلوکم فی الدین واخرجوکم من دیارکم وظاھروا علی اخراجکم کا مصداق فقط نصاریٰ ہی نہیں بلکہ مشرکین ہنود بھی ہیں[1]

کفار سے اتحاد واتفاق صرف معاشرتی امور میں

حضرت مولانا اس کے بالکل روادار نہ تھے کہ غیر مسلموں سے اتنی حد تک تعاون کیا جاوے کہ اسلام کے حدود سے بھی تجاوز ہو جانے کا بھی خیال نہ کیا جاوے آپ ایسے اتحاد واتفاق کے شدید مخالف تھے جس میں کسی ادنی سے ادنی امر شرعی بھی ترک ہوتا ہو آپ نے ایسے موقع پر جبکہ مسلمان اہل علم کی طرف سے بھی کوشش کی جانے لگی کہ مسلمانوں کو اہل وطن کی خوشنودی کی خاطر بعض شعائر اسلامی کو چھوڑ دینا چاہیے، حق کی آواز بلند کی اور غیر مبہم لفظوں میں اپنے خیال کا اظہار کیا۔

"اگر ہنود آئندہ اس مسئلہ قربانی میں جو اسلامی شعار ہے مزاحمت ترک کر دیں اور مذہبی معاملات کو بجائے خود اس سے علحدہ رکھ کر صرف دنیوی اور معاشرتی تعلقات میں مسلمانوں کے ساتھ اتحاد واتفاق کریں تو ایسی حالت میں ہنود کے ساتھ بہ پابندی حدود شرع دنیوی امور میں مصالحت واتفاق مناسب تصور کرتا ہوں بشرطیکہ مسلمانوں کے ادنی سے ادنی مذہبی امر پر اب یا آئندہ کسی قسم کا اثر قطعاً نہ ہو"[1]

---

[1] اکابر کے خطوط

www.abulhasanalinadwi.org

آپ ان مسلمانوں پر سخت ترین تنقید فرماتے تھے جو موالات اور اتحاد و اتفاق کی خاطر امر شرعیہ کا چنداں خیال نہیں کرتے تھے اور جنھوں نے قربانی جیسے مسئلہ میں فراخ دلی اور توسع سے کام لیا تھا اور اپنے ہم مذہب لوگوں کو آمادہ کرنا چاہا تھا کہ وہ برادران وطن کے جذبات کا لحاظ رکھتے ہوئے قربانی ترک کردیں آپ نے ایسے ہی ایک موقع پر سخت ترین الفاظ میں اس طرز عمل کی اور اس طرز فکر کی کھل کر مخالفت کی آپ نے تحریر فرمایا۔

"اس وقت جو مسلمان ترک قربانی گاؤ کے معاملہ میں معاونت کر رہے ہیں اور بکے ترک پر عام مسلمانوں کو برانگیختہ کر رہے ہیں وہ لوگ قطعاً حدود شرع سے آگے بڑھ گئے ان پر واجب ہے کہ وہ حدود شرع سے ذرا بھی قدم نہ بڑھائیں ومن یتعد حدود اللہ فقد ظلم نفسہ اور ہمیشہ اس کا خیال رکھنا چاہیے کہ اس مصالحت و اتفاق سے خدانخواستہ آگے چل کر ایسے نتائج مرتب نہ ہوں جو مسلمانوں کے لئے دینی یا دنیوی مضرت کا باعث ہوں"[1]

سلطان ابن سعود کے متعلق آپ کا خیال

حضرت مولانا نے آخری حج اس دور میں کیا جب سلطان ابن سعود والی نجد والی حجاز بنے اور شریف حسین کو شکست ہوئی سلطان ابن سعود کی آمد سے پہلے حجاز میں بڑی بدامنی تھی اور حجاج کے قافلے لٹتے پٹتے تھے اور مکہ سے مدینہ اور مدینہ سے مکہ پہونچنا بعض دفعہ ناممکن ہوجاتا تھا اور بعض حجاج زیارت مدینہ کئے بغیر اپنے اپنے وطن لوٹ جانے پر مجبور ہوجاتے تھے اور جو ہمت کرکے سفر کرتے تھے ان میں سے بعض اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھتے تھے نہ حکومت حفاظت کی ذمہ داری لیتی تھی اور نہ قافلے اپنے کو محفوظ کر پاتے تھے راستہ کے بدو اور خانہ بدوش دن دہاڑے قافلوں کو لوٹتے اور قتل و غارت مچاتے تھے۔ ۱۹۲۵ء میں سلطان

---

[1] اکابر کے خطوط

www.abulhasanalinadwi.org

ابن سعود نے شریف حسین کو شکست دے کر حجاز کو اپنے زیر حکومت کیا بدوؤں سے مقابلہ کیا شرعی حکومت قائم کی اور چوروں کے ہاتھ کاٹنے شروع کئے، شرک و بدعت جو سعودی حکومت کے آنے سے پہلے عام تھی کہ بعض دفعہ ایسے مناظر دیکھنے کو آتے تھے کہ کتاب و سنت پر عمل کرنے والے آدمی کو بے چین کر دیا کرتے تھے کہ خدا کی شان ہے کہ جن دیار مقدسہ سے توحید و سنت کا غلغلہ بلند ہوا تھا وہیں پر مقابر اور مزارات پر قبے بنے ہوئے تھے اور مواجہ شریف نیز دوسرے بعض مقابر پر اعمال شرکیہ ہوتے تھے۔

حضرت مولانا نے بھی اس سے پہلے خود اپنی آنکھوں سے بدامنی قتل و غارت اور شرک و بدعت کے مناظر دیکھے تھے جب آپ نے دیکھا کہ اوامر شرعیہ پر سختی سے پابند ہونے کے سبب خالص اسلامی حکومت قائم ہوئی اور دیکھتے دیکھتے بدامنی بھی رخصت ہوئی شرک و بدعت بھی نیست و نابود ہوئی۔ بعض امور میں انتہا پسندی اور بعض مسائل میں مسلک و مشرب کے بعض اختلافات کے باوجود کہ سلطان سخت حنبلی المسلک اور محمد ابن عبدالوہاب کے متبعین میں تھے اور حضرت مولانا حنفی المسلک اور حاملین تصوف میں تھے آپ نے ان کا خیر مقدم کیا اور ان کا ساتھ دیا اور بدامنی و غیر دینی شعار کے ختم ہونے کے سبب ان کی انتہا پسندی کو اور بے اعتدالی کو برداشت کیا لیکن موقع موقع پر ان سے مل کر بعض بے اعتدالیوں اور دوسرے مسلک والوں کی حق تلفیوں کو ختم کرایا سلطان ابن سعود کے برسر اقتدار آنے پر جب ان کے نجدی سپاہیوں نے قبے گرائے اور غیر اللہ کے سجدے بند کرائے اور شرک و بدعت کی بیخ کنی کی تو ہندوستان کے ان حلقوں میں جو شرک و بدعت کا جھنڈا بلند کئے ہوئے تھے ایک تہلکہ مچ گیا اور حکومت نجدیہ کے خلاف یہ پروپیگنڈہ کیا گیا کہ یہ وہابی حکومت ہے اس نے مزارات کی بے حرمتی کی ہے غیر حنبلی المسلک لوگوں کا قتل عام کیا ہے حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ لوگ مانتے نہیں اور یہ مسلمان نہیں ہیں ان کے ان الزامات کی وجہ سے بہت سے وہ حلقے، اشخاص اور بعض جماعتیں جو سادہ مزاج تھیں تحقیق و تفتیش کی ضرورت نہیں

www.abulhasanalinadwi.org

سمجھتی تھیں، غلط فہمی کا شکار ہو گئیں اور ہندوستان میں بعض علماء مخالفین کے ہمنوا ہو گئے۔ حرمین شریفین کو ان نجدی لوگوں سے بچانے کا بیڑا اٹھایا گیا اور اس کو ایک ہمہ گیر تحریک کی شکل دیدی گئی ایک ایسا ماحول بنا دیا گیا کہ ہر شخص دم بخود تھا خود حضرت مولانا کے منتسبین اور عقیدت مند متفکر ہو گئے تھے کہ حضرت مولانا جو حجاز میں ہیں وہ کس حال میں ہیں حضرت مولانا کو اہل تعلق کی فکر مندی اور حکومت نجدیہ کے متعلق عوام میں پھیلی ہوئی غلط فہمی اور شورش و ہنگامہ کی خبر ہوئی تو آپ نے صحیح صورتحال کی اطلاع دی اور مولانا ظفر علی خاں صاحب ایڈیٹر زمیندار لاہور کو اس سلسلے کے دو مکتوب بھیجے اور ان کو تحریر فرمایا۔

"چند ماہ سے سلطان نجد و ملک الحجاز ایدہ اللہ بنصرہٖ مدینہ منورہ زادہا اللہ شرفاً و تکریماً حاضر ہوئے ہیں اور نجدی امام نے جمعہ کی نماز کے لئے خطبات پڑھے ہیں میں چاہتا ہوں کہ ان کو جناب کی خدمت میں بھیجوں تاکہ جن لوگوں کو ان کی طرف سے سوء عقیدت پیدا ہوئی ہے اور عناد سے خالی الذہن ہیں عجب نہیں کہ ان خطبات کا پڑھنا ان کے لئے نافع ہو[1]۔

ایک دوسرے مکتوب میں تحریر کرتے ہیں۔

جلالۃ الملک آج کل یہاں تشریف لائے ہوئے ہیں اور زیادہ توجہ اصلاح خیالات اور تصحیح عقائد کی طرف مبذول ہے اس کے لئے علماء مدینہ کو منتخب کر کے مقرر فرمایا ہے کہ لوگوں کی اصلاح کریں اور اصلاح میں اگر مساعدت کی ضرورت ہو تو حکومت ہر طرح سے مساعدت کے لئے تیار ہے فی الواقع یہاں کے عوام کی حالت اس قدر خراب ہے کہ ہم نے خود اپنی آنکھوں سے لوگوں کو سجدہ[2] کرتے اور طواف کرتے ہوئے دیکھا ہے جلالۃ الملک نے اپنے بیان میں یہ بھی فرمایا

---

[1] اکابر کے خطوط
[2] روضۂ اقدس یا کسی مزار کا

ہے کہ میں تم کو محبوب سمجھتا ہوں اور تمھارے لئے بمنزلہ باپ کے خیر خواہ ہوں میں چاہتا ہوں کہ تم کو اتباع شریعت علی وجہ الکمال حاصل ہو جائے چنانچہ اس کا انتظام شروع ہو گیا ہے اور انشاء اللہ اس میں کامیابی ہوگی۔[1]

حجاز میں امن کی توثیق

جب آپ نے سلطان ابن سعود کی کوششوں سے حجاز میں امن قائم ہوتے ہوئے اپنی آنکھوں سے دیکھا تو سلطان کی طرف سے آپ کے دل میں محبت پیدا ہوئی اور اس پر امتنان و تشکر کا اظہار کیا کہ دیار مدینہ امن و سکون کا دوبارہ گہوارہ اور کتاب و سنت کے مطابق مرکز اسلام بنا آپ نے امن و سکون راحت و آرام کا نقشہ اس طرح کھینچا آپ لکھتے ہیں۔

امن کی حالت بحمد اللہ بدستور قابل اطمینان ہے ہر روز دو دو چار چار اونٹ مکہ مکرمہ سے آتے جاتے ہیں اور جدہ سے بھی لوگ آجا رہے ہیں اور کسی قسم کا واقعہ اشتباہ کے درجہ میں بھی پیدا نہیں ہوتا میرے خیال میں حجاز میں جس قدر امن ہے دنیا بھر کی بڑی بڑی سلطنتیں ہوں یا ایشیائی اس کی نظیر پیش نہیں کر سکتیں حالانکہ راستوں میں نہ فوج و سپاہ ہے نہ پولیس کی چوکیاں ہیں نہ کسی قسم کا ظاہری سامان حفاظت ہے تاہم وہ بدو جن کی گھٹی میں ڈاکہ زنی پڑی ہوئی تھی آج وہ گویا ایسے مقدس بزرگ ہیں کہ دوسروں کے مال کو خمر و خنزیر سے زیادہ مکروہ سمجھتے ہیں۔[2]

اہل نجد کے ایمان و عقیدہ کی ضمانت

عوام اہل نجد کے ایمان و عقیدہ اور علماء نجد کے علم و فضل کی شہادت ان الفاظ میں دیتے ہیں۔

قاضی القضاۃ شیخ عبد اللہ ابن بلیہد جن کا مکان میرے مکان کے قریب ہی ہے ان سے اکثر ملاقات ہوتی رہتی ہے اور دینی مسائل میں گفتگو بھی ہوتی ہے بڑے

---

[1] اکابر کے خطوط [2] ایضاً

www.abulhasanalinadwi.org

عالم ہیں مذہب اہلسنت والجماعت رکھتے ہیں، ظاہر حدیث پر جیسا کہ امام ابن حنبلؒ کا طریقہ ہے عمل کرتے ہیں شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور شیخ الاسلام ابن قیم کی کتابوں کو زیادہ محبوب اور پیش نظر رکھتے ہیں ہمارے علماء کے نزدیک بھی یہ دونوں بزرگ بڑے مرتبہ کے عالم ہیں بدعات اور محدثات سے نہایت متنفر ہیں توحید و رسالت اپنے ایمان کی جز قرار دے رکھا ہے الغرض میں نے جہاں تک خیال کیا اہل سنت کے عقائد سے ذرا بھی انحراف نہیں اور اکثر اہل نجد قرآن شریف پڑھے ہوئے ہیں، کثرت سے حفاظ ہیں صلوٰۃ باجماعت کے نہایت پابند ہیں آج کل مدینہ منورہ میں سخت سردی کا زمانہ ہے مگر اہل نجد صبح کی نماز میں پابندی کے ساتھ آتے ہیں بلکہ اس وقت ہم جیسے آرام طلب لوگ حاضر ہونے سے ہچکچاتے ہیں بہر حال اس قوم کی حالتِ دینی نہایت اطمینان بخش دیکھی ہے۔[1]

اصلاح کیسے کی جائے

حضرت مولانا کے نزدیک اصلاح کا طریقہ محبت و شفقت اور حکمت و موعظت کے ذریعہ زیادہ مفید اور کارآمد ہے بعض لوگوں کا طریقہ یہ ہے کہ ہر منکر پر سختی اور زجر و توبیخ سے کام لیتے ہیں یہ طریقہ آپکو پسند نہ تھا آپ جب کوئی منکر دیکھتے تو منکر کرنے والا اگر آپ سے متعلق ہوتا اور گرفت سے اس کے ناراض ہونے کا ڈر نہ ہوتا تو آپ سختی سے کام لیتے لیکن عوام کے ساتھ آپ کا معاملہ دوسرا تھا افہام و تفہیم سے اس کو راہ راست پر لاتے اور اس میں آپ اکثر کامیاب ہوتے مولانا عاشق الٰہی صاحب آپ کے اس طرز عمل کو ان الفاظ میں پیش کرتے ہیں۔

"فرمایا کرتے کہ شرعی گنجائش پر عمل کر کے ملا جلا رہنا صلہ رحمی کو بھی قائم رکھتا ہے"

---

[1] اکابر کے خطوط

اور اکثر اصلاح کا بھی سبب بن جاتا ہے ورنہ اس زمانہ میں آزادی ایسی آگئی کہ ہم علحدہ ہو کر بیٹھیں تو دوسروں کو پرواہ بھی نہ ہوگی وہ کہیں گے تم روٹھے ہم چھوٹے اور اس طرح معاصی میں اور زیادہ ڈوبیں گے" اور فرمایا کرتے تھے "پہلے زمانہ میں عوام محتاج تھے اور نائبین رسالت محتاج الیہ کہ جتنا بھی ان پر تشدد ہوتا وہ اس کا اثر لیتے پریشان ہوتے اور توبہ ورجوع کیا کرتے تھے مگر اب تو وہ زمانہ ہے کہ خود طالب بن کر لگے لپٹے رہو اور کچھ کام اصلاح کا نکال لو تو نکال لو عوام کو اصلاح کی پرواہ تو کیا جس بھی نہیں ہے بس اصلاح امت کیلئے اللہ ورسول کی خوشی کی خاطر سب ہی رنگ بولنے پڑیں گے۔

ایں ہم اندر عاشقی بالائے غمہائے دگر

ہاں معصیت کا ارتکاب کسی حال جائز نہیں ــــ اور فرمایا کرتے تھے "پہلا سا رنگ اختیار کرے تو آج کوئی پاس بھی نہ پھٹکے"[1]

حضرت مولانا کے ان ارشادات کے نقل کرنے کے بعد مولانا میرٹھی حضرت مولانا کے متعلق اپنا تاثر لکھتے ہیں۔

"ہمارے حضرت نے رسمی امور میں کبھی تشدد نہیں برتا ذرا بھی کسی میں طلب پائی تو اپنے سے چپٹائے رکھنے کی کوشش فرمائی"[2]

ایک دوسری جگہ مولانا میرٹھی نے آپ کے طریقۂ اصلاح کو اور زیادہ واضح کر کے اس طرح پیش کیا۔

"بعض سالکین پر بغض فی اللہ کا غلبہ ہوتا کہ وہ اپنے عزیزوں کے ساتھ جنکو معاصی یا بدعقیدگی میں منہمک پاتے کوئی تعلق نہ رکھ سکتے تھے تو آپ اس کو اعتدال پر لانے کے لئے فرمایا کرتے تھے کہ ــــ میاں خدا بن کر تو تم نہیں آئے اسکی مخلوق ہے وہ جو چاہتا ہے ان سے کام لیتا ہے اللہ کی مشیت ہی ہے کہ کافر اور

---

[1] تذکرۃ الخلیل صد ۳۲۱ [2] ایضاً

www.abulhasanalinadwi.org

مومن فاسق اور صالح سب اس دنیا میں آباد رہیں کہ شروع سے عالم کو اسی طرح چلایا ہے نرمی اور شفقت کے ساتھ ان کو سمجھاؤ کوئی نہ مانے تو یہ سمجھ کر کہ اللہ کی مشیت یہی ہے چپ ہو جاؤ مگر قطع رحمی نہ کرو۔

خود مجھ پر یہ حالت گزری کہ اپنے خاندان کے بعض بڑوں کو مبتلائے بدعت یا بے نمازی دیکھتا تو اندر ہی اندر جھرا کرتا تھا کہ نہ زور کے ساتھ نصیحت پر قدرت تھی اور نہ ان کی یہ غفلت ضبط ہو سکتی تھی حضرت کو لکھا تو آپ کا والا نامہ آیا۔

"السلام علیکم بنو رسنو! خداوند تعالیٰ جل وعلا شانہٗ نے دنیا میں کافر اور مسلم، دیندار اور بددین، حسین وقبیح پیدا فرمائے اور ہر ایک کو لما خلق لہ کی رغبت دی تم کسی پرداروغہ کر کے نہیں بھیجے گئے تم بقدر وسعت امر بالمعروف کے مامور ہو اور جب نہ کر سکو تو خدا کی مخلوق کو خدا کے حوالہ کر دو، پھر کسی کی حالت کا مشاہدہ آپ کے لئے سوہان روح ہے دنیا میں جو چیز پیدا ہوئی ہے کتنی ہی قبیح ہو حکمت سے خالی نہیں ہے پھر قاضی شہر کے اندیشہ سے کیوں دبلا ہو"[1]

حضرت مولانا کے اس طریقۂ اصلاح و دعوت کا نتیجہ تھا کہ آپ کے خلفاء و مجازین میں حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ جیسی شخصیت پیدا ہوئی جنھوں نے اسی اصول پر دعوت اصلاح و تبلیغ کی ایک ہمہ گیر تحریک چلائی جس کے اصول میں ایک اصول "اکرام مسلم" کا بھی رکھا اس تحریک نے جو عمومیت اختیار کی وہ ہر صاحب علم اور تبلیغ و دعوت سے دلچسپی رکھنے والے شخص پر عیاں ہے آج کون سا ملک ہے جہاں اس تحریک کا عمل دخل نہ ہو لاکھوں کروروں انسانوں کو اس سے فائدہ ہوا ہزاروں ایسے لوگ جو خدا ناآشنا تھے خدا آشنا بنے سیکڑوں کے دلوں میں ایمان تو ایمان دعوت و تبلیغ کا ایسا جذبہ پیدا ہوا کہ وہ ہمہ وقت اسی کام میں لگے اور لگ رہے ہیں

---

[1] تذکرۃ الخلیل صـ ۴۲۴

www.abulhasanalinadwi.org

بے شمار انسانوں نے اس سے تعلق پیدا کر کے اپنے دلوں کی بجھی ہوئی انگیٹھیوں کو ایمان ویقین، خوف خدا، جذبۂ جہاد و دعوت سے سلگایا اور اپنی صورتوں کو اسلامی شعار سے پر نور کیا اللہ تعالیٰ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی قبر کو نور سے بھر دے کہ ان کی جدوجہد نے اس تحریک ایمان ویقین و دعوت عمل صالح کی ابتدا کی اور اللہ تعالیٰ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب نور اللہ مرقدہ کی قبر کو نور سے بھر دے اور ان کو ہم سب کی طرف سے جزا عطا فرمائے کہ ان کی توجہات اور طریقۂ اصلاح اور تعلیم و تربیت نے حضرت مولانا محمد الیاس صاحب جیسا داعی الی اللہ امت محمدیہ علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو عطا فرمایا۔

امت مسلمہ خود مستقل بالذات ہے وہ کسی دوسرے کی دریوزہ گر نہیں

حضرت مولانا کے ذہن و دماغ نے دوسرے مسلمان قائدین کے برخلاف کبھی اس کو قبول نہیں کیا کہ امت اسلامیہ مختلف دوروں میں اپنے مسائل زمانہ اور اہل زمانہ ارباب حکومت کی خواہش اور ضروریات کے مطابق حل کرنے پر مجبور ہے آپ کے نزدیک امت مسلمہ خود اپنے ہر طرح کے مسائل کا حل رکھتی ہے اور اس کو کتاب و سنت جیسا مکمل مدلل اور جامع دستور دیا گیا ہے کہ وہ کسی دوسرے قانون یا دوسری قوم یا شخصی انسانی خواہش اور دماغ سوزی کی محتاج نہیں اور نہ کسی غیر کے در کی دریوزہ گر ہے۔ اس کا انحصار نہ نسب پر ہے نہ خون اور وطن پر وہ ایک قانون، ایک ضابطہ رکھتی ہے جو مکمل بھی ہے اور قیامت تک کافی بھی وہ نہ زمانہ کے ساتھ بدلتا ہے نہ اہل سیاست کے غیر مستقل حالات کے تابع ہے ؎

اپنی ملت پر قیاس اقوام مغرب سے نہ کر ‏ ‏ خاص ہے ترکیب میں قوم رسول ہاشمی
ان کی جمعیت کا ہے ملک و نسب پر انحصار ‏ ‏ قوت مذہب سے مستحکم ہے جمعیت تری
دامن دیں ہاتھ سے چھوٹا تو جمعیت کہاں ‏ ‏ اور جمعیت ہوئی رخصت تو ملت بھی گئی

www.abulhasanalinadwi.org

حضرت مولانا کسی زمانہ میں بھی اور کسی حال میں بھی اس کو برداشت نہ کرتے تھے کہ غیر دینی شخص دینی اور مذہبی شعور و عمل رکھنے والے پر حکومت یا اس کی قیادت کرے یا اس کو اپنی رائے اور خیال کا پابند کرے، ہندوستان میں آپ کی زندگی ہی میں دو ایسے دور آئے جس میں مسلم رائے عامہ غیر دینی لوگوں کے احساسات و خیالات کے تابع ہو گئی آپ نے ایسے نازک دور میں بھی اپنے خیال کا اظہار کیا اور اعلان کیا۔ غیر دینی حضرات کی دینی مسائل میں قیادت کو چیلنج کیا۔ مولانا عاشق الٰہی صاحب میرٹھی اس کی تصویر کشی اس طرح کرتے ہیں۔

"جو لوگ دین کی محبت سے محروم اور نصرانیت سے انس کی طرف مائل ہیں ان کی یہ حرکت کہ اپنی ہر تجویز کو دین کی چادر پہنانے کی کوشش کرتے ہیں آپ کو ہمیشہ ناپسند ہوئی کہ سوڈا واٹر کی اٹھان یا پھونس کی آگ کی طرح دبنے والا ہوتا ہے چنانچہ بارہا تجربہ ہوا کہ وہ لوگ کل جس چیز کو اپنی زبانوں سے فرض کہہ رہے تھے آج وہی اس کو حرام کہنے لگے اس لئے آپ نے کسی شورش کے وقت بھی حقیقت الامر اور اعتدال سے باہر قدم نہیں رکھا خود کسی کی پھٹی چادر میں پاؤں ڈالنا بھی پسند نہ کیا کہ نقار خانہ میں طوطی کی آواز تھی مگر کلمۃ الحق کا وقت آیا تو تحریر و تقریر میں اظہار حق سے چوکے بھی نہیں خلافت کا شور جس زمانہ میں ہوا اور مولوی عبدالاحد دہلوی کے جنازہ میں بے تکی مزاحمت ہوئی تو آپ کو بہت صدمہ ہوا کہ مسلمان میت کی توہین و ہتک کہاں جائز ہے اسی طرح جس وقت گائے کے ذبح کا ترک شروع ہوا اور بہتیرے مولویوں نے بھی اس کو مباح قرار دے کر بمصالح دینیہ ترجیح ترک پر فتوی دیدیے تو آپ نے سکوت پسند نہیں کیا اور شعار اسلام ہونے کے لحاظ سے اس کی ضرورت علماً و عملاً محقق فرمائی اس وقت آپ پر سب و شتم ضرور ہوا مگر چند ہی روز بعد اس کا نتیجہ دیکھ کر ممانعت کا فتوی دینے والے خود فرضیت کا

www.abulhasanalinadwi.org

فتویٰ دینے لگے غرض اسی اصول کے ہمیشہ آپ پابند رہے کہ "ہر کارے و ہر مردے"
دنیوی ضروریات پر جس طرح اول نظر لیڈران قوم کی جائے گی اسی طرح
دینی ضروریات پر اول نگاہ پڑنا علمار و مشائخ کا منصب ہے کہ لیڈران قوم
کا فتویٰ جس سے وہ علما کو متفق کرنے کی کوشش کریں کسی طرح دین نہیں
ہو سکتا ایک بار آپ نے افسوس کے ساتھ فرمایا۔

"مسلمان اس شورش میں ہلاک ہو جائیں گے کہ لیڈران کو کر لیا آگے
اور مولوی ہو لئے ان کے پیچھے"[1]

حضرت مولانا کے اس طریقۂ فکر اور اصابت رائے کی تصدیق ماضی قریب کے ان ہنگاموں اور انقلابوں اور ان کے پیچھے مسلمانوں کی جانی، مالی عزت و آبرو کے خسارہ سے ہوتی ہے جنھوں نے ملک کے ٹکڑے کئے دلوں کے ٹکڑے کئے اور عزت و آبرو کو پارہ پارہ کیا جس کی کراہ اور ٹیس مسلمان قوم مدت تک محسوس کرتی رہے گی۔

علمار نے جب بھی غیر علمار کی قیادت کو تسلیم کیا اور امت مسلمہ نے جب بھی غیر مسلم قائدین کے ہاتھوں میں اپنی زمام قیادت دی تو دنیاوی و دینی خسران سے دوچار ہوئے۔

زائرین حریم مغرب ہزار رہبر بنیں ہمارے
ہمیں بھلا ان سے واسطہ کیا جو تجھ سے ناآشنا رہے ہیں

نہ دنیا پرستی نہ رہبانیت

حضرت مولانا کے احساسات و خیالات اور آپ کی تعلیم و تربیت سے یہ بات پوری طرح صاف ہو جاتی ہے کہ آپ نہ دنیا میں انہماک کے قائل تھے نہ دنیا سے دامن چھوڑنے اور نہ اس سے اجتناب کے، جن لوگوں کو آپ دیکھتے کہ وہ دنیا میں منہمک ہیں اور دین سے ان کو وہ تعلق

---

[1] تذکرۃ الخلیل صفحہ ۳۲۶

www.abulhasanalinadwi.org

نہیں جو ہونا چاہئے تو ان کو آپ حکمت و موعظت کے ساتھ دین کی طرف لانے اور خدا ورسول کی محبت ان کے دلوں میں بٹھانے کی کوشش فرماتے تھے اپنے سے قریب کرتے اور جن کو دیکھتے کہ وہ دین کے کاموں میں اتنے منہمک ہو چکے ہیں کہ دنیا کے دوسرے معاملات سے کوئی سروکار نہیں رکھتے تو اس پر نکیر فرماتے اور رہبانیت سے محفوظ رکھنے کی کوشش کرکے ہر چیز میں اعتدال و توازن پیدا کرنے کی کوشش کرتے رہتے، ایک صاحب ذکر و شغل میں اتنے زیادہ منہمک اور مشغول ہو گئے تھے کہ ان کا دل دنیا کے بکھیڑوں سے گھبرا گیا تھا اور ان کی خلوت نشینی اتنی بڑھ گئی کہ کسی سے کوئی مطلب اور واسطہ رکھنے سے پہلو تہی کرنے لگے تو آپ نے اس پر نکیر فرماتے ہوئے تحریر فرمایا۔

"دنیا میں رہ کر تارک الدنیا ہونا یہ ناممکن ہے البتہ دنیا کو دین کے لئے صرف کرو اور اپنے اہل و عیال کی خبر گیری اور اہل حقوق کے حقوق کی ادائیگی محض خداوند تعالیٰ کی رضامندی کے لئے کرتے رہو۔"

حضرت مولانا اس بارے میں یہاں تک معمول رکھتے کہ کسی کو اس کی بھی اجازت نہ دیتے کہ جوش میں آکر وہ اپنی روزی کا ذریعہ جیسے ملازمت وغیرہ چھوڑے کتنے ایسے آپ کے مریدین تھے جنھوں نے یکسوئی اختیار کرنی چاہی اور ملازمت چھوڑنے کا ارادہ کیا آپ کو معلوم ہوا تو آپ نے سختی سے روکا مولانا عاشق الٰہی صاحب میرٹھی لکھتے ہیں۔

"لگی ہوئی ملازمت ترک کرنا آپ کو بالکل پسند نہ تھا اور کبھی اجازت نہ دیتے تھے کہ خود کوئی ملازمت یا سلسلۂ معاش کو چھوڑے کہ کفران نعمت ہے اور اس کے وبال میں آدمی بہت پریشان ہوتا ہے ذکر و شغل تو کیا نماز بھی اطمینان سے نصیب نہیں ہوتی "پراگندہ روزی پراگندہ دل"۔

اسی طرح آپ اس کو بھی پسند نہ فرماتے کہ آدمی ہر وقت منہ سکھائے آنکھیں

www.abulhasanalinadwi.org

چڑھائے متقشف بنا بیٹھا رہے جیسے لڑنے کو تیار ہے لوگ اس سے ملتے ہوئے گھبرائیں اور بات کرتے ہوئے ڈریں آپ مزاح کے بھی قائل تھے پر لطف باتیں کرنے کو بھی برا نہیں جانتے تھے خود آپ کا عمل بھی اس پر تھا کہ بعض دفعہ بہت بے تکلف ہو جاتے ہنستے ہنساتے قصے سناتے آپ کی مجلس خشک نہیں ہوتی تھی بلکہ زعفران زار ہوتی جو بھی آپ کی مجلس میں شریک ہوتا لطف لیتا مانوس ہوتا اور فائدہ اٹھاتا۔

ظاہر ہو یا باطن شریعت کی اتباع ضروری ہے

حضرت مولانا کے نزدیک اصل اتباع شریعت ہے خواہ ظاہری اعمال ہوں یا باطنی ان سبکو خدا و رسول کے احکام کی روشنی میں کرنا چاہئے یہ عدم توازن کی بات ہے کہ ایک طرف زیادہ توجہ ہو دوسری طرف کم ہو۔ آپ اس معاملہ میں سختی فرماتے اور بار بار طالبین سلوک یا اپنے سے ادنی بھی تعلق رکھنے والے کو ہدایت فرماتے رہتے تھے مثال کے طور پر غیبت، چغلی، سود، رشوت جو انسانی معاشرہ میں وبا کی طرح پھیلی ہوئی ہیں آپ ان کی نشاندہی فرماتے رہتے تھے اگر آپ کو محسوس ہوتا کہ کوئی شخص سود لے رہا ہے یا دے رہا ہے یا کسی پر سودی قرضہ ہے تو تاکید فرماتے کہ اس لعنت سے محفوظ رہے آپ نے ایسے ایک موقع پر تحریر فرمایا۔

اس بلائے بے درماں سے جہاں تک ممکن ہو جلد نکلو اور فاقہ کرو تنگی جھیلو ضروریات کو بند کرو مگر اس وبال سے کسی طرح نجات پاؤ۔

اسی طرح ظاہری وضع قطع، لباس میں تشبہ بالکفار سے یا تشبہ بالمنافقین یا فاسقین حتیٰ کہ خدا بیزار اور غیر دیندار لوگوں کی وضع قطع اختیار کرنے سے سخت نالاں اور ناراض ہوتے اور کسی حال میں بھی اس کو برداشت نہ کرتے۔ مولانا عاشق الٰہی صاحب میرٹھی آپ کے اس طرز عمل کو اس طرح پیش کرتے ہیں۔

"داڑھی کا منڈانا یا کتروانا کہ ایک مشت سے کم ہو جائے آپ کے لئے بہت تکلیف دہ تھا میں نے بارہا دیکھا کہ کوئی اجنبی آتا جس پر خفگی کا کوئی حق نہ ہوتا تو آپ

www.abulhasanalinadwi.org

باکراہ اس سے گفتگو کرتے اور گرانی کے سبب منہ پھیر لیا کرتے کہ ایسی حالت
کا دیکھنا آپ کو برداشت نہ ہوتا تھا کوئی ایسا شخص بیعت ہوتا تو سب سے
اول اور سب سے زیادہ تاکید اسی کی ہوتی تھی کہ آئندہ کبھی داڑھی نہ
کتروانا اور کسی خادم کو اس کا مرتکب پاتے تو اول تیزی سے اور پھر غصہ سے نصیحت
فرماتے اور آخر تیسری بار صاف فرمادیا کرتے تھے کہ میرا تعلق داڑھی کے ساتھ ساتھ
ہے یہ رہے گی تو وہ بھی رہے گا یہ قطع ہے تو اسی وقت وہ بھی قطع ہے نیز فرمایا
کرتے تھے کہ نصرانیت کا لباس داڑھی منڈانا یا کتروانا عورتوں کا مردانی
وضع سے انس، کھڑا جوتا پہننا پردہ میں کمی کرنا، وغیرہ طاعون اور ہیضہ
کی طرح وبائے عام بن کر پھیلے ہوئے ہیں کہ جسے دیکھو اس مرض میں مبتلا ہے
الاّ من شاء اللہ ان کے نزدیک گویا داڑھی رکھنا شعار اسلام اور طریقہ محمدیہ
ہی نہیں بلکہ اسلام کی صورت سے بھی وحشت ہے ایسی حالت میں محبت حق
کا حصول ناممکن ہے[1]

سیاسی مسلک اور عملی کردار

حضرت مولانا خلیل احمد صاحب اگرچہ خالص علمی اور دینی و اصلاحی میدان کے آدمی
تھے اور اللہ تعالیٰ نے اس میدان میں آپ کے ذریعہ بڑی خدمت لی اور ہزاروں
تشنگان علم و عرفان کو سیراب کیا لیکن ملکی حالات سے بھی آپ بے خبر نہ تھے بلکہ جو
کچھ مسلمانوں کی بہبودی اور ترقی کے لئے کوشش کر سکتے تھے کرتے تھے حضرت
شیخ الہند کی تحریک آزادی ہند جاری تھی آپ نے حضرت شیخ الہند کا ساتھ دیا اور ان کی
ہم نوائی کی پہلی جنگ عظیم کے دوران جب ترکوں کو شکست ہوئی اور بعد میں خلافت
عثمانی کا خاتمہ ہوا انگریزوں کا اقتدار بڑھا اور ان کی گرفت مضبوط ہوئی حضرت شیخ الہند

---

[1] تذکرۃ الخلیل ص ۴۶۶

www.abulhasanalinadwi.org

نے استخلاص وطن کی تحریک چلائی اور اس راہ میں بڑی مصیبتیں اٹھائیں حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی تحریر کرتے ہیں ۔

"حضرت کی گہری نظر واقعات عالم بالخصوص ہندوستان اور ترکی پر مرکوز رہتی تھی طرابلس اور بلقان کے زہرہ گداز مظالم اور اندرون ہند میں انگریزوں کی روز افزوں چیرہ دستیوں نے انھیں اس قدر متاثر کیا کہ آرام وچین تقریباً حرام ہو گیا گویا وہ اپنے اختیار سے نکل گئے نتائج وعواقب سے بے پروا ہو کر انھیں سربکف اور کفن بر دوش میدان انقلاب میں نکلنا پڑا، زمانے کی تاریکیاں موسم کی کالی کالی گھٹائیں، احوال کی نزاکتیں، اہل ہند بالخصوص مسلمانوں کی ناگفتہ بہ کمزوریاں رکاوٹ بن کر سامنے آئیں اور کچھ عرصہ اسی غور وخوض میں گذرا مگر پانی سر سے گزر چکا تھا اس لئے خوب سوچ سمجھ کر صرف قادر مطلق پر اعتماد اور بھروسہ کر کے کام شروع کر دیا۔"[1]

لیکن پہلی جنگ عظیم کے شروع ہوتے ہی اور ترکوں کی شکست ہوتے ہی ملک کا نقشہ بدل گیا اور حضرت شیخ الہند نے چند معتمد علیہ ساتھیوں اور شاگردوں کو ملک سے چلے جانے اور آزاد قبائل کو انگریزوں کے خلاف لڑنے پر تیار کرنے کا حکم دیا جنھیں مولانا عبید اللہ سندھی کابل گئے کابل سے انھوں نے ایک خط ریشمی پارچہ پر لکھ کر ہندوستان بھیجا مگر وہ انگریزوں کے ہاتھ لگ گیا حضرت شیخ الہند حجاز تشریف لے گئے تھے یہ وہی سفر ہے جس میں حضرت مولانا خلیل احمد صاحب نور اللہ مرقدہ حضرت شیخ الہند کے ساتھ حجاز میں رہے آپ گزشتہ صفحات میں پڑھ چکے ہیں کہ اس سفر سے پہلے مظاہر علوم کے مہمان خانہ میں ایک طویل مشورہ ایک ہفتہ تک چلتا رہا تھا جس میں حضرت شیخ الہند، حضرت مولانا خلیل احمد صاحب، حکیم احمد صاحب رامپوری سرپرست

---

[1] نقش حیات جلد دوم صفحہ ۱۳۵ صفحہ ۱۳۶

www.abulhasanalinadwi.org

مدرسہ مظاہر علوم و ممبر دارالعلوم دیوبند اور حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب رائپوری شریک رہے، حضرت شیخ الہند اور حضرت مولانا خلیل احمد صاحب حجاز تشریف لے گئے اور ان کی غیبت میں ہندوستان کا کام حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب کے سپرد ہوا۔

مولانا عبید اللہ سندھی کے ریشمی خط کا جب انکشاف ہوگیا تو انگریزی حکومت نے دارو گیر شروع کردی گرفتاریاں ہونے لگیں حضرت شیخ الہند، آزاد قبائل میں پہنچنے کے لئے حجاز روانہ ہوگئے اور آخر کار حجاز میں کچھ عرصہ بعد ان کو گرفتار کرلیا گیا گرفتاری سے قبل انور پاشا اور غالب پاشا سے ملاقاتیں کیں ان ملاقاتوں میں حضرت مولانا خلیل احمد صاحب برابر شریک رہے جس کی کچھ تفصیل اس کتاب کے گذشتہ صفحات میں آپ پڑھ چکے ہیں۔

اس تحریک میں اپنی اور حضرت مولانا خلیل احمد صاحب کی شرکت کے متعلق مولانا مدنی تحریر فرماتے ہیں۔

"مدینہ منورہ پہنچنے کے بعد حضرت شیخ الہند نے ایک خصوصی مجلس میں مجھ کو اور مولانا خلیل احمد صاحب کو طلب فرما کر اپنے خیالات اور عملی کاروائیوں سے مطلع فرمایا میں اس وقت تک فقط علمی جدوجہد میں مشغول تھا اگرچہ مدینہ منورہ میں اس سے پہلے جبکہ محاذ سوئز کے لئے متطوعین (والنٹیروں) کو بھیجنا شروع کیا گیا تھا ترغیب جہاد پر تقریر کرنے کی نوبت آئی تھی اور اس سے متاثر ہو کر کچھ لوگ اس محاذ پر جہاد کے لئے مدینہ منورہ سے گئے تھے مگر اس کے علاوہ عملی جدوجہد کی نوبت نہیں آئی تھی اب حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے واقعات اور خیالات سن کر میں بھی متاثر ہوا اور حضرت مولانا خلیل احمد صاحب بھی۔ یہ وقت میری سیاست کی ابتدا اور بسم اللہ کا وقت ہے۔۔۔۔ اس کے بعد مولانا خلیل احمد صاحب جب تک حجاز میں رہے بالکل متفق اور ہمنوا رہے"[1]

---

[1] نقش حیات جلد دوم ص ۲۱۶

www.abulhasanalinadwi.org

حجاز کے قیام کے دوران حضرت شیخ الہندؒ کو شریف مکہ نے جو انگریزوں کے نمائندہ ہونے کی وجہ سے حضرت شیخ الہندؒ اور ان کے ساتھیوں کا دشمن ہو گیا تھا گرفتار کر لیا اور حضرت مولانا خلیل احمد صاحب بمبئی پہنچ کر گرفتار کر لئے گئے اور مینی تال لے جائے گئے اور چند دنوں کے بعد ان کو چھوڑا گیا۔

حضرت شیخ الہند کی اس پوری تحریک کی ایک خفیہ رپورٹ سی آئی ڈی نے رتب کی تھی جس کا ریکارڈ انڈیا آفس لندن میں محفوظ ہے جس میں ان تمام علماء و اشخاص کے متعلق تبصرہ کیا گیا ہے جو حضرت شیخ الہند کی تحریک میں شامل رہے یا اس میں حصہ لیا افادۂ عام کی خاطر اس رپورٹ کے اس حصہ کا ترجمہ شائع کیا جاتا ہے جس میں حضرت مولانا خلیل احمد صاحب کے متعلق سی آئی ڈی نے اپنے تاثرات کا اظہار کیا ہے۔

خلیل احمد مولانا عرف خلیل الرحمٰن آف مدرسہ اسلامیہ سہارنپور، ایک بہت معزز و محترم مولوی جس کے مریدوں کی تعداد ہندوستان بھر میں بہت زیادہ ہے موضع انبہٹہ ضلع سہارنپور کا رہنے والا ہے اور مولوی محمد میاں عرف مولوی منصور کا قریبی رشتہ دار ہے۔ ہندوستانی علماء میں شاید یہ واحد شخص ہے جو مولانا محمود الحسن سے ہجرت کے سوال پر متفق تھا، ایس ایس جہاز کے ذریعہ عرب گیا۔ ستمبر ۱۹۱۵ء کے شروع میں وہاں پر قیام کے دوران یہ مولانا محمود الحسن کی سیاسی سازش میں شامل ہو گیا اور غالب پاشا کے معاملہ میں بھی شامل رہا۔ یہ بھی یقین کیا جاتا ہے کہ مکہ سے دھرم پور رباط میں جہاد سے متعلق مذاکرات میں شامل ہوا کرتا تھا جب انور پاشا اور جمال پاشا ترک افواج کی کامیابی کے لئے دعا کرنے مدینہ آئے تو مولوی خلیل احمد بھی ان کے ساتھ شامل ہو گیا پاشاؤں نے اس کو نذر پیش کی ۸ ستمبر ۱۹۱۶ء کو ایس ایس اکبر نامی جہاز کے

www.abulhasanalinadwi.org

ذریعہ ہندوستان واپس ہوا۔ بمبئی میں اترتے ہی گرفتار کرلیا گیا[1]

مندرجہ بالا سطور میں حضرت مولانا کے احساسات وخیالات اور مسلک ومشرب پر روشنی ڈالی گئی ہے اگرچہ اجمالی طور پر اقتباسات اور تاثرات کو پیش کیا گیا ہے مگر قارئین کے لئے یہ مختصر جائزہ بھی فائدہ سے خالی نہیں، حضرت مولانا کے دینی، علمی، معاشرتی، اور سیاسی خیالات، افکار ونظریات کو پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کتنے بلند خیالات عالی نظری اور مثالی شخصیت کے مالک تھے بے ساختہ آپکے حق میں یہ شعر زبان سے نکلتا ہے۔

چہ باید مرد را طبع بلندے مشرب نابے
دل گرمے نگاہِ پاک بینے جانِ بیتابے

---

[1] تحریک شیخ الہند (ریشمی خطوط کے کیس میں کون کیا ہے ص۱۵

www.abulhasanalinadwi.org

پندرھواں باب

ارشادات وملفوظات

یک حدیث از لب شیرین تو
بہتر از قند ونبات وانگبیں

www.abulhasanalinadwi.org

www.abulhasanalinadwi.org

پندرہواں باب

ارشادات وملفوظات

حضرت مولانا کے ارشادات وملفوظات زیر نظر کتاب کے مختلف بابوں میں پھیلے ہوئے ہیں خصوصاً احساسات وخیالات کے باب میں تو بکثرت آچکے ہیں لیکن چند ملفوظات جو مختلف اوقات اور مجلسوں میں آپ نے فرمائے وہ مستقلاً پیش کئے جاتے ہیں کہ ملفوظات بزرگوں کی سوانح کا ایک اہم باب ہوتے ہیں اور ان کے بغیر سوانح گویا ایک نامکمل کتاب کا درجہ رکھتی ہے۔

بغیر بیعت کے فائدہ مکمل نہیں ہوتا

محمد یلیین خاں صاحب ب... کے ایک تعلیم یافتہ شخص تھے جو محکمہ آبکاری کے انسپکٹر تھے، وہ حاضر خدمت ہوئے اور کچھ پڑھنے کو پوچھا آپ نے فرمایا۔

"بغیر بیعت کے فائدہ تام نہ ہوگا اور نفس وشیطان واشغال دنیا اس نیک کام سے باز رکھا کرتے ہیں۔"

ناجائز نوکری کی ناجائز آمدنی

اور جب وہ بیعت ہو گئے تو آپ نے ارشاد فرمایا۔

تمھاری نوکری ناجائز اور تنخواہ حرام ہے کہ شراب کے ساتھ کسی نوع کا تعلق بھی مسلمان کو جائز نہیں اس سے بچنا ضروری ہے کہ رازق حق تعالیٰ ہے اور رزق کا وعدہ فرما چکا ہے۔ جس میں تخلف نہ ہوگا۔"

www.abulhasanalinadwi.org

حضرت مولانا کے اس ارشاد کے بعد انھوں نے نوکری ترک کر دی اور باوجود پریشانیوں کے ادھر رخ تک نہ کیا۔

اپنا کام پورا کرو

حافظ محمد حسین اجراڑوی نے عرض کیا کہ حضرت کیا کروں اخلاص نصیب نہیں ہوتا تو آپ نے فرمایا۔

"بھائی یہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور اللہ کی توفیق پر ہے بندہ کا اس میں کیا چارہ بہرحال کام سے باز نہ آوے جتنا کچھ ہو جائے توفیق الٰہی سمجھ کر شکر ادا کرے ہمت بلند رکھے اور در دروازے سے چپٹا رہے کہ بُعد بھی دیکھے تو مایوس نہ ہو۔

اگرچہ دور افتادم بایں امید خورسندم
کہ شاید دست من بار دگر جانان من گیرد"

میرے دل میں کسی سے خلش نہیں

ایک بار فرمایا "بعض لوگوں کی نسبت مجھے معلوم ہوا تھا کہ حضرت گنگوہی کی خدمت میں میری نسبت کچھ پہنچا کر حضرت کے اعتماد و تعلق کو کم کرنا چاہتے ہیں لیکن واقعی امر یہ ہے کہ یہ سب ایسی معمولی سماعی باتیں ہیں یقین کے ساتھ کبھی بھی نہیں معلوم ہوا کہ میری نسبت کسی نے ایسا ارادہ یا معاملہ کیا ہو اور اب الحمدللہ میرے دل میں کسی کی طرف سے کوئی خلش و شکایت نہیں اس کے بعد آپ نے یہ آیت پڑھی وَنَزَعْنَا مَا فِي صُدُورِهِم مِّنْ غِلٍّ"

دوستوں کے حسن ظن پر جی رہا ہوں

فرمایا "دوستوں کے حسن ظن پر جی رہا ہوں کہ شاید کسی کے طفیل سے مغفرت ہو جائے اور حق تعالیٰ اپنے صلحاء کے حسن ظن کی لاج رکھ لے۔

منت منہ کہ خدمت سلطاں ہمی کنی
منت شناس کہ بخدمت گذاشتت

www.abulhasanalinadwi.org

مکروہ اور غیر مکروہ

ایک شخص نے دریافت کیا کہ حضرت آنکھ بند کر کے نماز پڑھنا مکروہ ہے لیکن بغیر آنکھ بند کئے یکسوئی نہیں ہوتی فرمایا "شروع سے آخیر تک تمام نماز میں آنکھ بند رکھنا مکروہ ہے اور کبھی آنکھ بند کر لینا اور کبھی کھول دینا مکروہ نہیں۔"

خدا جانے کس کی بدولت بیڑا پار ہو

فرمایا "طالب و معتقد بن کر کافر بھی آئے تو اس کو عزت سے لینا چاہیے اور مسلمان تو وہ چیز ہے جس کی دلداری پر سو نفلیں بھی قربان خصوصًا ذاکر شاغل مسلمان کہ ہمیں تو ہر وقت اس توقع میں رہنا چاہیے کہ خدا جانے کس آنے والے مسلمان کی بدولت بیڑا پار ہو جائے۔"

نام تو غلام محمد اور داڑھی کا صفایا

ایک مرتبہ ایک پوسٹ ماسٹر صاحب آئے اور اپنی کارکردگی بیان کی آپ نے ارشاد فرمایا "بھائی حصول دنیا کے لئے تو اس قدر منہمک ہو کر کچھ ٹھکانا نہیں مگر کچھ دوسرا بھی خیال ہے کہ مرنے کے بعد کہاں جانا ہے ذرا ادھر بھی رغبت بڑھاؤ کبھی غور بھی کیا کہ نام تو غلام محمد اور داڑھی کا صفایا۔"

بدعت اور غیر بدعت

فرمایا "جس بات کو دین سمجھ کر کیا جائے حالانکہ وہ دین نہیں اس کا نام بدعت ہے اور اس پر تشدد ضرور ہے مگر جن باتوں کو دنیا ہی سمجھ کر کیا جاتا ہے ان کو بدعت کا درجہ دینا فرق مراتب سے غفلت ہے۔"

روضۂ نبوی کا موم

کسی نے دریافت کیا کہ روضۂ مطہرہ میں روشن ہونے والا موم خدام روضہ سے لینا کیسا ہے فرمایا "بڑا موجب برکت ہے مگر مال وقف ہے کہ وہیں کے استعمال کے لئے بھیجا جاتا ہے اس لئے یوں کرو کہ اپنے طور پر بازار سے موم بتی خرید کر خدام کو دیدو کہ وہ روشن کر دیں اور پھر اسکو لے لو۔"

www.abulhasanalinadwi.org

بزرگوں کی خدمت وصحبت لازمی ہے

حضرت تھانویؒ کے ایک خلیفہ سید شیر محمد صاحب نے عرض کیا کہ حضرت یہ پیرزادے اور مولوی اکثر محروم کیوں رہتے ہیں فرمایا "پیرزادے تو باپ کے بعد اپنے کو پیر سمجھ بیٹھتے ہیں اور مولوی تحصیل علوم کرکے عالم فاضل ہوجاتے ہیں کہ آئندہ کسی شے کی ضرورت نہیں سمجھتے حالانکہ جب تک بزرگوں کے جوتے سیدھے نہیں کئے جاتے تب تک حالت نہیں بنتی۔"

ذکر بالجہر سے شہرت کا اندیشہ نہیں ہے

کسی خادم نے لکھا کہ حضرت ذکر بالجہر سے شہرت کا اندیشہ ہے کہ لوگ کہیں گے بزرگ ہو گئے اور ریا کا احتمال ہے اس پر فرمایا "انشاء اللہ انشاء اللہ شہرت کا اندیشہ نہیں اس زمانہ میں تو ایسے لوگوں کو جو اللہ تعالیٰ کا نام لیں یا علم دین پڑھیں پاگل سمجھتے ہیں پھر ریا کا کیا موقع ہے، ریا تو ان افعال میں ہوا کرتی ہے جو لوگوں کے نزدیک اچھے سمجھے جاویں۔"

ذکر باوضو ہونا چاہیے

فرمایا "ذکر باوضو ہونا چاہیے بلکہ درویش سالک کو ہر وقت باوضو رہنا چاہیے اور اسم ذات ہو یا نفی اثبات، اطمینان کے ساتھ خوب ٹھیر کر کرنا چاہیے اور معنی کا بغور لحاظ رکھنا چاہیے اور بہتر یہ ہے کہ آخر شب میں اٹھ کر تہجد کے بعد ذکر کرے کہ وہ برکت اور قبولیت کا وقت ہے اور طبیعت پر اس وقت سکون وانبساط بھی زیادہ ہوتا ہے۔"

میرا تعلق داڑھی کے ساتھ ہے

فرمایا کرتے تھے کہ "میرا تعلق داڑھی کے ساتھ ساتھ ہے داڑھی رہے گی تو میرا تعلق بھی رہے گا اور یہ ختم ہے تو وہ بھی ختم ہے۔"

فرمایا کرتے تھے کہ "نصرانیت کا لباس، داڑھی منڈانا یا کتروانا، عورتوں کا مردانہ وضع کا کھڑا جوتا پہننا، پردہ میں کمی کرنا وغیرہ وغیرہ یہ سب چیزیں طاعون اور ہیضے

www.abulhasanalinadwi.org

کی طرح وبا زعام بن کر پھیلی ہوئی ہیں جس کو دیکھو اس مرض میں مبتلا ہے الا ماشاء اللہ ان کے نزدیک گویا داڑھی رکھنا شعار اسلام اور طریقۂ محمدیہ ہی نہیں بلکہ اسلام کی صورت سے بھی وحشت ہے، ایسی حالت میں حق تعالیٰ کی محبت کا حاصل ہونا ناممکن ہے۔"

سالک کو حرام و مشتبہ سے بچنا چاہیے

فرمایا کرتے تھے کہ "سالک کو حلال لقمہ اپنے پیٹ میں پہنچانا چاہیے تاکہ نورانیت پیدا ہو اور حرام بلکہ مشتبہ سے بھی پرہیز کرنا ضروری ہے کیونکہ اس سے ظلمت پیدا ہوتی ہے۔"

ہدیہ اور تحفہ مخلصین سے لینا چاہیے

فرمایا کرتے تھے "ہدیہ و تحفہ صرف ان لوگوں کا قبول کرنا چاہیے جو محبت یا دینی تعلق غرضِ جائز کی وجہ سے پیش کرتے ہوں اور ایسے لوگوں سے نہ لینا چاہیے جو منصب اور عہدۂ ملازمت کی وجہ سے یا ناجائز ضرورت پورا کرنے کو دیں۔"

حرام و مشتبہ مال رکھنے والے کی دعوت قبول نہ کرنا چاہیے

فرمایا "جن کی آمدنی کا بیشتر حصہ حرام یا مشتبہ ہو ان کی دعوت وغیرہ بھی قبول نہ کرے مگر بلا وجہ مسلمانوں کے حالات میں تجسس بھی نہ چاہیے۔"

مراقبہ کی حقیقت نگہداشت ہے

فرمایا "مراقبہ کی حقیقت نگہداشت ہے کہ حضور کے ساتھ قلب کو ماسوا اللہ کے خطرات سے خالی و محفوظ رکھنا۔ یہ جو محض آنکھیں بند کرکے اور گردن جھکا کر کیا جاتا ہے اور عرف میں اسی کو مراقبہ سمجھا جاتا ہے یہ صرف بتدیوں کو عادت ڈالنے کے لئے ہے کہ یکسوئی سے مناسبت ہو جائے اور پھر رفتہ رفتہ جب طبیعت معتاد ہو جاتی ہے تو وہ کیفیتِ مراقبہ قائم ہو کر ہمہ وقت جاری رہتی ہے اور کسی وقت منقطع نہیں ہوتی۔"

www.abulhasanalinadwi.org

غیر جنس سے اختلاط نہ رکھنا چاہئے

فرمایا "غیر جنس سے اختلاط ہرگز نہ رکھنا چاہئے بجز اس کے کہ اس کی اصلاح کی نیت ہو اور بشرطیکہ اس کی حالت رو بہ اصلاح محسوس ہو۔"

جو عبادت خلوص اور دوام کے ساتھ ہو وہ تھوڑی بھی بہت ہے

فرمایا "جو عبادت تھوڑی ہو مگر خلوص اور مداومت کے ساتھ ہو وہ اس کثیر عبادت سے جو خلوص اور مداومت کے بغیر ہو بدرجہا بہتر ہے کہ عبادت و ریاضت کی تمام برکات خلوص و مداومت کے ساتھ وابستہ ہیں۔"

تہجد صالحین کا شعار ہے

فرمایا تہجد کا زیادہ اہتمام کرنا چاہئے کہ صالحین کا شعار ہے اور روحانیت کے لئے بیحد مفید ہے اگر شب میں فوت ہو جائے تو بعد طلوع آفتاب بارہ رکعات ادا کرے۔"

طریقت کا مقصود دنیا و مافیہا سے بے رغبتی ہے

فرمایا "طریقت سے مقصود یہ ہے کہ دنیا و مافیہا کی طرف سے بے رغبتی ہو اور اللہ و رسول کی محبت دل میں جاگزیں ہو بس اس سے ادھر یا ادھر نظر نہ ہٹانا چاہئے۔"

کشف قبور اور کشوف کونیہ

فرمایا "کشف قبور اور کشوف کونیہ ہرگز قابل التفات نہیں کہ سب اطفال سلوک کے کھیل ہیں، اکثر پُرخطر اور قاطع راہِ مقصود ہو جاتے ہیں۔"

سالک کیلئے دو چیزیں مضر ہیں

فرمایا "سالک کے لئے دو چیزیں سخت مضر ہیں، بدعت کے ساتھ تعلق اور نعمت الٰہیہ کا کفران۔ اللہ والوں سے لپٹا رہے اگر ان کی محبت دل میں ہو گی تو انشاء اللہ کبھی خاتمہ خراب نہ ہو گا اور دل میں اگر اللہ والوں سے بغض ہوا تو خاتمہ خراب ہونے

www.abulhasanalinadwi.org

کا بہت اندیشہ ہے اس لئے کچھ بھی نہ کرے تو محض دخول سلسلہ بھی نفع سے خالی نہیں۔"

اتباع سنت میں قرب الٰہی مضمر ہے

فرمایا "شان حضوری اور اتباع سنت میں جتنی ترقی ہوگی اسی قدر قرب الٰہی بڑھے گا اور برکت ہوگی۔

اللہ کے احسانات کا شکر

فرمایا۔ "قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا، اگر تم اللہ تعالیٰ کے احسانات کو شمار کرو تو ان کا احصا نہیں کر سکتے، یہاں نعمت کو مفرد استعمال کیا گیا کیونکہ ایک نعمت میں بے شمار نعمتیں ہیں۔"

نماز میں لقمہ

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مدظلہ تحریر فرماتے ہیں۔ حضرتؒ کے پیچھے دس بارہ حفاظ قرآن سنتے تھے ایک مرتبہ میں اپنی مسجد میں تراویح ختم کر کے آیا تو معلوم ہوا کہ حضرت کی مسجد میں تراویح ہو رہی ہے میں نماز میں شریک ہوگیا چنانچہ حضرت نے نماز میں سورہ طلاق کی آیت یاایھا النبی الخ شروع فرمائی میں نے لقمہ دیا یاایھا الذین آمنوا تو حفاظ نے تصحیح کی نماز ختم کرنے کے بعد حضرت نے دریافت فرمایا کہ تم نے اس طرح لقمہ کیوں دیا میں نے عرض کیا کہ اس وقت میرے ذہن میں یہ بات آئی کہ آگے کے سارے صیغے جمع کے ہیں، حضرت نے فرمایا کہ کہیں اس میں بھی اجتہاد کیا جاتا ہے۔"

شیخ کی نیابت اس کے خلفاء کرتے ہیں

جب حضرت مولانا ہجرت فرمانے لگے تو حافظ فخر الدین صاحب نے عرض کیا کہ حضرت کے اس مبارک ارادۂ ہجرت سے خدام پریشان ہیں اور دریافت کرتے ہیں کہ ہم کیا کریں آپ نے ارشاد فرمایا! "پریشان ہونے کی کوئی وجہ نہیں، عادۃ اللہ اسی طرح جاری ہے اور سلسلہ اسی طرح چلتا رہا ہے کہ جب کوئی شیخ وصال

www.abulhasanalinadwi.org

کرتا ہے تو اس کے خلف کام کرتے ہیں اور ان سے مخلوق ہدایت و فیضان حاصل کیا کرتی ہے پس میرے لوگوں کو چاہئے کہ میرے خلفاء میں سے جس کی طرف چاہیں رجوع کریں اور اپنا کام کرتے رہیں میں اگر ہندوستان ہی میں رہتا تو آخر کب تک زندہ رہتا۔"

اچھا ہے جس نے دیا ہے اسی کے کام آئے

حضرت مولانا کے انتہائی مجاہدہ پر خدام عرض کرتے کہ کچھ آرام فرمالیا کریں اور دماغ سے اتنا کام نہ لیں تو فرماتے۔" دماغ سے کام ہی لینا کیا باقی ہے جو رعایت کروں اچھا ہے جس نے دیا ہے اسی کے کام آوے۔"

بیوی کو نصیحت

وصال سے کچھ پہلے اپنی اہلیہ محترمہ سے ارشاد فرمایا۔"مدینہ منورہ میں رہ کر یہاں کے مصائب و تکالیف پر اگر کوئی صبر کرے تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے میں خاص طور پر اس کی شفاعت کروں گا۔"

اشرف العلوم حدیث وفقہ ہیں

فرمایا۔" اشرف العلوم حدیث اور فقہ ہیں کہ نجات کا مدار عمل پر ہے اور عمل کا مدار ان دو پر"۔

حدیث دانی کی شرط

فرمایا حدیث دانی محض الفاظ کے ترجمہ کا نام نہیں بلکہ اس کے لئے تمامی علوم و فنون کی مہارت کے بعد ایک وہبی حذاقت درکار ہے جس کو تفقہ کہتے ہیں اور اسی نعمت الٰہیہ نے فقہ کو شرح حدیث بنا کر دریائے ناپیدا کنار بنا دیا کہ صدہا ضخیم کتابیں مدون ہو چکیں اور جب دیکھو اختلاف کے لئے اس کی ضرورت قائم۔

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کے متعلق ارشاد

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب سے حضرت مولانا کو اولاد سے بڑھ کر محبت تھی کہ دیکھنے والے حضرات حضرت شیخ کو حضرت

www.abulhasanalinadwi.org

مولانا کا بیٹا ہی سمجھتے تھے چنانچہ ایک دفعہ کسی نے پوچھا بھی کہ حضرت یہ آپ کے بیٹے ہیں؟ فرمایا بیٹے سے بڑھ کر، حضرت مولانا اکثر کھانے کے وقت شیخ کو بلا لیتے شیخ عرض کرتے کہ حضرت میں تو کھا چکا مگر حضرت مولانا فرماتے کیا مضائقہ ہے تم تو طالب علم ہو کباب تو چکھ لو اس کے لئے تو بھوک کی ضرورت نہیں اور یہ بھی فرماتے میاں زکریا! اتنے دنوں سے پاس بیٹھتے ہیں ان کو تو میٹھے کا شوق نہ ہوا مجھے نمکین کا ہو گیا ہاں بھئی زور اور قوت کی بات ہے۔[1]

الم تنزیل اور سورہ الدھر

فرمایا۔ جمعہ کے دن فجر کی نماز میں حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی عادت تھی کہ الم تنزیل السجدہ اور سورۃ الدھر پڑھا کرتے تھے شافعیہ نے تو اس کا واجب کی طرح التزام کر لیا کہ کبھی ترک ہی نہیں کرتے اور حنفیہ نے اس کے ترک کا التزام کر لیا کہ کبھی نہیں پڑھتے دونوں فعل سنت کے خلاف ہیں، اولیٰ یہ ہے کہ جمعہ کے دن ان کو اکثر پڑھا جائے احیاناً ترک بھی کر دے۔"

میری نماز

ایک بار فرمایا۔ "نماز پڑھتے ہوئے نہ مجھے شور و غل پر التفات ہوتا ہے نہ گانے بجانے پر۔ البتہ اگر کوئی قرآن پڑھنے لگے تو منازعت ہونے لگتی ہے اور اس طرف التفات میں مضطر ہو جاتا ہوں۔"

جاہل عورتوں کا خیال

فرمایا "بعض جاہل عورتوں کا خیال ہوتا ہے کہ پیر کی شکل دیکھنا ضروری ہے اور ثواب ہے بلکہ بعضی تو دلیل بھی لاتی ہیں کہ صورت نہ دیکھی تو قیامت کے دن پیر کو پہچانیں گے کیسے؟ اس لئے میں احتیاط کرتا ہوں۔"

---

[1] اسکی وجہ یہ تھی کہ شیخ کو ہمیشہ نمکین کا شوق رہا ہے اور حضرت مولانا کو میٹھے سے رغبت رہی ہے۔

www.abulhasanalinadwi.org

عورتوں کا مردانہ لباس پہننا

ایک مرتبہ حضرت مولانا کے سامنے عورتوں کی واسکٹ اور مردانہ صدری پہننے کا ذکر ہوا آپ نے فرمایا ــــ "یہ ناجائز ہے اور جس میں بھی مردانہ صورت وضع حاصل ہو، وہ عورت کے لئے حرام ہے" کسی نے ایک عالم کی بیوی کا حوالہ دے کر کہا فلانی کو ہم نے خود پہنے ہوئے دیکھا ہے فرمایا ــــ "کسی کا نام لینے سے کیا حاصل جو چیز ناجائز ہے وہ کسی کے بھی پہننے سے جائز نہیں ہو سکتی اگر دنیا میں ایک نفس بھی حلال و حرام پر عمل کرنے والا نہ رہے تب بھی جو چیز حلال ہے وہ حلال ہے اور جو حرام ہے وہ حرام ہے صرف جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل اور عمل البتہ حجت ہے آپ کی بیویوں کا فعل بھی حجت نہیں پھر مولانا کی بی بی اور میری بی بی کی تو ہستی کیا ہے؟ اللہ میاں کے سامنے کوئی یہ کہہ کر سرخرو نہ ہو سکے گا کہ میں نے ازواج مطہرات کے فعل پر عمل کیا تھا۔"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم حیات ہیں بلند آواز سے سلام بے ادبی ہے

فرمایا: "آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم حیات ہیں اور اونچی آواز سے سلام عرض کرنا بے ادبی اور آپ کی ایذا کا سبب ہے لہذا پست آواز سے سلام عرض کیا جائے اس کو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود سنتے ہیں۔"

ایک صاحب نے اس پر اشکال پیش کیا کہ جسد مبارک تو چند دیواروں میں محفوظ ہے پست آواز سے کس طرح سنا جا سکے گا تو آپ نے ارشاد فرمایا۔ "یہ اشکال تو چیخنے چلانے کی صورت میں بھی ہو سکتا ہے اس وجہ سے کہ قبر کے اندر تو کتنا ہی کوئی باہر سے چلائے اور پکارے مگر آواز نہیں پہنچے گی بھئی یہ تو خصوصیات میں سے ہے جس پر یہاں کا قاعدہ جاری نہیں ہو سکتا۔"

سلوک کا مقصود

فرمایا۔ "سلوک کا مقصود یہ ہے کہ بندہ کا دل حق تعالیٰ کی مرضیات کا ایسا طالب ہو جائے جیسا کہ جسم غذا کا طالب ہے اور اس کو عبادت کی ایسی خواہش ہو جیسی جسم کو غذا اور پانی کی خواہش ہوتی ہے۔"

www.abulhasanalinadwi.org

کثرت ذکر کے دو طریقے ہیں

فرمایا۔ "کثرت ذکر کے دو طریقے ہیں ایک وہ جو مشائخ کا معمول ہے مثلاً ذکر نفی اثبات اور ذکر اسم ذات وغیرہ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ جو دعائیں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف اوقات اور مختلف حالات کے متعلق ارشاد فرمائی ہیں ان پر مواظبت کیجائے میرے نزدیک ان دونوں کو جمع کرنے کی ضرورت ہے۔"

حضرت گنگوہی کی صاحبزادی کے متعلق خیال

حضرت گنگوہی کی صاحبزادی بی صفیہ بڑی صاحب نسبت خاتون تھیں مولانا عاشق الٰہی صاحب نے حضرت مولانا خلیل احمد صاحب کے ہمراہ جاکر صاحبزادی صاحبہ سے ان کے حالات پوچھے تو انھوں نے سوائے اپنی بیعت کے واردات وحالات کا کچھ ذکر نہیں کیا تو حضرت مولانا خود بولے۔

"آپ نہیں فرماتیں تو لیجئے میں کہے دیتا ہوں لطائف ستہ جاری ہیں۔"

اہل اللہ کی توجہ

ایک بار مناظرہ کے سلسلہ میں فرمایا۔

"ابتدا میں تقریری مناظرہ سے میری طبیعت ڈرتی اور خصم (مدمقابل) کے سامنے بیٹھ کر مرعوب ہو جایا کرتی تھی میں نے اپنے حضرت مولانا گنگوہی کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ ایک صحابی کا قصہ حدیث میں آتا ہے کہ وہ گھوڑے پر سوار نہ ہو سکتے تھے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا دے کر ان کو گھوڑے پر بٹھایا تو اس کے بعد وہ اعلیٰ درجہ کے شہسوار ہو گئے اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اہل اللہ کے تصرفات امور طبعیہ پر بھی اثر کرتے ہیں لہٰذا حضرت میرے لئے دعا فرما دیں کہ میرا ضعف قلب جاتا رہے اور میں مناظرہ کے وقت خصم سے مرعوب نہ ہوں اس کے بعد وہ ضعف قلب ایسا رفع ہوا کہ کیسا ہی بڑے سے بڑا مولوی۔۔۔ اہل باطل کا سامنے آیا مگر مجھے اتنا بھی معلوم نہ ہوا جتنا ایک سمجھدار شاگرد سامنے بیٹھا ہوا معلوم ہوتا ہے اور مناظرہ کے لئے دل بہت ہی کھل گیا۔"

www.abulhasanalinadwi.org

کٹ حجتی سے علم میں بے برکتی آتی ہے

آپ کے درس میں اگر کوئی طالب علم کٹ حجتی کرتا اور اینڈے بینڈے سوالات کرتا تو آپ فرماتے۔

"اصل مطلب سمجھنے کی کوشش کرو اور زوائد کے پیچھے نہ پڑو کہ اس سے علم میں بے برکتی ہوتی ہے۔"

علم سے مقصود عمل ہے

اگر کسی طالب علم کو آزاد دیکھتے تو فرماتے۔

"ابھی سے آزاد بنو گے تو پڑھ لکھ کر خود بھی ڈوبو گے اور دوسروں کو بھی ڈبوؤ گے علم سے مقصود ہے عمل، پس علم کے ساتھ ساتھ عمل کی پوری عادت ڈالو کہ پھر اس عادت میں لذت و حلاوت پیدا ہو یہ خیال کہ عالم بن کر عمل کریں گے محض شیطانی خیال ہے، شریعت نے تو دس برس کے بچے کو مار کر نماز پڑھوانے کا حکم دیا ہے حالانکہ ابھی اس پر نماز فرض نہیں ہوئی، کیونکہ جب تک پہلے سے عادت نہ ہو بالغ ہوتے ہی نماز کا پابند بن جانا دشوار ہے اور طالب علم تو بہر حال عمل کا مکلف بلکہ مقتدا بننے کا وقت قریب ہونے کے سبب عمل میں پختہ ہونے کا زیادہ ضرورت مند ہے اس لئے جتنی کوشش علم کی ترقی اور پڑھے ہوئے کے محفوظ رکھنے میں کی جائے اس سے زیادہ عمل کی رغبت اور پابندی شریعت کو ہر ہر قدم پر ضروری سمجھنے میں کی جائے، کہ مقتدا بن کر آزاد طبع کا یکدم مفید بننا بہت دشوار ہے اور ایسوں کو خوار و خراب ہی ہوتے دیکھا ہے جو طالب علمی کے اس زمانہ کی قدر نہیں کرتے جس میں خاص رحمت الٰہیہ کا ان پر نزول ہوتا اور فرشتے ان کے قدموں میں اپنے بازوؤں کا فرش بچھاتے ہیں۔"

بغیر ہمت کے کوئی کام نہیں ہوتا

ایک شخص نے عرض کیا کہ حضرت تہجد کو آنکھ نہیں کھلتی فرمایا۔ "بھائی ہمت کرو کہ کوئی کام دنیا کا ہو یا دین کا بغیر ہمت کے نہیں چلتا اور دیکھو کہ کسی معصیت کی سزا تو نہیں

www.abulhasanalinadwi.org

ممکن ہے کھانے پینے میں بے احتیاطی ہوئی ہو یا قولی و فعلی کوئی گناہ صادر ہوا ہو اگر ایسا ہے تو ضرورت ہے توبہ و استغفار کے اضافہ کی کہ ذکر پر ذکر بڑھایا جائے نہ یہ کہ ذکر ہی چھوڑ دیا جائے۔"

تحقیق اور جستجو بذل المجہود کی تالیف کے دوران ایک بار حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مدظلہ سے فرمایا، کل فلاں بات لکھی گئی تھی اس کو دوبارہ نکالو جب اس کو نکالا گیا تو آپ نے اس کو قلم زد کیا اور دوسری عبارت تحریر فرمائی اس کے بعد بڑی مسرت کے ساتھ ایک خواب بیان کیا کہ تہجد کے بعد ذرا دیر کو آنکھ لگ گئی تو ایک صاحب کو یوں کہتے سنا کہ یہ جگہ غلط لکھی گئی ہے اس کو درست کر لو۔"

خدمت حدیث پر تشکر و امتنان بذل المجہود کی تکمیل پر خدا کے شکر کے ساتھ فرمایا۔ اس قابل تو ہوں نہیں مگر ہوس تھی اور ہے کہ خدام حدیث کی جماعت میں شامل ہو جاؤں اللہ کا انعام ہے کہ اس نے کام لے لیا۔

کہاں میں اور کہاں یہ نکہت گل
نسیم صبح تیری مہربانی

فتویٰ دیتے وقت شرح صدر جب تک کسی فتوی پر شرح صدر نہ ہوتا اسکی تائید نہ کرتے بعض دفعہ حضرت گنگوہی کے فتوی پر بھی عدم شرح صدر کی بنا پر دستخط نہیں فرمائے چنانچہ ایک بار فرمایا۔

ماموربالحج کے لئے تمتع جائز نہیں اپنے حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے اس فتوی میں مجھے شرح صدر نہیں ہوا بلکہ میں اذن آمر کے بعد اس کو جائز سمجھتا ہوں مگر حضرت کے خلاف فتوی دینے کی جرأت نہیں ہوتی۔"

www.abulhasanalinadwi.org

حضرت گنگوہی کی خدمت میں حاضری کی برکت

حضرت مولانا کے تفقہ اور فضل و کمال کو دیکھ کر مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی نے عرض کیا کہ حضرت اس وقت تو تفقہ حضرت والا پر ختم ہے کہ حق تعالیٰ نے اسی کے لئے حضرت کو پیدا فرمایا ہے بیساختہ جواب دیا — میاں ظفر یہ سب حضرتؒ گنگوہی کی خدمت میں حاضری کی برکت اور اپنے حضرت کی جوتیوں کا صدقہ ہے اگر میں گنگوہ حاضر نہ ہوتا تو نہ معلوم کس کھیت کا بتھوا ہوتا۔"

متبع سنت ہم ہوئے یا تم

ایک بار آپ ٹونک تشریف لے گئے چند اہل حدیث حضرات ملنے آئے اور ایک ہاتھ سے مصافحہ کیا، حضرت مولانا نے عادت کے موافق دونوں ہاتھ بڑھائے اور مسکرا کر فرمایا کہ مصافحہ اس طرح سے ہونا چاہیئے وہ حضرات بولے حدیث میں ہے صحابی کہتے ہیں وکان یدی فی یدیہ صلی اللہ علیہ وسلم، میرا ہاتھ حضرت کے دونوں ہاتھوں میں تھا، اس بات پر حضرت مولانا گویا ہوئے، پھر متبع سنت ہم ہوئے یا تم؟ آنحضرت کے ہوتے ہوئے صحابی کے اتباع کی کیا ضرورت؟

مسجد کی زیبائش جائز نہیں ہے

شملہ تشریف لے گئے جس مسجد میں نماز ادا فرمائی اس کے امام نے نماز کے بعد مسجد کی پالش کی نفاست و حسن کا ذکر کر کے اس کو دکھایا نائب امام مسجد اس پالش پر ہاتھ پھیرتے اور اس کی تعریف کرتے جاتے تھے حضرت مولانا نے اس کو بغور دیکھ کر فرمایا۔

"پالش تو بہت اچھی ہے مگر یہ تو بتلاؤ کہ یہ زیبائش جائز بھی ہے یا نہیں؟ اور بھئی یہ سب چندہ جمع کر کے کی گئی ہوگی بھلا چندہ دہندگان سے ایسا کرنے کی اجازت بھی لے لی گئی تھی یا نہیں؟ نائب امام مسجد اور سارے نمازی حیرت میں پڑ گئے کچھ دیر بعد نائب امام نے عرض کیا کہ حضرت یہ تو امام مسجد جانتے ہیں آپ نے فرمایا — کیا خوب آرائش کی تعریف تو آپ کریں اور جواب

www.abulhasanalinadwi.org

دیں مولوی صاحب مثل ہے پلو تاکرے اور دادا چڈی بھرے "

نماز کے لئے مشقت

سفر حج میں ایک بار ایک صاحب نے جن کا تعلق حضرت مولانا سے بھی تھا اور حضرت گنگوہی سے بھی، اپنے شقدف پر ہی نماز پڑھ لی اور حضرت مولانا نے نیچے اتر کر اہتمام سے نماز ادا فرمائی نماز کے بعد ان صاحب سے ارشاد فرمایا۔

حافظ صاحب نماز پڑھ چکے؟ عرض کیا کہ حضرت اوپر ہی پڑھ لی شغدف میں میرے ساتھ بوڑھی ماں ہیں اور ان کو میرے اترنے سے زحمت ہوتی ہے آپ نے اس کا جواب عنایت فرمایا۔ ماں وہاں تو ساتھ نہ ہوگی جہاں نماز کا سوال ہوگا جوان ہو کر خود ہی ہمت ہار دو تو اس کا کیا علاج ہم تو جب جانیں کہ پاخانہ کی ضرورت ہو اور ماں کا عذر کر کے شغدف میں بیٹھے رہو حج کرنے چلو اور نمازیں کھوؤ اس سے تو بہتر تھا کہ گھر بیٹھے وقت پر نمازیں پڑھتے، بھائی تم کو حضرت گنگوہی سے تعلق ہے اس لئے مجھے تمہاری اس بے احتیاطی سے تکلیف ہوتی ہے یا تو سفر میں رفیق نہ ہوئے ہوتے اور رفاقت کی ہے تو نماز کا اہتمام کرو چنانچہ وہ اترے اور پھر نماز کا اہتمام کرتے رہے۔

نماز ظہر میں طوال مفصل

ایک مرتبہ مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی سے فرمایا۔

مولوی ظفر تم ظہر کی نماز میں طوال مفصل نہیں پڑھتے؟ عرض کیا کہ نہیں بلکہ اوساط پڑھتا ہوں، فرمایا کہ فقہا حنفیہ تو فجر و ظہر دونوں میں طوال کو سنت فرماتے ہیں اس کی رعایت کیا کرو۔ اس روز مولانا ظفر احمد صاحب نے نماز ظہر میں سورہ قٓ پڑھ دی جو نمازیوں پر بار ہوئی نماز کے بعد حضرت مولانا نے ارشاد فرمایا۔ میرا یہ مطلب نہ تھا کہ فجر و ظہر کی قرأت برابر

www.abulhasanalinadwi.org

کرو بلکہ فجر کی اطول ہونا چاہئے اور ظہر کی کم دیکھو طوال میں سورۃ التکویر اور سورۃ الانفطار بھی تو ہے، ظہر میں طوال کی ایسی ہی سورتیں پڑھا کرو۔"

ذکر و شغل کے لئے رات کا وقت مفید ہے

"چونکہ شب کے وقت خلوت اور سکون حاصل ہوتا ہے اس لئے ذکر و شغل کے لئے رات کا وقت بہتر ہے اگر کسی کو رات کا وقت نہ ملے اور کبھی رات کو کسی ضروری کام یا سو جانے کی وجہ سے وظیفہ رہ جائے تو دن میں پورا کر لے کہ عبادت کے لئے رات دن سب برابر ہیں جعل اللہ لکم اللیل و النہار خلفۃ لمن اراد ان یذکر او اراد شکورا۔"

تلاوت قرآن کے آداب

"تلاوت کلام اللہ چلتے پھرتے لیٹے بیٹھے ہر حال میں درست ہے مگر کلام مجید کو بغیر وضو نہ چھوئے اور حالت ناپاکی میں زبان سے بھی نہ پڑھے لیٹے ہوئے پڑھنے میں بہتر ہے کہ گھٹنے سکیڑ لیوے۔ برہنگی کی حالت میں نہ پڑھے ہاں درود شریف وغیرہ ناپاکی کی حالت میں بھی پڑھنا درست ہے۔"

حرام و مشتبہ مال سے ظلمت ہوتی ہے

"سالک کو حلال لقمہ اپنے پیٹ میں پہنچانا چاہئے تاکہ نورانیت پیدا ہو اور حرام بلکہ مشتبہ سے بھی پرہیز کرنا ضروری ہے کہ ظلمت پیدا ہوتی ہے۔"

قبض و بسط کی حالت میں

قبض کی حالت پیدا ہو جائے تو امیدوار رحمت بن کر توبہ و استغفار اور خشوع و خضوع کے ساتھ گریہ و زاری میں مشغول ہو اور اپنے مولیٰ کریم سے توفیق طلب کرے اور ناامید نہ ہو بحالت بسط ہر وقت شکر نعمت کرتا رہے کہ ازدیاد نعمت شکر نعمت کے ساتھ وابستہ ہے لئن شکرتم لازیدنکم ولئن کفرتم

www.abulhasanalinadwi.org

ان عذابی لشدید"

نسبت مسلسلہ
"مراقبہ میں حق تعالیٰ کی کسی صفت کا انضمام اس لئے کرتے ہیں کہ اس صفت کے لحاظ سے اس کی عظمت اور اس کے ساتھ محبت قلب میں راسخ ہو جائے ورنہ آخر میں ایک بے کیف حضور رہ جاتا ہے جس کو نسبت مسلسلہ کہتے ہیں۔"

پاکی اور طہارت
"سالک کو پاکی اور طہارت کا بہت خیال رکھنا چاہئے بلکہ ہمیشہ باوضو رہنا چاہئے کہ سونا بھی باوضو ہو۔"

تصور شیخ کی مطلق ضرورت نہیں
"تصور شیخ کی مطلق ضرورت نہیں اور اس میں تکلف اور آورد مضر ہے جب مرید کو شیخ کے واسطہ سے استفادہ ہوگا تو خود اس کی محبت سالک کے قلب میں پیدا ہو جائے گی اور جب محبت ہوگی تو شیخ کا تصور و خیال خود آئے گا، اصل شے جس کا نفع ہے وہ محبت ہے اور تصور اس کا فرع غیر اختیاری ورنہ محض تصور بجائے مفید ہونے کے بسا اوقات مضر ہوتا ہے۔"

تہجد کا اہتمام
"تہجد کی نفلوں کا اہتمام بہت زیادہ کرنا چاہئے کہ شعار صالحین ہے اور روحانیت کے لئے بےحد مفید۔ اگر شب میں فوت ہو جائیں تو بعد طلوع آفتاب بارہ رکعت ادا کر لے اور تہجد کے وقت اٹھنے کا اطمینان ہو تو وتر بعد نوافل تہجد ادا کرے ورنہ بعد عشاء مگر رمضان میں بعد تراویح جماعت کے ساتھ پڑھنے چاہئیں اور دنوں میں ان کو جماعت سے ادا نہ کرے۔"

دل و دماغ کی صحت کا خیال بھی ضروری ہے
"سالک کو اپنے دل اور دماغ کی صحت کا زیادہ خیال کرنا چاہئے کہ ان کو تقویت پہونچانا بہ نیت تقویت فی العبادت خود عبادت ہے اور اس کی طرف توجہ نہ کرنے سے پھر انسان نہ دنیا کے کام کا رہتا ہے نہ دین

www.abulhasanalinadwi.org

کے کام کا۔"

صحابہ کرام کے حالات سے مطابقت

"کیفیات و حالات ہر سالک کو پیش آتے ہیں، مگر جس قدر زیادہ صحابہ کرامؓ کے حالات سے مطابقت ہوگی اتنے ہی مامون ہوں گے اور جتنی دوری ہوگی اسی قدر پرخطر اور سلامتی سے دور ہوں گے۔"

علم مورث عمل ہے

"علم کی فضیلت اسی لئے ہے کہ وہ مورث عمل ہے اور عمل اس لئے مطلوب ہے کہ وہ مورث حال ہے اگر حال نصیب نہ ہوا تو نہ عمل مفید کہ منافقین بھی کرتے بلکہ مسلمانوں سے زیادہ کرتے تھے اور نہ علم مفید کہ آخر شیطان کو بہت کچھ نصیب تھا اور حدیث میں ہے کہ عالم بے عمل دوزخ میں جائے گا کہ اس کی آنتیں چکی کی طرح اس کے گرد گھومیں گی۔"

علوم دینیہ کی تدریس بھی طرق وصول الی اللہ سے ہے

"علوم دینیہ کی تدریس اور خدمت تعلیم بھی طرق وصول الی اللہ سے ہے کہ طرق وصول ایک شے میں منحصر نہیں مگر اہل اللہ کے قواعد کا پابند ہونے کی حاجت ضرور ہے کہ بغیر روحانی تعلق کے محبت کا حصول دشوار ہے اور برکت بھی دخول سلسلہ ہی میں ہے۔"

اصل خیر و برکت ذکر کی مداومت میں ہے

"انسان کی حالت ہر وقت یکساں نہیں رہتی کبھی بحالت ذکر قلب میں سرور و انبساط ہوتا ہے کبھی گرمی محسوس ہوتی ہے کبھی مزہ آتا اور دل لگتا ہے اور کبھی کچھ بھی نہیں ہوتا بلکہ طبیعت اچاٹ ہوتی ہے مگر یہ سب کچھ نہیں اصل خیر و برکت ذکر کی مداومت میں ہے یہ کسی حال نہ چھوٹنا چاہیے اور غلامی کا امتحان بھی اسی میں ہے کہ بندۂ خدا بنے۔ بندۂ لذات نہ بنے سب کچھ

www.abulhasanalinadwi.org

کرے مگر اپنے کو متقی و کارگزار کبھی نہ سمجھے کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے فلا تزکوا انفسکم اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے برّہ نام بھی پسند نہیں فرمایا۔"

بڑوں کی ناخوشی سے نقصان ہوتا ہے

"جب کوئی اپنا بڑا اور بزرگ ناخوش ہو تو اس سے عاجزی اور خوشامد کرے اور اس کا دل اپنے ہاتھ میں لیوے چھوٹے اور بڑے میں یہی فرق ہے جو شخص اس کے خلاف عملدرآمد کرے گا دینی یا دنیوی نقصان اٹھاوے گا۔"

شانِ حضور اور اتباعِ سنت

"شانِ حضور اور اتباعِ سنت میں جتنی ترقی ہوگی اسی قدر قربِ الٰہی بڑھے گا اور برکت ہوگی۔"

www.abulhasanalinadwi.org

www.abulhasanalinadwi.org

سولھواں باب

ہمعصر علماء اور مشائخ کی رائیں

آپس کے تعلقات اور باہمی ربط وضبط

- ☆ سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ
- ☆ شیخ المشائخ حضرت مولانا رشید احمد صاحبؒ گنگوہیؒ
- ☆ حضرت شاہ عبد الرحیم صاحب رائے پوریؒ
- ☆ شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب دیو بندیؒ
- ☆ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ
- ☆ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحبؒ مدنیؒ

اور دوسرے علماء ہند و حجاز

www.abulhasanalinadwi.org

www.abulhasanalinadwi.org

سولھواں باب

ہمعصر علماء اور مشائخ کی رائیں

کسی شخص کے فضل وکمال اور علوم رتبت کو سمجھنے کے لئے اس دور کے اہل فضل وکمال، علماء ومشائخ اور اصابت رائے رکھنے والے حضرات کا اس کے متعلق خیال اور رائے بڑی اہمیت رکھتی ہے حضرت مولانا کے بچپن سے انتقال تک ہند و بیرون ہند میں اہل فضل وکمال کی اچھی خاصی تعداد تھی، ان میں بعض بڑے عظیم المرتبت علماء ومشائخ اور مرجع خلائق تھے۔ سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی، حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی، حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائپوری، شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب، حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی اور ان کے بعد مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری، مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی ان علماء ومشائخ میں ہیں جن کے فضل وکمال، اصابت رائے جوہر شناسی اور نظر کی کیمیا اثری سے کسی کو بھی اختلاف نہیں، حضرت مولانا کے متعلق ان بزرگوں کی کیا رائے تھی اور وہ آپ کو کس نظر سے دیکھتے تھے دوسرے اہل علم اور اصحاب قلب ونظر اور حجاز ونجد ومصر کے علماء کا آپ کے متعلق کیا تاثر اور رائے تھی وہ آنے والے صفحات میں ملاحظہ کیجئے۔

www.abulhasanalinadwi.org

سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی

حضرت مولانا اگرچہ حضرت گنگوہی سے بیعت تھے اور بیعت ہوئے تقریباً ۹۱۰۱ سال ہو چکے تھے کہ حج کو تشریف لے گئے اور حضرت حاجی امداد اللہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے حضرت حاجی صاحب نے آپ کے احوال دیکھے اور اجازت وخلافت سے سرفراز فرمایا اور اپنا عمامہ آپ کے سر پر باندھا اور جب تک حیات رہے آپ سے راضی اور خوش رہے سنہ ۱۳۰۴ھ میں حضرت مولانا نے "براہین قاطعہ" کتاب لکھی جس کی بنا پر اہل بدعت نے حضرت حاجی صاحب سے شکایت کی اور بدظن کرنا چاہا مگر حضرت حاجی صاحب بجائے بددل ہونے کے خوش اور راضی رہے اور اپنے والاناموں سے اپنی خوشی ومسرت، رضامندی وخوشنودی کا اظہار فرماتے رہے مولانا محمد یحییٰ صاحب کاندھلوی جو حضرت گنگوہی کے اخص الخواص خدام وتلامذہ میں تھے وہ حضرت مولانا کے متعلق اپنے تاثر کا اظہار کرتے ہوئے حضرت حاجی صاحب نور اللہ مرقدہٗ کی حضرت مولانا کے متعلق وہ رائے بیان کرتے ہیں جو حقیقتاً سند کا درجہ رکھتی ہے وہ بیان کرتے ہیں۔

"میں نے اعلیٰ حضرت حاجی صاحب کا ایک والانامہ حضرت کی بیاض میں خود دیکھا ہے جس میں حضرت (مولانا خلیل احمد صاحب) کی نسبت تحریر فرمایا تھا تم میرے سلسلہ کے فخر ہو مجھے تم سے بہت خوشی اور مسرت ہے[1]

حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی

سنہ ۱۲۸۸ھ سے لے کر سنہ ۱۳۲۳ھ تک پورے پینتیس سال حضرت مولانا اپنے شیخ ومرشد حضرت گنگوہی کی خدمت میں آتے جاتے رہے اور بڑی مدت تک مکاتیب کا سلسلہ جاری رہا اور منازل سلوک طے کرتے رہے اور باطنی کمال حاصل فرمایا اور

---

[1] تذکرۃ الخلیل صـ ۳۵۳

www.abulhasanalinadwi.org

اپنے شیخ ومرشد کی خوشنودی، اطمینان اور اعتماد حاصل کیا، ان مکاتیب کا مطالعہ جو حضرت گنگوہی کے آپ کے نام ہیں طالبین سلوک کے لئے بہت مفید ہے ان کے پڑھنے سے جہاں معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے تصوف وسلوک میں بلند درجہ عطا فرمایا تھا وہاں آپ سے حضرت گنگوہی کی انتہائی محبت اور تعلق کا پتہ چلتا ہے۔ حضرت گنگوہی نے ان مکاتیب میں جن بلند الفاظ سے آپ کو یاد فرمایا ہے وہ درج ذیل کئے جاتے ہیں۔

۱- اپنے ایک مجاز مولانا صدیق احمد صاحب انبیٹھوی کو تحریر فرماتے ہیں۔

"مولوی خلیل احمد کی نسبت بسیط ہے کہ حضور میں اعلیٰ درجہ کو پہونچے ہے[1]"

۲- اپنے ایک مکتوب گرامی میں خود حضرت مولانا خلیل احمد صاحب کو تحریر کرتے ہیں۔

آپ کے حسن احوال سے دل کو سرور ہوا جس قدر ہو سکے اپنے شغل یادداشت میں مشغول رہیں حجاب سیاہ سے ہراساں نہ ہوویں جب وقت آوے گا یہ حجاب خود معین کار ہو جاوے گا نور نفی بن جاوے گا۔ نفی عبارت ہے اس سے کہ وسعت بے نہایت بھی ایک قید ہے اس کو رفع کر دیوے سو وہ اختیاری نہیں کیفما کان جس قدر ہو سکے مشغول رہو۔

کار کن کار بگزار از گفتار
کاندریں راہ کار دارد کار

تمہاری بہبودی سے توقع کرتا ہوں کہ خود بھی کچھ نفع پاؤں کہ تم نے بحسن ظن دلیل (رہبر) بنایا ہے ورنہ اپنی شومی کیا کہوں اول تو کچھ حاصل نہ ہوا تھا اگرچہ طفل تسلی اپنی کی تھی اب ضعف قوت اور ہمت نے اس سے بھی

---

[1] مکاتیب رشیدیہ صد ۲۶

www.abulhasanalinadwi.org

جواب دیا، سو خیر دوستوں کی وجہ سے شاید کچھ حصہ مل جاوے اب التفات بندہ کا آپ کی طرف سائلانہ ہے نہ سطیانہ من دق باب الکریم انفتح حق تعالیٰ آپ کو فتح باب نصیب فرمادے[1]

۳۔ ایک اور مکتوب گرامی میں کتنے بلند الفاظ ارشاد فرماتے ہیں۔

"تم کو اپنا فخر و باعث نجات جانتا ہوں کچھ نہیں ہوں مگر اچھوں سے مربوط ہوں"[2]

۴۔ ایک مکتوب میں اس طرح تحریر فرماتے ہیں۔

"مقصد جملہ اشغالات و مطلب منتہی جملہ مراقبات کا وہ حضور قلب بے کیف ہے کہ حق تعالیٰ نے آپ کو نصیب فرمایا نسبت صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین یہ ہی حضور تھا۔

پھر اسی مکتوب میں صحابہ کرام کے حضور، نیز ان کی کیفیات، نسبت کی تفصیل بیان فرماتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔

"پس یہ نسبت یادداشت واحسان تھی کرشمہ اس کا میرے سعید ازلی قرۃ العینین خلیل احمد کو نصیب ہوا جس پر ہزار فخر و ناز یہ بندہ ناساز کر کے اپنا وسیلہ قرار دیئے مطمئن بیٹھا ہے"[3]

مکاتیب میں ایک جگہ شعر بھی ہے کہ تیرے گیسوں کا ایک بال اپنی قبر میں لیے تاکہ مجھ پر قیامت میں سایہ کرے۔

حضرت گنگوہی کے مکاتیب عالیہ سے یہ چند سطریں جو آپ کی شان میں پر رضا و قبولیت کا درجہ رکھتی ہیں ہدیہ ناظرین کی گئیں۔

حضرت گنگوہی کو حضرت مولانا سے جو تعلق تھا وہ حسب ذیل واقعہ سے بخ

---

[1] مکاتیب رشیدیہ صفحہ ۴۱ [2] ایضاً صفحہ ۱۲ [3] ایضاً صفحہ ۱۰

www.abulhasanalinadwi.org

ملوم ہو گا۔

ایک بار کسی شخص نے حضرت گنگوہی کو خط لکھا کہ میں اس مصیبت میں گرفتار
ں دعا فرمائیں، اس خط کو پڑھ کر بے ساختہ فرمایا کہ!

"یہ وہی تو ہیں جنہیں مولوی خلیل احمد سے عداوت ہے میرے دوستوں سے دشمنی رکھیں اور مجھ سے دعا کرانی چاہیں یہ مجھ سے نہیں ہو سکتا اگرچہ کسی کے لئے بد دعا بھی نہیں کرتا۔"[1]

ایک بار آپ نے اپنا ایک خواب حضرت گنگوہی سے بیان کیا۔

"کہ حضرت میں اعتکاف میں تھا خواب میں دیکھا کہ خربوزہ تراش رہا ہوں، اور قاشیں آپ کو دے رہا ہوں، آپ رغبت کے ساتھ کھا رہے ہیں اور کھانے کے وقت آپ کے دہن سے جو لعاب وغیرہ گرتا ہے وہ میں اپنی زبان پر لیتا ہوں۔"[2]

حضرت گنگوہی اس خواب کو سن کر مسکرائے اور ارشاد فرمایا۔

"تم خود سمجھتے ہو گے آخر نسبت تو ایک ہی ہے۔"[3]

ایک مرتبہ بھوپال سے ایک سو روپے شاہرہ پر حضرت مولانا کی طلبی ہوئی تو آپ نے حضرت گنگوہی کو اس کے بارہ میں لکھا تو حضرت گنگوہی نے جواب دیا کہ۔

"میں اپنے لوگوں کو اپنے سے جدا کرنا اور دور بھیجنا نہیں چاہتا۔"[4]

ایک مرتبہ ارشاد فرمایا۔

"جو میں وہ مولوی خلیل احمد"

ایک خط میں حضرت مولانا کو تحریر فرمایا۔

---

[1] تذکرۃ الرشید جلد دوم صہ ۸۳

[2][3][4] " " " صہ ۱۵۴

www.abulhasanalinadwi.org

در گور برم از سر گیسوئے تو تارے
تا سایہ کند بر سر من روز قیامت [1]

(ترجمہ) تیرے گیسو کا ایک بال اپنی قبر میں لے جاؤں تاکہ مجھ پر قیامت میں سایہ کرے۔

حضرت مولانا جہاں بھی ہوتے اپنے مکاتیب عالیہ سے انکو حضرت گنگوہی نوازتے رہتے اور ان کی خیریت برابر دریافت کرتے رہتے ان کو یاد کرتے اور چاہتے کہ جلد جلد آئیں اور ملاقات کریں کوئی شخص بھی سہارنپور سے گنگوہ جاتا تو سب سے پہلے حضرت مولانا کو پوچھتے اور ان کی خیریت دریافت کرتے، مولانا عاشق الٰہی صاحب تحریر کرتے ہیں۔

"اعلیٰ حضرت کو آپ کے ساتھ محبت زیادہ تھی کہ جو مہمان براہ سہارنپور آتا اس سے پوچھا کرتے کہ خلیل احمد اچھی طرح ہیں اور ان سے بھی مل کر آئے یا نہیں؟ [2]

اور اگر کوئی مل کر نہ آتا تو ناراضگی کا اظہار فرماتے اور آنے والے کے اس طرز عمل پر نکیر فرماتے اور آئندہ مل کر آنے پر زور دیتے تھے۔

حضرت مولانا جب تک دوسرے شہروں میں رہے اور حضرت گنگوہی ان کو خط بھیجتے رہے تو بغیر ٹکٹ لگائے خطوط بھیجتے تھے تاکہ حضرت مولانا کو یقینی طور پر مل جائیں اور دوسرے کے ہاتھوں میں نہ پڑیں۔

اسی طرح حضرت مولانا کو اپنے شیخ و مرشد حضرت گنگوہی سے تو اتنی زیادہ محبت و تعلق تھا کہ قدم قدم پر وہ ظاہر ہوتا تھا گزشتہ اوراق میں اس محبت و تعلق کے کئی واقعات آپ پڑھ چکے ہیں حضرت سے محبت کی وجہ سے حضرت کی اولاد

---

[1] تذکرۃ الرشید دوم صفحہ ۱۵۴ [2] تذکرۃ الخلیل صفحہ ۹۰

www.abulhasanalinadwi.org

حضرت کے گھر والوں حتیٰ کہ گنگوہ کے رہنے والوں سے محبت ہو گئی تھی اور عقیدت واحترام کا جذبہ کار فرما رہتا تھا حضرت گنگوہی کے انتقال پر جن جذبات کا آپ نے اظہار کیا وہ آپ کے انتہائی تعلق کا پتہ دیتے ہیں ایک صاحب کے خط کا جواب دیتے ہوئے تحریر کرتے ہیں۔

"خدام حضرت میں مجھ رو سیاہ سے زیادہ کوئی بھی نالائق نہ ہوگا، بتیس سال کا عرصہ حضور کی خدمت وحیات کا گزرا اور کچھ نہ کیا کیا خبر تھی کہ یہ روز سیاہ دیکھنا پڑے گا کیا معلوم تھا کہ حضرت عالم قدس کو رخصت ہو جائیں گے اور میں تباہ کار آپ کے بعد دنیا میں بیٹھا رہوں گا فانا للہ وانا الیہ راجعون وصبر جمیل [1]

ایک دوسرے خط میں تحریر کرتے ہیں۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی رحلت نے کمر توڑ دی ہیں تو دل سے کہتا ہوں

سنے کون ہائے صدائے دل ملے کس سے آہ شفائے دل
وہ جو بیچتے تھے دوائے دل وہ دکان اپنی بڑھا گئے [2]

حضرت مولانا کا اپنے شیخ ومرشد حضرت گنگوہی سے تعلق ومحبت اور ادب واحترام کا یہ حال تھا کہ مرشد کی حیات میں ہمیشہ جب بھی کسی کو بیعت فرماتے تو آخر میں ارشاد فرماتے تھے " کہو بیعت کی میں نے حضرت مولانا رشید احمد صاحب سے خلیل احمد کے ہاتھ پر"۔

اسی محبت وتعلق کا نتیجہ تھا کہ صاحبزادے جناب حکیم مسعود احمد صاحب کا انتہائی ادب کرتے ایک بار وہ سہارنپور آئے اور حضرت مولانا کی درخواست پر مدرسہ میں قیام فرمایا تو عرصہ تک تشکر وامتنان کے ساتھ فرماتے تھے کہ صاحبزادہ صاحب

---

[1] تذکرۃ الخلیل صفحہ ۹۶ [2] ایضاً صفحہ ۹۸

www.abulhasanalinadwi.org

نے بندہ کی درخواست قبول فرما کر شرف میزبانی بخشا۔"

صاحبزادی صاحبہ سے تعلق کے متعلق مولانا عاشق الٰہی صاحب لکھتے ہیں۔

"صاحبزادی صاحبہ سے حضرت کو خصوصی تعلق تھا کہ ماشاء اللہ ہر قسم کے کمالات روحانیہ سے مالامال ہونے کے باوجود وہ حضرت کو پیر کی جگہ سمجھتی تھیں اور حضرت ان کو بڑی بہن سمجھا کرتے تھے ایک مرتبہ کچھ مستورات نے حضرت سے بیعت کی تو مخدومہ صاحبزادی صاحبہ نے بھی رومال تھام لیا اور بیعت ہو گئیں کہ اس وقت حضرت کو علم بھی نہیں ہوا مگر باوجود اس کے حضرت ان کی اس درجہ عزت فرمایا کرتے تھے کہ ماں زندہ ہوتیں تو بس اس سے زیادہ نہ کر سکتے"[1]

حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری

حضرت گنگوہیؒ کے اجلۂ خلفا میں حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائپوری بھی تھے اور وہ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب نور اللہ مرقدہ سے محبت و تعلق کا ایسا معاملہ فرماتے کہ ہمعصروں میں کم کسی کو ایسا تعلق ہوگا، جب حضرت مولانا مدرسہ مظاہر علوم میں صدر مدرس تھے اور آپ کے خلاف ہنگامہ برپا تھا ایسے وقت مولانا رائے پوری بے چین ہو ہو کر رائے پور سے ہر دوسرے تیسرے روز آتے حالات دریافت کرتے اور ہمدردی و غمگساری کا جتنا بھی معاملہ کر سکتے کرتے ہر آڑے وقت کام آتے اور اپنی عقیدت تعلق و محبت کا اظہار کیا، باوجود اپنے علو مرتبت اور علمی فضیلت کے حضرت مولانا کے حلقۂ درس میں بیٹھے اور مسلسلات اور سورہ صف کی سند حاصل کی۔

حضرت مولانا جب سفر حج کو جانے لگے تو مدرسہ کے مدرسین نے درخواست کی

---

[1] تذکرۃ الخلیل ص۲۸۰

www.abulhasanalinadwi.org

کہ تشریف لے جانے سے پہلے مسلسلات کی سند و اجازت عطا فرما دیں حضرت مولانا نے اس کو منظور فرما لیا اور ارشاد فرمایا اوپر جاکر بیٹھو میں آتا ہوں۔ وہ اوپر جا کر بیٹھ گئے مولانا عاشق الٰہی صاحب بھی حضرت مولانا کے پیچھے پیچھے چلے اوپر پہنچے تو دیکھتے ہیں۔

کہ حضرت مولانا رائے پوری بھی طلبہ کی صف میں بیٹھے ہوئے ہیں اور حضرت استاذ کی آمد کا انتظار فرما رہے ہیں کہ جہاں ان طلبہ کو اجازت ملے وہاں مجھے بھی یہ شرف نصیب ہو۔[1]

حضرت مولانا رائے پوری کا جب انتقال ہوا تو حضرت مولانا ایک خواب دیکھ کر پہونچ گئے جب آخری وقت آیا تو حضرت مولانا قریب پہنچے مولانا رائے پوری نے محبت بھری نگاہ ڈالی اور حضرت مولانا کا ہاتھ تھام کر اپنے سینے پر رکھ لیا اور اسکے بعد ہی جان جان آفریں کے سپرد کر دی۔

مولانا رائے پوری کی طبیعت بہت ناساز تھی کروٹ لینا دشوار تھا اسی حالت میں حج کا شوق پیدا ہوا اور کسی طرح بھی حج کرنے کا جذبہ طاری ہوا مولانا عاشق الٰہی صاحب ملنے کو گئے تو فرمایا۔

اب حضرت سہارنپوری کا میرے بزرگوں میں ایک دم باقی ہے جن کے حکم کے سامنے کوئی چوں وچرا کی ہمت نہیں اس کا سہم چڑھا ہوا ہے کہ حضرت نے اجازت نہ دی اور منع فرمایا تو پھر کیا کروں گا بس یہ خدمت تیرے سپرد ہے کہ حضرت سے بخوشی اجازت دلوا دے۔[2]

اور جب مولانا میرٹھی نے اجازت دلوانے کا وعدہ کر لیا تو اتنے زیادہ خوش ہوئے کہ فرحت و سرور سے چہرہ چمکنے لگا اور "الحمد للہ الحمد للہ اب اطمینان ہو گیا" کہتے

---

[1] تذکرۃ الخلیل صـ ۲۶۹ [2] ایضاً صـ ۲۶۶

www.abulhasanalinadwi.org

ہوئے اٹھ بیٹھے جیسے کوئی تکلیف نہ ہو۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب دام لطفہ ارشاد فرماتے ہیں۔

"حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب نے کسی موقع پر فرمایا تھا کہ سیاسیات میں جو کچھ مراجعت کرنی ہو حضرت شیخ الہند کی طرف کی جائے مگر سلوک میں حضرت سہارنپوری کی طرف، میں نے حضرت کو اس لائن میں بہت اونچا پایا ہے"[1]

مولانا عاشق الٰہی صاحب لکھتے ہیں۔

دونوں حضرات کی باہمی مخلصانہ محبت اتنی متعدی ہو چکی تھی کہ ان کے متوسلین اُن کو گویا شیخ ہی سمجھتے تھے اور ان کے متعلقین ان کو پیر کے حکم میں مانتے تھے، حضرت مولانا رائے پوری کے اس رنگ کو میں نے بارہا غور سے دیکھا کہ حضرت کے تشریف رکھتے ہوئے کوئی صاحب آتے اور مصافحہ کرنے کے لئے مولانا کی طرف بڑھتے تو حضرت مولانا اپنے ہاتھ سمیٹ لیتے اور حضرت کی طرف اشارہ کر کے ان کو تنبیہ فرماتے کہ گستاخ نہ بنو پہلے حضرت سے مصافحہ کرو کہ اقدم و افضل ہیں۔[2]

حضرت مولانا اکثر رائے پور تشریف لے جاتے اور مولانا رائے پوری سہارنپور آتے وہ دن جب دونوں اکٹھا ہوتے روز عید ہوتا دونوں خوشی و مسرت میں ڈوب جاتے دو شیخوں میں ایسی محبت و یگانگت بہت کم دیکھنے میں آئی ہے۔

مولانا رائے پوری کے مرض الوفات میں حضرت مولانا نے کسی کو بھیج کر کہلوایا کہ آپ نے اپنے بعد کیا انتظام کیا ہے، مولانا نے مدرسہ کے وقف اور اس کی جائداد وغیرہ کے متعلق جو انتظامات کئے تھے ان کا ذکر فرمایا، حضرت مولانا نے فرمایا کہ میں ان چیزوں کو نہیں پوچھتا اپنے کام کے متعلق کیا کیا؟ مولانا نے اپنے خلفاء میں سے

---

[1] سوانح حضرت مولانا عبدالقادر رائپوری صفحہ ۸۰ [2] تذکرۃ الخلیل صفحہ ۲۶۹

www.abulhasanalinadwi.org

تین صاحبوں (۱) مولانا اللہ بخش بھاولنگری (۲) منشی رحمت علی صاحب جالندھری (۳) مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوری کا نام لیا۔

یہی مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوری حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب رائپوری کے جانشین ہوئے اور ان کے دم قدم سے رائے پور کی خانقاہ آباد ہوئی اور ہزاروں لاکھوں نے استفادہ باطنی کیا اور مرجع خلائق بنے نوراللہ مرقدہ و بر داللہ مضجعہ۔

یہی حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوری اپنے شیخ و مرشد حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب رائے پوری کے وصال کے بعد حضرت مولانا خلیل احمد صاحب نوراللہ مرقدہٗ سے عرض کرتے ہیں۔

"حضرت کا تو وصال ہو گیا اب میں حضرت سے تجدید بیعت کرنا چاہتا ہوں۔

حضرت سہارنپوری نے اول حالات دریافت فرمائے اور پھر ارشاد فرمایا کہ اللہ کا شکر ہے اس کی کوئی ضرورت نہیں کوئی بات پوچھنی ہو تو میں حاضر ہوں"[1]

شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب

حضرت مولانا خلیل احمد صاحب اور شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب تقریباً ہم عمر تھے دونوں کی عمروں میں صرف ایک سال کا فرق تھا شیخ الہند ۱۲۶۸ھ میں پیدا ہوئے اور حضرت مولانا ۱۲۶۹ھ میں، کچھ دنوں دونوں ہم سبق بھی رہے اس کے بعد ایک ہی شیخ و مرشد حضرت گنگوہی سے بیعت ہوئے اور دونوں کو اجازت وخلافت ملی، ۱۳۰۸ھ سے ۱۳۱۴ھ تک دونوں کا دارالعلوم دیوبند میں بحیثیت مدرس کے ہمہ وقت ساتھ رہا جس کی وجہ سے آپس میں محبت و مودت، انس و یگانگت بہت

---

[1] سوانح حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائپوری صفحہ ۹۰

www.abulhasanalinadwi.org

زیادہ رہی بلکہ بے تکلفی کی حد تک تعلقات بڑھ گئے تھے۔ ۱۳۲۲ھ میں شیخ الہند مدرسہ مظاہر علوم کے سرپرست بنائے گئے جہاں حضرت مولانا صدر مدرس تھے اس سے اور زیادہ قربت بڑھی اور پھر آخر تک سیاسی، علمی، دینی و روحانی اتحاد رہا اور ایک دوسرے کے ہمراز، غمگسار اور مشیر کار بنے رہے، مولانا عاشق الٰہی صاحب ان دونوں کے آپسی تعلقات، اتحاد و یگانگت کا حال اس طرح لکھتے ہیں ۔

"ہم عمری کے ساتھ بچپن میں دونوں میں ہم سبق اور ہم مکتب ہونے کا اتحاد رہا اور پھر ایک شیخ کے دامن گرفتہ اور پیر بھائی ہونے کے تعلق نے تو اس یگانگت کو ایسا شیریں بنا دیا گویا ایک جان اور دو قالب بن گئے[1]

ان دونوں میں اتحاد و یگانگت کا یہ حال تھا کہ ایک دوسرے کی بات ٹالنا پسند نہیں کرتے تھے ان دونوں میں سے کسی سے کوئی کام لینا ہوتا تو دوسرے کے ذریعہ وہ بخوبی لیا جا سکتا تھا یہ کمال اتحاد کی بات ہے اس سلسلہ کا ایک دلچسپ واقعہ ہے ۔

ایک جگہ علماء کا اجتماع تھا حضرت شیخ الہند بھی تھے اور حضرت مولانا بھی، حاضرین میں ہر طرح کے لوگ تھے لوگوں نے خواہش کی کہ شیخ الہند سے وعظ سنا جائے مگر عرض کرنے کی کسی کو ہمت نہیں ہوئی لوگوں نے حضرت مولانا کو واسطہ بنایا کہ آپکے کہنے سے شیخ الہند وعظ فرمائیں گے اور آپ کی بات نہ ٹالیں گے حضرت مولانا راضی ہو گئے اور پھر شیخ الہند سے فرمایا ۔

دوستوں کی خواہش ہے کہ آج بعد ظہر کچھ بیان فرما دیجئے شیخ الہند نے ارشاد فرمایا ۔ مجھے تو وعظ کہنا ہی نہیں آتا، حضرت مولانا نے جواب دیا — یہ کون کہتا ہے کہ آپ کو وعظ کہنا آتا ہے اور آپ وعظ کہیں درخواست یہ ہے کہ جس طرح مدرسہ

---

[1] تذکرۃ الخلیل صفحہ ۱۶۴

www.abulhasanalinadwi.org

میں بیٹھ کر حدیث کا ترجمہ فرماتے ہیں یہاں مسجد میں بیٹھ کر کسی حدیث کا ترجمہ سنادو۔

شیخ الہند نے فرمایا۔ اچھا مگر اس شرط پر کہ تم موجود نہ ہو۔

حضرت مولانا بولے۔ بہت اچھا مجھ سے اتنی وحشت ہے تو میں بعد نماز چلا آؤں گا میری وجہ سے صدہا لوگ کیوں محروم رہیں۔

شیخ الہند اس پر مسکرا دیئے اور حضرت مولانا نے لوگوں سے کہدیا کہ جائیے درخواست منظور ہے اور بعد نماز ظہر مولانا کا بیان ہو گا۔

بعد نماز ظہر جب شیخ الہند سے عرض کیا گیا کہ ممبر پر تشریف رکھیں تو اٹھے نہیں جب حضرت مولانا سنتیں پڑھ کر قیام گاہ چلے گئے تو بیچ کے در میں بیٹھ کر بیان شروع کیا اور وہ وعظ کہا کہ سارے حاضرین دم بخود ہو گئے، تاثر کا یہ عالم تھا کہ ہر دل میں حلاوت پیدا ہو گئی اور آنکھیں نم ہو گئیں، حضرت مولانا کچھ دیر قیام گاہ پر رہے پھر خاموشی سے آکر شیخ الہند کے پیچھے بیٹھ گئے وعظ ختم ہوا اور حضرت مولانا فوراً اٹھ کر پیچھے سے قیام گاہ پہنچ گئے دوسرے وقت حضرت مولانا نے شیخ الہند سے فرمایا۔

تم نے تو بہتیرا چاہا کہ سب وعظ سنیں مگر خلیل احمد نہ سنے لیکن ہم نے سن ہی لیا۔

شیخ الہند نے فرمایا۔ کس طرح ؟

حضرت مولانا بولے۔ ہم بھی تمھارے پس پشت ایک گوشہ میں آبیٹھے۔

شیخ الہند نے فرمایا۔ پشت پناہ بننے کے لئے تم آئے کدھر سے اور وعدہ کرنے کے بعد خلاف کیسے کیا ؟

حضرت مولانا نے فرمایا۔ میں نے تو یہی کہا تھا کہ نماز کے بعد چلا آؤں گا، اور آخر اس کی کوئی وجہ بھی ہے کہ عمر بھر میں ایک وعظ ہو اور وہی ہمارے کانوں میں نہ پڑے [1]

---

[1] خلاصہ از تذکرۃ الخلیل صفحہ ۱۶۵ تا ۱۶۶

www.abulhasanalinadwi.org

شیخ الہند ہمیشہ مظاہر علوم کے سالانہ جلسہ میں شرکت فرماتے تھے اور حضرت مولانا کے ساتھ اٹھتے بیٹھتے تھے اور انتہائی بے تکلفی کا معاملہ فرماتے تھے حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب دام لطفہ تحریر فرماتے ہیں۔

"شوال ۱۳۳۳ھ سے پہلے مظاہر کے جلسہ میں ہر سال حضرت شیخ الہند، اعلیٰ حضرت رائے پوری اور حضرت تھانوی تینوں حضرات کی حضرت سہارنپوری قدس سرہٗ کی خدمت میں تشریف آوری کا منظر بھی خوب دیکھا، اس مجلس میں مجمع تو بہت بڑا ہو جاتا تھا لیکن یہ چاروں اکابر ممتاز جگہ پر ایک ہی مقام پر تشریف فرما ہوتے، اس میں حضرت شیخ الہند اور حضرت سہارنپوری کی نشست تو بہت مساویانہ ہوتی تھی اور گفتگو بھی بہت مساویانہ ہوتی تھی، زیادہ ادب و احترام نہیں ہوتا تھا، اعلیٰ حضرت اقدس رائے پوری اور حضرت اقدس تھانوی کی نشست ان دونوں حضرات کے سامنے مؤدبانہ ہوتی تھی اور گفتگو بھی بہت مؤدبانہ، حضرت شیخ الہند قدس سرہٗ کی تشریف آوری حجاز کے یکسالہ سفر سے پہلے جلسہ کے علاوہ بھی کبھی کبھی ہوتی رہتی تھی[1]۔"

۱۳۳۳ھ کے حج سے پہلے مظاہر علوم میں وہ مشورہ ہوا جس کا ذکر پہلے آچکا ہے کہ اس مشورہ میں صرف چار آدمی تھے (۱) حضرت شیخ الہند (۲) حضرت مولانا خلیل احمد صاحب (۳) حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری (۴) حافظ احمد صاحب رامپوری اس مشورہ میں بڑے اہم مشورے ہوئے جن کی اطلاع دوسروں کو نہ ہو سکی اسکے بعد دونوں بزرگوں (شیخ الہند اور حضرت مولانا) نے حج کا سفر کیا، گئے تو دونوں الگ الگ اس لئے کہ حکومت کی نگاہ میں دونوں مخدوش تھے خیال یہ ہوا کہ اگر ایک

---

[1] آپ بیتی نمبر ۴ صفحہ ۲۹، ۳۰

www.abulhasanalinadwi.org

گرفتار ہو جائے تو دوسرا حجاز پہنچ جائے، حجاز پہنچ کر دونوں اکٹھے ہو گئے اور انور پاشا، غالب پاشا سے ملاقاتوں میں دونوں شریک رہے، جس کا ذکر گزشتہ اوراق میں آچکا ہے۔ اسی سفر میں حضرت شیخ الہند گرفتار ہوئے اور مالٹا بھیجے گئے اور حضرت مولانا واپس ہوئے اور بمبئی میں گرفتار ہو کر نینی تال بھیجے گئے۔

۱۳۳۸ھ میں شیخ الہند کو رہا کیا گیا ۲۶ رمضان المبارک ۱۳۳۸ھ کو دیوبند پہنچے، دوسرے دن حضرت مولانا ملاقات کی خاطر دیوبند تشریف لے گئے اور مدتوں تک علیحدہ رہنے والے دونوں اکابر جس گرمجوشی سے ملے وہ حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کے الفاظ میں پڑھیے۔

> اُن دونوں اکابر کا بغل گیر ہونا بھی خوب یاد ہے اور حضرت شیخ الہند کا نہایت مسرت کے ساتھ یہ ارشاد کہ "مولوی حسین احمد مولانا کے لئے سبز چائے بناؤ" بھی خوب یاد ہے حضرت شیخ الاسلام قدس سرہٗ نے نہایت مسرت کے لہجہ میں فرمایا حضرت ابھی لاتا ہوں۔[1]

حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی

حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی اگرچہ عمر میں حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سے چھوٹے تھے لیکن چونکہ براہ راست حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی سے بیعت تھے اور انھیں کے مجاز تھے نیز حضرت گنگوہی سے انتہائی تعلق، محبت اور عقیدت و مودت کا معاملہ کرتے تھے۔ اسی نسبت سے حضرت مولانا سے بھی قلبی تعلق رکھتے تھے۔ ۱۳۱۵ھ تک کانپور میں رہے پھر تھانہ بھون میں مستقل سکونت اختیار کر لی اور اسی وقت سے حضرت مولانا سے تعلق پیدا ہوا اور وہ بڑھتا ہی رہا، مدرسہ مظاہر علوم کے سالانہ جلسوں میں برابر

۱؎ آپ بیتی نمبر ۴ صفحہ ۲۶

www.abulhasanalinadwi.org

شرکت کرتے اور تین تین گھنٹہ مُؤثر تقریر کرتے حضرت مولانا کی خدمت میں تشریف لاتے اور اس طرح پیش آتے جیسے ایک شاگرد اپنے شفیق استاذ سے پیش آتا مدرسہ کے سرپرست بھی رہے اس وجہ سے حضرت مولانا سے قریب تر رہے حضرت مولانا کی وفات کے بعد "خوان خلیل" نام کی ایک کتاب تصنیف کی جس میں حضرت مولانا کے صفات وکمالات اپنے تعلق اور عقیدت واحترام، تاثرات وکیفیات کا اظہار کیا ہے۔

حکیم الامت حضرت مولانا سے اپنے تعلقات کی ابتدا کا ذکر اس طرح کرتے ہیں۔

"یوں تو مولانا سے اس احقر کو مدت دراز سے نیاز حاصل تھا لیکن زیادہ خصوصیت اس زمانہ سے ہوئی جب سے میں کانپور کا تعلق چھوڑ کر وطن میں مقیم ہوا اور سہارنپور کی آمد ورفت میں کثرت ہوئی جس میں مظاہر علوم کے سالانہ جلسہ کے موقع پر تو گویا بالالتزام حاضری ہوتی تھی اور متفرق طور پر بکثرت آنا جانا رہتا تھا اور ہر حاضری میں طویل طویل اوقات مولانا کی صحبت میں مستفید رہتا اور عجیب بات یہ ہے کہ باوجودیکہ میں ہر طرح چھوٹا تھا عمر میں بھی طبقہ میں بھی اور علم وعمل میں بھی تو مجھ کو کوئی نسبت ہی نہ تھی اس میں تو چھوٹے بڑے ہونے کی نسبت کا ذکر بھی ایک درجہ میں ادعا ہے علم وعمل کا مگر مولانا کا برتاؤ مساویانہ تو یقینی ہی تھا بعض اوقات ایسا برتاؤ فرماتے تھے کہ جیسے چھوٹے کرتے ہیں بڑوں کے ساتھ اس سے زیادہ کیا درجہ ہوگا تواضع کا[1]"

اس کے آگے حکیم الامت حضرت مولانا سے اپنے تعلق ومحبت اور عقیدت واحترام کا ذکر اس طرح کرتے ہیں۔

---

[1] خوان خلیل ص۶

www.abulhasanalinadwi.org

۱۔ مولانا نے اپنے ایک معتقد خاص سے فرمایا تھا کہ مجھ کو اشرف سے اس وقت سے محبت ہے جس وقت اس کو خبر بھی نہ تھی۔[1]

۲۔ باوجود میرے کم رتبہ ہونے کے گاہ گاہ مجھ کو ہدایا سے بھی مشرف فرمایا ہے۔[2]

۳۔ " گاہ گاہ غریب خانہ کو بھی اپنے اقدام سے مشرف فرماتے تھے مجھ کو یاد ہے کہ غالباً جب اول بار تشریف آوری ہوئی تو احقر نے جوش محبت میں کھانے میں کسی قدر تکلف بھی کیا اور اہل قصبہ میں سے بھی بعض عمائد کو مدعو کر دیا کہ عرفاً یہ بھی معزز ضیف کا اکرام ہے (ان بعض عمائد نے میری اس خدمت کا یہ حق ادا کیا کہ بعد جلسہ دعوت کے مجھ کو بدنام کیا کہ طالب علم ہو کر اتنا تکلف کیا پانچ چھ کھانے والوں کے سامنے بہتر یا باسٹھ برتن تھے میں عدد بھول گیا کہ کون سا فرمایا تھا اس روایت کے قبل مجھ کو تکلف کے مقدار کی طرف التفات بھی نہ ہوا تھا) مولانا نے مزاحاً فرمایا کہ یہ تکلف کیوں کیا گیا میں نے عرض کیا کہ اس کا سبب خود حضرت ہی ہیں اگر بکثرت کرم فرماتے تو ہرگز تکلف نہ کرنا یہ تقلیل سبب ہے اس تکثیر کا اس کے بعد آمد کی تکثیر ہو گئی اور تکلف کی تقلیل۔[3]

جس طرح حکیم الامت کو حضرت مولانا سے کمال درجہ کی عقیدت تھی اسی طرح حضرت مولانا کو حکیم الامت سے محبت تھی اس سلسلہ کا ایک عجیب واقعہ ہے وہ یہ کہ بعض لوگوں نے حکیم الامت کے خلاف بعض غلط روایتیں مشہور کر کے حضرت مولانا تک پہنچا دیں حکیم الامت کو اس کا جب علم ہوا تو بہت پریشان ہوئے اور اس خیال سے کہ حضرت مولانا کے دل میں کوئی تکدر نہ پیدا ہو حقیقت حال سے مطلع کیا حضرت مولانا نے حکیم الامت کو حسب ذیل جواب مرحمت فرمایا۔

---

[1] [2] خوان خلیل ص۵

[3] خوان خلیل ص۷

www.abulhasanalinadwi.org

"معلوم نہیں لوگوں کو کیا مزہ آتا ہے کہ غلط روایتیں پہنچا کر اہل خیر کے قلوب کو دکھاتے ہیں مجھ ناچیز کو جو تعلق اور محبت تھی عقیدت بحمد للہ موجود ہے

آں نیست کہ حافظ را ہرت رود از خاطر
آں وعدہ پیشینش تا روز پسیں باشد

جو قلبی محبت اور جس کو ذخیرۂ آخرت سمجھ رکھا ہو وہ انشاء اللہ تعالیٰ بدل نہیں سکتی جو روایتیں پہونچی ہیں ان میں مبالغہ سے بہت کام لیا گیا ہے

انتہی[1]

حکیم الامت حضرت مولانا کے علم و فضل، تواضع و سادگی اور دوسرے صفات کے بہت قائل تھے اور مختلف موقعوں پر ان صفات کا ذکر فرمایا ہے۔

ایک جگہ تحریر فرمایا۔

"مولانا میں حضرات سلف کی سی تواضع تھی کہ مسائل و اشکالات علمیہ میں اپنے چھوٹوں سے بھی مشورہ فرماتے تھے اور چھوٹوں کے موضوعات شرح صدر کے بعد قبول فرما لیتے تھے[2]

حکیم الامت حضرت تھانویؒ نے خوان خلیل میں کئی ایسے واقعات تحریر فرمائے ہیں جن میں حضرت مولانا کے مختلف صفات حسنہ اور کمالات کا ذکر کیا ہے ان واقعات میں ایک واقعہ اس طرح لکھا کہ ایک جگہ تقریر کرنے تشریف لے گئے اس تقریر کے بعد ایک ایسی جگہ تقریر کا اعلان ہو گیا جہاں مخالفین بھی تھے اور ہنگامہ کا اندیشہ بھی تھا حکیم الامت وہاں تقریر پر راضی نہ ہوئے اور خلاف مصلحت سمجھ کر انکار کر دیا حضرت مولانا نے ارشاد فرمایا۔

اگر ایسا ہو بھی تب بھی تبلیغ حق میں ایسے امور کی پرواہ نہ کرنا چاہیے۔

---

[1] خوان خلیل صہ ۹ [2] ایضاً صہ ۱۲

www.abulhasanalinadwi.org

حکیم الامت فرماتے ہیں کہ مولانا کے ارشاد پر میں خاموش ہو گیا گو میری رائے اب بھی وہی تھی کہ جانا مناسب نہیں۔

اور یہ حضرات تشریف لے گئے جب پہنچے تو رنگ بدلا ہوا پایا نہ کسی نے سلام کیا نہ کلام کیا، بلکہ ایک صاحب نے اعلان کر دیا کہ وعظ نہیں ہوگا اس پر ہنگامہ برپا ہو گیا اور شور و غل ہونے لگا اور قریب تھا کہ خون ہو جائے دونوں حضرات اٹھ گئے اور روانہ ہو گئے راستہ میں پولیس ملی اس نے کہا چلئے وعظ کہیے، اس پر حکیم الامت بولے سبحان اللہ کیا موقع پر پہنچے ہیں یہاں تو خون ہو جاتا آپ کا آنا کس مصرف کا ہوا اب وعظ نہیں ہو سکتا وعظ کیا ہوا کھیل ہوا یہ وہی بات ہوئی

بس ازاں کہ من عالم بچہ کار خواہی آمد

اور وہ بات ہوئی۔ ہماری جان گئی آپ کی ادا ٹھہری

اس وقت مولانا یہ فرما رہے تھے کہ راہ حق میں ایسی کلفت بھی کیسی لذت بخش ہے[1]۔

حضرت مولانا کے اس پر عزیمت فقرہ کے نقل فرمانے کے بعد حکیم الامت حضرت تھانوی تحریر فرماتے ہیں۔

"مقصود اس قصہ کے نقل کرنے سے مولانا کا یہ قول نقل کرنا تھا جس سے مولانا کا مذاق وامر بالمعروف ونہی عن المنکر وَاصْبِرْ عَلٰی مَا اَصَابَکَ کے اتباع کا کس قدر وضوح سے ثابت ہوتا ہے جس میں اپنی ہمت کو تمام دیکھتا تھا، آخر ضعیف و قوی اور ناقص و کامل میں فرق تو ہونا چاہئے ولنعم ماقیل فی مثل هذا۔

بساز دعشق را کنج سلامت خوشا رسوائی کوئے ملامت

---

[1] خوان خلیل ص۳۱

www.abulhasanalinadwi.org

ونی ذلک فلیتنافس المتنافسون[1]

حضرت مولانا کی طرف اپنے انجذاب اور کشش کی کیفیت اس طرح بیان فرماتے ہیں۔

"احقر کو بعض امور اجتہادیہ، ذوقیہ، متعلقہ معاشرت و انتظام میں رائے کا اختلاف تھا اور اس اختلاف کے ہوتے ہوئے میرا یہ خیال تھا کہ مجھ کو مولانا سے صرف اعتقاد عقلی ہو سکتا ہے انجذاب طبعی نہ ہوگا مگر کیفیت یہ تھی کہ حاضری تو حاضری تصور کرنے سے اس قدر انجذاب ہوتا تھا کہ میری سمجھ میں نہ آتا تھا اور غالباً اسی کا اثر ہوگا کہ خواب میں کبھی زیارت ہوتی تو اسی شان سے ہوتی یہ کھلی دلیل ہے محبوبیت کی کہ محب کو گمان بھی نہیں بلکہ احتمال عدم کا ہے مگر طبیعت ہے کہ کھینچی چلی جاتی ہے اور میں اسکو اللہ تعالیٰ کا فضل اور رحمت اپنے اوپر سمجھتا ہوں کہ اس اختلاف کے ضرر سے مجھ کو محفوظ رکھا۔"[2]

شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی

شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ اگرچہ عمر میں ۲۷ سال چھوٹے تھے اور ایک لحاظ سے حضرت مولانا کے شاگرد بھی تھے مگر ایک ہی شیخ کے مرید اور اجازت یافتہ تھے یعنی حضرت گنگوہی کے اجلہ خلفاء میں حضرت مولانا بھی تھے بلکہ سابقین اولین میں تھے اور انھیں سے مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی بھی بیعت اور مجاز تھے ان رشتوں کی بنا پر حضرت مدنی حضرت مولانا کا بڑا ادب و احترام فرماتے تھے اور اطاعت و انقیاد میں سب سے آگے رہتے تھے، حضرت مدنی ۱۳۰۹ھ میں دیوبند تشریف لے گئے اور اسی سال شیخ الہند نے

---

[1] خوان خلیل صـ۲۰ [2] تذکرۃ الخلیل صـ۳۵۳

www.abulhasanalinadwi.org

حضرت مولانا کے حلقہ درس میں ان کو بٹھایا اور خود تو حدیث پڑھائی اور حضرت مولانا نے دوسری بعض کتابیں، اس کے علاوہ حضرت مدنی اپنے شفیق استاذ و مربی حضرت شیخ الہند کو دیکھتے کہ وہ حضرت مولانا کا نہ صرف یہ کہ خیال کرتے ہیں بلکہ بے تکلف دوستوں اور ہر وقت کے اٹھنے بیٹھنے والوں میں ہیں اس لئے ان کے دل میں بھی حضرت مولانا کی وہ عظمت پیدا ہوئی جس کی مثال نہیں ملتی، حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مدظلہ العالی تحریر فرماتے ہیں۔

"میں نے بارہا دیکھا کہ جب حضرت مدنی قدس سرہ کی آمد حضرت مرشدی سیدی قدس سرہٗ کی خدمت میں ایسے وقت ہوتی جب حضرت کا درس جاری ہوتا تو بہت خاموشی سے آکر قاری کے برابر بیٹھ جاتے نہ سلام، نہ مصافحہ، نہ ملاقات، اور جب قاری حدیث ختم کرتا تو اس کو اشارہ سے روک کر خود حدیث کی قرأت شروع کر دیتے، اس سے پہلے حضرت کو حضرت مدنی کی آمد کا حال معلوم ہو جاتا اور سبق کے ختم پر سلام اور مصافحہ وغیرہ ہوا کرتا اللہ جل شانہٗ اس سیہ کار کو بھی حسن ادب کی توفیق عطا فرمائے جب حضرت (مدنی) کراچی جیل سے تشریف لائے اس وقت کا منظر ہمیشہ آنکھوں کے سامنے رہے گا حضرت مرشدی قدس سرہ مکان تشریف لے جا رہے تھے اور حضرت مدنی اسٹیشن سے تشریف لا رہے تھے مدرسہ قدیم کی مسجد کے دروازے پر آمنا سامنا ہوا حضرت مدنی قدس سرہ حضرت مرشدی قدس سرہ کے ایکدم قدموں میں گر پڑے حضرت سہارنپوری قدس سرہٗ نے جلدی سے پاؤں پیچھے کو ہٹا کر سینہ سے لگا لیا اور طرفین کی آنکھوں میں آنسو بھر گئے۔"[1]

حضرت مدنی نے اپنی خود نوشت سوانح "نقش حیات" میں متعدد جگہ حضرت مولانا

---

[1] آپ بیتی نمبر ۴ صفحہ ۱۱۳، ۱۱۴

www.abulhasanalinadwi.org

کا ذکر خیر کیا ہے اور ان کے علم و فضل کا دل کھول کر اعتراف کیا ہے، حضرت مولانا کو اپنا استاذ اور مقتدا بنایا ہے اور جس عظمت کے ساتھ ان کو یاد کیا ہے وہ ایک دوسرے کا آپس میں خیال، تعلق اور محبت و عظمت کا بین ثبوت ہے۔ شیخ الاسلام حضرت مدنی نے زندگی بھر حضرت شیخ الہند کے بعد حضرت مولانا کے حکم کو جس طرح مانا اور اپنی خواہش و ارادہ کو ان کے حکم پر قربان کیا ہمعصروں میں اس کی مثال نہیں ملتی، مدرسہ مظاہر علوم میں ہر سال جلسہ میں حکیم الامت حضرت تھانوی تشریف لاتے اور وعظ فرماتے تھے ایک بار انھوں نے معذرت فرمائی اس وقت حضرت مدنی کلکتہ میں تھے حضرت مولانا نے ان کو شرکت کی دعوت دی وہ فوراً اپنا کام چھوڑ کر پہنچے۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب زید لطفہ تحریر فرماتے ہیں۔

"جب اعلیٰ حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ نے بعض اعذار کی وجہ سے مدرسہ کے جلسہ میں تشریف آوری سے عذر فرما دیا تو میرے حضرت قدس سرہ نے حضرت مدنی کو تار دیا جو اس وقت کلکتہ تشریف فرما تھے کہ جلسہ میں تمہاری شرکت ضروری ہے حضرت مدنی کو اللہ تعالیٰ بہت ہی جزائے خیر عطا فرمائے کسی دوسری جگہ تشریف لے جانا تھا وہاں التوا کا تار دے کر فوراً سہارنپور تشریف لے آئے چونکہ خاص طور سے بلائے گئے تھے اس لئے مدرسہ کے مہمان خانہ میں حضرت مدنی کے قیام کا اہتمام میرے حضرت قدس سرہ نے فرمایا تھا تانگہ سے اتر کر حضرت مدنی مدرسے میں تشریف لے گئے، میرے حضرت سے مصافحہ اور دست بوسی فرمائی"[1]

---

[1] آپ بیتی نمبر ۴ صفحہ ۹۵

www.abulhasanalinadwi.org

امام اہل سنت مولانا عبدالشکور صاحب فاروقی

چونکہ حضرت مولانا کو رد شیعیت میں بڑا ملکہ حاصل تھا اور آپنے شیعی کتب کا بڑا مطالعہ کیا تھا پھر اس موضوع پر دو اہم کتابیں تصنیف فرمائی تھیں۔ (۱) المطرقۃ الکرامہ (۲) ھدایات الرشید اس لئے قدرتی طور پر مولانا عبدالشکور صاحب فاروقی سے بڑی اپنائیت اور تعلق پیدا ہو گیا تھا۔ مولانا عبدالشکور صاحب فاروقی کی زندگی کا مقصد اور طریقہ کار ہی رد شیعیت تھا اور انھوں نے اس سلسلہ میں ناقابل فراموش خدمات انجام دیں خصوصاً لکھنؤ میں ان کی کوششوں کے جو نتائج برآمد ہوئے وہ لکھنؤ کے اہل سنت والجماعت کبھی فراموش نہیں کر سکتے اس لئے بجا طور پر انکو "امام اہل سنت" کا لقب دیا گیا اور وہ اسی نام سے مشہور ہوئے، مولانا عبدالشکور صاحب کو بھی حضرت مولانا سے اتنا زیادہ تعلق ہو گیا تھا کہ اکثر سہارنپور آتے اور حضرت مولانا کی خدمت میں کئی کئی روز رہتے، مدرسہ کے جلسوں میں شرکت کرتے اور تقریر کرتے اور ۱۳۳۶ھ میں تو حضرت مولانا سے مسلسلات کی سند بھی حاصل کی جو آپ پڑھ چکے ہیں مولانا عبدالشکور صاحب کو اپنے شاگردی اور حضرت مولانا سے تلمذ پر فخر بھی تھا جو سند فراغت دارالمبلغین کے طلباء کو دیا کرتے تھے اس میں یہ درج ہے کہ میں نے حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سے حدیث پڑھی اسی لئے وہ حضرت مولانا کا اس درجہ احترام کرتے جیسے ایک سعید شاگرد اپنے محسن استاذ کی کرتا ہے اس طرح حضرت مولانا ان سے اتنی محبت کرتے جیسے ایک استاذ اپنے شاگرد رشید سے محبت کرتا ہے۔

"ایک بار مولانا عبدالشکور صاحب اپنے دو صاجزادوں مولوی عبدالغفور صاحب مرحوم اور مولوی عبدالمھیمن صاحب کے ساتھ سہارنپور تشریف لے گئے عصر کے وقت گاڑی پہونچی اسٹیشن کے باہر پہنچے کچھ ہی دور گئے تھے کہ سامنے سے ایک تانگہ آتا ہوا نظر آیا جس پر حضرت مولانا تشریف فرما تھے اور آپ کے ساتھ مولانا

www.abulhasanalinadwi.org

عبداللطیف صاحب بھی تھے مولانا عبدالشکور صاحب کو دیکھ کر حضرت مولانا نے تانگہ رکوالیا۔ حضرت مولانا باہر کسی جگہ تشریف لے جارہے تھے سامان سفر کافی تھا اپنا سفر ملتوی کر دیا مولانا عبدالشکور صاحب نے بہتیرا عرض کیا کہ حضرت جہاں تشریف لے جارہے ہیں تشریف لے جائیں میں حضرت کا انتظار کرونگا مگر حضرت مولانا نے فرمایا آپ آئیں اور میں چلا جاؤں ایسا نہ ہوگا اور مدرسہ واپس ہوگئے راوی کہتے ہیں کہ میری عمر کم تھی اور پہلی بار میں نے حضرت کو دیکھا اتنا حسین وجمیل اور خوش پوشاک آدمی میں نے نہیں دیکھا تھا۔[1]

مولانا عبدالشکور صاحب فاروقی پر حضرت مولانا کو کتنا اعتماد تھا، امروہہ کے مشہور شیعہ سنی مناظرہ کے دوران حضرت مولانا نے جو کلمات فرمائے تھے اس کا ثبوت ہیں، حضرت مولانا نے جب مولانا عبدالشکور صاحب کو مناظرہ کے لئے کھڑا کیا تو فرمایا مولانا کی جیت میری جیت ہے اور مولانا کی ہار میری ہار ہے اس کے علاوہ اور بھی بعض ایسے کلمات فرمائے جن سے کلی اعتماد کا اظہار ہوتا تھا۔

مولانا عبدالشکور صاحب "النجم" اخبار نکالتے تھے جس میں اہل تشیع کے عقائد کا ذکر اور اہل سنت کے عقائد کی تشریح ہوتی تھی اور شیعی اعتراضات کا جواب دیا کرتے تھے "النجم" بہت پڑھا جاتا تھا خود حضرت مولانا پابندی سے مطالعہ فرماتے تھے ایک بار ایک شیعہ مناظر سید مصطفیٰ حسین نے اہل سنت پر چند اعتراضات کئے اور دعوت مناظرہ دی مولانا عبدالشکور صاحب نے اس کے جوابات دیئے حضرت مولانا نے "النجم" کو دیکھ کر خود ایک مضمون تحریر فرمایا اور مولانا عبدالشکور صاحب کو حسب ذیل الفاظ پر مشتمل ایک مکتوب ارسال کیا جس میں تحریر فرمایا۔

حامدًا ومصلیا از بندہ خلیل احمد، بگرامی خدمت مکرم ومحترم مولانا مولوی عبدالشکور صاحب

---

[1] روایت مولوی عبدالمھیمن صاحب فاروقی

www.abulhasanalinadwi.org

بکارکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

آپ کے اخبار میں ایک عرصہ سے جناب سید مصطفیٰ حسین صاحب شیعی کے سوالات اوران کے جوابات شائع ہورہے ہیں، "صفر کا النجم" دیکھ کر مجھ کو بھی یہ خیال پیدا ہوا کہ میں بھی اس بحث میں حصہ لوں، شاید میری قسمت یاوری فرمائے اور مجھ ناچیز کی گذارش حضرت سید صاحب کے لئے تشفی بخش ہوکر سید صاحب کے رجوع الی الحق کا سہرا میری ہی تحریر کے سر بندھے۔

پھر حضرت مولانا نے سید مصطفیٰ حسین صاحب کو خطاب کرکے چند سوالات کئے، اور آخر میں تحریر فرمایا۔

"اس عاجزانہ تحریر کو اپنے اخبار کے کسی گوشہ میں جگہ دے کر بندہ کی عزت افزائی فرماویں۔ فقط

مولانا عبدالشکور صاحب، مولانا عین القضاۃ صاحب کے شاگرد تھے مولانا عین القضاۃ صاحب نے تجوید وقرات کی تعلیم کے لئے مدرسہ فرقانیہ" کی بنیاد رکھی اور اس مدرسہ نے بکثرت قرا اور مجود پیدا کئے حضرت مولانا کو قرأت قرآن اور تجوید سے بڑا شغف تھا اسی راہ سے مولانا عین القضاۃ صاحب سے ارتباط پیدا ہوا اور بعض قرا کو جو مولانا عین القضاۃ صاحب کے معتمد علیہ تھے اوران کو مولانا عین القضاۃ صاحب کا قرب واختصاص حاصل تھا، جب وہ سہارنپور گئے اور حضرت مولانا کی خدمت میں حاضر ہوئے حضرت مولانا نے ان کی تجوید کو سنا تو اتنا پسند فرمایا کہ مولانا عین القضاۃ صاحب سے کہہ کر مدرسہ مظاہر علوم میں روک لیا اور ان قرا نے اس مدرسہ میں رہ کر استفادہ وافادہ کیا اس تعلق وارتباط کی بناپر مولانا عبدالشکور صاحب کو حضرت مولانا سے اور قرب ہوا۔

مولانا عبدالشکور صاحب اگرچہ شاہ ابواحمد مجددی بھوپالی سے نقشبندی سلسلہ میں بیعت ومجاز تھے مگر حضرت مولانا سے بھی گہرا تعلق رکھتے تھے اور استفادہ کرتے

www.abulhasanalinadwi.org

تھے اور آپ کو اپنے شیخ و مرشد کی مانند سمجھتے تھے۔

مولانا سید عبدالحی صاحب سابق ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ

مولانا سید عبدالحی صاحب کا زیرنظر کتاب میں کئی جگہ ذکر آیا ہے، اور ان کی شہرۂ آفاق کتاب "نزہۃ الخواطر" سے جستہ جستہ اقتباس دیئے گئے ہیں انھوں نے ۱۳۱۲ھ میں سہارنپور اور دہلی نیز پورے دوآبہ کا دورہ کیا تھا اور مدارس خانقاہوں اور دینی مرکزوں میں گئے مشہور علماء و شخصیات سے ملے اس لئے ان کی رائے بڑی وقیع اور وزنی ہے، جن لوگوں نے ان کی کتاب نزہۃ الخواطر کا مطالعہ کیا ہے جو علماء و مشائخ کے حالات پر لکھی گئی ہے وہ اس کا صحیح اندازہ لگا سکتے ہیں کہ جن کے متعلق بھی مولانا موصوف نے اپنی رائے لکھی ہے اس میں مبالغہ سے کام نہیں لیا اور جچے تلے الفاظ استعمال کئے ہیں وہ حضرت مولانا کے متعلق حسب ذیل الفاظ استعمال کرتے ہیں۔

"الشیخ خلیل احمد له الملکة القویة والمشاهدة الجیدة فی الفقه والحدیث والید الطولی فی الجدل والخلاف والرسوخ التام فی علوم الدین والمعرفة والیقین

اور پھر اس کے کچھ آگے چل کر تحریر فرماتے ہیں۔

وکان رقیق الشعور، ذکی الحس، صادعًا بالحق صریحًا فی الکلام فی غیر جفاء، شدید الاتباع للسنة، نفورًا عن البدعة، کثیر الاکرام للضیوف، عظیم الرفق باصحابه، محب الترتیب والنظام فی کل شئ والمواظبة علی الاوقات مشتغلا بخاصة نفسه وبما ینفع فی الدین متنحیًا عن السیاسة مع الاهتمام بامور المسلمین والحمیة والغیرة فی الدین[1]

---

[1] نزہۃ الخواطر جلد ۸ ص ۱۳۶

www.abulhasanalinadwi.org

مولانا سید اصغر حسین صاحب دیوبندی

مولانا سید اصغر حسین صاحب دیوبندی ایک بڑے عالم و مدرس صوفی المشرب اور صاحب حال بزرگ تھے وہ مدتوں حضرت شیخ الہند کے ساتھ رہے اور ان سے استفادہ کیا ان کے حالات پر ایک کتاب بھی لکھی ہے، حضرت مولانا خلیل احمد صاحب نوراللہ مرقدہٗ کی بھی صحبت و خدمت کی سعادت پائی تھی اور ان کے حالات و کوائف کا مشاہدہ کیا تھا وہ حضرت مولانا کے متعلق تحریر کرتے ہیں۔

"حضرت شیخ الہند کے بعد ہندوستان میں تقدس و مقبولیت میں مولانا صاحب ہی کا درجہ سمجھا جاتا ہے اور حضرت مولانا رشید احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفۂ ارشد ہونے کے علاوہ مولانا صاحب سے دارالعلوم دیوبند کو اور بھی بہت سے قابل احترام تعلقات ہیں"[1]

السید احمد برزنجی مفتی شافعیہ مدینہ منورہ حجاز

حضرت مولانا ۱۳۲۳ھ میں حج کے لئے تشریف لے گئے مدینہ منورہ میں اسوقت سید احمد برزنجی شافعی مفتی تھے اور ان کے علم و فضل کا بڑا چرچا تھا، علماء وقت میں انکو بڑی مقبولیت حاصل تھی بڑے بڑے علماء ان سے حدیث کی سند لینے کو باعث فخر سمجھتے تھے حضرت مولانا ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حدیث کی سند کی خواہش کی انھوں نے نہ صرف یہ کہ سند عطا کی بلکہ سند دیتے ہوئے جن الفاظ میں حضرت مولانا کو یاد کیا وہ حضرت مولانا کے علو استعداد اور تبحر علمی پر شاہد ہیں تحریری سند دیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔

"صاحب الفضل والسماحة، والعلم والرجاحة الهمام الاورع والشهم السميدع الفائز من مدارك التقى با وفر نصيب والحائز من مسالك

---

[1] حیات شیخ الہند صـ ۴۷

www.abulhasanalinadwi.org

الهدى للمسلم المصيب ذى المجد الباذخ والجد الشامخ اللوذعى الكامل والعلامة الفاضل حضرة جناب الشيخ خليل احمد حفظه الله الصمد بلطفه المؤبد[1]

علمائے مدینہ کی نظر میں

حضرت مولانا ۱۳۲۳ھ کے حج سے فراغت کر کے مدینہ منورہ پہونچے تو آپ کی طرف طلباء اور علماء کا بڑا ہجوم ہوا اور رجوع عام ہوا اس لئے کہ آپ کے شاگردوں اور حلقہ بگوشوں کے علم وفضل کا یہ حال تھا کہ علماء ان سے استفادہ کرنا فخر کی بات سمجھتے تھے اور جب خود ہی حضرت مولانا تشریف لے گئے تو اہل علم طبقہ کا رجوع یقینی تھا شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی پہلے سے مسجد نبوی میں درس دیتے تھے اور ان کا ایک بڑا حلقہ پیدا ہو گیا تھا مولانا مدنی نقش حیات میں تحریر فرماتے ہیں۔

> ۱۳۲۴ھ کے ابتدا میں حضرت مولانا خلیل احمد صاحب قدس سرہ العزیز بعد از فراغت حج مدینہ منورہ تشریف لائے اور تقریباً پندرہ روز قیام فرمایا چونکہ موصوف میرے اساتذۂ کرام میں سے تھے اس لئے طلباء مدینہ منورہ کا ان کی طرف بہت ہجوم ہوا اور عموماً علماء مدینہ بھی ان کی زیارت اور دست بوسی کے لئے حاضر ہوتے رہے اور بہت بڑے مجمع نے اوائل کتب احادیث سنا کر مسجد شریف کے اندر بڑے حلقہ میں اجازت کتب حدیث وعلوم لی[2]

قاضی القضاۃ امیر ابن بلیہد

حضرت مولانا نے جب ہجرت فرمائی اس وقت سلطان ابن سعود کی حکومت حجاز میں قائم ہو چکی تھی آپ مدینہ منورہ میں قیام پذیر تھے کہ اس وقت کے سب سے بڑے عالم قاضی القضاۃ امیر ابن بلیہد جو عہدہ کے لحاظ سے بھی سب سے بڑے تھے اور سلطان ابن سعود بھی ان کی

---

[1] المسلسلات صد۵ [2] نقش حیات اول ص۱۰۰

www.abulhasanalinadwi.org

عزت کرنے پر مجبور تھے مدینہ منورہ تشریف لائے اتفاق سے مسجد نبوی میں جہاں حضرت مولانا کی نشست تھی وہاں قاضی صاحب اور سلطان ابن سعود بھی بیٹھے پہلی ملاقات اس طرح ہوی کہ ایک مسئلہ کے بارے میں خود حضرت مولانا نے ان سے سوال کیا، اور اسی سوال وجواب میں گفتگو طویل ہو گئی حضرت مولانا کے علم وفضل اور حاضر جوابی سے قاضی صاحب بہت متاثر ہوئے اور اس گفتگو کا پورے حرم نبوی میں بڑا شہرہ ہوا، اور نجدی علما تک متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے، پھر قاضی صاحب حضرت مولانا کے معتقد سے ہو گئے اور اکثر مسائل میں گفتگو کرنے لگے مولانا عاشق الہی صاحب تحریر کرتے ہیں۔

حضرت کی قاضی صاحب اور سلطان سے یہ پہلی ملاقات تھی جس میں حضرت نے اپنا حق ادا کیا، اگلے دن نجدیوں میں حضرت کی گفتگو کا مشورہ برپا رہا پھر شرک کی صدا کبھی کان میں نہ آئی سلطان عموماً عصر کی نماز میں شریک ہوتے اور اسی جگہ بیٹھا کرتے جو حضرت کا شروع سے بیٹھنے کا مقام تھا اس قصے کے بعد قاضی ابن بلیہد کے دل میں حضرت کے تبحر وتقوی کا ایک خاص احترام پیدا ہو گیا کہ اکثر مسائل میں حضرت سے مراجعت کرتے اور اپنے اساتذہ کے مثل حضرت کا ادب فرماتے تھے کبھی حضرت کے مکان پر بھی تشریف لاتے اور دیر تک علمی مکالمہ ہوتا تھا۔[1]

---

[1] تذکرۃ الخلیل صـ ۳۰۶

www.abulhasanalinadwi.org

سترھواں باب

تصنیفات و تالیفات

براھین قاطعہ

ھدایات الرشید

المطرقۃ الکرامۃ

تنشیط الاذان

المھند

بذل المجہود

www.abulhasanalinadwi.org

www.abulhasanalinadwi.org

سترھواں باب

تصنیفات وتالیفات

۱- البراهین القاطعۃ علی ظلام الانوار الساطعۃ

تیرھویں صدی کے اخیر میں علمائے دہلی دیوبند وسہارنپور کی خدمت میں ایک استفتار پیش کیا گیا تھا جس میں مروجہ طریقے پر میلاد فاتحہ اور دوسرے رسوم کے متعلق استفسار کیا گیا تھا اس کے جواب میں اوّلاً چار ورقی ایک فتویٰ مطبع خاص ہاشمی میرٹھ میں چھپا تھا اس کے بعد ہی دوسرا فتویٰ شائع ہوا جس میں پہلے فتوی کی عبارتیں بھی تھیں ان فتاوی پر دہلی، دیوبند اور سہارنپور کے مشہور علماء کے دستخط تھے ان فتاوی میں کتاب وسنت کی روشنی میں بدعت پر سخت الفاظ میں تنقید کی گئی تھی اور مسائل مسؤلہ کا واضح جواب دیا گیا تھا ان دونوں فتووں نے ان لوگوں میں ہل چل پیدا کردی جو ان رسوم کے پابند تھے اور اس خیال کے ماننے والوں نے اس کے جواب پر اپنے علماء کو آمادہ کیا مولوی عبدالسمیع صاحب بیدل جو رام پور "منہیاران" کے رہنے والے اور قابل اساتذہ کے شاگرد تھے اور حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حلقہ بگوش بھی تھے ان فتووں کے جواب پر آمادہ ہوئے اور انھوں نے ایک ضخیم کتاب ۱۳۰۲ھ میں بنام "انوار ساطعہ در بیان مولود وفاتحہ" لکھی جس میں میلاد فاتحہ اور اس طرح کے مروجہ رسوم پر تفصیلی بحث کی اور اقوال ومعمولات مشائخ سے ان رسوم کو صحیح اور مطابق سنت قرار دیا، لیکن اس کتاب میں انھوں نے جو طرز استدلال اور انداز تحریر اختیار کیا وہ نہایت سخت اور تکلیف دہ تھا اپنے مخالف علماء کا نام لے کر ان کو برا بھلا کہا گیا اور وہ

www.abulhasanalinadwi.org

جارحانہ اور انتہا پسندانہ انداز اختیار کیا جو تہذیب سے گرا ہوا تھا۔ اس کتاب کا چھپنا تھا کہ ہر حلقہ میں موافق و مخالف نتیجہ برآمد ہوا اور اشتعال کا دروازہ کھل گیا حتیٰ کہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ جو خیالات میں مصنف انوار ساطعہ کے موید تھے، اور انھوں نے نفس مسئلہ کی تائید کرتے ہوئے تحریر فرمایا تھا۔

فی الحقیقت نفس مطلب کتاب موافق مذھب ومشرب فقیرو بزرگان فقیر است	فی الحقیقت کتاب کا نفس مطلب میرے اور میرے بزرگوں کے مذہب و مشرب کے موافق ہے۔

لیکن مصنف انوار ساطعہ کے طرز استدلال اور طریقۂ تحریر پر تنقید فرماتے ہوئے حکم دیا کہ ان الفاظ اور عبارتوں کو نکال دیا جائے جو ملال کا باعث ہیں آپ لکھتے ہیں۔

"لازم آنکہ از کتاب انوار ساطعہ خود کلامیکہ درآں تیز قلمی وغیظ نفسانی شدہ باشد کہ ایں طرز تحریر اصحاب تحقیق وارباب تہذیب بعید است واسمائے برادران طریقت خود وعبارت واسمائے دیگر کہ از فور نفسانی صادر شدہ باشد اخراج نمایند[1]	لازم یہ ہے کہ اپنی کتاب انوار ساطعہ سے وہ کلام جس میں قلم کی تیزی اور نفس کی زیادتی شامل ہوگئی ہے، یہ طرز تحریر اصحاب تحقیق اور ارباب تہذیب کے شایان شان نہیں اور اپنے برادران طریقت کے نام اور عبارت اور دوسرے نام جو نفسانیت کے تحت آگئے ہیں نکال دیے جائیں۔

حاجی صاحبؒ کا یہ مکتوب ۲۴ر شوال ۱۳۰۴ھ کا ہے جبکہ انوار ساطعہ" دور دور پہنچ چکی تھی اور اس کتاب نے حضرت حاجی صاحبؒ کے حلقہ کے سارے لوگوں کو دو مختلف مکتب خیال میں بانٹ دیا تھا اور حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ جیسے صاحب فضل وکمال اور حضرت حاجی صاحبؒ کے ہمراز و دمساز کے خلاف ہنگامہ کھڑا کر دیا تھا آخر کار حضرت گنگوہیؒ کے ارشاد وایما پر حضرت مولانا خلیل احمد صاحب نور اللہ مرقدہ

---

[1] انوار ساطعہ

www.abulhasanalinadwi.org

نے قلم اٹھایا اور "انوار ساطعہ" کا تفصیلی جائزہ لیا اور کتاب وسنت کی روشنی میں ان مسائل پر روشنی ڈالی۔

سنہ ۱۳۰۴ھ میں "البراھین القاطعۃ علی ظلام الانوار الساطعۃ" نام کی ایک کتاب لکھی، حضرت گنگوہیؒ نے اس کتاب کی طباعت واشاعت میں بڑی دلچسپی لی اور اس کا پہلا ایڈیشن اس طور پر طبع ہوا کہ اوپر "انوار ساطعہ" کی عبارت اور نیچے اس کا جواب تھا، حضرت مولاناؒ نے ان تمام غلط فہمیوں کا ازالہ کیا جو انوار ساطعہ نے پھیلائیں، یہ بات ضرور ہے کہ حضرت مولاناؒ کے قلم میں اکثر جگہ تیزی وشوخی آئی اور اور آپ نے الزامی جواب بھی دیئے "براہین قاطعہ" نے پورے ہندوستان میں وہ کام کیا جو مولانا اسماعیل شہیدؒ کی "تقویۃ الایمان" نے کیا تھا، اہل بدعت کے حلقوں میں اُسنے تیر ونشتر کا کام کیا۔

اس کتاب کے متعلق مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی تحریر فرماتے ہیں۔

"کتاب براہین قاطعہ حضرت مولانا مرحوم کی اہل بدعت کے لئے جس قدر سیف قاطع اور دلوں کو زخمی کرنے والی ہے اس کو ان مخالفوں کا کلیجہ ہی جانتا ہے۔"[۱]

اس کی بدولت کئی جگہ مناظرے ہوئے بھاولپور سے لے کر بریلی تک جہاں بھی حضرت مولانا تشریف لے گئے اس کتاب کا چرچا اور مخالف کیمپوں میں کھلبلی نظر آئی ہر طرف سے پھر آوازیں اٹھیں اور مولوی عبدالسمیع بیدلؔ کو جواب الجواب پر آمادہ کیا گیا ادھر حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور مولوی بیدلؔ صاحب کے استاذ مولانا رحمت اللہ کیرانوی جو دونوں حلقوں میں معتبر ومستند جانے جاتے تھے اور ان کے علم وفضل پر ہر دو مکتب خیال کے لوگ متفق تھے انھوں نے مولوی صاحب بیدلؔ کو لکھا کہ وہ جواب الجواب کی فکر نہ کریں اور اس ہنگامہ کو ہوا نہ دیں اور آپس کی خلیج کو وسیع نہ کریں۔ بیدلؔ صاحب نے جواب الجواب پر تو اصرار کیا لیکن اس سارے طرز استدلال اور سخت ترین کلمات

۱ے نقش حیات جلد اول صـ۱۰۰

www.abulhasanalinadwi.org

کو نکالنے پر تیار ہو گئے اور ۱۳۰۶ھ میں "انوار ساطعہ" کو نظر ثانی کرکے پھر شائع کیا اور جابجا "براہین قاطعہ" کی عبارتوں کا جواب دیا لیکن اس مرتبہ وہ جارحانہ انداز نہیں تھا جو پہلے ایڈیشن میں اختیار کیا تھا لیکن اس ایڈیشن میں علمائے حرمین اور اپنے مشائخ و اساتذہ اور علمائے ہند کے حوالے اور تقریظات شامل کیں۔

"براہین قاطعہ" سے پورے ہندوستان میں ذہنی انقلاب پیدا ہوا لیکن اس کے ساتھ "انوار ساطعہ" نے دماغوں میں انتشار پیدا کر دیا اور اختلاف و انتشار کی خلیج بڑھتی ہی چلی گئی اور اس کے ذریعہ حضرت حاجی صاحبؒ کے قلب صافی کو حضرت گنگوہیؒ اور ان کے ساتھیوں کی طرف سے میلا کیا جانے لگا حضرت گنگوہیؒ نے جب یہ صورت حال دیکھی تو مولانا سید کوثر علی صاحب مہاجر مکیؒ کو جو حضرت حاجی صاحبؒ کے مقرب بھی تھے، اور مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانویؒ کے ہم جلیس و ہم نشین بھی اپنے ایک مکتوب میں تحریر فرمایا۔

"افسوس یہ ہے کہ مولوی رحمت اللہ (کیرانوی) کی نظر جاتی رہی ورنہ ان سے توقع تھی کہ بغور ملاحظہ فرما کر جس امر پر مواخذہ فرماتے یا قبول فرماتے۔ اطلاع ہو جاتی کیونکہ رسوم بدعات کے باب میں اور مجلس مولود کے باب میں جو کچھ مولوی خلیل احمد سلمہ نے براہین میں لکھا ہے وہی عقیدہ بندہ کا ہے اور سب ہماری جماعت کا اور جو کچھ "انوار ساطعہ" میں عبدالسمیع نے لکھا ہے وہ افراط اور تفریط سے مملو ہے کہ حد سے بڑھ گیا ہے تو مولوی رحمت اللہ سے محاکمہ ہو جاتا کہ وہ عالم ہیں مگر یہ امر تقدیر سے پیش آیا کہ ان کی نگاہ جاتی رہی یہ بھی جانتا ہوں کہ تم کو فرصت نہیں خصوصاً موسم حج میں، سو اگر بعد موسم حج کے تم سے ہو سکے اور مولوی صاحب بھی قبول فرمائیں تو ساری "انوار ساطعہ" اور "براہین قاطعہ" ان کو بتدریج سنا کر جس جس موقع کو وہ رد و قبول سے مدلل فرما دیں کیا عمدہ ہو جاوے ورنہ خیر جو کچھ ہوا سو ہوا اور جو کچھ ہووے گا سو ہووے گا بندہ کو تو اس کی کچھ پرواہ نہیں کہ خلق برا کہے، مگر اس مخالفت کا ہونا البتہ برا معلوم ہوتا ہے، اب عبدالسمیع کی مخالفت بہت درجہ بڑھ گئی ہے

www.abulhasanalinadwi.org

اور یہ عہد باہم سب بتدعین کے ہو گیا ہے کہ خواہ کوئی کچھ لکھے رشید احمد کے نام سے سب دشتم کرو سو واللہ اس کا کچھ اندیشہ نہیں کرتا ہوں مگر اس کی (یعنی بدمقابل کی) مخالفت کا بیان کرتا ہے کہ رات دن اسی فکر میں رہتا اور یورپ دکھن بنگالہ پنجاب جہاں جہاں بتدعین ہیں ان سے مکاتبہ وطرح طرح کے قصے کھڑا کرتا ہے" لے

والسلام
رشید احمد

"براہین قاطعہ" کی تکمیل پر حضرت گنگوہیؒ کی تقریظ اور مولوی محمد حسین صاحب فقیر کے اشعار ہیں اس کے بعد" براہین قاطعہ" کے متعلق مولوی نذیر احمد خاں مدرس مدرسہ احمد آباد گجرات کے ایک استفسار پر حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ کا تفصیلی جواب ہے جس میں حضرت والا نے حضرت مولانا خلیل احمدؒ صاحب کے خیالات کی توجیہ اور تائید فرمائی ہے جو کئی صفحہ پر ہے جس کا یہاں ذکر کرنا باعث طوالت ہے جو صاحب ملاحظہ کرنا چاہیں وہ براہین کے آخیر میں ملاحظہ فرمالیں لیکن حضرت گنگوہیؒ کی تقریظ پیش نظر ہے۔

"حامدًا ومصلیًا اما بعد اس احقر الناس خادم الطلبہ بندہ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ نے اس کتاب مستطاب "براہین قاطعہ" کو اول سے آخر تک بغور دیکھا الحق کہ بندہ کے نزدیک یہ رد اور جواب کافی اور الزام وحجت وافی ہے اور فی الواقع براہین قاطعہ اپنے مصنف کی وسعت نور علم دینیہ فصاحت ذکا وفہم وحسن تقریر وبہا تحریر پر دلیل واضح اور اقوال مخالف کے باحسن البیان فاضح ہے لہٰذا یہ احقر الناس اس کتاب کو بلقب بالدلائل الواضحہ علی کراہۃ المروج من المولود والفاتحہ کرتا ہے حق تعالیٰ اس کے مؤلف کے علم وفہم میں برکت اور اس کے خیرات ومبشرات میں عموماً

لے مکاتیب رشیدیہ بحوالہ الفرقان جنوری ۱۹۵۶ء

www.abulhasanalinadwi.org

اور اس تالیف نفیس میں خصوصًا کرامت قبولیت عطا فرماوے اور اس کو
موجب ندامت و توبہ اہل بدعت کا اور سبب استقامت اور تثبت متبعین سنت
کا بنا کر مقبول مقبولین و معمول عاملین فرماوے آمین وما ذلک علی اللہ
بعزیز واللہ تعالیٰ ولی التوفیق وصلی اللہ تعالیٰ علی سید الکائنات
والہ وصحبہ اہل الدرجات عدد ما یحب ویرضی ولا حول ولا
قوۃ الا باللہ فقط رشید احمد

مولوی محمد حسین فقیر کے اشعار حسب ذیل ہیں۔

چوں اختطاف برق براہین حق رسید — شد باعث ذہاب بانوار ساطعہ
تاریخ اوست بے سر طغیان وگفتگو — بدعات قطع کرد براہین قاطعہ

۱۳۰۴ھ

ھدایات الرشید الی افحام العنید

صفحات ۸۸۰ تصنیف ۱۳۰۶ھ اثنائے قیام بہاولپور

حضرت مولانا ۱۲۹۵ھ میں بہاولپور تشریف لے گئے اور پورے دس سال قیام فرمایا اور درس وتدریس اور تصنیف وتالیف کا کام کیا، اس مدت میں شیعوں کے ایک عالم اور صاحب قلم مجتہد سید فرزند حسین صاحب نے ایک مختصر سا کتابچہ تحریر کیا جس میں خلفائے ثلثہ اور صحابۂ کرام پر حسب عادت طعن وتشنیع سے کام لیا اور مسئلہ خلافت پر بحث کی اور اس کتابچہ کو مشتہر کیا نیز علمائے اہل سنت کے پاس اس خیال سے بھیجا کہ وہ اس کا جواب دیں، عمومی طور پر علمائے سنت اس بحث پر ایسی دستگاہ نہیں رکھتے تھے اور نہ مذہب شیعہ کی کتابوں کا ایسا گہرا مطالعہ کیا تھا کہ وہ مسکت جواب دے سکیں اس چند ورقہ کا جواب بعض علماء کی طرف سے دیا گیا اس جواب کا جواب سید فرزند حسین صاحب نے اور زیادہ مفصل اور مدلل دیا، وہ جواب الجواب حضرت مولانا کی خدمت میں پیش کیا گیا اس وقت تک

www.abulhasanalinadwi.org

حضرت مولانا نے شیعہ کتب کا تفصیلی مطالعہ نہیں کیا تھا اور نہ وہ ایسے فارغ تھے کہ ہر ہر مسئلہ پر فریقین کے دلائل مستحضر ہوں، گرمی کا سخت موسم تھا آپ ۱۳۰۲ھ میں رمضان کی تعطیل گزارنے بھاولپور سے سہارنپور تشریف لا رہے تھے کہ راستہ میں بعض ذمہ دار حضرات نے وہ جواب حاضر کیا اور اس ابھرتے ہوئے فتنہ کے جواب پر زور دیا، حضرت مولانا نے اس کو پڑھا مگر اس کے جواب پر طبیعت اس لئے آمادہ نہیں ہوئی کہ وہ لغو اور لا حاصل بحثوں سے بھرا تھا، مگر دوستوں کے اصرار پر اس کا بغور مطالعہ کیا اور آپ کی غیور طبیعت میں ایک کشمکش سی پیدا ہو گئی غیرت ایمانی متقاضی تھی کہ اس کا مسکت جواب دیں مگر اس کے لئے کتب شیعہ کا مطالعہ ضروری تھا یہ زمانہ حضرت مولانا کی کم عمری کا تھا یعنی ۳۴ سال کی عمر تھی آپ اس جواب کو لے کر وطن پہنچے حضرت گنگوہیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے حضرت گنگوہی نے اس جواب کو ملاحظہ فرمایا تو اس کے جواب کا شدید داعیہ پیدا ہوا حضرت نے حکم فرمایا کہ اس کا جواب ضرور دیا جائے حضرت مولانا نے اپنے شیخ کا حکم پا کر کتب شیعہ مہیا کیں ان کا مطالعہ کیا اور جواب لکھنا شروع کیا اسی دوران لدھیانہ میں سید فرزند حسین صاحب اور مولانا مشتاق احمد انبھٹوی کے درمیان مناظرہ ہوا اور سارے علاقوں میں سید فرزند حسین صاحب کی شکست کا شہرہ ہو گیا اور ان کی کتاب سے جو فضا مکدر ہوئی تھی اور اہل سنت کو پریشانی لاحق ہوئی تھی وہ دیکھتے دیکھتے دور ہو گئی اور اعتماد و استقرار کا عالم طاری ہو گیا، اس صورتحال کو دیکھ کر حضرت مولانا کا قلم پھر رک گیا کہ کام تو اس مناظرہ سے بن گیا اب اپنا عزیز وقت ان بے مصرف مسائل میں لگانے سے کیا حاصل، حضرت گنگوہی کو جب معلوم ہوا کہ حضرت مولانا کا خیال اب تفصیلی مطالعہ اور مفصل و مدلل جواب کا نہیں رہا تو آپ نے تحریر فرمایا۔

"جو کام للّٰہی طور پر شروع کر دیا گیا ہے اس کو اتمام تک پہونچانا ہی مناسب ہے ناتمام چھوڑنا مناسب نہیں اور جس کام کی ابتدا نیک نیتی کے ساتھ بغرض حمایت اسلام کی گئی ہے اس کا انجام بخیر ہے اس تحریر کو پورا کر دینا ہی

www.abulhasanalinadwi.org

مناسب ہے۔[1]

اپنے شیخ ومرشد کے حکم پر حضرت مولانا نے اپنے ذہن وقلم کو تیار کیا اور پھر جو کتاب لکھنے کا کام شروع کیا تو پورے انہماک، دلچسپی اور ذوق وشوق سے سات ماہ تک کتاب لکھتے رہے اور اس کو پایۂ تکمیل تک پہونچا کر چھوڑا ۔ حضرت مولانا نے اس کتاب کا نام "ہدایات الرشید الی افحام العنید" رکھا، کتاب کے شروع میں تفصیل سے ان واقعات کا ذکر کیا جو اس کی تصنیف کا سبب بنے اس کے بعد بطور انتباہ کے چند صفحے تحریر فرمائے اور اس کی معذرت کی کہ اس کتاب میں جا بجا شیعہ علماء کے اقوال اور کتب شیعہ کی عبارتیں ایسی آئیں گی جن سے خلفاء ثلثہ اور اصحاب کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی شان عالی میں تنقیص ہوتی ہے مگر یہ ضرورتاً نقل کئے جائیں گے اور "نقل کفر کفر نباشد" کے مطابق یہ کام خلاف عقیدہ اور خلاف ضمیر کیا جائے گا پھر حضرت مولانا نے اپنے عقیدہ کا اظہار کیا اور شیعیت وخارجیت یا ناصبیت کی افراط وتفریط پر تنقید فرمائی اور صحابۂ کرام واہلبیت عظام سے یکساں محبت وعقیدت اور ان دونوں کے خلاف ادنی بھی تنقید کو خلاف ایمان وعقیدہ بتلایا ہے ۔

میر فرزند حسین صاحب نے اپنے جواب میں مطالبہ کیا تھا کہ جو صاحب بھی اس مسئلہ پر قلم اٹھائیں وہ کسی شیعی عبارت کا حوالہ کسی دوسری کتاب سے نہ دیں بلکہ براہ راست شیعی کتب سے نقل کریں اور یہ اس لئے مطالبہ کیا گیا تھا کہ شیعی کتب کا ملنا آسان نہ تھا وہ نایاب بھی تھیں اور کمیاب بھی مگر حضرت مولانا نے ایک طرف ذہن رسا بھی پایا تھا اور دوسری طرف حافظہ اور مطالعہ بھی، آپ نے نایاب سے نایاب کتب شیعہ کو فراہم کیا انکا بغور مطالعہ کیا اور اس مسئلہ پر جو تحریر لکھی وہ مکمل اور مدلل لکھی اور مسکت جواب تحریر فرمایا ۔

---

[1] ہدایات الرشید صـ۶ ۔

www.abulhasanalinadwi.org

۱۴ جمادی الاولی ۱۳۴۴ھ کو اس کتاب کی تکمیل ہوئی اس پر بعض اہل فضل و کمال نے تقریظیں لکھیں۔

بھاولپور کے قیام کے اسی دور میں مدرسہ دینیات میں جہاں آپ صدر مدرس تھے ایک اعلیٰ افسر ایک شیعہ آئے جن کا نام "چراغ شاہ" تھا وہ بات بات پر ہر ملاقات میں آپ سے مذہبی گفتگو کرتے اور بال کی کھال نکالتے اول اول آپ جوابات دیتے رہے مگر وہ افسری کے گھمنڈ میں آپ کو ایسے مقام پر لانا چاہتے کہ انتقام لیں، عاجز آکر آپ نے اہل حکومت سے مل کر دوسرے شعبہ میں اپنے آپ کو تبدیل کرالیا اور پھر جب یہ کتاب لکھنے لگے اور چراغ شاہ کو اس کی خبر ہوئی تو وہ اور یہ چراغ پا ہوئے اس کتاب نے رد شیعیت میں جو کام کیا وہ کم کسی اور کتاب نے کیا ہے، مولانا عاشق الٰہی صاحب اس کی بابت لکھتے ہیں۔

"یہ بے نظیر کتاب اس بحث میں حضرت کی بہترین یادگار اور اس کی چٹکیاں لینے والی، دلچسپ عبارت آپ کی نوجوان طبیعت کا مجسمہ ہے جو اس وقت نایاب ہے"[1]

حضرت مولانا نے جب یہ کتاب مکمل کی تو بطور شکر و امتنان کے اس عبارت پر کتاب پوری کی۔

"اللھم لا احصی ثناءً علیك انت کما اثنیت علی نفسك"

اور یہ سب حضرت مخدوم دامت برکاتہم کی برکاتِ دعوات اور توجہات کا تحصیل ہے ورنہ ؎

کہاں میں اور کہاں یہ نکہتِ گل
نسیم صبح تیری مہربانی"

اسی زمانہ میں بھاولپور میں ایک شیخ طریقت مولانا غلام فرید صاحب چشتی تھے جنھوں نے حضرت مولانا کی کتاب کے آخر میں جو تقریظ لکھی وہ یہ ہے۔

---

[1] تذکرۃ الخلیل صفحہ ۱۱۶

www.abulhasanalinadwi.org

"یہ کتاب جو مولوی صاحب فاضل کامل مولوی خلیل احمد صاحب نے رد فرقہ ضالہ مضلہ شیعہ رافضیہ میں تصنیف فرمائی ہے نہایت مضامین عالیہ سے مملو ہے اور مطابق ملت قدسیہ اہل سنت وجماعت کے ہے میں بعد مطالعہ اس کتاب کے تصدیق کرتا ہوں کہ جو جو مولوی صاحب نے لکھا ہے فی الاصل صحیح اور درست ہے والسلام علی من اتبع الھدیٰ

خاکپائے فقرا غلام فرید چشتی حنفی عفی عنہ

اس تقریظ کے علاوہ کئی اور تقریظیں ہیں جن میں کچھ نثر میں ہیں اور کچھ طویل نظم میں اور کچھ رباعیات میں نیز تاریخ تکمیل کتاب بھی مختلف نکالی گئی ہیں جو اس کی زینت ہیں جن کو طوالت کے خوف سے چھوڑا جاتا ہے۔

مطرقة الكرامة على مرأة الامامة

حضرت مولانا ۱۳۰۶ھ سے ۱۳۰۸ھ تک دو سال بریلی میں مدرسہ مصباح العلوم میں پڑھاتے رہے آپ جس وقت بریلی میں تھے اس وقت تک دو اہم کتابیں لکھ چکے تھے (۱) بدعت وشرک کے خلاف "البراہین القاطعہ" (۲) تشیع ورفض کے خلاف، ہدایات الرشید اور یہ دونوں کتابیں قیام بہاولپور کے دوران تصنیف کی تھیں اسی کے بعد بریلی میں قیام کیا دونوں علوم وفنون میں آپ کو اتنی دستگاہ حاصل ہوگئی تھی کہ اب مزید کسی کتاب کے مطالعہ اور دلائل وبراہین کے جمع کرنے میں کوئی دشواری لاحق نہیں ہوتی تھی، کتب شیعہ گویا حفظ تھیں، دونوں فریق آپ سے بحث کرنے اور الجھنے سے گھبراتے تھے اور دامن بچاتے تھے آپ اہل بدعت کے مرکز میں تھے اس وقت بریلی میں مولانا احمد رضا خاں صاحب کا مضبوط مرکز تھا اور ان کے شاگرد ومتبعین پھیلے ہوئے تھے اور براہین قاطعہ کا چرچا تھا مگر کسی نے آکر آپ سے اس بارہ میں نہ کوئی سوال کیا نہ گفتگو کی۔

www.abulhasanalinadwi.org

حضرت مولانا جب بریلی میں تشریف رکھتے تھے اسی زمانہ میں، مطرقۃ الکرامہ علی مرآۃ الامامہ لکھنی شروع کی اس کتاب کی پہلی جلد جو ۱۴۲ صفحات پر مشتمل تھی طبع ہوئی دوسری جلد مکمل نہ ہو سکی اس کتاب کی وجہ تالیف کیا تھی ؟ وہ مولانا عاشق الٰہی صاحب میرٹھی سے سنئے !

"حافظ امیر اللہ صاحب بریلوی ایک صاحب تھے جنھوں نے عربی کی ابتدائی کتابیں پڑھی تھیں ایک شیعہ سے اختلافی مسائل میں ان کی کچھ گفتگو ہو گئی اور وہ پریشان ہو کر بریلی کے نامی علماء کے پاس آئے کہ ان سوالات کا جواب دیا جائے حافظ سردار احمد صاحب بریلوی لکھتے ہیں کہ مولوی احمد رضا خاں صاحب کی طرف سے ان کو جواب ملا کہ ہاں جواب تو ممکن ہے مگر ایک ہزار روپیہ ہونا چاہئے، حافظ صاحب نے فرمایا آخر جواب کے لئے اتنی کثیر رقم کی کیا ضرورت ہے ؟ تو معلوم ہوا کہ ان کی مذہبی کتابیں خرید کر مطالعہ کی جائیں گی اس وقت جواب لکھا جائے گا، بغیر اس کے جواب ممکن نہیں ہے، اختلافات عقائد کے سبب ان کو حضرت کے ساتھ مناسبت نہ تھی، مگر مجبور با دل ناخواستہ وہ "مصباح العلوم" میں آئے اور حضرت سے مسائل مسؤلہ کا تذکرہ کیا، حضرت نے جواب فوراً لکھ دیئے اور یہ فرما کر کہ اس بحث ہی کا انشاء اللہ خاتمہ کر دوں گا۔ "مطرقۃ الکرامہ" کی تالیف شروع کر دی جس کا حصہ اوّل طبع ہو کر شائع اور اب نایاب ہو چکا حضرت اس تمنا و انتظار میں کہ کاش علمائے شیعہ اس کا جواب دیں چالیس برس گزار کر عالم قدس کو سدھار لئے مگر اس کا برائے نام بھی اب تک جواب نہیں ہوا، حافظ امیر اللہ صاحب جوابات دیکھ کر حیران رہ گئے اور جب تک زندہ رہے اس کا اعتراف کرتے رہے کہ حضرت اپنے وقت کے علامہ ہیں"[1]

---

[1] تذکرۃ الخلیل صفحہ ۱۴۶

www.abulhasanalinadwi.org

اتمام النعم

حضرت مولانا ۱۳۱۳ھ میں دارالعلوم دیوبند میں مدرس دوم تھے اسی سال سیدالطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی کے حکم پر تبویب الحکم .... کا ترجمہ فرمایا تھا لیکن اس ترجمہ کا کوئی نام نہیں رکھا اور حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی کو طبع کرانے کے لئے دیدیا تھا حضرت تھانوی نے سیدالطائفہ حضرت حاجی صاحب کے حکم پر سب سے پہلے اس کو طبع کرایا اور اس کا نام اتمام النعم رکھا۔

اتمام النعم کی تکمیل رمضان ۱۳۱۳ھ میں ہوئی حضرت مولانا نے اس کی تکمیل پر تحریر فرمایا تھا۔

"ستائیسویں رمضان ۱۳۱۳ھ کو بعد نماز جمعہ مسجد محلہ خانقاہ قصبہ دیوبند ضلع سہارنپور میں یہ ترجمہ تمام ہوا" والحمد للہ رب العالمین وصلی اللہ تعالیٰ علی سیدنا محمد وآلہ واصحابہ واتباعہ اجمعین۔

حضرت تھانوی نے اس ترجمہ پر ایک تقریظ بھی تحریر فرمائی جس سے اس ترجمہ نیز جس کتاب کا یہ ترجمہ ہے اس کے متعلق ضروری معلومات فراہم ہوتی ہیں، حضرت تھانوی تحریر کرتے ہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ واھب النعم ورب الفضل والکرم والصلوۃ علی رسولہ محمد الذی اوتی جوامع الکلم وعلی الہ واصحابہ ینابیع الحکم سبحان اللہ مقبولان الٰہی کی بھی کیا شفقت و دل سوزی ہے کہ شب و روز بندگان خدا کے فیض رسانی و نفع بخشی کا خیال رہتا ہے یہی لوگ درحقیقت آیۃ کنتم خیر امۃ اخرجت للناس کی تفسیر ہیں چنانچہ ہمارے حضرت قبلہ و کعبہ پیر و مرشد مولانا سیدنا الحاج الحافظ الشاہ محمد امداد اللہ دامت برکاتہم کے ایسی ہی شفقت کا مصداق یہ امر ہے کہ آپ کی ذات بابرکات سے مفید مفید کتابیں تصنیف ہوئیں ترجمے ہوئے

www.abulhasanalinadwi.org

اشاعت ہوئی انھیں مفید اور ضروری کتابوں میں سے ایک کتاب معروف الحکم جامع ارشادات قطب الوقت حجۃ اللہ حضرت ابن عطاء[1] اسکندری مصنف تنویر فی اسقاط التدبیر، واقعی جو طرز روحانی تربیت و اتقان معرفت کا ان بزرگ کے کلام میں پایا جاتا ہے کم کسی کے کلام میں دیکھا گیا یہ کتاب بھی اپنے حسن ظاہر و جمال باہر کی وجہ سے وصف و بیان سے مستغنی ہے، کسی کا قول ہے "ہاتھ کنگن کو آرسی کیا ہے" مگر اس کے مضامین متفرق ہونے سے طالب کو پتہ نہیں لگتا تھا کہ یہ مسئلہ کس باب کا ہے، شیخ علی[2] متقی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی ترتیب و تبویب نہایت خوبی کے ساتھ کی جو النہج الاتم فی تبویب الحکم کے نام سے مشہور ہے حضرت سیدنا و مرشدنا ممدوح الصدر نے بنظر نفع رسانی اہل ہند کے اس کے ترجمہ کے لئے جامع الفضل والکمال عزیز النظیر و المثال جناب مولانا خلیل احمد صاحب مدرس سابق مدرسہ اسلامیہ دیوبند و مدرس حال مدرسہ اسلامیہ سہارنپور کو حکم فرمایا۔ مولانا نے نہایت سلیس و مطلب خیز عبارت میں ترجمہ فرمایا اور حسب ارشاد سیدنا اس احقر کو طبع کرانے کے لئے عنایت ہوا چونکہ غایت انکسار و خلوص کی وجہ سے

---

[1] احمد ابن محمد بن عبد الکریم بن عطاء اللہ اسکندری۔ تاج الدین لقب شاذلی مشرب اور مالکی مسلک ابو الفضل کنیت اور شیخ تقی سبکی کے شاگرد تھے آپ کے اساتذہ میں شیخ ابو العباس مرسی بھی ہیں جو شیخ الطائفہ شاہ ابو الحسن شاذلی کے خاص شاگرد تھے شیخ ابن عطاء اللہ اپنے زمانہ کے بڑے زاہد اور صاحب مرتبہ بزرگ تھے ۷۰۹ھ میں انتقال کیا۔

[2] الشیخ الامام العالم الکبیر المحدث علی ابن حسام الدین بن عبد الملک بن قاضی خاں المتقی الشاذلی المدینی الچشتی البرہانپوری ۸۸۵ھ میں پیدا ہوئے علوم ظاہری حاصل کرنے کے بعد شاہ عبد الحکیم سے بیعت ہوئے اور مجاز بنے اس کے بعد سفر کئے شیخ ابو الحسن بکری المصری الشافعی سے حدیث و تصوف حاصل کیا اور قادری شاذلی مدنی طرق میں خلافت حاصل کی بڑے صاحب کرامت بزرگ تھے

www.abulhasanalinadwi.org

جناب مولانا المترجم نے اس ترجمہ کا نام تک نہیں رکھا بھلا اپنا نام ظاہر کرنا تو کہاں؟ اسلئے احقر نے اتمام النعم ترجمہ تبویب الحکم اس کا نام رکھدیا اور مشفق مخلصی خیرمجسم تصویر ہمت وکرم جناب حافظ محمد ابو سعید خاں صاحب مہتمم مطبع نظامی نے باقتضا اس خلوص کے جو حافظ صاحب موصوف کو حضرت سیدنا دام ظلہ کے حضور میں ہے اپنی عالی ہمتی سے اس کو نہایت اہتمام و تصحیح کے ساتھ طبع فرماکر مشتاقین کی آنکھوں کو نور اور دل کو سرور بخشا، یہ لآلیِ بے بہا اتنے غوطوں کے بعد بحر خفا سے ساحل ظہور پر آئے ہیں جو اب کبھی اس کو آویزہ گوش قبول بنانے میں پس و پیش ہو تو بجز ناقدر شناسی کے اور کیا الزام دیا جائے۔ فقط کتبہ محمد اشرف علی عفی عنہ

اس ترجمہ کی اشاعت کے بعد حضرت مولانا خلیل احمد صاحب کے حکم پر ان کے خلیفہ مجاز مولانا عبداللہ گنگوہی نے اس کی شرح کی ہے جس کا نام اکمال الشیم ہے اس کتاب میں تصوّف و سلوک کے بیش قیمت موتی ہیں جیسے علم، توبہ، اخلاص، نماز کی حکمتیں گوشہ نشینی، ذکراللہ، فکر، زہد فقر و فاقہ، ریاضت نفس، امید و بیم، آداب دعا، صبر شکر، صحبت و ہم نشینی، طمع، تواضع، استدراج، اوراد و وظائف، قلبی واردات قبض و بسط، انوار کے مراتب، عارفین کے احوال، وعظ و نصیحت کے شرائط و آداب کے بیان پر یہ مشتمل ہے۔

المهند على المفند

معروف بہ

التصديقات لدفع التلبيسات

صفحات ۷۲ سنہ تالیف ۱۳۲۵ھ

مولوی عبدالسمیع صاحب بیدل کی انوار ساطعہ اور اس کے جواب میں حضرت مولانا کی کتاب براہین قاطعہ کی اشاعت و شہرت کے نتیجہ میں اہل بدعت اور اہل توحید و سنت کے

www.abulhasanalinadwi.org

درمیان ایک دیوار سی قائم ہو گئی اور ہندوستان سے لے کر عرب تک اس کے اثرات پہونچے اہل بدعت نے اہل توحید و سنت کے خلاف ہر حربہ استعمال کیا، کتابیں لکھیں تقریریں کیں، غلط الزامات لگا کر ان کو بدنام کیا، ان کی عبارتیں غلط طور پر پیش کیں اور علمائے حرمین کو ان کے خلاف اکسایا۔ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی متوفی ۱۳۱۷ھ اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ متوفی ۱۳۲۳ھ کے انتقال کے بعد اس ہنگامہ نے دوسرا رخ اختیار کر لیا، اہل بدعت نے مجتمع ہو کر اس کو ایک تحریک کی شکل دیدی اور اپنی ساری قوت اس کی اشاعت میں لگا دی، مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی جو اس تحریک کے قائد اور اس طبقہ کے امام تھے خدا نے ان کو طلاقت لسانی کے ساتھ ساتھ سیال قلم بھی عطا فرمایا تھا وہ اردو اور عربی یکساں بول لیتے تھے، انھوں نے اس کو اپنے لئے اور اپنی تحریک کے لئے ایک نعمت سمجھا اور اس سے پورا فائدہ اٹھایا اوّلا علمائے دیوبند کے خلاف ایک کتاب لکھی جس میں ان کی عبارتیں نقل کر کے ان کا پڑھنے والوں کے سامنے مفہوم پیش کیا اور اس بنیاد پر ان سب کو کافر قرار دیا حتیٰ کہ غلام احمد قادیانی کے ذکر کے ساتھ ان سارے علماء کا ذکر کیا اور ان کی عبارتیں نقل کیں ان کا نام لے کر ان کو سخت سست کہا اور کافر و مرتد بنایا اور پڑھنے والوں کے ایمانی جذبات کو بھڑکایا خصوصا مولانا اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کو ستر وجہ سے کافر قرار دیا اسکے بعد اس پر بس نہیں کی اور ایک کتاب لکھی جس کا نام "مہید ایمان بآیات قرآن" ہے اور پھر حسام الحرمین علی منحر الکفر والمین لکھی جس میں اٹھاسی صفحے تک آیات قرآنی اور ان کے ترجمے کے بعد علمائے حق کے عقائد لکھے اور آیات قرآنی کے ذریعہ ان کے خلاف حجت پیش کی پھر اس کتاب کو لے کر جو حقیقت میں ان کا فتویٰ تھا ۱۳۲۳ھ / ۱۳۲۴ھ میں حجاز پہنچے اور علمائے حرمین کے سامنے اس فتوی کو پیش کیا، اور درخواست کی کہ وہ ان عقائد رکھنے والے لوگوں پر کافر ہونے کی تصدیق کریں،

www.abulhasanalinadwi.org

جن الفاظ سے فاضل بریلوی نے علمائے حرمین کے جذبات کو بھڑکایا اور ان کو دہائی دی اور خدا و رسول کا واسطہ دیا وہ ملاحظہ کیجئے وہ لکھتے ہیں ۔

"فوجب علی ذمة همة امثالكم السادة القادة الكرام اعانة الدين واهانة المفسدين اذ ليس بالسيوف فبالاقلام فالغياث الغياث يا خيل الله يا فرسان عساكر رسول الله امدون بمدة واعدو لدفع الاعداء عدة رشد وعضدنا فی هذه الشده ومن الميسور علی قدر المقدور فی ابانة هذه الامور[1]

تو آپ جیسے سرداروں، پیشواؤں، کریموں کے ذمہ ہمت پر مدد دین اور تذلیل مفسدین واجب ہے جب تلواروں سے نہیں تو قلموں سے سہی، فریاد، فریاد اے خدا کے لشکر و نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی فوج کے سوارو ہماری مدد کرو اپنی روشنائی سے۔ اور دفع دشمنان کے لیے سامان مہیا کرو اور اسی سختی میں ہمارے بازو کو قوت دو اور ان امور کے ظاہر کرنے میں بقدر قدرت۔

پھر اس عبارت کے بعد مولانا احمد رضا خاں صاحب کا نام ان کے کارناموں اور فضائل کا بیان ہے ان کے فضائل میں یہ بھی تحریر ہے کہ انھوں نے ان برے عقائد رکھنے والوں کے خلاف دو سو کتابیں لکھیں اور اس صفحہ کے حاشیہ پر یہ تحریر ہے کہ اب تک چار سو کتابوں کے مصنف بن چکے ہیں اور پھر ان کی ایک تصنیف "المعتقد المنتقد" کی شرح المعتمد المستند کا ذکر ہے جس میں علمائے دیوبند کے خلاف الزامات درج ہیں اور پھر علمائے حرم کے سامنے ان کو پیش کیا گیا ہے جس میں

---

[1] حسام الحرمین ص ۹۱، ۹۲

www.abulhasanalinadwi.org

صراحتہً یہ لکھا ہے کہ نعوذ باللہ یہ لوگ خدا و رسول کو گالیاں دیتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو (العیاذ باللہ) کمتر سمجھتے ہیں پھر ان بزرگوں کی کتابوں میں سے فتاویٰ رشیدیہ، براہین قاطعہ، حفظ الایمان کے غلط حوالے پیش کئے اور ان سب کو غلام احمد قادیانی کی صف میں کھڑا کیا، علمائے حرمین نے جو اردو سے ناواقف تھے (اس لئے کہ ان سب کی کتابیں اُردو میں ہیں اور ان کی عبارتوں کا مفہوم عربی میں پیش کیا گیا) اس پر توجہ نہیں کی بلکہ اس کو دیکھ کر علمائے حرمین میں کچھ لوگوں نے اس فتوی کی تصدیق کر دی، مولانا احمد رضا خاں صاحب نے علمائے دیوبند کے علاوہ دوسرے علماء کو بھی اس زمرہ میں شامل کیا اور ان کی تکفیر کی جن میں مولانا امیر احمد سہسوانی، مولانا نذیر حسین دہلوی، مولانا محمد علی مونگیری بانی ندوۃ العلماء قابل ذکر ہیں۔

جس زمانہ میں یہ ہنگامہ کھڑا ہوا اور یہ فتویٰ گشت کرایا گیا، اس زمانہ میں حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری اور مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی مدینہ منورہ میں تشریف رکھتے تھے۔

ان دو حضرات کو جب مولانا احمد رضا خاں صاحب کے اس فتنۂ محشر انگیز کی خبر ہوئی تو محو حیرت بن کر رہ گئے کہ کیا دین کے معاملہ میں اتنے جھوٹ اور فریب سے کام لیا جا سکتا ہے جب اس فتنہ کی کائی پھٹی تو علمائے مدینہ نے جو حضرت مولانا خلیل احمد صاحب و مولانا سید حسین احمد مدنی کو بخوبی جانتے تھے اور ان کے شب و روز کی زندگی سے واقف تھے ایک استفسار تیار کیا اور علمائے دیوبند کی خدمت میں ستائیس سوالات پر مشتمل ایک سوالنامہ تحریر کیا اور اس میں ان کے عقائد دریافت کئے اور اس کی وجہ پوچھی جو مولانا احمد رضا خاں صاحب نے بالفاظہٖ ان علماء پر الزام لگایا تھا کہ۔

www.abulhasanalinadwi.org

"یہ طائفے سب کے سب کافر و مرتد ہیں باجماع امت اسلام سے خارج ہیں"[1]

علمائے دیوبند کی طرف سے حضرت مولانا خلیل احمد صاحب نے ان سوالات کے جوابات دیئے، علمائے مدینہ نے سوالات کے پہلے تحریر کیا تھا۔

"اے علمائے کرام اور سرداران عظام تمہاری جانب چند لوگوں نے وہابی عقائد کی نسبت کلی اور چند اوراق اور رسالے ایسے لائے جن کا مطلب غیر زبان ہونے کے سبب ہم نہیں سمجھ سکے اس لئے امید کرتے ہیں کہ ہمیں حقیقت حال اور قول کے مراد سے مطلع کردگے"[2]

جن عقائد کے متعلق یہ سوالات تھے وہ حسب ذیل ہیں۔

۱۔ سید الکائنات علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی زیارت کے لئے شد رحال۔

۲۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا توسل لینا۔

۳۔ حیات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

۴۔ افضلیت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

۵۔ حضور کا واسطہ اور قبر شریف کی طرف توجہ

۶۔ ختم نبوت

۷۔ حضور کو بڑے بھائی کے برابر سمجھنا یا کہنا

۸۔ حضور کے علم کی تحدید و وسعت

۹۔ درود شریف و دلائل الخیرات

۱۰۔ تقلید

۱۱۔ بیعت و جواز افادہ از قبور مشائخ

۱۲۔ محمد بن عبدالوہاب کا عقیدہ

۱۳۔ استویٰ علی العرش کی حقیقت

---

[1] المعتمد المستند صد ۱۱۳ [2] المہند ص۶

www.abulhasanalinadwi.org

۱۴- میلاد شریف

۱۵- تشبیہ ذکر ولادت بذکر پیدائش کنہیا

۱۶- امکان کذب باری تعالیٰ

۱۷- امکان کذب در کلام باری تعالیٰ

۱۸- حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب تھا یا نہیں تھا۔

یہ سوالات اور ان کے علاوہ کچھ اور سوالات جو عربی زبان میں پیش کئے گئے تھے حضرت مولانا نے اولاً اپنے اور اپنے مشائخ کا عقیدہ بیان کرتے ہوئے ان سارے سوالات کے جوابات عربی میں دیئے وہ جوابات اتنے مدلل اور جامع ہیں جن کے پڑھنے کے بعد اہل حق و انصاف کبھی ان علمائے حق کی طرف نہ غلط عقائد منسوب کر سکتے ہیں اور نہ مخالفین کے دام فریب میں آسکتے ہیں لیکن جن کا کام ہی بدنام کرنا ہے ان کا کوئی علاج نہیں، ان جوابات کے بعد ان پر جن علمائے ہند نے تصدیق کی ہے ان میں، شیخ الہند مولانا محمود حسن، مولانا احمد حسن صاحب امروہوی مولانا اشرف علی صاحب تھانوی، مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری، مولانا حبیب الرحمٰن صاحب نائب مہتمم دارالعلوم دیوبند، مولانا مفتی کفایت اللہ، مفتی عزیز الرحمٰن صاحب کے نام قابل ذکر ہیں۔

ان جوابات کو جب علمائے حرمین و علمائے مصر و شام نے پڑھا حرف بحرف ان کی تصدیق کی اور اپنی مہر تصدیق ثبت کی فجزاهم الله احسن الجزاء۔

---

www.abulhasanalinadwi.org

تنشیط الآذان فی تحقیق محل الاذان

علمائے بریلی اور علمائے دیوبند کے درمیان اور مسائل کی طرح جمعہ کی اذان ثانی کے موقع و محل کے بارے میں بھی اختلاف رہا علمائے بریلی اس مسلک کے حامل و داعی ہیں کہ جمعہ کی دوسری اذان مسجد کے باہر ہونی چاہئے اور اس بارہ میں بھی وہ بہت شدت اختیار کئے ہوئے ہیں اب سے ۵۰ سال پہلے یہ مسئلہ اٹھا اور شدت کے ساتھ اٹھا حضرت مولانا اور ان کے مشائخ حق اس کے قائل ہیں کہ اذان ثانی ممبر کے قریب ہونی چاہئے اور یہی مسنون ہے جب یہ اختلاف ہوا اور فریق مخالف کی طرف سے شدید اختلاف ہوا اور پھر اختلاف سے مخالفت کی نوبت آئی تو آپ نے قلم اٹھایا اور "تنشیط الاذان" کے نام سے ایک مختصر سی کتاب جو ۳۲ صفحہ پر مشتمل ہے تحریر فرمائی، اس کتاب میں آپ نے آیات قرآنیہ، احادیث نبویہ اور روایات فقہیہ نیز اجماع و تعامل سلف سے ثابت کیا کہ مسجد کے اندر ہی جمعہ کی اذان ثانی کا ہونا صحیح اور افضل ہے۔ اس کتاب کے شروع میں مولانا عاشق الٰہی صاحب کی حسب ذیل تحریر مطبوعہ ہے۔

الحمد للہ والصلوٰۃ والسلام علی نبیہ وصفیہ امابعد شروع میں جب اذان خطبہ کا چرچا ہوا کہ مسجد میں ہونا بدعت و مکروہ تحریمی ہے تو حضرت عمدۃ الفقہا مولانا الحاج المولوی خلیل احمد صاحب صدر المدرسین مدرسہ عربیہ مظاہر علوم سہارنپور دامت برکاتہم کی خدمت میں احباب و متوسلین کے ادھر ادھر سے متعدد خطوط آئے کہ اس مسئلہ پر کافی بحث ہونی چاہئے مگر حضرت مولانا دام فضلہم نے اس کو قابل اہتمام نہ سمجھا اور جواب لکھوادیا کہ اس قسم کے مسائل جزئیہ میں کنج و کاؤ مناسب نہیں کہ خواہ مخواہ کا فتنہ ہے آخر چار طرف اس کا شور بڑھتا رہا اور یہاں تک نوبت پہنچی کہ جگہ جگہ فساد و تکرار ہونے لگا استفتا پر

www.abulhasanalinadwi.org

استفتا آنا شروع ہوگئے کہ مسئلہ کا حکم شرعی مدلل معلوم ہونا چاہئے تب ضرورت ہوئی کہ مسئلہ اذان فی المسجد کی تنقیح کی جائے اور یہ امر متوارث شرقاً و غرباً اور عرباً و عجماً شائع ہے مدلل و موجہ بسیط کے ساتھ تحریر کیا جائے ہر چند کہ رامپور و کانپور وغیرہ سے اس کے متعلق فتاوی شائع ہو چکے ہیں مگر مختصر ہونے کی وجہ سے طالبین کی سیری نہ ہوئی اس لئے حضرت مولانا ممدوح زید مجدہم نے توجہ فرمائی اور آیات قرآنیہ، و احادیث نبویہ، و روایات فقہیہ اور اجماع و تعامل سے اس کا کافی ثبوت واضح فرمایا امید ہے کہ اہل حق و انصاف کے اطمینان قلب اور شفائے صدور کا وسیلہ ہوگا، حضرات مخالفین کی خدمت میں ادب کے ساتھ درخواست ہے کہ تہذیب و متانت انسان کا زیور ہے اور ہر مسلمان کو زیبا ہے کہ ادب کا پہلو کسی وقت بھی ہاتھ سے نہ چھوڑے اس لئے اگر جواب تحریر فرمادیں تو سب و شتم سے اجتناب فرمادیں، ورنہ اندیشہ ہے کہ پھر ادھر سے بھی کسی نے خیال کیا تو ترکی بہ ترکی جواب پر آمادہ ہوگا اور یہ صورت منصب علم و شان علماء کے خلاف اور عجز و کمزوری کی دلیل ہے۔ وما علینا الا البلاغ

الراقم عاشق الٰہی عفی عنہ

(مولوی فاضل) مدیر الرشاد سہارنپور

المغتنم فی زکوٰۃ الغنم

حضرت مولانا نے اپنی پوری مدت حیات میں بے شمار مسائل کے جوابات دیئے و بے حساب استفتا پر فتاوی دیئے جو کئی ضخیم جلدوں میں پھیلے ہوئے ہیں، انھیں مسائل میں ایک مسئلہ بھیڑ کی زکوٰۃ کا تھا جو سندھ سے چلا اور حضرت مولانا کی خدمت میں بھیجا گیا سندھ کے ایک مشہور عالم مولانا سید شیر محمد کھوٹکی ضلع سکھر نے یہ اہم سوال جو پورے سندھ میں باعث اختلاف بنا ہوا تھا حضرت مولانا کی خدمت میں پیش کیا اس سوال پر

www.abulhasanalinadwi.org

علمائے سندھ کی کچھ تحریرات اور آراء بھی درج تھیں حضرت مولانا نے اس سوال کا تشفی بخش جواب دیا اس جواب سے علمائے سندھ کا اختلاف ختم ہوگیا اور سب لوگ آپ کے محاکمہ کو تسلیم کرنے پر بخوشی ورغبت راضی ہوگئے وہ جواب "المغتنم فی زکوٰۃ الغنم" کے نام سے شائع ہوا۔

بذل المجہود شرح ابی داؤد

حضرت مولانا کا سب سے بڑا علمی کارنامہ بذل المجہود شرح ابی داؤد کی تصنیف ہے جو پہلے پانچ جلدوں میں مکمل ہوئی تھی اور لیتھو سے چھپی تھی اور اب اس پر نئے سرے سے کام ہوا اور وہ عربی ٹائپ میں طبع ہوئی اور بیس جلدوں میں مکمل ہوئی، کتاب کے شروع میں حضرت مولانا کا پیش لفظ، حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی کے قلم سے مصنف کتاب کے حالات زندگی اور روح پرور تذکرہ اور مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کا ایک بسیط مقدمہ ہے جس میں وجہ تالیف اس کے محرکات حضرت مولانا کا ذوق وشوق اور اس شرح کی خصوصیات اور امتیازات کا تذکرہ ہے۔

اس شرح کا خیال حضرت مولانا کو ابتدائے شباب ہی سے تھا اور ان کو یہ خواہش تھی کہ یہ عظیم کام ان کے ہاتھوں سے انجام پائے اور اسی میں ان کی زندگی تمام ہو۔ اللہ نے ان کی یہ تمنا اور آرزو پوری کی اور مدینہ طیبہ میں اس کی تکمیل ہوئی اس شرح کی تکمیل کے چند ہی ماہ کے بعد خود حضرت مولانا بھی اپنے مالک سے جاملے اور ان کی وہ مشہور دعا پوری ہوئی جو آپ نے ایک مرتبہ مانگی تھی جس میں ابوداؤد کی شرح کی تکمیل اور مدینہ منورہ میں اپنی وفات کی آرزو تھی۔

حضرت مولانا کا یہ خیال تھا کہ اس کا نام " حل المعقود الملقب بالتعلیق المحمود علی سنن ابی داؤد" رکھا جائے۔ آپ نے یہ مبارک کام کئی بار شروع کیا اور رک رک گیا، تیسری بار ۱۳۱۱ھ میں جب آپ دارالعلوم دیوبند میں مدرس دوم تھے، اس

www.abulhasanalinadwi.org

شرح کی ابتدا فرمائی اور اس مسودہ پر ... حل المعقود "مرۃ ثالثۃ" تحریر ہے۔
لیکن متنوع علمی مشغولیتوں، کثیر اسباق اور مسلسل اسفار اور انتظامی کاموں نے
اس کی تکمیل کا بلکہ اس کے جاری رہنے کا بھی موقعہ نہیں دیا اور اس پر ایک مدت
گزر گئی غالباً یکم ربیع الاول سنہ ۱۳۳۵ھ کا واقعہ ہے کہ حضرت مولانا جب مظاہر علوم
کے دار الحدیث سے ... بخاری شریف کا درس دے کر مدرسۂ قدیم تشریف لے جا رہے
تھے اور آپ کے پیچھے پیچھے آپ کے دو سعادت مند شاگرد چل رہے تھے جن میں ایک
حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی اور دوسرے مولوی حسن[۱] احمد صاحب
سہارنپوری تھے راستہ میں آپ رکے اور ان دونوں کی طرف متوجہ ہو کر ارشاد فرمایا۔

"مجھے ہمیشہ یہ خیال ہے کہ ابو داؤد پر کچھ لکھوں کئی دفعہ شروع کر چکا مگر پورا
نہیں ہوا اب یہ خیال ہے کہ اگر تم دونوں اعانت کرو تو شاید پوری ہو جاوے[۲]۔

حضرت مولانا کے اس ارشاد گرامی پر مولانا محمد زکریا صاحب نے عرض کیا کہ
ہاں حضرت ضرور شروع فرما دیں اس کے بعد بولے حضرت یہ میری دعا کی قبولیت کا
ثمرہ ہے۔

اس جملہ پر حضرت مولانا چونکے اور فرمایا یہ کیا؟
مولانا محمد زکریا صاحب نے اس پر عرض کیا۔
"والد صاحب نے جب مجھے مشکوٰۃ شریف شروع فرمائی تو بڑے اہتمام سے غسل

---

[۱] مولوی حسن احمد مرحوم سہارنپور محلہ کھالہ پار کے رہنے والے تھے بڑے متین اور نیک تھے مولانا محمد یحییٰ صاحب کے بڑے معتقد تھے مولانا کے درس حدیث میں ان کی تقریر نقل کرتے۔ بڑے جوان صالح اور شاب نشا فی عبادۃ اللہ کے مصداق تھے حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کے درس میں ساتھی اور دوست تھے افسوس ہے کہ جوانی ہی میں انتقال ہو گیا۔

[۲] تذکرۃ الخلیل صفحہ ۲۰۴

www.abulhasanalinadwi.org

فرماکر دو رکعت نفل پڑھ کر شروع کرائی اور بسم اللہ پڑھانے کے بعد دیر تک قبلہ رو طویل دعا مانگی تھی اس کا تو مجھے علم نہیں کہ انھوں نے کیا دعا مانگی مگر میں نے اس وقت یہ دعا دیر تک کی تھی کہ بار الٰہا اب مجھے حدیث شریف کا مشغلہ ترک نہ ہو میں اپنی اس دعا کو از قبیل محالات سمجھ رہا تھا کیونکہ مدارس کا طرز یہی ہے کہ فارغ شدہ طالب علم کو درجہ بدرجہ کتابوں کا پڑھانا ہوتا ہے اور برسوں کے بعد حدیث کا درس دینے کی نوبت آتی ہے پھر یہ کیسے ہوسکتا تھا کہ مجھے شروع ہی میں حدیث کا سبق مل جاتا پس مراد پوری ہونے کی کوئی صورت تو سمجھ میں آتی نہ تھی مگر دعا یہی کرتا تھا سو اس سے بہتر کیا کہ حضرت شرح ابوداؤد شروع فرمادیں اور میں کتابوں کی تلاش اور تتبع اقوال و معانی میں لگا رہوں "

اپنے شاگرد رشید کی یہ دعا اور تمنا کو سن کر حضرت مولانا کو جو خوشی ہوئی وہ ظاہر ہے آپ یہ سن کر مسکرا دیئے اور بلا تاخیر کتابوں کی فہرست لکھائی اور فرمایا کہ ان کو کتب خانہ سے نکلوالو۔

۲ر ربیع الاوّل ۱۳۳۵ھ کو حضرت مولانا کے حسب ارشاد کتابیں نکالی گئیں اور دوسرے یا تیسرے دن اس مبارک شرح کی ابتدا ہو گئی، جس کی تفصیل آپ بیتی حضرت شیخ میں دیکھی جاسکتی ہے۔ حضرت مولانا کا یہ دور ضعیفی کا دور تھا عمر کی چونسٹھویں منزل تھی ہاتھوں میں رعشہ تھا اور اعصاب مضمحل۔

دونوں شاگردوں نے حضرت مولانا کی اعانت کی خصوصاً مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی شیخ الحدیث مدظلہ العالی نے پورے ذوق و شوق اور انہماک کے ساتھ تتبع اور تلاش و کتابت میں دلچسپی لی پورے نو سال کے بعد ۱۳۴۴ھ میں حضرت مولانا طویل قیام کے ارادہ سے حجاز روانہ ہوئے اور آپ کے ساتھ آپ کے فاضل شاگرد رشید مولانا محمد زکریا صاحب شیخ الحدیث بھی حجاز تشریف لے گئے

www.abulhasanalinadwi.org

حجاز کے قیام کے دوران انتقال سے دو ماہ پہلے ۲۳ر شعبان ۱۳۴۵ھ میں اس مبارک شرح کا اختتام فرمایا، شرح کی تکمیل پر علماء مدینہ اور احباب و حاضرین کی دعوت کا خصوصی طور پر انتظام فرمایا اور اس کے لئے عربی میں دعوت نامے جاری کئے۔

حضرت مولانا نے بذل المجہود کی ترتیب، تصنیف و تالیف کا بڑا اہتمام فرمایا تھا ہندوستان کے قیام کے دوران بھی اور مدینہ منوّرہ زادھا اللہ شرفا وکرامۃ کے قیام کے اثنار بھی اپنی قوت وصلاحیت کو اس عظیم کام میں لگا دیا تھا کہ آپ کے ذہن و دماغ پر یہ مسئلہ برابر مستولی رہا اور آپ نے اس میں اپنی پوری زندگی ختم کر دی۔

مولانا عاشق الٰہی صاحب آپ کا معمول اس طرح لکھتے ہیں۔

"۱۳۳۵ھ میں جب اس کا افتتاح ہوا تو اس کی تالیف کے لئے صرف ایک گھنٹہ روزانہ تھا مگر ۱۳۳۶ھ میں صبح کا تمام وقت اس کی نذر ہوا اور شام کے وقت حضرت کے پاس ایک سبق رہا اسی درمیان میں اسفار پیش آئے اور حرج، مرض کی وجہ سے ناغہ ہو جاتی اور اس کے ساتھ نظام مدرسہ و نگرانی شعبہ ہائے مختلفہ اور آمد و رفت مہمانان وغیرہ کے مشاغل علیہ بدستور قائم تھے مگر آستانۂ محمدیہ پر پہنچ کر تو اس کے سوا آپ کو کوئی کام ہی نہ تھا کہ ڈاک بھی دسویں دن آتی تھی ادھر جگہ کی برکت اور طبیعت کا انس و لگاؤ جدا لہٰذا طبیعت خوب چلی اور دو مہینے میں کتاب سوا سو صفحات کی شرح قلم سے نکلی ساتھ ہی ساتھ حضرت نے اس کو طبع کرانا شروع کر دیا کہ خاص حضرات نے اس کی طباعت کے لئے رقم علٰحدہ دی تھی اور حضرت نے اس رقم کو مد طباعت بذل میں جمع فرما کر کتاب مدرسہ کو دیدی کہ اس کا سارا نفع مظاہر علوم کو پہنچے[1]۔

---

[1] تذکرۃ الخلیل صہ ۲۷۹-۲۸۰

www.abulhasanalinadwi.org

کتاب کی تصنیف کے پورے دور میں حضرت مولانا اپنے شیخ و مرشد حضرت گنگوہیؒ اور اپنے عزیز دوست مولانا محمد یحییٰ صاحب کاندھلویؒ کو بڑی حسرت کے ساتھ یاد فرمایا کرتے تھے خصوصاً تصنیف کے دوران جب بھی کوئی مشکل دور آتا تو بے چین ہو کر فرماتے۔

"حضرت گنگوہی کی حیات میں لکھی جاتی تو کس قدر سہولت ہوتی حضرت کے سامنے سب اشکال حل ہو جاتے کم از کم ہمارے مولوی صاحب (مولانا محمد یحییٰ) ہی حیات ہوتے تو خوب بحث ہوا کرتی" [1]

اب راقم سطور اختصار کے ساتھ اس شرح کی خصوصیات امتیازات اور حضرت مولانا نے جن چیزوں کا التزام کیا ہے اور جن پر خصوصی توجہ مرکوز کی ہے ان کے بارے میں چند باتیں نقل کرنا مناسب سمجھتا ہے اور یہ خصوصیات اور امتیازات مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کے اس بسیط مقدمہ سے اخذ کئے جا رہے ہیں جو اس شرح کے شروع میں تحریر فرمایا ہے۔

(۱)

مولف نے امام ابوداؤدؒ مؤلف کتاب کے اقوال اور راویوں پر کلام اور حدیث سے متعلق توضیحی نوٹس کو بڑی اہمیت دی ہے اور اس پر خصوصی توجہ کی ہے۔

(۲)

مولف نے سنن کے مختلف رائج نسخوں کے تقابل کے بعد ان کی تصحیح کی کوشش کی ہے مثال کے طور پر باب افتتاح الصلوٰۃ میں ابوحمید ساعدی کی حدیث کے سلسلہ میں اس کا مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔

---

[1] تذکرۃ الخلیل صـ ۲۸۰

www.abulhasanalinadwi.org

(۳)

مولف نے تعلیقات سنن کی تخریج کا بڑا اہتمام کیا ہے اور دوسری کتابوں میں اس کی تلاش و جستجو کرکے صحیح مخرج ذکر کرنے میں بڑی محنت صرف کی ہے اور اگر کہیں پوری کوشش کے بعد بھی اس کی سند دریافت نہ ہو سکی تو بغیر کسی تردد کے صاف اظہار کر دیا ہے۔

(۴)

مولف نے روایات کو ترجمہ (عنوان باب) کے ساتھ تطبیق دینے میں اپنی دقت فہم نکتہ رسی اور باریک بینی کا بڑا واضح ثبوت پیش کیا ہے جہاں ابواب مکرر آئے ہیں وہاں اس تکرار کی حکمت اور افادیت کا ذکر کیا ہے مثال کے طور پر" باب صفایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من الاموال" اور باب سہم الصفی" دیکھے جا سکتے ہیں دیکھئے (کتاب الخراج والفیٔ والامارۃ)

(۵)

جہاں پر شارحین نے کسی حدیث یا متعلقات حدیث کے سلسلہ میں کوئی اختلاف کیا ہے وہاں انھوں نے اپنا رجحان جس پر ان کا دل منشرح ہوا اور جو بات خدا تعالیٰ نے انھیں سجھائی۔ بے کم وکاست ذکر کر دی ہے اور اختلاف کو اس طرح حل کیا ہے کہ دل کو اطمینان کی ٹھنڈک حاصل ہوتی ہے اور گتھی سلجھ جاتی ہے۔

اس عظیم تالیف کی ایک اہم خصوصیت یہ بھی ہے کہ کتب حدیث کی شرح، یا مذہب حنفی کے اثبات وتائید، یا کسی اختلافی مسئلہ میں ہندوستان میں اکثر جو تالیفات ہوئیں ان پر کلامی اسلوب، مناظرانہ طرز اور عقلی استدلال کا رنگ غالب رہتا تھا، اور علمی لطیفوں اور نکتوں کی بڑی فراوانی ہوتی تھی، ان کتابوں کے علمی وکلامی مقام واہمیت، اور مؤلفین کی نیک نیتی اور علم میں ان کا بلند پایہ، رسوخ اور کمال کے اعتراف کے ساتھ ساتھ یہ بات قابل مواخذہ ہے کہ اس میں محدثین کے

www.abulhasanalinadwi.org

طرز و طریقہ اور قدمائے شارحین حدیث کے اسلوب کی رعایت نہیں کی گئی انہیں حدیث کے فنی مباحث مثلاً رواۃ حدیث پر کلام، جرح و تعدیل، علل حدیث اور حدیث کے مختلف درجوں، اصول حدیث کی کسوٹی پر حدیث کو پرکھنے وغیرہ پر زیادہ توجہ نہیں دی گئی۔ دور اخیر میں ہندوستان کے علمار مسلک حنفی کی تالیفات میں سے دو کتابیں یقیناً اس حکم سے مستثنیٰ ہیں ایک۔ کتاب "المحلی شرح الموطا" مولفہ شیخ سلام اللہ بن شیخ الاسلام دھلوی رامپوری (م ۱۲۲۹ - یا - ۱۲۳۳ھ) اور دوسری "آثار السنن والتعلیق الحسن علی آثار السنن، مولفہ علامہ ظہیر حسن نیموی بہاری (م ۱۳۲۹ھ)

اس کے برخلاف موصوف مولف کی یہ شرح حدیث سے اشتغال رکھنے والے اور فن حدیث کے ماہرین و اساتذہ اور ان کبار شارحین حدیث کے طرز و اسلوب پر لکھی گئی ہے، جن کی شروح حدیث کو مقبولیت عام حاصل ہوئی اور ہر دور میں طلبہ نے ان سے استفادہ کیا۔ یہ کتاب اسماء رجال اور اصول حدیث کے قیمتی اور اہم مباحث پر مشتمل ہے، مؤلف نے ہر بات مدلل ذکر کی ہے اور اکثر اوقات مؤلف صرف فن حدیث اور فن حدیث کے متعلقات پر کلام کرتے ہیں۔

مولف نے اس شرح میں اپنے شیخ، محدث جلیل حضرت شیخ مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہٗ کے ان افادات و تحقیقات سے جن کو حضرت گنگوہی کے ذکی و نجیب شاگرد مولانا محمد یحیٰی کاندھلوی نے نوٹ کیا تھا۔ فائدہ اٹھایا ہے، مؤلف کی ایک بڑی خصوصیت یہ بھی ہے کہ حتی الامکان راوی کی طرف خطا کی نسبت کرنے سے بچتے اور احتراز کرتے ہیں، اور اگر کہیں شارحین حدیث راوی کی خطا ثابت کرنے پر مجبور ہوتے ہیں تو مؤلف اس کی ایسی توجیہ کرتے ہیں جو دل کو لگتی ہے اور ہر انصاف پسند عقل اس کو قبول کرتی ہے مثلاً وہ روایتیں جن میں انگوٹھی اتار دینے کا ذکر آیا ہے، وہاں تمام محدثین نے کہا ہے کہ امام زہری کو وہم ہو گیا۔ لیکن مؤلف

www.abulhasanalinadwi.org

بذل المجہود نے اس کی ایسی عمدہ توجیہ کی ہے جو قابل دید ہے، یہ توجیہ حضرت گنگوہی کے کلام سے مستفاد ہے (دیکھئے کتاب الطہارۃ میں" باب الخاتم یکون فیہ ذکر اللہ تعالیٰ"

اس شرح کی یہ خصوصیت ہے کہ یہ بڑے لطیف استنباطات پر مشتمل ہے، جنھیں پڑھنے والا جگہ جگہ کتاب میں منتشر پاتا ہے۔

"مسألۃ القسامۃ" مؤلف کے ان لطیف اور عمدہ مباحث میں سے ہے جسمیں مولف کی سلامت فکر، اور کتب حدیث کے عمیق و وسیع مطالعہ کا پتہ چلتا ہے، اور مسئلہ سے متعلق روایتوں کے اندر پایا جانے والا اختلاف بالکل زائل ہو جاتا ہے۔

احادیث الفتن والملاحم بھی کتاب کے ان اہم مقامات اور قابل تعریف مباحث میں سے ہے جس میں مولف کی کوشش و کاوش، غور و خوض اور دقت نظر جلوہ گر ہوئی ہے۔ مولف نے ان فتنوں کی تعیین کرنے کی کوشش کی ہے جن کا احادیث میں اشارۃً ذکر آیا ہے، راجح حدیث کو معلوم کرنے اور اس کو ترجیح دینے میں بڑی محنت صرف کی ہے، اور بعض فتنوں کی تعیین میں پورے غور و خوض اور احاطہ کے بعد اپنے اجتہاد سے کام لیا ہے۔ مثال کے طور پر حضرت ابو قتادہ کے کلام کی شرح دیکھی جا سکتی ہے۔

ایک حدیث کی شرح میں شریف مکہ حسین بن علی کے فتنہ کی طرف اشارہ کیا ہے، (دیکھئے حدیث عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ "ثم یصطلح الناس علی رجل کورك علی ضلع" اس کو مولف نے بڑی تفصیل اور وضاحت کے ساتھ لکھا ہے ان مواقع پر مولف کے کلام میں اپنی تحقیق پر اعتماد اور غور و خوض کے بعد بحث کے نتیجہ پر یقین نظر آتا ہے، وہ ان مواقع پر تواضع اور صراحت کرنے میں پس و پیش سے کام نہیں لیتے بلکہ قاری کے اندر بھی اعتماد، یقین اور قطعیت پیدا کر دیتے ہیں، یہ خصوصیت تعلیم کے طریقہ کار اور تربیت کی حکمت و دانائی اور کسی شرح کے محاسن کا اظہار کرتی ہے۔

www.abulhasanalinadwi.org

www.abulhasanalinadwi.org

اٹھارھواں باب

چند خلفاء اور مجازین

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ
رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ
مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ
وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا

www.abulhasanalinadwi.org

www.abulhasanalinadwi.org

اٹھارہواں باب

خلفاء اور مجازین

۱۔ حضرت مولانا حافظ قمرالدین صاحب سہارنپوریؒ

سہارنپور میں حضرت سید احمد شہیدؒ کی جماعت کے ایک خاص رکن مولانا سعادت علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ تھے جو بڑے فقیہہ و مفتی اور مدرس تھے ان کا خاص مشغلہ درس و تدریس تھا مولانا حافظ قمرالدین صاحب انھیں بزرگ عالم کے خاص شاگرد تھے ان استاذ و شاگرد کے متعلق مولانا محمد زکریا صاحب شیخ الحدیث تحریر فرماتے ہیں۔

> "حضرت مولانا سعادت علی صاحب فقیہہ سہارنپوری جو مسلم الثبوت فقہا میں تھے اپنے دولت کدہ پر قدیم رواج کے موافق شائق طلبا کو پڑھایا کرتے تھے، مولانا عنایت الٰہی صاحب، مولانا الحافظ الحاج قمرالدین صاحب جو آج مشائخ وقت میں ہیں اس زمانہ میں حضرت مولانا سعادت علی صاحب کے پاس طالب علمی کے منازل طے کر رہے تھے اور مولانا کے مخصوص تلامذہ میں سے سمجھے جاتے تھے۔"[1]

۱۲۸۳ھ میں مولانا سعادت علی صاحب نے عربی مدرسہ کی بنیاد ڈالی اور

---

[1] تاریخ مظاہر اوّل

www.abulhasanalinadwi.org

انبیٹھ سے مولانا سخاوت علی صاحب کو بلا کر اس مدرسہ میں مدرس رکھا۔ مولانا قمرالدین صاحب ان سے نحو میر اور مولانا سعادت علی صاحب سے ان کے گھر پر بعض دوسری کتابیں پڑھتے رہے اور ۱۲۸۷ھ میں اس عربی مدرسہ سے وہ فارغ التحصیل ہوئے اور پھر اسی مدرسہ میں قرآن شریف کے استاذ مقرر کئے گئے اور بعد میں جامع مسجد سہارنپور کی امامت کی ذمہ داری بھی ان کے سپرد کر دی گئی جس کو انھوں نے آخر تک نبھایا۔

مولانا کو مدرسہ مظاہر علوم سے قلبی تعلق تھا بلکہ اس کے روح رواں تھے مدرسہ سے ایسا گہرا لگاؤ تھا کہ شہر اور دیہات کا چندہ جمعہ کی نماز کے بعد سے لے کر عصر تک جامع مسجد سہارنپور میں خود وصول فرماتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایمان و یقین اور تعلق مع اللہ کی دولت سے خوب نوازا تھا، عبادت و ریاضت میں امتیازی شان رکھتے تھے، حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی سے بیعت کا تعلق رکھتے تھے اور آخر میں حضرت ہی سے اجازت و خلافت کا شرف حاصل کیا لیکن اخفا کا یہ عالم تھا کہ کسی کو اس کی خبر بھی نہ ہو سکی مولانا عاشق الٰہی صاحب لکھتے ہیں۔

> "حضرت مولانا حافظ قمرالدین صاحب امام جامع مسجد سہارنپور بھی اغلب یہ ہے کہ حضرت امام ربانی سے مجاز ہیں مگر اخفا بہت فرماتے تھے اور حضرت مولانا خلیل احمد صاحب کی طرف سے تو اجازت بیعت بالفاظ صریحہ ہو چکی ہے"[1]

حضرت گنگوہی کی وفات کے بعد حضرت مولانا خلیل احمد صاحب نور اللہ مرقدہ سے تعلق پیدا کیا اور اصلاح لی اور بہت جلد اجازت و خلافت سے سرفراز ہوئے حضرت مولانا زکریا صاحب شیخ الحدیث تحریر فرماتے ہیں۔

---

[1] تذکرۃ الرشید جلد ثانی

www.abulhasanalinadwi.org

بہت ہی اکابر مشائخ میں تھے نہایت پابند صوم وصلوٰۃ واوراد وظائف
تھے ان تمام خوبیوں کے ساتھ ساتھ حضرت اقدس سہارنپوری نوراللہ مرقدہٗ
کے اجل خلفا میں سے تھے اس کے علاوہ حضرت گنگوہی کے بھی مجاز تھے۔"[1]

حافظ قمرالدین صاحب غالباً حضرت سہارنپوری کے اولین خلفا میں تھے بلکہ وہ یکساں طور پر دونوں بارگاہوں (یعنی بارگاہ رشیدی اور بارگاہ خلیلی) سے تعلق رکھتے تھے۔

آخر عمر میں سات سال تک شدید طور پر بیمار رہے اور فالج کا شکار رہے مگر نماز کی پابندی کا یہ حال تھا کہ خدام کرسی پر بٹھا کر مسجد میں صف اول میں بٹھا دیا کرتے تھے، تکبیر اولیٰ کا اتنا خیال اور اہتمام رہتا تھا کہ کوئی نماز تکبیر اولیٰ کے بغیر نہیں پڑھی جب امامت سے معذور ہو گئے تو حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کاندھلوی بلا تنخواہ ان کے نائب امام بن کر نماز پڑھاتے رہے۔

۲۷ محرم ۱۳۳۴ھ مطابق ۱۵ دسمبر ۱۹۱۵ء کی شب میں تہجد کے وقت انتقال فرمایا اور اس آخری شب کی آخری نماز بھی باوجود سخت معذوری کے حسب معمول تکبیر اولیٰ کے ساتھ اپنی کرسی پر جماعت سے پڑھی۔

تاریخ مظاہر جلد دوم میں حافظ صاحب کا تذکرہ ان الفاظ میں مندرج ہے۔

"مدرسہ کے ابتدائی دور میں ایک بزرگ شخصیت جناب الحافظ الحاج قمرالدین صاحب جو باوصف اپنے زہد وتقویٰ عالم باعمل اور بارگاہ رشیدی سے مجاز بیعت ہونے کے مدرسہ کے معاون اور اس کا درد وفکر رکھنے والے تھے قیام مدرسہ کے بعد حضرت مولانا سعادت علی صاحب نے سب سے پہلے

---

[1] تاریخ مظاہر جلد اول صـ ۲۱

www.abulhasanalinadwi.org

عربی تعلیم حضرت حافظ صاحب ہی کو شروع کرائی تھی اور تعلیم سے فراغت پر پھر اسی مدرسہ کے ہو رہے تھے کہ مدرس اول درجہ قرآن شریف اور خطیب جامع مسجد سہارنپور مقرر ہوئے اور تاحیات اس خدمت کو انجام دیتے رہے آخر زمانے میں ضعف و پیری کی وجہ سے چلنے پھرنے سے معذور ہو گئے تھے آرام کرسی پر مسجد میں آمد و رفت ہوا کرتی تھی لیکن نماز ایک وقت کی بھی فوت نہ ہوئی حتیٰ کہ اپنی زندگی کی سب سے آخری نماز، نماز عشاء صف اول میں پڑھی اور تہجد کے وقت ستائیس محرم کی شب میں انتقال فرمایا حق تعالیٰ غریق رحمت فرمائے کہ بہت سی خوبیوں کے مالک اور بہت سے محاسن اپنے اندر رکھتے تھے [1]

۲۔ مولانا محمد یحییٰ صاحب کاندھلوی

کاندھلہ میں ایک بڑا مشہور دینی و علمی خانوادہ ہے جس میں صدیوں سے علماء، حفاظ اور مشائخ پیدا ہوتے رہے ہیں، اسی خانوادۂ علم و عمل کے چشم و چراغ مولانا محمد یحییٰ صاحب بھی تھے والد ماجد کا نام مولانا محمد اسماعیل تھا جو بنگلہ والی مسجد نظام الدین دہلی میں بچوں کو پڑھاتے تھے اور تعلیم کے ساتھ ساتھ دعوت و تبلیغ کا اہم فریضہ بھی انجام دیتے تھے، زہد و تقویٰ میں ان کا کوئی مثیل نہ تھا مولانا محمد یحییٰ صاحب کے دو بھائی اور تھے۔ بڑے بھائی کا نام مولانا محمد تھا جو زہد و تقویٰ میں اپنے والد کے قدم بقدم تھے چھوٹے بھائی کا نام مولانا محمد الیاس تھا جو دعوت و تبلیغ میں فرد فرید اور تحریک تبلیغ کے بانی مبانی تھے۔

مولانا محمد یحییٰ صاحب غرہ محرم سنہ ۱۲۸۷ھ میں پیدا ہوئے تاریخی نام بلند اختر

---

[1] تاریخ مظاہر جلد دوم صفحہ ۱۵

www.abulhasanalinadwi.org

تھا، مولانا فطری طور پر ذہین و ذکی اور طبعًا لطیف المزاج تھے، سات سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کر لیا تھا اور روزانہ ایک قرآن ختم کر لینے کا معمول تھا، والد ماجد سے عربی شروع کی جنھوں نے تعلیم کے ساتھ ساتھ دینی تربیت بھی کی۔ خود شب زندہ دار تھے اس لئے بیٹے کو بھی آخر شب میں بیدار کر دیتے تھے مولانا اٹھ کر چند نوافل پڑھ کر کتاب دیکھنے لگتے مولانا کو علم کا شوق ابتدائے عمر سے تھا ادب کا خاص ذوق رکھتے تھے، علمی استعداد بلند تھی، علوم نقلیہ کے ساتھ فنون عقلیہ میں دستگاہ رکھتے تھے عربی ادب میں اتنا ملکہ حاصل تھا کہ نثر اور نظم دونوں بے تکلف لکھتے تھے، منطق اور ادب کے علاوہ باقی کتابیں حدیث کو چھوڑ کر مدرسہ حسین بخش دہلی میں پڑھیں اور حدیث شریف حضرت گنگوہی سے پڑھی مگر اس طرح کہ حضرت گنگوہی کو نزول الماء کی شکایت ہو گئی تھی اور دورۂ حدیث بند ہو چکا تھا حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری نے نظام الدین میں مولانا محمد یحییٰ صاحب کا حدیث میں امتحان لیا تھا اور ان کی علمی استعداد کو دیکھ کر حضرت گنگوہی سے عرض کیا کہ ایک مرتبہ دورہ میری خاطر مولوی یحییٰ کو اور پڑھا دیجئے کہ ایسا شاگرد حضرت کو نہ ملا ہوگا۔

حضرت گنگوہی نے پھر آخری دورہ پڑھایا اور مولانا محمد یحییٰ کی خاطر ایک جماعت شریک ہوئی۔

اس دورہ کے بعد مولانا محمد یحییٰ گنگوہ ہی کے ہو کر رہ گئے اور نہ صرف پورے بارہ برس تک یعنی حضرت گنگوہی کی وفات تک رہے بلکہ حضرت کی وفات کے بعد بھی ۱۳۲۸ھ تک اس بارگاہ رشیدی کی چوکھٹ کو نہ چھوڑا مولانا محمد یحییٰ صاحب حضرت گنگوہی کے مزاج شناس بھی تھے اور عاشق زار بھی خود حضرت گنگوہی کو ان سے ایسا قلبی لگاؤ اور تعلق خاطر تھا کہ دوسروں میں سے کسی سے نہ تھا حضرت اکثر فرمایا کرتے تھے کہ مولوی یحییٰ تو میری آنکھیں ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ مولانا محمد یحییٰ

www.abulhasanalinadwi.org

ایک لمحہ کے لئے حضرت کو نہ چھوڑتے تھے نہ حضرت گنگوہی ان کے بغیر رہ سکتے تھے اس تعلق و محبت کے کئی واقعات ہیں ایک بار کسی کام کو مولانا لال مسجد تک گئے تو حضرت بے چین ہو گئے اور بار بار پکارا آخر جب حاضر ہوئے تو فرمایا یہاں سے کہاں چلے گئے تھے ایک مرتبہ کسی کام میں ذرا دیر لگ گئی تو حضرت نے کئی بار پکارا پھر فرمایا خدا جانے کہاں بیٹھ رہے آخر جب آئے تو آپ نے یہ شعر پڑھا۔

مت آئیو او وعدہ فراموش تو اب بھی
جس طرح کٹا روز گزر جائے گی شب بھی

حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب کو حضرت مولانا خلیل احمد صاحب نور اللہ مرقدہ نے بڑے ذوق و شوق سے خود گنگوہ تشریف لے جا کر خلافت و اجازت سے سرفراز فرمایا حضرت گنگوہی کے بعد مولانا محمد یحییٰ صاحب حضرت مولانا خلیل احمد صاحب ہی کے ہو کر رہ گئے وہ حضرت گنگوہی کی زندگی میں ہی حضرت مولانا کے علو مرتبت کے قائل تھے وہ اکثر کہا کرتے۔

"مولانا خلیل احمد صاحب سے تعلق رکھنے والا کبھی محروم نہیں رہ سکتا اور مولانا کی ایک شان خاص ہے جو بیان میں نہیں آ سکتی پھر حضرت گنگوہی کے بعد جس کو بھی مشورہ دیا یہی دیا کہ حضرت کی طرف رجوع کر دیجئے

مولانا کے علمی کمالات، علو استعداد، کمال ظاہری و باطنی کا حال مولانا عاشق الٰہی صاحب ان الفاظ میں لکھتے ہیں۔

"آہ مولوی محمد یحییٰ میرے محسن اور مخلص دوست تھے جن کے کمالات مخفیہ اور حالات سنیہ بیان کرنے کو مستقل تالیف کی ضرورت ہے آخر کوئی چیز تھے کہ امام ربانی کو اولاد سے زیادہ پیارے ہوئے کہ حضرت ان کو بڑھاپے

---

[1] تذکرۃ الخلیل ص ۱۹۰

www.abulhasanalinadwi.org

کی لاٹھی اور نابینا کی آنکھیں فرمایا کرتے تھے اور کسی ضرورت سے وہ چند منٹ کے لئے ادھر سے ادھر ہو جاتے تو امام ربانی بے چین اور بے کل ہو جایا کرتے تھے بارہ برس کا مل اس لاڈ اور پیار میں گزرے کہ کوئی اس کی نظیر بیان نہیں کر سکتا حتیٰ کہ امام ربانی کا وصال ہو گیا۔ اور حضرت مولانا خلیل احمد صاحب نے جن کی دوربیں بصیرت بارہ برس پہلے سمجھ چکی تھی کہ مولوی یحییٰ کوئی چیز ہیں گنگوہ جا کر وہ عمامہ جو آپ کو مرشد العرب والعجم کے دست مبارک سے عطا ہوا اور اصل پینچیوں پر سیا ہوا اب تک محفوظ رکھا ہوا تھا یہ کہتے ہوئے اپنے دست مبارک سے مولوی محمد یحییٰ کے سر پر رکھ دیا کہ اس کے مستحق تم ہو اور میں آج تک اس کا محافظ و امین تھا الحمد للہ کہ آج حق کو حقدار کے حوالہ کر کے بار امانت سے سبکدوش ہوتا ہوں اور تم کو اجازت دیتا ہوں کہ کوئی طالب آئے تو اس کو سلاسل اربعہ میں بیعت کرنا اور اللہ کا نام بتانا[1]

مولانا محمد یحییٰ صاحب کو اللہ تعالیٰ نے گوناگوں صلاحیتیں بخشی تھیں ظاہری علم وفضل کے ساتھ ساتھ کمال باطنی کی دولت بھی عطا ہوئی تھی۔

خدمت خلق کا جذبہ بھی پایا تھا، سادگی اور استغنا کی نعمت سے بھی سرفراز ہوئے تھے ذہانت و ذکاوت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی تربیت کرنے کا وہ ملکہ حاصل تھا جس کی کوئی نظیر نہیں گنگوہ میں جب حدیث شریف پڑھتے تھے تو اہتمام کے ساتھ حضرت گنگوہی کی تقریر ضبط کر لیتے تھے جو ایک مستقل تعلیق بن گئی تھی۔

سنہ ۱۳۲۸ھ میں حضرت مولانا خلیل احمد صاحب نے مظاہر العلوم میں بلا کر حدیث کا درس ان کے سپرد کیا مولانا ساڑھے پانچ سال مظاہر علوم میں درس دیتے رہے اور اسی حال میں ۱۰ ذی قعدہ سنہ ۱۳۳۴ھ کو بوقت صبح انتقال فرمایا اور اپنی یادگار میں ایک عظیم القدر فرزند چھوڑا جن کا نام نامی حضرت مولانا محمد زکریا صاحب

---

[1] تذکرۃ الخلیل صـ ۱۹۴

www.abulhasanalinadwi.org

کاندھلوی شیخ الحدیث ہے متعنا اللہ بحیاتہ وزید مجدہ

۳۔ مولانا عبداللہ گنگوہی

مولانا محمد یحییٰ صاحب کاندھلوی ۱۳۱۱ھ میں جب گنگوہ حدیث پڑھنے گئے تو قصبہ کے مشرقی حصہ میں لال مسجد میں قیام کیا اثنائے قیام وہ پانچوں وقت دیکھتے کہ ایک دس بارہ سال کی عمر کا لڑکا پابندی کے ساتھ نماز پڑھتا ہے اس بچے کی یہ ادا مولانا کو بہت بھائی نام پوچھا تو لڑکے نے عبداللہ نام بتایا مشغلہ پوچھا تو اس نے عرض کیا کہ انگریزی پڑھتا ہوں، مولانا نے فرمایا۔

"چھٹی کے اوقات میں تھوڑی عربی بھی پڑھ لیا کرو انگریزی کے ساتھ ساتھ مولوی بھی ہو جاؤ گے"

وہ صاحبزادے اس پر راضی ہو گئے اور کچھ دنوں تک مولانا محمد یحییٰ صاحب سے عربی پڑھتے رہے اور انگریزی اسکول میں انگریزی مگر خدا کا کرنا کہ تھوڑے عرصہ بعد عربی کی وقعت دل میں ایسی پیدا ہوئی کہ انگریزی اسکول سے نام ہی کٹا کر اول سے آخر تک مولانا محمد یحییٰ صاحب سے عربی اور دینی تعلیم حاصل کی اور اس میں کمال پیدا کر کے عالم کامل بنے اور مسٹر عبداللہ سے مولانا عبداللہ ہوئے اور پھر حضرت گنگوہی سے بیعت ہوئے اور ایسے بیعت ہوئے کہ زیادہ تر وقت صحبت بابرکت میں گزارنے لگے حضرت گنگوہی کے وصال کے سال تھانہ بھون میں تھے کہ حضرت مولانا اشرف علی صاحب نے فرمایا کہ حضرت گنگوہی کے آپ مرید ہیں ان کی خدمت میں جائیے وہ حاضر ہوئے اور انھیں کی موجودگی میں انتقال ہوا حضرت گنگوہی سے بہت تعلق رکھتے تھے اور خلوت وجلوت کے حاضر باش تھے حضرت گنگوہی کے انتقال کے بعد حضرت مولانا خلیل احمد سے بیعت ہوئے۔ یہ زمانہ تھانہ بھون کے قیام کا تھا ان کے راہ سلوک طے کرنے میں بعض ایسی رکاوٹیں پیش آئیں کہ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب نے تکمیل سلوک کے لئے

www.abulhasanalinadwi.org

یہ ضروری سمجھا کہ وہ سہارنپور آکر ایک عرصہ تک قیام کریں انھوں نے اس پر عمل کیا اور پھر تکمیل سلوک کی۔ اور حضرت مولانا خلیل احمد صاحب کی جانب سے اجازت و خلافت حاصل کر کے شیخ طریقت ہوئے ذلك فضل الله يؤتيه من يشاء و الله ذو الفضل العظيم

مولانا عبداللہ صاحب گنگوہ میں ۱۲۹۸ھ میں پیدا ہوئے، پانچ چھ سال کی عمر میں انگریزی شروع کی ۱۳ سال کی عمر تک انگریزی پڑھی پھر مولانا محمد یحییٰ صاحب سے عربی شروع کی اور ۱۳۱۸ھ تک جبکہ ان کی عمر بیس سال کی تھی عربی علوم میں مہارت پیدا کر لی اور بڑے ذی استعداد ہوئے اسی سال حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی نے مولانا شبیر علی صاحب کی تعلیم کے لئے مولانا محمد یحییٰ صاحب سے کہا کہ کسی ذی استعداد طالب علم کی ضرورت ہے اگر آپ کے پاس کوئی ایسا طالب علم ہو تو مجھے دے دیجئے تو مولانا محمد یحییٰ صاحب نے مولانا عبداللہ کو یہ کہہ کر دے دیا کہ انشاء اللہ تعالیٰ یہ آپ کی مرضی کے مطابق تعلیم دے گا مجھے اس پر اطمینان ہے"۔

مولانا عبداللہ صاحب تھانہ بھون میں دس سال رہے اور مولانا شبیر علی صاحب برادر زادہ حضرت تھانوی اور مولانا ظفر احمد صاحب خواہر زادہ حضرت تھانوی کو پڑھاتے رہے مولانا شبیر علی صاحب اور مولانا ظفر احمد صاحب ان کے طرز تعلیم کی بڑی تعریف کرتے ہیں مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی اپنے ایک مکتوب میں لکھتے ہیں۔

"مولانا عبداللہ صاحب کو ابتدائی تعلیم صرف و نحو و ادب میں کامل مہارت تھی میں نے میزان منشعب، پنج گنج کے ساتھ ساتھ تیسیر المبتدی پڑھی تھی حصہ صرف ختم ہونے کے بعد نحو میر کے ساتھ اس کا حصہ نحو پڑھا تھا مولانا اس زمانہ میں ہم سے اردو کی عربی اور عربی کی اردو بنوایا کرتے تھے عصر کے بعد سیر و تفریح کو جاتے اور ہمیں ساتھ لیتے خود قرآن شریف پڑھتے جاتے اور ہم سے قرآن کے

www.abulhasanalinadwi.org

صیغے دریافت کرتے جاتے اور نحو کی ترکیب بھی پوچھتے جاتے اسی طرح نحو میر پڑھنے کے زمانے ہی میں مجھے عربی لکھنے اور بولنے کی مشق ہو گئی تھی۔ میں نے اسی زمانہ میں اپنے ایک ساتھی کو دیوبند خط لکھا تو اس میں عربی کے چند اشعار بھی لکھے تھے جن میں سے ایک شعر یاد ہے ؎

انا ما رایتک من زمن فشداد فی قلبی الشجن

حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ نے میرا یہ خط دیکھ لیا تو بہت ہی دھمکایا کہ ابھی سے شعر و شاعری کا مشغلہ شروع کر دیا ابھی تو محنت کرنے اور یاد کرنے کا زمانہ ہے مگر مولانا عبد اللہ صاحب سے فرمایا کہ میں نے اگرچہ ظفر کو شعر و شاعری پر دھمکایا ہے مگر آپ کی خوبی تعلیم کا مجھ پر بہت اثر ہوا کہ نحو میر پڑھنے والے کو عربی شعر بنانے کی لیاقت ہو گئی[1]

۱۲ر شوال ۱۳۲۷ھ میں مظاہر علوم میں بحیثیت مدرس تشریف لائے اور ۱۳۲۸ھ میں حضرت مولانا خلیل احمد صاحب کی طرف سے اجازت و خلافت مرحمت فرمائی گئی۔

۱۳۲۹ھ میں سہارنپور سے کاندھلہ تشریف لے گئے اور مدرسہ عربیہ میں آخر عمر تک تعلیم دیتے رہے اور ۱۰ر رجب ۱۳۳۹ھ مطابق ۲۶ر مارچ ۱۹۲۱ء شب شنبہ میں انتقال فرمایا۔

مولانا نے کئی کتابیں تصنیف فرمائی تھیں۔

۱۔ اکمال الشیم جو حضرت مولانا خلیل احمد صاحب نور اللہ مرقدہٗ کی کتاب اتمام النعم کی شرح ہے اور حضرت ہی کے حکم پر لکھی تھی۔

۲۔ تیسیر المبتدی اور تیسیر المنطق، تیسیر المبتدی تھانہ بھون کے قیام کے دوران

---

[1] آپ بیتی صد؂

www.abulhasanalinadwi.org

لکھی تھی اور اس پر حضرت تھانوی کی تقریظ بھی ہے اور تیسیر المنطق کاندھلہ کے اثنائے قیام میں تصنیف کی تھی۔

مولانا کو اللہ تعالیٰ نے علم وفضل کے ساتھ ساتھ زہد و تقویٰ خشیت الٰہی کا جذبہ بھی عطا فرمایا تھا باوجود اس کے کہ حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ کے مجاز تھے تحصیل سلوک اور کمال خشیت الٰہی کا ذوق و شوق بڑھتا ہی جاتا تھا ان کے زہد و ورع اور تعلق مع اللہ کی کیفیت حسب ذیل واقعے سے عیاں ہوتی ہے جو حضرت شیخ مولانا محمد زکریا صاحب نے تحریر فرمایا لکھتے ہیں۔

"شوال ۳۳ھ جب حضرت قدس سرہٗ حجاز تشریف لے جارہے تھے تو مولانا مرحوم نے تجدید بیعت کی درخواست کی اتفاق سے اسی دن اس سیہ کار نے بھی بیعت کی درخواست کر رکھی تھی اور حضرت قدس سرہٗ نے ارشاد فرما دیا تھا کہ مغرب کے بعد جب میں نفلوں سے فارغ ہو جاؤں تو میرے پاس آجانا یہ ناکارہ مغرب کے بعد ہی سے حضرت کے پیچھے فصل سے بیٹھا رہا نوافل کے بعد جب حضرت قدس سرہٗ نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے تو یہ ناکارہ قریب حاضر ہو گیا اور مولانا مرحوم بھی جو مدرسہ قدیم میں دوسری جانب دور بیٹھے ہوئے تھے حاضر خدمت ہو گئے حضرت نور اللہ مرقدہٗ نے ہم دونوں کا ہاتھ پکڑ کر خطبہ شروع فرمایا اور مولانا مرحوم پر اس زور کا گریہ شروع ہوا کہ چیخیں نکل گئیں اور آخر تک بہت شدت سے روتے رہے اور حضرت قدس سرہٗ پر بھی اس کا اثر ایسا پڑا کہ آواز میں گھگھراہٹ پیدا ہو گئی اور دونوں حضرات پر بہت ہی زیادہ اثر تھا[1]

مولانا عبد اللہ صاحب کو اپنے استاذ و مربی مولانا محمد یحییٰ صاحب کاندھلوی سے

---

[1] مقدمہ اکمال الشیم صفحہ ۵

www.abulhasanalinadwi.org

حد درجہ محبت تھی اس لئے کہ مولانا کاندھلوی ہی ان کے دینی کمالات اور علمی فضیلت کا سبب بنے تھے ان کے بعد ان کے گرامی قدر و منزلت فرزند رشید حضرت مولانا محمد زکریا صاحب شیخ الحدیث مدظلہ العالی سے بھی انتہائی محبت تھی انتقال سے کچھ دن پہلے فرمانے لگے۔

"مولوی زکریا صاحب میں نے ایک خواب دیکھا ہے اس کی تعبیر بتاؤ خواب یہ ہے کہ آسمان سے ایک بڑا انار گرا اور زمین پر گرتے ہی اس کے سب دانے جدا جدا ہو گئے مولانا محمد یحییٰ صاحب تشریف رکھتے تھے اور فرما رہے تھے بھئی اس دانہ میں ایک دانہ میرا بھی ہے"[1]

حضرت مولانا محمد زکریا صاحب شیخ الحدیث مدظلہ نے فرمایا کہ مجھے تعبیر دینا نہیں آتی تو مولانا عبد اللہ صاحب بولے اچھا میں ہی بتاؤں تعبیر۔

"وہ دانہ میں ہوں تو آخر مولوی صاحب کا ہوں ہی اور یہ بشارت ہے میری موت اور پھر مغفرت کی"[2]

چنانچہ اس خواب کے چند ماہ بعد ہی اسی سال مولانا کا مرض دق میں وصال ہو گیا۔ اللّٰھم اغفرلہ وارحمہ

مولانا عاشق الٰہی صاحب میرٹھی

مولانا ۵ رجب ۱۲۹۸ھ مطابق ۳ جون ۱۸۸۱ء کو پیدا ہوئے ابتدائی اردو تعلیم کے بعد سات سال کی عمر میں عربی شروع کی اس کے بعد انگریزی پڑھی ۱۳ سال کی عمر میں باقاعدہ عربی تعلیم حاصل کرنی شروع کی ۱۸ سال کی عمر میں کتب صحاح سے فراغت حاصل کرلی ۱۳۱۰ھ میں لاہور سے مولوی فاضل کیا

---

[1] مقدمہ اکمال الشیم ص۸ [2] ایضاً ص۸

www.abulhasanalinadwi.org

۱۳۱۶ھ میں جبکہ ان کی عمر ۱۸ سال کی تھی گنگوہ جاکر حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی سے بیعت ہوئے۔ ۱۳۱۷ھ میں دار العلوم ندوۃ العلماء میں مدرس ہوئے لیکن چند ماہ کے بعد اپنے وطن میرٹھ واپس آگئے پریس کھولا اور تصنیف و تالیف و تراجم کا کام شروع کیا۔ ۱۳۲۱ھ میں حج کو گئے۔ ۱۳۲۳ھ میں دوسرا حج کیا۔ ۱۳۲۸ھ میں تیسرا حج کیا اور اس مرتبہ حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری کی ہمرکابی نصیب ہوئی اس کے بعد شام و فلسطین، کا دورہ کیا۔ ۱۳۴۱ھ میں چوتھا حج کیا اور ۱۳۴۳ھ میں پانچواں اور ۱۳۴۴ھ میں مدرسہ مظاہر علوم کے سرپرست بنائے گئے اس مدرسہ کا کام پورے انہماک سے کیا ۱۳۴۸ھ میں چھٹا حج کیا۔

حضرت شیخ الحدیث فرماتے ہیں۔

"مولانا انتہائی ذکی، انتہائی مدبر، ظریف، خوش مزاج تھے لیکن منکرات پر بہت زیادہ غصہ آجاتا جو بسا اوقات سخت کلامی تک پہنچ جاتا اول حضرت اقدس گنگوہی سے بیعت کی تھی، حضرت قدس سرہٗ کے وصال کے بعد حضرت اقدس مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری نور اللہ مرقدہٗ مہاجر مدنی سے رجوع کیا اور حضرت سے خلافت اور اجازت بیعت و سلوک ملی[1]

مولانا عاشق الٰہی صاحب کو حضرت مولانا خلیل احمد صاحب کی طرف سے جو اجازت و بیعت ملی اس کے الفاظ حسب ذیل ہیں۔

"کئی روز سے خط لکھنے کا ارادہ تھا الحمد للہ ثم الحمد للہ کہ حق تعالیٰ شانہٗ آپکو نسبت مشائخ کے ساتھ نوازا بندے کے نزدیک نیز دیگر حضرات کے نزدیک آپ میں نسبت جو معتبر بیاد داشت ہے اور شرط اجازت پیدا ہو گئی لہٰذا اگرچہ ناکارہ

---

[1] مقدمہ ارشاد الملوک ص۸ [2] تاریخ مظاہر جلد دوم ص۔ بیاض حضرت شیخ زید مجدہٗ

www.abulhasanalinadwi.org

ہوں پر جس طرح مجھ کو میرے مشائخ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اجازت دی میں آپ کو اجازت دیتا ہوں جو طالب حق خدمت میں آوے اسے بیعت کرکے سلسلۂ العلیہ میں داخل فرمادیں اور اذکار مناسبہ تلقین فرمادیں[1]

خلیل احمد

مولانا میرٹھی کو اللہ نے علم و فضل کے علاوہ ایک نعمت یہ بھی دی تھی کہ ان کو جس طرح اپنے شیخ و مرشد سے محبت تھی اور فدائیت غالب تھی اسی طرح ان کے شیخ و مرشد حضرت سہارنپوری کو ان سے تعلق تھا اور ان کو عزیز بیٹے کی طرح سمجھتے تھے مولانا جب حج کو گئے اور آنے میں دیر ہوئی خط بھی نہ پہنچا ادھر افواہ اڑ گئی کہ مدنی قافلہ کو بدوؤں نے قید کرلیا تو مولانا کے سارے اعزہ گھبرا گئے اور حضرت مولانا کا یہ حال ہوگیا کہ پریشانی کا کچھ ٹھکانہ نہ رہا اکثر مغموم و متفکر بیٹھے رہتے اور جب مولانا حج سے واپس آئے اور ملاقات ہوئی دونوں پر کیا گزری خود مولانا میرٹھی کے الفاظ میں پڑھئے۔

"گاڑی آتی تھی ایک بجے مگر حضرت مدرسہ سے فارغ ہو کر بارہ ہی بجے اسٹیشن پر پہنچ لئے اور پوری دعوت کا تیار کھانا ساتھ، گاڑی آئی تو ادھر حضرت مجسم انتظار ایک ایک گاڑی (ڈبہ) پر نظر ڈال رہے ہیں اور ادھر میں کھڑکی سے منہ نکالے حضرت کی صورت کا متمنی تھا کہ دفعۃً آمنا سامنا ہوا اور میں کھڑکی ہی سے نیچے کو دپڑا حضرت نے لپک کر چھاتی سے لگا لیا مگر آنسو میری آنکھوں میں بھی اور حضرت کی آنکھوں میں بھی"[2]

ایک دوسرے سفر پر روانگی کا منظر اس طرح لکھتے ہیں۔

"ایک مرتبہ بندہ حضرت سے اجازت لے کر مدینہ منورہ سے حجاز ریلوے

---

[1] تاریخ مظاہر جلد دوم صـــــ بیاض حضرت شیخ زید مجدہٗ [2] تذکرۃ الخلیل صـ ۳۷۸

www.abulhasanalinadwi.org

میں دمشق چلا گیا مدنی اسٹیشن تک حضرت پہونچانے آئے اور جس وقت گاڑی آجانے پر رخصتی معانقہ فرمایا تو اس حالت کو میں عمر بھر نہیں بھول سکتا کہ حضرت کی آنکھوں میں آنسو تھے اور قلب میں غیر معتدل حرکت گرامی نامہ دست مبارک کا لکھا ہوا پیچھے پیچھے پہونچا جو مجھے بیت المقدس میں ملا اس میں تحریر فرمایا تھا کہ انشاء اللہ مع الخیر منزل مقصود پر پہونچ لئے ہوں گے مگر آپ کے چلے جانے کے بعد سے میں تو بے کار محض ہو گیا[1]

از دیدہ برفتی ونہ رفتی ز دل ایش

غرضکہ سفر میں حضر میں حضرت سہارنپوری مولانا میرٹھی کا بہت خیال رکھتے تھے اور انتہائی شفقت و محبت کا معاملہ کرتے تھے اس وجہ سے مولانا گنگوہ، سہارنپور، رائپور دیو بند ہر جگہ عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے۔

مولانا کا یکم شعبان ۱۳۶۰ھ مطابق ۲۵/اگست ۱۹۴۱ء بروز دوشنبہ صبح چھ بجے انتقال ہوا، مولانا کی شدید علالت کی بنا پر حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مدظلہ العالی دیو بند ہوتے ہوئے میرٹھ پہنچے تو انتقال ہو چکا تھا اور مولانا کی وصیت کے مطابق حضرت شیخ کے انتظار میں جنازہ رکھا تھا حضرت شیخ نے نماز پڑھائی اور بعد میں تدفین عمل میں آئی۔

مولانا نے اپنی یادگار میں تین فرزند چھوڑے مولانا محمود الٰہی، مولانا مسعود الٰہی حافظ مقبول الٰہی۔

مولانا عاشق الٰہی صاحب کی کئی تصانیف ہیں ان میں (۱) تذکرۃ الرشید حضرت گنگوہی کے حالات پر جو دو جلدوں میں ہے (۲) تذکرۃ الخلیل حضرت مولانا

---

[1] تذکرۃ الخلیل صد ۳۷۸

www.abulhasanalinadwi.org

خلیل احمد صاحب سہارنپوری کے حالات پر مشتمل ہے اور یہی کتاب راقم سطور کی اس کتاب "حیات خلیل" کا سب سے بڑا ماخذ ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت مولانا میرٹھی کا بڑا احسان ہے کہ انھوں نے حضرت سہارنپوری کے حالات سے دنیا کو روشناس کرایا اور اس نئی تربیت کے لئے بیش بہا معلومات فراہم کیں فجزاہ اللہ احسن الجزاء (۳) ارشاد الملوک ترجمہ امداد السلوک (۴) ترجمہ قرآن مجید۔ (۵) الاسلام (۶) سفرنامہ مصر و شام (۷) مکاتیب رشیدیہ

۵۔ مولانا فیض الحسن صاحب گنگوہی

قصبہ گنگوہ سہارنپور میں مولانا حکیم فخرالحسن نام کے ایک بڑے فاضل شخص گزرے ہیں جو مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی کے ارشد تلامذہ میں تھے نیز حضرت گنگوہی کے حدیث میں شاگرد تھے مناظرہ میں ید طولیٰ رکھتے تھے خصوصاً آریوں سے کامیاب مناظرہ کرتے تھے وہ کئی کتابوں کے مصنف بھی تھے جن میں سنن ابو داؤد کی شرح التعلیق المحمود اور تلخیص المفتاح کا حاشیہ اور سنن ابن ماجہ کا حاشیہ مشہور ہیں وہ حاذق طبیب بھی تھے اور آخر عمر میں کانپور میں طبابت کی اور وہیں سنہ ۱۳۱۵ھ میں انتقال کیا انھیں کے فرزند مولانا حافظ فیض الحسن صاحب جو حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری کی اہلیہ محترمہ کے حقیقی برادر زادے تھے ابتدائی تعلیم کے بعد کانپور میں اپنے والد کے زیر سایہ عربی تعلیم حاصل کی اور تکمیل علوم کے بعد تجارت کتب اور مطبع کا کام کانپور ہی میں شروع کیا والد ماجد کی تربیت و تعلیم کی بنا پر مولانا فیض الحسن صاحب بھی مختلف علوم و فنون میں دستگاہ رکھتے تھے اور اخلاق حسنہ سے کمال درجہ میں متصف تھے، خوش اخلاق، خوش گفتار، بلند کردار صاحب علم و عمل، حافظ قرآن اور خوش اوقات تھے یہی وجہ تھی کہ جب ایک عرصہ

کے بعد سہارنپور گئے تو اس زمانہ میں حضرت مولانا بذل المجہود کی تالیف فرمارہے تھے مولانا فیض الحسن صاحب کے پہونچنے سے حضرت مولانا بہت خوش ہوئے اور نہایت محبت سے ملے اور باوجودیکہ بھتیجے تھے اور ہر طرح چھوٹے تھے مگر حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب سے فرمایا کہ ان کو بذل المجہود کے اجزاء دیدینا یہ دیکھیں گے مولانا فیض الحسن صاحب کہتے تھے کہ

اُس وقت تک میں حضرت سے بیعت بھی نہیں ہوا تھا یہ سن کر میں پانی پانی ہوگیا اور ایک حرف بھی زبان سے نہ نکلا حضرت تو یہ فرما کر مکان تشریف لے گئے اور میں محجوب و منفعل کہ میں کیا اور میری حقیقت کیا اتنے میں مولوی زکریا صاحب مجھے وہ اجزاء دے گئے اور تعمیلا للارشاد میں میں نے کہیں کہیں سے کچھ دیکھا دوسرے دن بھرے مجمع میں مجھ سے دریافت فرماتے ہیں کیوں بھائی وہ بذل المجہود کے اجزاء دیکھے؟ میں نے عرض کیا جی ہاں جناب والا کے ارشاد کی تعمیل کردی یہ سن کر حضرت نے ایک شفقت بھری خاص نظر مجھ پر ڈالی اور دریافت فرمایا کیسے ہیں؟ میں نے یہ سمجھ کر کہ متن کی کتابت حوض میں ہوگی اور شرح بصورت حواشی حاشیہ پر جس فن سے مناسبت رکھتا تھا اس کا لحاظ رکھ کر عرض کیا کہ قدرے طویل ہیں مگر پرمنفعت ہونے میں کیا شک ہے فرمایا حامل المتن ہونے کی وجہ سے کچھ طویل تو مزور ہیں مگر عون المعبود مطبوعہ فاروقی دہلی کے طریقہ پر طبع ہوگی نہ کہ محشی ابوداؤد کے طرز پر[1]

مولانا فیض الحسن صاحب اسی سفر میں حضرت مولانا سے بیعت ہوئے اور تقریبًا ۵-۶ ہی سال میں تکمیل سلوک کرکے اجازت و خلافت سے سرفراز ہوئے یعنی جبکہ حضرت مولانا آخری سفر حج کو ۱۳۴۴ھ میں روانہ ہوئے تو مولانا کو مجاز طریقت بنایا۔

---

[1] تذکرۃ الخلیل

www.abulhasanalinadwi.org

(۶) حافظ فخرالدین صاحب پانی پتی

جناب حافظ فخرالدین صاحب پانی پت کے رہنے والے اور مدتوں ریلوے ملازم رہے ملازمت کے دوران ہی حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سے تعلق قائم کیا اور اپنی محنت و مشقت مجاہدات اور ذکر و شغل سے راہ سلوک طے کی، حضرت مولانا نے پوری توجہ کے ساتھ ان کی تربیت فرمائی اور قدم قدم پر رہنمائی کی۔

حافظ صاحب کے والد ماجد حضرت مولانا مملوک علی صاحب نانوتوی کے شاگرد رشید تھے اس وجہ سے حضرت مولانا کو ان سے بہت زیادہ تعلق تھا حافظ صاحب ایک زمانہ میں خورجہ اسٹیشن پر ملازم تھے کہ ایک مرتبہ حضرت مولانا تشریف لے گئے تو ملاقات کے وقت فرمایا حافظ جی تمھارے ساتھ تو ہمارا پرانا تعلق نکلا، حافظ صاحب نے عرض کیا! حضرت وہ کیسے؟

> فرمایا۔ تمھارے والد صاحب سے خط و کتابت رہی ہے اور معلوم ہوا کہ انھوں نے تو غدر سے پہلے مولانا مملوک علی صاحب سے تحصیلِ علم کیا ہے اور مولانا رحمۃ اللہ علیہ میرے نانا تھے[1]

حافظ صاحب میں استعداد کافی تھی اور ان کی طبیعت راہ سلوک پر خوب چلی اس لئے حضرت مولانا نے ان کی طرف پوری توجہ فرمائی وہ جب آپ سے بیعت ہوئے تو صرف تسبیحات بلا قید وقت پڑھنے کو بتلایا اور حکم فرمایا کہ اپنی حالت کی اطلاع جلد جلد اور برابر دیتے رہا کرو حافظ صاحب نے حکم پر پورا عمل کیا اور اپنے حالات و کیفیات کی برابر خبر دیتے رہے کچھ دنوں بعد حضرت مولانا نے نفی اثبات اور ایک ہزار بار اسم ذات کا ذکر تلقین فرمایا اثنائے سلوک میں ان پر ایک خاص

---

[1] تذکرۃ الخلیل ص ۳۴۹

www.abulhasanalinadwi.org

حالت۔ حزن پیدا ہو گئی نہ کھانے پینے میں جی لگتا نہ بیوی بچوں میں ہنستے بولنے کو جی چاہتا احباب سے مل کر وحشت کھاتے بڑے تنہائی پسند ہو گئے جنگل چلے جانے پر آمادہ ہو گئے ان کی اس حالت و کیفیت سے ان کے والدین بھی گھبرائے اور گھر والے بھی پریشان ہوئے والد صاحب نے حضرت مولانا کو خط لکھا اور اپنی اور والدہ کی پریشانی کا اظہار کیا حضرت مولانا نے جواب دیا کہ گھبرانے کی بات نہیں یہ حالت باقی نہ رہے گی انشاءاللہ جلد کامیابی ہو گی لیکن جب حافظ صاحب نے خود اپنا یہ حال لکھا تو ان کو جواب مرحمت فرمایا مبارک حالت ہے کہ حدیث شریف میں آیا ہے کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ متواصل الاحزان پس حزن خواہ اپنے نقصان پر ہو یا محبوب حقیقی کی مہجوری پر ہو یا خوف ورجا کی وجہ سے ہو ہر حال اچھا اور عمدہ ہے نیز ذاکر کا قلب جب ذکر کے ساتھ منصبغ ہو جاتا ہے تو لذائذ دنیویہ سے طبع میں افسردگی پیدا ہو جاتی ہے الحمد ثم الحمد کہ یہ نعمت میرے لخت جگر کو نصیب ہوئی۔[1]

ملاحظہ کیجئے کہ حضرت مولانا نے ان حالات پر حافظ صاحب کو کن پیارے الفاظ یعنی میرے لخت جگر سے یاد کیا قابل فخر ہیں ایسے مرشد اور قابل رشک ہیں ایسے مسترشد حافظ صاحب کی تربیت کرنے میں حضرت مولانا کا انداز بڑا مشفقانہ اور غائرانہ رہتا تھا حافظ صاحب چونکہ ریلوے ملازم تھے اس لئے آپ کو یہ خطرہ لاحق ہوتا تھا کہ کہیں بحیثیت ریلوے ملازم کے وہ بے ٹکٹ سفر نہ کرتے ہوں اس لئے ان کو آپ سفر میں ساتھ لیتے تو گیٹ پر بھیج کر آپ کو آگے کر دیتے کہ چلو اور بغور دیکھتے کہ ٹکٹ دیا ہے کہ نہیں۔

غرضکہ حافظ صاحب کئی سال تک مختلف احوال و کیفیات سے گزرتے رہے اور جب ان میں حضور مع اللہ کی کیفیت پوری طرح پیدا ہو گئی اور حضرت مولانا کو ان کے رفیع حالات پر اطمینان ہو گیا تو آپ نے مولانا محمد یحیٰی صاحب کے ہاتھ سے اجازت نامہ

---

[1] تذکرۃ الخلیل صفحہ ۴۲۰ - ۴۲۱

www.abulhasanalinadwi.org

لکھواکر بھیج دیا اور ان کو بیعت کرنے اور دوسروں کی اصلاح کرنے کا مجاز فرمایا۔

حافظ صاحب کو حضرت مولانا سے بہت زیادہ تعلق تھا وہ گویا سراپا عشق و محبت تھے۔ بڑے ذاکر شاغل اور پابند اوقات تھے قرآن کریم سے اتنا شغف تھا کہ روزانہ ایک قرآن مجید ختم کرلیا کرتے تھے۔ بڑے سادہ طبیعت اور منکسر المزاج تھے تکبر و غرور نام کو نہ تھا راقم سطور نے بھی ان کی بارہا زیارت کی ہے۔

حافظ صاحب کو حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کاندھلوی کے گھرانے سے بہت ربط تھا اور وہ آخر تک رہا نظام الدین برابر آتے جاتے تھے اور کاندھلہ کے اس گھرانے سے گھر جیسا معاملہ کرتے تقسیم ہند کے وقت جب کہ راستے مسدود تھے آپ نظام الدین آئے بغیر چین نہ پاتے آخر عمر میں پیچش کی شکایت ہوگئی تھی اسی مرض میں شب یکشنبہ ۲۴ شوال ۱۳۷۳ھ مطابق ۲۶ جون ۱۹۵۴ء کو انتقال کیا دوسرے دن صبح کو فتحپوری مسجد دہلی میں قاری محمد طیب صاحب نے نماز جنازہ پڑھائی اور خواجہ باقی باللہ کے قبرستان میں سپرد خاک کئے گئے۔

(۷) حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کاندھلوی

حضرت مولانا محمد الیاس ۱۳۰۳ھ میں پیدا ہوئے مولانا محمد اسماعیل صاحب کاندھلوی کے چھوٹے صاحبزادے تھے اور مولانا محمد یحییٰ صاحب کے بھائی الیاس اختر تاریخی نام تھا مولانا مظفر حسین صاحب کاندھلوی کی صاحبزادی "امی بی" جو رابعہ سیرت خاتون تھیں اور اپنے زمانہ کی نہایت عابدہ اور زاہدہ اور خدارسیدہ بی بی تھیں آپ کی نانی تھیں ان کو آپ سے انتہائی محبت تھی وہ آپ کو بچپنے ہی میں دیکھ کر فرماتی تھیں۔

"اختر مجھے تجھ سے صحابہ کی خوشبو آتی ہے۔"

آپ کا بچپن ننھیال کاندھلہ اور والد بزرگوار کے پاس بستی نظام الدین دہلی

www.abulhasanalinadwi.org

میں گزرا قرآن مجید کی تعلیم کاندھلہ میں ہوئی اور والد صاحب کے پاس قرآن شریف حفظ کیا ابتدائی کتابیں اپنے والد صاحب اور مولانا ابراہیم صاحب کاندھلوی سے پڑھیں بچپن ہی سے اکابر و مشائخ کے محبوب رہے اس لئے کہ شروع سے ہی آپ میں صحابہ کرام کے والہانہ انداز اور دینی بیقراری کی جھلک پائی جاتی تھی ۔

ابتدائی تعلیم کے بعد اپنے بڑے بھائی کے پاس گنگوہ چلے گئے یہ ۱۳۱۴ھ کا سال تھا اور حضرت گنگوہی کی بارگاہ صلحاء اور علماء کا مرکز بنی ہوئی تھی ، آپ کو ان علماء کی صحبت نصیب ہوئی خصوصاً حضرت گنگوہی کی خدمت میں ہر وقت رہنا ہوا اور حضرت کی شفقتوں سے سرفراز ہوتے رہے جس کی وجہ سے آپ کے اندر دینی جذبات کی پرورش ہوتی رہی ، تعلیم اپنے بھائی سے حاصل کرتے رہے اور صحبت حضرت گنگوہی کی میسر آتی رہی اور کچھ عرصہ کے بعد حضرت گنگوہی نے آپ کے غیر معمولی حالات وکیفیات کو دیکھ کر بیعت فرمالیا ۔

۱۳۲۳ھ میں حضرت گنگوہی کا وصال ہوا تو آپ بالیں پر موجود تھے اور سورۂ یٰسین پڑھ رہے تھے فرماتے تھے ۔

"دو ہی غم میری زندگی میں سب سے بڑھ کر ہوئے ایک والد کا انتقال ، ایک حضرت کی وفات ۔"

حدیث کی کتابیں اپنے بھائی مولانا محمد یحییٰ صاحب سے پڑھیں اور ۱۳۲۶ھ میں دیوبند جاکر حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب کے حلقہ میں بیٹھ کر بخاری اور ترمذی کی سماعت کی ۔

حضرت گنگوہی کے بعد حضرت شیخ الہند سے بیعت ہونے کو عرض کیا لیکن انکے مشورہ سے حضرت مولانا خلیل احمد صاحب نوراللہ مرقدہ سے بیعت ہوئے اور انکی ہی نگرانی میں منازل سلوک طے کئے اور نیابت و خلافت سے سرفراز ہوئے ۔

شوال ۱۳۲۸ھ میں مدرسہ مظاہر علوم میں مدرس ہوئے ۱۳۳۳ھ میں

www.abulhasanalinadwi.org

حضرت شیخ الہند اور حضرت سہارنپوری کی معیت میں پہلا حج کیا، ۱۳۳۴ھ میں اپنے بھائی مولانا محمد یحییٰ صاحب کے انتقال کا بڑا اثر لیا اور اس چوٹ کا درد محسوس کیا اس کے بعد متواتر والدہ صاحبہ کا انتقال ہوا اور بڑے بھائی مولانا محمد صاحب جو بستی نظام الدین میں اپنے والد ماجد کی جگہ دعوت و تبلیغ کا کام انجام دے رہے تھے وفات پاگئے، اس بنا پر اہل تعلق نے اصرار کیا کہ آپ مدرسہ چھوڑ کر اپنے والد اور بھائی کی جگہ نظام الدین تشریف لاکر تبلیغ و دعوت کا کام کریں آپ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب کی اجازت پر بستی نظام الدین تشریف لے گئے یہ زمانہ بڑی تنگدستی اور عسرت کا تھا، اکثر اوقات فاقے ہوتے تھے مولانا کا یہ دور بڑے مجاہدے، جفاکشی اور ریاضت کا گزرا۔

میوات جو دہلی کے قریب مسلمان میواتیوں کا ایک بڑا زرخیز علاقہ ہے، میواتی مدتوں سے دینی تعلیم سے ناآشنا تھے اور تھوڑا بہت تعلق آپ کے والد اور بھائی سے رکھتے تھے وہ میوات دعوت و تبلیغ کا مرکز بنا اول اول آپ نے اس علاقہ میں مکاتب قائم کئے اور میوات جانا شروع کیا اس طرح میوات کے لوگوں کو آپ سے گہرا تعلق قائم ہوگیا اور وہ لوگ آپ کی خدمت میں آنے جانے لگے، آپ نے ان کے نزاعات اور جھگڑوں کو اپنی حکمت اور روحانیت سے ختم کیا اور پھر ان میں ایک عوامی دینی تحریک چلائی جو آگے چل کر ایک منظم اور کامیاب تحریک بن گئی۔

۱۳۴۴ھ میں علماء اور مشائخ کی ایک جماعت کے ساتھ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب نور اللہ مرقدہٗ میوات تشریف لے گئے شرکاء کا بیان ہے کہ انسانوں کا ایک جنگل تھا جو اس علاقہ میں جمع تھا۔

۱۳۴۴ھ ہی میں اپنے مرشد و شیخ کی معیت میں دوسرا حج کیا حج سے واپسی پر پوری تندہی سے تبلیغی کام میں لگ گئے اور آپ کی مسلسل کوششوں سے ایسا نظام بنا کہ میوات میں ایک وقت میں گشت، ایک وقت میں اجتماع، ایک وقت میں

www.abulhasanalinadwi.org

تعلیم عام ہونے لگی اور ہر وقت دعوتی سفر ہونے لگے اور جماعتیں پھر پھر کر تبلیغی کام کرنے لگیں گویا کہ تبلیغی جماعت ایک چلتی پھرتی خانقاہ، متحرک دینی مدرسہ، اخلاقی اور دینی تربیت گاہ بن جاتی تھی۔

۱۳۵۱ھ میں تیسرا حج فرمایا اور حج سے واپسی پر میوات کے دو دورے کئے جو تبلیغی کام کے لئے انتہائی مفید اور مؤثر ثابت ہوئے پورے میوات میں جماعتوں کا ایک جال بچھا دیا۔

۱۳۵۶ھ میں آپ نے آخری حج کیا اس حج میں جہاز سے لے کر حجاز تک تبلیغ و دعوت کا بڑا چرچا ہوا اہل عرب نے اس کو سنا اور سراہا حج سے واپسی پر اس مبارک کام میں آپ نے اپنی ساری متاع زندگی لگا دی، میواتیوں کی جماعتیں مختلف صوبوں اور شہروں میں بھیجیں، اس کے علاوہ ہندوستان کے مختلف عربی مدارس کے طلباء اور علماء نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے اپنے مقامات پر کام شروع کیا۔

۱۳۶۰ھ میں قصبہ نوح (میوات) میں ایک بڑا تبلیغی اجتماع کیا میوات کی سرزمین میں اس سے پہلے اتنا بڑا اجتماع نہیں ہوا تھا، یہ انسانوں کا جنگل ایک جلسہ بھی تھا ایک خانقاہ بھی اور ایک مدرسہ بھی اس اجتماع کے بعد میواتی، دہلی کے تاجر، مدارس کے علماء کالجوں کے طلباء اور استاذ باہم مل کر جماعتیں بنا بنا کر ہندوستان کے مختلف علاقوں میں پھرنے لگے۔

۱۳۶۲ھ میں آپ ایک بڑی جماعت کے ساتھ لکھنؤ تشریف لائے، اور دارالعلوم ندوۃ العلماء کے مہمان خانہ میں کئی دن قیام فرمایا جس سے لکھنؤ کی فضا دعوت و تبلیغ کی آواز سے گونج اٹھی اور سوتا ہوا شہر صدائے ایمان و یقین سے جاگ اٹھا۔

مسلسل دعوت نے، پیہم دوروں نے، بے انتہا مجاہدوں نے آپ کو بیمار کر دیا

www.abulhasanalinadwi.org

اور کام کی بے چینی اور مسلسل بیقراری نے اندر اندر آپ کو گھلا دیا، آپ لاغر ہوئے اور ایسے ہوئے کہ صاحب فراش ہو گئے، دو آدمیوں کے سہارے جماعت میں شریک ہوتے کبھی کبھی غفلت ہونے لگی اور دورے پڑنے لگے جب بھی ہوش آتا تو دین کی وہی بیقراری سامنے آجاتی ایک بار دو گھنٹے کی غشی طاری ہوئی یکایک آنکھیں کھلیں تو زبان پر یہ کلمات جاری تھے الحق یعلو ولا یعلیٰ پھر ایک وجد کی کیفیت طاری ہو گئی پھر تین دفعہ فرمایا کان حقا علینا نصر المومنین، پھر کچھ دیر کے بعد فرمایا کاش علماء اس کام کو سنبھال لیتے اور پھر ہم چلے جاتے۔

زندگی کی آخری شب میں جو ۲۱ رجب ۱۳۶۳ھ کو تھی اپنے صاحبزادے مولانا محمد یوسف صاحب کو بلایا اور فرمایا یوسف آ مل لے ہم تو چلے اور صبح کی اذان سے پہلے جان جاں آفریں کے سپرد کر دی۔

آپ کی جسمانی یادگار تو صاحبزادے مولانا محمد یوسف صاحب تھے ہی جنھوں نے اپنے والد کے نقش قدم پر چل کر تبلیغ و دعوت کی اس تحریک کو ہندوستان گیر سے عالمگیر بنایا اور دنیا کے ہر ہر خطہ میں پہونچایا وہ بھی ۱۳۸۵ھ میں اپنے والد ماجد سے جا ملے، روحانی یادگار دو عالمگیر تحریک تبلیغ ہے جو اس وقت کروروں انسانوں کی فلاح و بہبود کا ذریعہ بنی ہے اور برابر اس میں وسعت پیدا ہوتی جا رہی ہے آپ نے اپنے انتقال سے پہلے فرمایا تھا۔

"لوگ آدمی چھوڑ کر جاتے ہیں میں اپنے پیچھے الحمد للہ پورا ملک چھوڑ کر جا رہا ہوں۔"

www.abulhasanalinadwi.org

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی دامت برکاتہم[1]

از

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی دامت برکاتہم و مد فیوضہم، حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب کاندھلوی کے فرزند ارجمند ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ توفیق مرحمت فرمائی کہ اپنے والد نامدار کے شروع کیے ہوئے کام کو باحسن وجوہ اتمام تک پہنچائیں اپنے شیخ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے علوم و معارف اور ان کی تقریرات کو مرتب و منقح کریں اور اس میں خود اپنی تحقیقات عالیہ اور مطالعہ اور غور و فکر سے نئے اور بیش قیمت مباحث اور مضامین کا اضافہ بھی فرمائیں۔ آج حضرت شیخ کی ذات گرامی برصغیر ہند و پاک میں علم حدیث کا مرکز و مرجع اور سرچشمۂ رشد و ہدایت ہے۔ آپ کی وجہ سے اس میں نئی زندگی اور نئی تازگی و رعنائی نظر آتی ہے اور آپ کے بابرکت وجود سے انقطاع الی العلم، علوہمت، مجاہدہ و ریاضت، عزیمت و استقامت، قوت ارادی، متاع دنیا سے کنارہ کشی و بے رغبتی، مطالعہ میں استغراق و انہماک، تصنیف و تالیف اور تعلیم و تدریس کے

---

[1] خال مکرم مولانا سید ابوالحسن صاحب ندوی مدظلہ نے حضرت شیخ الحدیث دامت برکاتہم کے حالات مقدمہ اوجز المسالک (عربی) میں تحریر فرمائے ہیں، وہ بہت مناسب اور موزوں طرز پر ہیں، یہاں پر بھی وہی حالات پیش کرنا مفید اور مناسب معلوم ہوا، برادر عزیز مولوی سید محمد الحسنی مدیر البعث الاسلامی نے اس کا ترجمہ کر دیا ہے اور مولانا مدظلہ نے اس پر نظر ثانی فرما کر مزید اضافہ فرما دیا ہے، اب کتاب کو اسی مضمون پر ختم کیا جا رہا ہے۔ نفع اللہ بہا المسلمین

www.abulhasanalinadwi.org

اشتغال لایعنی ... فضا [illegible] نفس [illegible] و فراخی قلب

[illegible] کاموں اور کمتر درجہ کے کاموں سے [illegible] پر ہیز، مکارم اخلاق، سماحت [illegible]

کا [illegible] کا اعتبار و وقار قائم ہے، آپ نے جتنے متنوع اور بعض اوقات متضاد کاموں اور مشغولیتوں اور مختلف ذوق رکھنے والے افراد اور جماعتوں کو یکجا کیا ہے اور ان سب کا جس طرح حق ادا فرماتے ہیں وہ کوئی معمولی درجہ کی بات نہیں ہے۔

یہ عزیمت و جامعیت کا وہ مقام بلند ہے جس کی توفیق تاریخ اسلام کے طویل وقفوں میں مخصوص عالی ہمت اور قدسی نفوس بزرگوں کو ہوئی ہے۔ آپ علم و دین کے ایک ایسے ممتاز گھرانہ بلکہ گہوارہ میں پیدا ہوئے اور پلے بڑھے جس کے افراد اور نامور اسلاف عالی ہمتی، مجاہدہ و ریاضت، دین پر صلابت، حفظ قرآن سے شغف اور علوم دینیہ کے ذوق و طلب میں ہمیشہ ممتاز رہے ہیں۔ اس زریں سلسلہ کے اولین بزرگوں میں علامہ مفتی الٰہی بخش کاندھلوی (۱۱۶۲ھ – ۱۲۴۵ھ) تلمیذ حضرت شاہ عبدالعزیزؒ و خلیفہ حضرت سید احمد شہیدؒ تھے اور دور آخر کے یادگار بزرگوں میں حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کاندھلویؒ (بانی جماعت تبلیغ) ہیں، ان کے علاوہ خاندان کے بہت سے دوسرے افراد نے علوم دینیہ کے احیاء، دعوت الی اللہ اور جہاد فی سبیل اللہ کی شمع روشن رکھی آپ کے جد امجد مولانا محمد اسماعیل صاحب (م ۱۳۱۵ھ) ان لوگوں میں ہیں جن کے اخلاص، صلاح و تقویٰ اور زہد و ورع پر سب کا اجماع اور اتفاق ہے۔

آپ کی ولادت ۱۲ رمضان المبارک ۱۳۱۵ھ کو کاندھلہ میں ہوئی اور علم و دین کی غذائے لطیف پر آپ کی پرورش ہوئی بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ وہ آپ کی گھٹی میں شامل اور خمیر میں داخل تھا، صلاح و تقویٰ اور عفاف و پاکیزگی کے سایہ میں آپ پروان چڑھے اور نہایت حکیمانہ اور دقیق تربیت و نگرانی میں زندگی کا یہ اہم اور ابتدائی دور گزارا، بچپن ہی میں آپ گنگوہ بھیج دیے گئے تھے، جہاں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ (جن کا آپ کے والد ماجد سے خصوصی تعلق تھا) کے سایہ عاطفت اور دامان شفقت میں آپ کا نشو و نما ہوا اور آپ انکی گود میں کھیلے اور پلے بڑھے، آپ نے شعور کی آنکھیں کھولیں تو محبت و شفقت کا یہ ماحول اپنے چاروں طرف پایا، جب آپ کی عمر آٹھ سال کی ہوئی تو مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے انتقال فرمایا۔ لیکن

www.abulhasanalinadwi.org

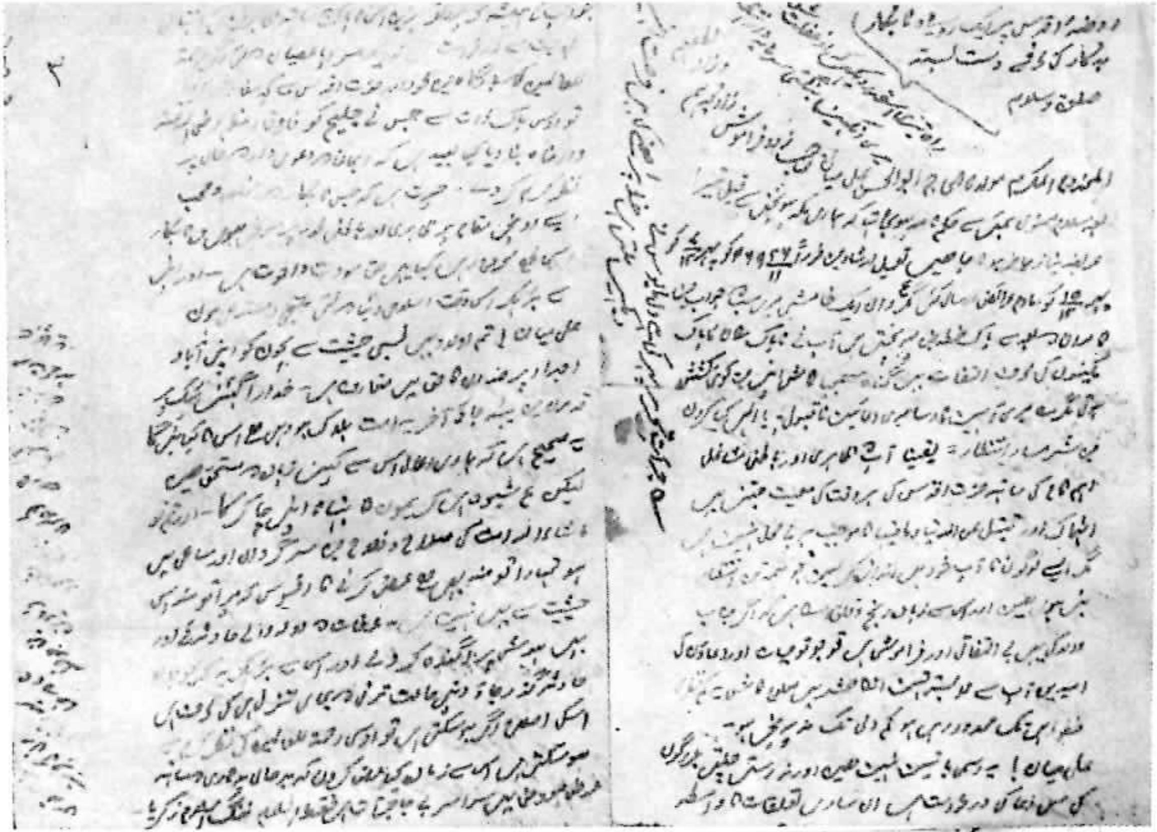

عکس مکتوب حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب زید مجدہ بنام سید ابو الحسن علی ندوی ناظم ندوۃ العلماء

www.abulhasanalinadwi.org

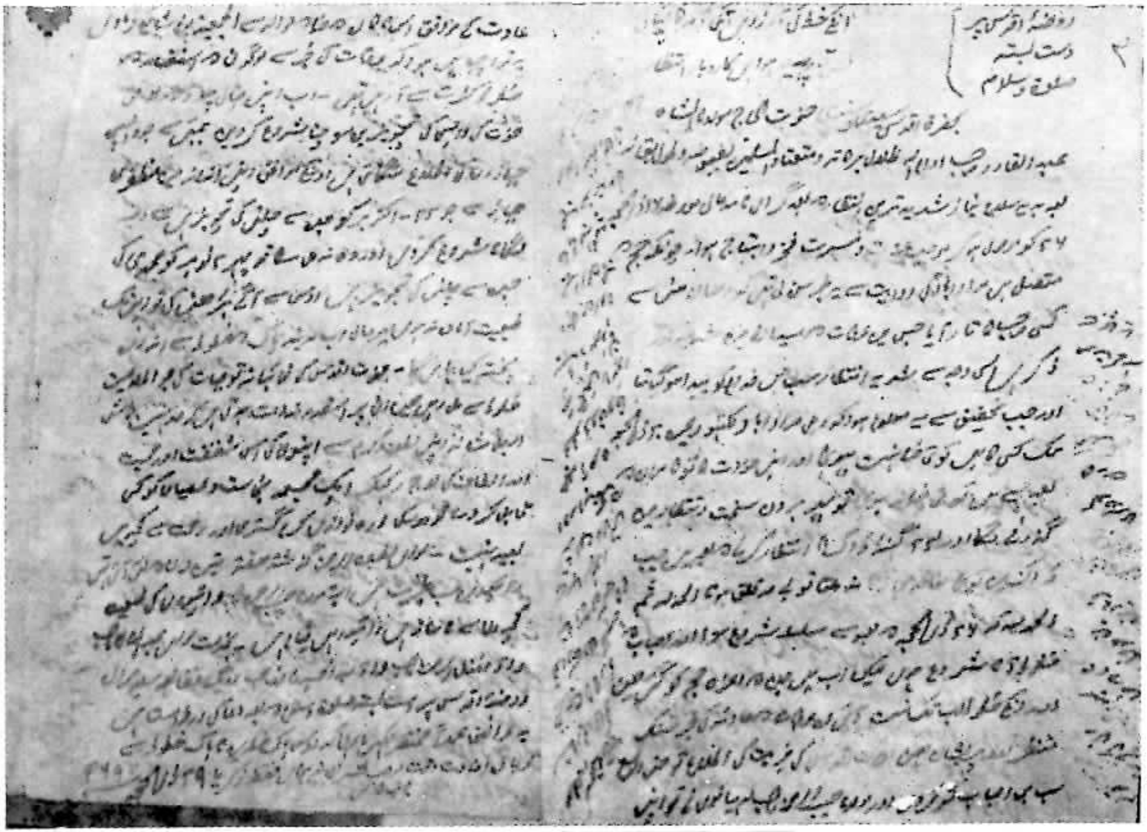

عکس مکتـ ... الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب زید مجدہ بنام حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری

www.abulhasanalinadwi.org

آپ اٹھارہ سال کی عمر تک گنگوہ ہی میں رہے اور وہ دینی و علمی ماحول آپ کو حاصل رہا جس کی نظیر اس زمانہ میں کسی اور جگہ نہ تھی، اس ماحول میں ایک طرف اتباع سنت کا بہت اہتمام تھا دوسری طرف ملک میں جو فساد اور بگاڑ بڑھ رہا تھا اس سے یہ ماحول دور اور محفوظ تھا، آپ کے والد ماجد کو آپ کی تربیت کا بڑا خیال تھا اور وہ آپ کی ہر نقل و حرکت، اور چھوٹی بڑی چیز پر پوری نظر رکھتے تھے اور عزیمت کی سطح سے نیچے آنا آپ کے لیے پسند نہ فرماتے، اور اس کی کوشش کرتے کہ علم میں انہماک اور بزرگوں کی صحبت میں حاضری اور یکسوئی آپ کو حاصل رہے، اور لوگوں سے میل جول کم سے کم ہو، آپ کے والد کو تعلیم سے زیادہ آپ کی تربیت کا اہتمام تھا، اردو فارسی کی ابتدائی کتب آپ نے اپنے عم نامدار مولانا محمد الیاس صاحب سے پڑھیں، اور قرآن مجید حفظ کیا۔

۱۳۲۸ھ میں آپ اپنے والد کے ساتھ سہارنپور آگئے، جو اس وقت بڑا علمی و دینی مرکز تھا یہاں آپ ہر طرف سے یکسو ہو کر اور جان و دل کے ساتھ حصول علم میں لگ گئے، آپ نے حدیث اپنے والد صاحب سے شروع کی اور بڑے اہتمام اور تیاریوں سے اس کا آغاز ہوا، سبق کے ختم پر آپ نے بہت اہتمام سے دیر تک دعا کی اور وہی وہ پہلا دن تھا جب حدیث کا ذوق آپ کے تمام اذواق پر غالب آگیا اور آپ کو سب سے زیادہ دلچسپی اسی سے پیدا ہو گئی، یہاں تک کہ وہ آپ کا شعار اور [illegible] کے نام کا جز بن گیا اور آخر میں شیخ الحدیث کے نام سے آپ ہر جگہ معروف و مشہور ہوئے۔ [illegible]نے ۱۳۳۳ھ میں صحاح ستہ (سنن ابن ماجہ کو چھوڑ کر) اپنے والد سے پڑھیں، پھر ۱۳۳۴ھ میں [illegible]ح بخاری اور ترمذی اپنے استاد اور مرشد و مربی حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری (جن کا خلیفہ [illegible]ہونا اور فیضان علم معرفت کا واسطہ ہونا آپ ہی کی قسمت میں تھا) سے پڑھیں۔ اس کا سلسلہ [illegible]ضرت مولانا خلیل احمد صاحب ہی کی خواہش و ایما سے شروع ہوا تھا، اس لیے کہ مولانا کو سعادت [illegible]نجابت، صدق طلب، اور علو ہمت کے آثار اپنے تلمیذ رشید میں صاف نظر آ رہے تھے نیز آپ کے والد صاحب سے بھی حضرت سہارنپوری کا گہرا تعلق اور ارتباط تھا جو اس کا سبب بنا ہوگا۔ آپ نے یہ پوری مدت درس و مطالعہ میں کامل انہماک اور یکسوئی میں گزاری اور صرف درجہ کے اسباق، اسباق کی تیاری، حدیث کے مآخذ و مراجع اور کتابوں سے واسطہ رکھا۔

www.abulhasanalinadwi.org

آپ کی ایک بڑی خصوصیت اور خوش نصیبی کی بات یہ تھی کہ جب آپ کے شیخؒ نے سنن ابی داؤد کی شرح لکھنی چاہی، تو اس میں آپ کو اپنا دست راست بنایا، یہ آپ کے عروج و اقبال کا وہ آغاز تھا جس سے آپ درجۂ کمال تک پہونچے اور شیخؒ کی نگاہ میں وہ خصوصیت آپ کو حاصل ہوئی جو پھر کسی اور کو نہ ہو سکی۔ مولانا خلیل احمدؒ صاحب آپ کی رہنمائی کرتے اور ان مآخذ اور مراجع سے آپ کو آگاہ کرتے جہاں سے مواد مل سکتا ہے، شیخ الحدیث ان کتابوں سے معلومات لے کر اکٹھا کرتے اور ان کو مرتب کر کے اپنے شیخؒ کی خدمت میں پیش کرتے، پھر وہ اس میں سے جو چاہتے لیتے اور جو چاہتے چھوڑ دیتے، پھر اس کے بعد آپ اپنے حواشی املا کراتے اور حضرت شیخ الحدیث اس کو لکھتے۔ اس طرح بذل المجہود فی شرح ابو داؤد پانچ ضخیم جلدوں میں تیار ہو گئی[1]، اسی محنت و کوشش نے آپ کے اندر تصنیف و تالیف کا خاص ذوق اور ملکہ پیدا کر دیا اور فن حدیث پر آپ کی نظر بہت گہری اور وسیع ہو گئی، پھر آپ نے اس کی طباعت و تصحیح میں جو سعی بلیغ فرمائی اس کی وجہ سے آپ کو اپنے شیخؒ کی رضا و خوشنودی اور اعتماد حاصل ہوا، اور آخر میں خلافت و نیابت اور مقبولیت و مرجعیت کی وہ دولت حاصل ہوئی جو عالم آشکارا ہے اور علمی و دینی خدمات، ارشاد و تزکیہ اور مکارم اخلاق کی توفیق آپ کو حاصل ہوئی جس کا دریائے فیض الحمد للہ اسی زور و شور سے جاری ہے۔

محرم ۱۳۳۵ھ کے شروع میں آپ اسی مدرسہ مظاہر علوم میں جس میں آپ کے شیخ تدریس کے فرائض انجام دے رہے تھے (اور جس میں آپ کے والد بھی مدرس رہ چکے تھے) بہت قلیل مشاہرہ پر مدرس مقرر ہو گئے۔ اس وقت تمام اساتذہ میں آپ سب سے کم عمر تھے لیکن اس کے باوجود وہ اہم کتابیں جو اکثر نوجوان اساتذہ کو نہیں ملتیں آغاز تدریس ہی میں آپ کو مل گئیں، غرض اسی طرح آہستہ آہستہ بخاری شریف کے بعض اجزا آپ کے ذمہ کیے گئے اور آپ نے اس موقع پر اپنی لیاقت و استحقاق اور تدریس کی قابلیت کا پورا ثبوت دیا،

---

[1] اب وہ عربی ٹائپ میں بیس جلدوں میں مصر سے شائع ہوئی ہے۔

www.abulhasanalinadwi.org

یہاں تک کہ آپ صدر مدرس اور اس کے بعد شیخ الحدیث کے منصب جلیل پر فائز ہوئے آپ کا زیادہ تر اشتغال سنن ابی داؤد سے رہا اور حدیث میں بخاری شریف کے نصف ثانی کی تدریس بھی آپ کے ذمہ تھی، ناظم مدرسہ مولانا عبداللطیف صاحب کے انتقال کے بعد صحیح بخاری مکمل آپ کے سپرد کر دی گئی، اور ضعف بصارت اور امراض کے تسلسل کے باوجود طویل عرصہ تک آپ کا اسی سے اشتغال رہا، آخر کار ۱۳۸۸ھ میں تعلیمی سال کے آغاز پر آپ نے اس سے معذوری ظاہر فرمائی۔

مدرسی کی تنخواہ آپ نے کبھی قبول نہ کی، جب آپ کے شیخ و مرشد نے یہ حکم دیا کہ آپ یہ رقم لے لیں اور اس کو دوسرے حج (۱۳۴۴ھ جس میں آپ اپنے استاذ کے معاون و رفیق کار کی حیثیت سے بذل المجہود کی تکمیل کے لیے تشریف لے گئے تھے) خرچ کریں تو آپ نے تعمیل ارشاد میں اس کو قبول تو کر لیا لیکن بعد میں پھر کل رقم مدرسہ میں داخل کر دی۔ اس طرح حدیث کی یہ خدمت اس پورے طویل عرصے تک آپ نے بلا معاوضہ اور خالصۃً اجر و ثواب کی نیت سے انجام دی اور اس کا مادی بدلہ قبول کرنے کے بھی روادار نہ ہوئے۔ دو مرتبہ آپ کو دوسری جگہوں سے بڑے گرانقدر مشاہرہ پر مدرسی کی پیش کش ہوئی جو اس بطائے نام تنخواہ سے بہت زیادہ تھی اور اخلاص و عالی ہمتی کے اس سخت امتحان سے آپ کو گزرنا پڑا، اس لئے کہ یہ وہ پیش کش تھی جس کے بہت سے لوگ دل و جان سے متمنی تھے، لیکن آپ نے پورے عزم و استقامت اور یقین و اعتماد کے ساتھ اس سے معذرت کر دی، اس کا صلہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو پھر ایسا دیا جس کا شاید تصور بھی اس وقت آپ کو نہ آتا ہوگا اور ہر طرح کے انعامات و الطاف سے آپ کو سرفراز فرمایا۔

۱۳۴۴ھ کا یہ سفر حج جس میں آپ اپنے استاذ و شیخ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ کے رفیق تھے، مولانا کا آخری سفر تھا اور سفر آخرت کا پیش خیمہ، اسی سفر میں بذل المجہود کی آپ نے تکمیل فرمائی اور اسی سفر میں آپ کو اپنے شیخ سے اجازت عامہ اور خلافت مطلقہ حاصل ہوئی، اسی سفر میں مدینہ طیبہ میں قیام کے دوران آپ نے مؤطا کی شرح

اوجز المسالک کی تالیف کا آغاز فرمایا، اس وقت آپ کی عمر انتیس ۲۹ سال تھی۔ آپ نے مسجد النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں اقوامِ عالیہ کے قریب اس مبارک کام کا آغاز کیا، اللہ نے اس میں ایسی برکت عطا فرمائی کہ چند ماہ کے اندر آپ نے اتنا کام کر لیا جو ہندوستان میں کئی سال میں نہ ہو سکا تھا، ابوابِ صلوٰۃ تک کرنے کے بعد واپسی ہوئی اور ہندوستان میں بھی طویل وقفوں کے ساتھ کام جاری رہا، یہاں تک کہ چھ ضخیم جلدوں میں اس کی تکمیل ہوئی۔

ہندوستان آپ بڑی عزت و نیک نامی اور سرخروئی کے ساتھ اور ساتھ ہی بہت سی ذمہ داریوں کا بوجھ لیے واپس تشریف لائے، اس وقت سب کی نگاہیں آپ ہی کی طرف اٹھی ہوئی تھیں، اور قلوب آپ کی طرف مائل تھے، اس وقت آپ پوری ہمت، دلجمعی اور یکسوئی کے ساتھ اپنے تدریسی و تصنیفی کام میں مشغول ہوئے، مولانا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۳۴۶ھ میں حجاز ہی میں وفات پائی اور یہ مسندِ ارشاد و تدریس، درسِ حدیث، مسترشدین و مریدین کی تربیت و نگرانی، ملک کے مختلف دینی مراکز سے تعلق و رابطہ، دینی و تبلیغی جماعتوں کے ساتھ خصوصی توجہ کا یہ اہم کام آپ کی ذات سے متعلق ہو گیا، چنانچہ آپ کا دولت خانہ علماء و طلباء اور مختلف النوع مہمانوں کا مرکز ہے۔ جو اکثر متضاد خیالات رکھنے والے اور مختلف مکاتبِ فکر سے تعلق رکھتے ہیں، لیکن آپ کی جامعیت و اعتدال، توازن اور اصابتِ رائے کی وجہ سے مختلف ذہن و مزاج کے یہ لوگ ایک زنجیر میں پیوست ہیں، آپ کا وسیع دسترخوان اس قسم کے تمام حضرات کے لیے ہمیشہ لگا رہتا ہے اور اس میں ہر طبقہ اور ہر صنف کے افراد نظر آتے ہیں اس کے باوجود آپ کے اوقات اور اشغال و معمولات میں کوئی فرق نہیں آتا اور تصنیف و تالیف کا کام بھی برابر جاری رہتا ہے، ہر آنے والے مہمان سے آپ اسی خندہ پیشانی اور خوش مزاجی سے ملتے ہیں اور ہر شخص کے ساتھ اس کی حسبِ حیثیت معاملہ فرماتے ہیں اور کسی کے اکرام و ضیافت میں ذرا کمی نہیں ہوتی، مہمانوں کی کثرت اور ان کے حقوق کی ادائیگی آپ کے مطالعہ اور تصنیفی کام پر اثر انداز نہیں ہوتی اور مطالعہ و تصنیف میں انہماک اور ذوقِ علم اور خلوت پسندی بشاشت و اخلاق، اور لطف و محبت، خوش طبعی و دلنوازی میں حائل نہیں ہوتی جو سب کے حال پر رہتی ہے

www.abulhasanalinadwi.org

اور یہ تمام چیزیں آپ کی دعا و توجہ، یکسوئی، مراقبہ، عبادت و مناجات، مریدین کی تربیت و اصلاح، تبلیغی جماعت کی سرپرستی اور اصلاحی رسائل اور کتابوں کی تصنیف و تالیف میں کوئی دشواری پیدا نہیں کرتیں جو آپ نے نہایت آسان اور شیریں زبان میں تحریر فرمائے ہیں اور جو اس قدر مقبول ہوئے ہیں کہ انکی مثال ماضی قریب کی تاریخ میں ہمیں کہیں اور نہیں ملتی، ان کے اتنے ایڈیشن شائع ہوئے کہ ان کا شمار مشکل ہے، مشکل سے کوئی دینی گھرانہ آج اس دولت سے خالی ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف انجذاب کلی، انقطاع و تبتل کے شدید جذبہ، خلق سے وحشت، خالق سے انس، عبادت کے ذوق اور دعا و مناجات کی کیفیت اور اس قدر قوی نسبت کے ساتھ ان تمام پہلوؤں کی رعایت اور یہ جامعیت اور اعتدال اور پریشان خاطری اور فکرمندی کے اتنے سامان کے ساتھ ساتھ یہ جمعیت باطنی صرف اللہ تعالیٰ کے ان خاص بندوں کا حصہ ہے جن سے وہ کوئی بڑا کام لیتا ہے اور ان کے انفاس قدسیہ کی برکت سے ایک عالم کی اصلاح ہوتی ہے۔

ضعف و معذوری سے پہلے آپ کے معمولات یہ تھے کہ فجر کی نماز پڑھ کر آپ تھوڑی دیر اپنے اوراد و اذکار میں مشغول رہتے تھے، پھر اپنے دولت خانہ پر تشریف لے جاتے تھے اور مہمانوں کے ساتھ چائے نوش فرماتے تھے۔ اس وقت حاضرین کی تعداد اکثر خاصی ہوجاتی تھی، پھر اپنے مطالعہ کے کمرہ میں تشریف لے جاتے تھے، اس وقت صرف وہ لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوسکتے تھے جن کو آپ خود طلب فرماتے یا ان کو کسی شدید ضرورت کی بنا پر یا اسی وقت ملنا اور رخصت ہونا ہوتا، آپ کا یہ حجرہ جس میں آپ تصنیف و تالیف میں مشغول ہوتے تھے، اتنا سادہ اور سامان و آرائش سے خالی ہوتا تھا کہ اس کو دیکھ کر اسلاف کی یاد تازہ ہوتی ہے، اس وقت کسی کا بے ضرورت آنا آپ کو بہت شاق ہوتا تھا، دوپہر کا کھانا آپ سب کے ساتھ نوش فرماتے، اس وقت بھی مہمانوں کی بڑی تعداد شریک طعام ہوتی، موانست اور تلطف کا معاملہ کھانے کے دوران برابر جاری رہتا، آپ اپنے مہمانوں کا خاص طور پر اکرام فرماتے اور ان کی مرغوب اشیاء خود پیش کرتے، یہ محفل بھی بڑی باغ و بہار ہوتی، کھانے سے فراغت پر آپ آرام فرماتے، ظہر کی نماز کے بعد خطوط کے جوابات لکھواتے جن کی تعداد اکثر ۴۰۔۵۰ کے درمیان ہوتی پھر درس کے لیے تشریف لے جاتے اور عصر کی نماز سے قبل دو گھنٹہ تک اس کا سلسلہ رہتا، عصر کی نماز کے بعد عام مجلس

www.abulhasanalinadwi.org

ہوتی اور چائے کا دور چلتا، ایک نووارد کو یہ منظر دیکھ کر ایسا محسوس ہوتا کہ جیسے وہ کسی چھوٹے موٹے جلسہ میں ہے اور کوئی نئی تقریب ہے، حالانکہ یہ روز کا معمول تھا، نماز مغرب کے بعد دیر تک نوافل و اوراد میں مشغول رہتے، رات کا کھانا عام طور پر تناول نہیں فرماتے، البتہ کسی مہمان خصوصی کے اعزاز میں برائے نام نوش فرما لیتے۔

آپ میانہ قد وجیہ اور خوبصورت ہیں، رنگ سرخ و سفید ہے، رخسار انار کی مانند، بہت سرگرم و نشیط سستی آپ کو چھو کر نہیں گزری، باغ و بہار طبیعت کے مالک، خوش اخلاق اور مہمان نواز، مجلس میں مہمانوں سے ہنسنے ہنسانے کی دلچسپ باتیں کرتے ہیں، چشم پُر آب رہتی ہے، اور جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرامؓ یا اولیاء امت کا تذکرہ، یا کوئی مناجات اور شوقیہ اشعار پڑھے جائیں تو اس وقت ضبط و اخفاء حال کی کوشش کے باوجود آپ کے آنسو چھلک پڑتے اور آپ کی اس اندرونی کیفیت اور سوز و قلق کو ظاہر کر دیتے ہیں، حدیث سے اشتغال آپ کا علمی مشغلہ اور پیشہ نہیں ذوق و حال ہے جو کسی لمحہ آپ سے جدا نہیں ہوتا ہے، اور آپ اسی کے روح پرور ماحول میں رہتے اور سانس لیتے ہیں۔

آپ کے عم محترم حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے (جو آپ کے استاذ بھی تھے اور خسر بھی، اور آپ کو بیحد محبوب بھی تھے) جب ۱۳۶۳ھ میں انتقال کیا تو اس کا اثر آپ پر بہت پڑا، لیکن اہل عزیمت کی طرح آپ نے اس صدمہ کو برداشت کیا، پھر آپ کے چچازاد بھائی مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ (جو آپ کے دست و بازو اور اولاد سے زیادہ عزیز تھے اور تمام مسلمانوں کے لیے باعثِ برکت تھے) ۱۳۸۴ھ میں انتقال کیا، یہ دوسرا صدمہ اور سانحہ بھی آپ کے لیے بہت سخت تھا، اس کے پہلے حضرت مدنی ۱۳۷۷ھ میں اور حضرت رائپوری ۱۳۸۲ھ میں انتقال فرما چکے تھے، یہ دونوں ہستیاں آپ کو بے حد عزیز و محبوب تھیں لیکن یہ تمام حوادث اور صدمات آپ نے نہایت درجہ صبر اور تسلیم و تفویض کی شان کے ساتھ برداشت کئے، اور ان تمام حضرات کی نیابت، روحانی و علمی (جس میں مسترشدین کی نگرانی و تربیت اور علمی و دینی مراکز کی رہنمائی و نگرانی شامل تھی) آپ کے حصہ میں آئی، مجاہدہ و ریاضت، اوراد و اذکار سے اشتغال، معمولات کی پابندی، متضاد کاموں سے واسطہ، خصوصیت سے رمضان میں آپ کی مشغولیت اور روزانہ ایک قرآن مجید ختم کرنے کا معمول، شب بیداری اور بہت قلیل غذا پر قناعت اس کے علاوہ ہے۔ دوسری سب سے بڑی مشغولیت رمضان میں یہ رہتی ہے کہ سیکڑوں بندگان خدا آپ کے ہاں اکثر پورے مہینے کا اعتکاف کرتے ہیں اور وہ آپ کے مہمان ہوتے ہیں جن کی تعداد ہزار ڈیڑھ ہزار تک پہنچ جاتی ہے

www.abulhasanalinadwi.org

رمضان مبارک کے اس نورانی اجتماع کے لطف وکیف کا اندازہ اس کو ہو سکتا ہے جس کو رمضان مبارک کے دنوں میں حاضری کی سعادت نصیب ہوئی ہو۔ ان تمام باتوں کا آپ کی صحت پر اب بہت اثر پڑ چکا ہے، ضعف بصارت بھی بڑھ گیا ہے لیکن اس کے باوجود آپ الحمدللہ اسی جوش و نشاط کے ساتھ ان تمام کاموں میں مشغول نظر آتے ہیں، اور سستی و پست ہمتی کا ادنیٰ اظہار نہیں ہوتا۔

آپ کا تیسرا حج مولانا محمد یوسف صاحبؒ رحمۃ اللہ علیہ کی خواہش اور اصرار پر ۱۳۸۲ھ میں ہوا، چوتھا حج مولانا انعام الحسن صاحب کے ساتھ ۱۳۸۶ھ میں ہوا، دونوں موقعوں پر طالبین نے بہت فائدہ اٹھایا، بالخصوص پاکستان میں دور دور کے طالبین آپ کے پاس آتے، فیضیاب ہوتے، اور اسی موقعہ کو غنیمت سمجھتے۔

پانچویں بار آپ کا سفر حج (۱۳۸۹ھ) غایت درجہ اشتیاق و شوق حضوری کے ساتھ ہوا، اس نعمت عظیمہ کے شکرانہ کے طور پر آپ نے دو ماہ کے روزہ اور حتی الامکان ہمہ وقت بحالت وضو رہنے کی نذر مانی تھی، اللہ تعالیٰ نے راقم کو اس سفر حج میں ہمرکابی کی توفیق نصیب فرمائی اور آپ کے علو ہمت، قوت ارادی، بارگاہ نبوی میں آپ کے ادب، ذات نبوی سے آپ کے عشق و شیفتگی، علو استعداد نیز اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس قیام میں جن مراتب عالیہ اور دولت قرب و اختصاص سے نوازا اور سربلند و سرفراز فرمایا، اس کے عجیب مناظر اپنی آنکھوں سے دیکھے اور اسلاف کرام اور اولیا متقدمین کی یاد تازہ ہوئی، آپ سید الانبیاء کے اقدام عالیہ کے پاس مسلسل گھنٹوں ایک حالت میں مراقب رہتے اور ایسا معلوم ہوتا کہ ابھی آپ کی سیری نہیں ہوئی، یہ تمنا فرماتے کہ اسی پاک سرزمین میں آپ کو مستقل قیام کا موقع مل جائے اور یہیں سے اپنے مالک کے دربار میں حاضر ہوں، واپسی کا ذکر تک آپ کو بہت شاق ہوتا لیکن ہندوستانی مسلمانوں کے پُرخلوص اصرار نیز ان کے مخصوص مسائل کا یہ تقاضہ تھا کہ آپ انکے درمیان تشریف فرما ہوں، دینی مدارس اور تبلیغی جماعت کے لیے بھی آپ کی سرپرستی و رہنمائی بیحد ضروری تھی، چنانچہ ان تمام تقاضوں سے مجبور ہو کر آپ ۱۳۸۹ھ میں براہ پاکستان واپس تشریف لائے۔ پاکستان میں آپ پر لوگوں نے جس طرح پروانہ وار ہجوم کیا اور جس تعلق و شیفتگی اور خلوص و محبت کا مظاہرہ کیا، ایسا بہت عرصہ سے دیکھنے اور سننے میں نہیں آیا تھا۔

بالآخر حجاز مقدس کی کشش اور مدینہ کے قیام کے شوق نے غلبہ کیا اور آپ نے وہاں کے قیام کو اصل اور ہندوستان کے قیام کو (جو رمضان المبارک میں خدام و اہل تعلق کی تربیت اور ہندوستانی مسلمانوں

www.abulhasanalinadwi.org

کی معنوی تقویت کے لیے بہ مجبوری اختیار کیا جاتا ہے) ثانوی وعارضی بنانے پر مجبور کر دیا ۱۳۸۹ھ/۱۹۶۹ء سے آپنے مدینہ طیبہ میں مدرسہ علوم شرعیہ کو جو مسجد نبوی کے زیر سایہ باب النساء و باب جبرئیل سے متصل ہے اپنی مستقل قیام گاہ بنالیا، وہاں بھی ذکر و شغل مریدین کی تربیت، تصنیف و تالیف اور ڈاک کے وہی مشاغل ہیں جو آپ کی زندگی کا معمول بن گئے ہیں، پانچوں وقت مسجد نبوی میں جماعت کے ساتھ نماز ادا کرتے ہیں اور ظہر و بعد مغرب کئی کئی گھنٹہ گزارتے ہیں، عصر کے بعد حسب معمول کوئی دینی کتاب پڑھی جاتی ہے دوپہر کا کھانا تقریباً متروک ہے، عشاء کی نماز کے بعد عمومی دستر خوان بچھتا ہے، مہمانوں کی خاصی تعداد ہوتی ہے، اہل تعلق کو اس وقت بلانے اور کھانے میں شریک کرنے کا خاص اہتمام ہے، موسم حج میں یہ تعداد قدرتاً بڑھ جاتی ہے۔ پاکستان و ہندوستان کے صاحب طلب مسلمان آپکے اس قیام کو غنیمت سمجھ کر حاضر خدمت ہوتے ہیں اور استفادہ کرتے ہیں، بالعموم ماہ رجب یا اس کے آس پاس ہندوستان تشریف لے آتے ہیں اور ذی قعدہ میں واپس ہوتے ہیں، شدید ضعف اور گوناگوں معذوریوں کی وجہ سے ہر سال حج میں شریک نہیں ہو سکتے اس زمانہ میں مدینہ طیبہ کی حاضری اور وہاں کی خلوت و یکسوئی سے دل بھر کر متمتع و مستفید ہوتے ہیں۔ مختلف ممالک کے اہل علم بھی زیارت و ملاقات کا شرف حاصل کرتے ہیں۔ یہ قیام بھی دراصل اسلام کی سربلندی اور مسلمانوں کی اقبال مندی کی دعا کے لیے ہے اور آپ کے شب و روز کا بڑا حصہ ان مسائل کی فکر و دلسوزی اور اللہ تعالیٰ کے باب کرم کو کھلوانے کے لیے مسلسل دعا اور توجہ الی اللہ میں گزرتا ہے۔

یہ شعر آپ کے بالکل حسب حال ہے۔

بایں پیری رہ یثرب گرفتم — نوا خواں از سرور عاشقانہ
چو آں مرغے کہ در صحرا سر شام — کشاید پر بہ فکر آشیانہ

اطال اللہ حیاتہ ونفع الامۃ بفیوضہ -

www.abulhasanalinadwi.org